
ماہنامہ
کرن
فروری 2018
PDF
FEBRUARY 2018

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تا کہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تا کہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی **30** تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تا کہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تا کہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تا کہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آ سکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مدد گار ثابت ہوگا۔ شُکریہ



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM


TIBET
تبت
ٹالکم پاؤڈر
اب 3 نئی خوشبوؤں میں دستیاب
TIBET
Classic
Talcum Powder
TIBET
Select
Talcum Powder
TIBET
Luxury
KOHINOOR CHEMICAL CO. (PVT.) LTD.
KARACHI
کلاسِک
سِلیکٹ
لگژری
تبت ٹالکم پاؤڈر۔ صبح سے شام مہکے مہکائے



RUMATIL
درد کی
آآہ... واہ!
... بنی آرام کی
100% Natural
موچ، پٹھوں کا کھچاؤ، کمر درد، جوڑوں کے درد کے لیے
MARHABA
RUMATIL
Pain Relief Oil
50 ml
50ml.
HERBAL REMEDY
Pain Relief Oil
روماٹل
مرحبا
درد سے آرام


Medora
Perfumed Talc
خوشبو جو دل کو بھائے
تازگی جو ہر کوئی چاہے
Medora Perfumed Talc
Season
Pleasure
Cherish
Joy
Passion
Greetings
Dignity
Salute
خوشبو کی دنیا کے 8 شگفتہ احساس
MEDORA OF LONDON

بانی ــــ محمود بابر فیصل
نگران ــــ محمود ریاض
مدیرہ ــــ نادرہ خاتون
مدیر اعلیٰ ــــ عامر محمود
نائب مدیرہ ــــ شعاع عمیر
مدیرہ خصوصی ــــ امت الصبور
اشتہارات ــــ خالدہ جیلانی
قانونی مشیر ــــ نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

MEMBER
APNS
CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

حمد — محمد اعظم چشتی — 11

نعت — ادا جعفری — 11

انٹرویو

سعدیہ خان سے ملاقات — شاہین رشید — 12

آواز کی دنیا سے — شاکر حسین شاکر — 21

میری بھی سنیے — فیروز خان — 17

مقابل ہے آئینہ — قضہ نور — 26

ناول

ہوائیں رخ بدل گئیں — نگہت عبداللہ — 28

مکمل ناول

دل کو ہم نے سمجھایا — سدرۃ حیات — 49

مہجور نشیمن — مصباح علی سید — 124

مجھے اپنے رنگ میں — ام ایمان قاضی — 193

ناولٹ

کسی اجنبی سے دیار — شمائلہ دلعباد — 89

تیری چاہ میں — عائشہ تنویر — 157

مہرباں ہوا — عنبرین ولی — 232

افسانے

اُس او کے — منشا محسن علی — 43

کہو اک دن — منعم ملک — 115

فیصلہ — غزالہ عبدالکلیم — 183

وفا کے کوہ گراں — قرۃ العین سکندر — 256

آزادی — نادیہ راضی خان — 227

مثبت سوچ — ریما نور رضوان — 264

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے



مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو	شعاع عمیر	272
یادوں کے دریچے سے	بشریٰ محمود	275
مجھے یہ شعر پسند ہے	شگفتہ سلیمان	277
موتی چنے ہیں	ادارہ	281
مسکراتی کرنیں	روبینہ شریف	279
نامے میرے نام	مدیرہ کرن	283

فروری 2018

جلد 40 شمارہ 11

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com



Health

دنیا کا سب سے مہنگا زہر جس کی قیمت اربوں روپے میں ہے | World's Most Expensive Poison

computerxtech 0 Oct 03, 2017

اس ایک لیٹر زہر کی قیمت تقریباً ایک ارب 10 کروڑ پاکستانی روپوں کے مساوی ہے۔(دنیا کا سب سے مہنگا زہر بچھوؤں کی ایک World's Most Expensive Poison) قسم "ل... Readmore

---



Health

بوڑھوں کو جوان بنانے والی سائنس | Old to Young Conversion Science

computerxtech 0 Sep 11, 2017

انسان کے جسم میں خلیوں کی دو سو سے زائد اقسام پائی جاتی ہیں۔ فوٹو : فائلپچھلے سال [illegible] 20... Readmore

---



Health

صحت کے معاملے میں خواتین کی 10 سنگین غلطیاں | Ten Health Mistakes by the Women

computerxtech 0 Sep 11, 2017

خوبصورت نظر آنے کے لیے خواتین دنیا بھر کے جتن کرتی ہیں لیکن اکثر کو شکایت رہتی ہے کہ انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ فوٹو، فائلکراچی: اچھی صحت اور خ... Readmore

---



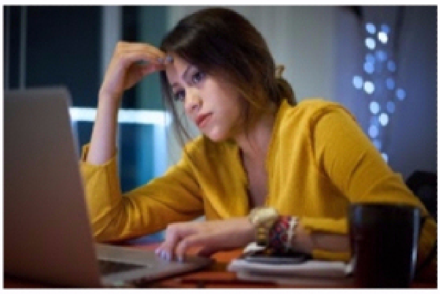
Health

ایسپرین دانتوں کو خرابی سے روک کر انہیں ازخود مرمت کے قابل بناتی ہے | Dental Treatment with Aspirin

computerxtech 0 Sep 11, 2017

کونئزیونیورسٹی کے سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ ایسپرین دانتوں کی حفاظت کرتی ہے۔ فوٹو: فائل لندن: سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ گھروں میں ... Readmore

---



Health News

فکر اور پریشانی سے نجات پانے کے تین آسان طریقے | Three easy ways to eliminate Tension

computerxtech 0 Sep 03, 2017

ماہرین نفسیات نے پریشان خیالی سے چھٹکارا پانے کے تین اہم طریقے بیان کئے ہیں۔ فوٹو: فائل لندن: ماہر نفسیات کے مطابق پریشان اور فکرمندی کی س... Readmore

---



Health News

ادرک جوڑوں کے درد کے لیے اکسیر دوا | Benefits of Ginger

computerxtech 0 Sep 03, 2017

ادرک میں کئی اجزا جلن، درد اور سوزش کو کم کرتے ہیں۔ فوٹو: فائلکراچی: ادرک کے جسمانی و طبی فوائد سے ہم سب بخوبی واقف ہیں اور اب ماہرین نے اس کے اس... Readmore



Interesting News

بچت کرنے کے 7 طریقے | Seven Methods of Savings

computerxtech 0 Oct 13, 2017

پیسہ خرچ کرنا جتنا ضروری ہے، پیسے بچانا بھی اتنا ہی ضروری ہے. یہ بچی ہوئی رقم مستقبل میں کسی آڑے وقت میں کام آ سکتی ہے. روز بروز بڑھتی مہنگائی ... Readmore

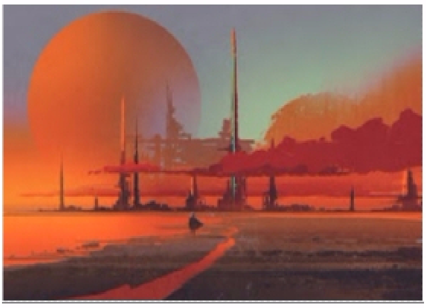


Interesting News

دنیا کے خطرناک روڈ | World's Most Dangerous Roads

computerxtech 0 Oct 02, 2017

دنیا بھر کے خطرناک ترین روڈ میں ایسی گزرگاہیں شامل ہیں جو اپنی تعمیر، محل وقوع، اونچائی، طوالت اور موسم کی وجہ سے عام سڑکوں کی نسبت مختلف ہیں.دنیا بھر... Readmore



Interesting News

عرب امارات کے حکمران کروڑوں ڈالر خرچ کرکے زمین پر مریخ بنائیں گے

computerxtech 0 Oct 01, 2017

امارات کی حکومت نے اگلے 100 سال میں مریخ پر انسانی آبادی بسانے کے منصوبے کا افتتاح کردیا. فوٹو: حکومتِ بیتِدبئی: متحدہ عرب امارات کے حکمران 15 ک... Readmore



Interesting News

کیا آپ مریخ پر جانا چاہتے ہیں ؟

computerxtech 0 Oct 01, 2017

مریخ ایک ایسا سیارہ ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ پانی کی موجودگی ہوسکتی ہے. یہی وجہ ہے کہ سرخ سیارہ انسان کی دلچسپی کا سبب بن چکا ہے فوٹو: فائلانسان چاند پر... Readmore



Interesting News

مریخ کے بارے میں 11 حیرت انگیز معلومات

computerxtech 0 Oct 01, 2017

خلائی کھوجیوں کی بڑی تعداد مریخ پر پہنچی گئی ہے اور امید ہے کہ اگر زمین کے علاوہ زندگی اسی سیارے پر ممکن ہے. فوٹو، فائلکراچی: زمین کے بعد مریخ عا... Readmore



Interesting News

اے ٹی ایم استعمال کرنے والے اسے ضرور پڑھیں اور فراڈ سے بچیں

computerxtech 0 Sep 24, 2017

سائبر لٹیرے اے ٹی ایم میں تبدیلی کرکے بھی آپ کو قیمتی سرمائے سے محروم کرسکتے ہیں. (فوٹو: فائل)کراچی: پورے ملک میں نقد رقم نکلوانے کے لیے آٹو ٹیل... Readmore

مدیرہ

اداریہ

انسانی سوچ، اس کے جذبات اور خیالات کی اپنی طاقت ہوتی ہے۔ خیالات اور سوچ مثبت ہوں تو زندگی خوشگوار اور کامیاب ہوگی۔

انسان کی سوچ اور خیالات اس کی زندگی کو ہی بدلنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس کے دوست احباب، رشتوں اور اس کے اردگرد کے لوگوں پر بھی اثرانداز ہوتے ہیں۔

انسان اپنے جذبات، خیالات اور سوچ کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتا ہے، تحریر ہو یا تقریر اظہار کا ذریعہ الفاظ ہیں۔ سخت لہجہ، حوصلہ شکن الفاظ سخت تنقید مایوسی کی طرف لے جاسکتی ہے۔ صلاحیتوں کو مفلوج کرسکتی ہے۔ میٹھے بول، محبت بھرے الفاظ، نرم لہجہ زخمی دلوں کے لیے مرہم کا کام کرتا ہے۔ زندگی سنوار دیتا ہے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتا ہے۔

جذبات میں بہہ کر، غصے میں ہم اکثر ایسی باتیں کرجاتے ہیں جو دوسروں کے دل کو تکلیف پہنچاتی ہیں۔ انہیں اذیت دیتی ہیں۔ تلوار کا زخم بھر سکتا ہے لیکن زبان کے گھاؤ کبھی مندمل نہیں ہوتے۔

انسان اپنی زبان کے پیچھے پوشیدہ ہے، اس کی گفتگو، اس کے الفاظ کا انتخاب اس کی شخصیت کا عکاس ہوتا ہے۔ اپنی سوچ اور خیالات کو مثبت رکھیں، زندگی آپ کے لیے آسان ہوگی اور آپ دوسروں کے لیے بھی آسانیاں مہیا کرسکیں گے۔

سالگرہ نمبر

مارچ کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ سالگرہ نمبر کی مناسبت سے قارئین بہنوں سے سروے بھی اس شمارے میں شامل اشاعت ہوگا۔ سروے کے سوالات یہ ہیں۔

1۔ زندگی کا ایک اور سال گزر جانے پر آپ کے کیا احساسات ہوتے ہیں؟

2۔ "کرن" پڑھنے کی ابتدا آپ نے کب سے کی؟ ماہنامہ کرن کی مصنفات نے سنہ 2017 میں اپنی تحریروں سے آپ کو کس حد تک مطمئن کیا اور آپ نے ان تحریروں سے کیا سبق حاصل کیا؟

3۔ آپ کی سالگرہ پر موبائل فون سروس بند ہو، بجلی نہ ہونے کے سبب فیس بک پر بھی رابطہ نہ ہو، تب دلی۔ جذبات و احساسات کیا ہوں گے؟

4۔ اپنے پسندیدہ اداکار و اداکارہ، سیاست دان یا شخصیت کو ان کی سالگرہ کے موقع پر آپ کیا تحفہ دینا پسند کریں گی؟

آپ بہنیں ان تمام سوالات کے جوابات اس طرح بھیجیں کہ وہ 27 فروری تک ہمیں موصول ہوجائیں۔

اس شمارے میں

- فنکارہ "سعدیہ خان" سے شاہین رشید کی ملاقات، "آواز کی دنیا"
- اداکار "فیروز خان" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"، اس ماہ "نغمہ نور" کے "مقابل ہے آئینہ"
- "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت عبداللہ کا سلسلے وار ناول،
- "مہجور نشین" مصباح علی سید کا مکمل ناول اپنے اختتام کی طرف،
- "دل کو ہم نے سمجھایا بہت" سدرہ حیات کا مکمل ناول،
- "مجھے اپنے رنگ میں رنگ دے" ام ایمان قاضی کا مکمل ناول،
- "مہربان ہوا" عنبرین ولی کے ناولٹ کا دوسرا اور آخری حصہ،
- "کسی اجنبی سے دیار میں" شمائلہ دلعباد کا ناولٹ، "تیری چاہ میں" عائشہ تنویر کا ناولٹ،
- منشا محسن علی، منعم ملک، عزالہ عبدالکلیم اور قراۃ العین سکندر، ریما نور رضوان اور نادیہ راحمی خان کے افسانے اور مستقل سلسلے،

حمد باری تعالیٰ

اے خدائے جمال و زیبائی
خوب ہے تیری عالم آرائی

تُو کہاں ہے کہاں نہیں ہے تُو
محوِ حیرت ہے تابِ گویائی

سب میں موجود اور سب سے جُدا
کون سمجھے یہ رازِ تنہائی

پارہ پارہ قبائے استدلال
ریزہ ریزہ ہے دامِ جویائی

کیا نظر آئے ماسوا کا جہاں
دیکھ کر تیری شانِ یکتائی

یاس میں، غم میں اور مشکل میں
تیری رحمت ہی سب کے کام آئی

اعظم اس نام سے ہے گلشن میں
زندگی، تازگی و رعنائی

محمد اعظم چشتی

نعت رسولِ مقبولؐ

طوفان میں جیسے دُور سے ساحل دکھائی دے
میں اُن کو سوچ لوں مجھے منزل دکھائی دے

یہ اور راستے ہیں حدی خواں! سنبھل کے چل
طیبہ کا ذرّہ ذرّہ مجھے دل دکھائی دے

گُم ہو نہ جاؤں راہ میں اے صاحبِ کرم
اک بار پھر وہ جادۂ منزل دکھائی دے

طرزِ دُعا بھی سونپ رہی ہوں نگاہ کو
کیوں حرفِ التجاؤں میں حائل دکھائی دے

وہ لمحۂ گریز قدم میری کائنات
جب آئینہ سا دل کے مقابل دکھائی دے

وہ راہرو نہیں ہے اسے کارواں کہو
اس در کی آرزو میں جو شامل دکھائی دے

مل جائیں گے وہیں سے اُجالے، جہاں ادا
تنویرِ مہر و ماہ بھی سائل دکھائی دے

ادا جعفری

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سعدیہ خان سے ملاقات

شاہین رشید



سعدیہ خان کو آپ زیادہ تر ماڈلنگ ، کمرشل ماڈلنگ اور میگزین ماڈلنگ میں دیکھتے ہیں۔لان کے ہر اشتہار میں یہ نظر آ رہی ہوتی ہیں۔اب سمجھ میں ہی نہیں آ کہ کون سی لان زیادہ اچھی ہے۔خیر سعدیہ خان کو آج کل آپ ڈرامہ سیریل ''شاید' میں دیکھ رہے ہیں۔سعدیہ ڈراموں میں کم کام کرتی ہیں، مگر بہت دل وجان کے ساتھ۔

☆''کیا حال ہیں سعدیہ؟''

❁''جی اللہ کا شکر ہے۔''

☆''شاید' میں بہت اچھا پرفارم کر رہی ہیں۔ اس سیریل کے لیے آپ کا انتخاب کیسے ہوا؟''

❁''کچھ خاص پروسیجر کے تحت انتخاب نہیں ہوا، مجھے بلایا گیا اور کہا گیا کہ یہ فائزہ افتخار صاحبہ کا اسکرپٹ ہے آپ پڑھیں...... میں نے پڑھا تو مجھے ان کی تحریر بہت پسند آئی اور جو کردار مجھے کرنے کو کہا گیا وہ بھی مجھے بہت پسند آیا اور میں کام کرنے پہ راضی ہوگئی۔''

☆''اب تو اس سیریل کی کافی اقساط ہو چکی ہیں۔پھر بھی اس کی کہانی یا اپنے کردار کے بارے میں کچھ بتاؤ؟''

"اس سیریل میں مجھے ایک ایسی لڑکی دکھایا گیا ہے جو اپنی عمر سے بڑے لڑکے سے شادی کی خواہش مند ہے اور یہ خواہش اس کو کتنی مہنگی پڑتی ہے یہ آپ کو ڈرامہ دیکھ کر ہی پتا چلے گا کہ اسے یہ خواہش دلدل میں لے گئی ہے۔"

☆ "کیا رسپانس مل رہا ہے؟"

"بے حد اچھا...... میرے دیگر ڈراموں کی طرح اسے بھی بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ بہت اچھا رسپانس مل رہا ہے اور میں اپنے آپ کو بہت لکی محسوس کر رہی ہوں کہ مجھے اس سیریل میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔"

☆ "ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کون ہیں؟"

"پروڈیوسر تو اے اینڈ بی کے جاوید بابر ہیں جبکہ ڈائریکٹر سید علی رضا ہیں جو کہ "اسامہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ اسامہ ایک بہترین ڈائریکٹر ہیں۔"

☆ "شاید" میں کس کے ساتھ کام کر کے بہت اچھا لگا...... اور کیسا تجربہ رہا؟"

"کام کا تجربہ بہت اچھا رہا...... بہت مزا آیا بہت انجوائے کیا...... جب تک اس کی ریکارڈنگز جاری رہیں ہم نے خوب مزے کیے۔ مجھے عزیر جسوال کے ساتھ کام کر کے بہت اچھا لگا۔ وہ کافی خوش مزاج ہیں اور نعمان اعجاز صاحب کا تو جواب نہیں وہ نہ صرف بہت اچھے اداکار ہیں بلکہ بہت ہی اچھے انسان بھی ہیں۔ ان کے ساتھ کام کر کے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔"

☆ "انڈر پروڈکشن کیا کیا کام ہیں؟"

"فی الحال تو "شاید" ہی ہے۔ آپ کو پتا ہی ہے کہ میں سال میں ایک ہی پروجیکٹ کرتی ہوں تاکہ بھرپور توجہ کے ساتھ کر سکوں۔"

☆ "تو کیا آفرز سے انکار کر دیتی ہیں...... اس طرح آپ کی شخصیت یا مقبولیت پہ فرق نہیں آئے گا؟"



"نہیں میرے خیال میں مقبولیت میں فرق نہیں آتا...... میں سمجھتی ہوں کہ جب لوگ سنتے ہوں گے کہ سعدیہ خان فلاں ڈرامے میں آ رہی ہے تو وہ میرے ڈراموں کا زیادہ انتظار کرتے ہوں گے کیونکہ ان کو اس بات کا اندازہ ہے کہ سعدیہ کم کام کرتی ہے مگر اچھا کرتی ہے۔ سیریل "خدا اور محبت" بھی کتنا مقبول ہوا تھا...... لیکن خیر...... اب میں نے سوچا ہے کہ میں اپنا زیادہ وقت ایکٹنگ کو دوں...... کیونکہ سب مجھے اسکرین پہ بار بار دیکھنا چاہتے ہیں۔"

☆ "خدا اور محبت" کے ذکر پر یاد آیا کہ "خدا اور محبت" کا سیریل ٹو زیادہ پسند کیا گیا یا سیریل ون؟"

"دونوں ہی بہت پسند کیے گئے پہلے کی مقبولیت کے بعد ہی سیریل ٹو بنایا گیا تھا...... اور سیریل ٹو اس لیے بھی زیادہ پسند کیا گیا کہ اس میں جدید کیمروں کا استعمال کیا گیا تھا۔ لوکیشن زیادہ بہتر لی گئیں، لائیٹنگ کا انتظام بہترین تھا...... بہت کچھ نیا تھا اس لیے سیریل ٹو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔"

☆ "زیادہ محنت کس پہ ہوئی "خدا اور محبت" یا

ڈرامہ سیریل ''شاید'' پہ؟''

''محنت تو دونوں پہ ہوئی ہے اور میرے دونوں سیریلز کے کردار ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ ''خدا اور محبت'' میں ایک مشرقی لڑکی، ہر وقت سر پر دوپٹا لیے ہوئے۔ ''عبایا'' پہننے والی، جبکہ شاید میں ایک مظلوم لڑکی اور بولڈ لڑکی کا کردار ہے......دونوں ہی کردار مشکل تھے۔''

☆''مشکل کرداروں کے لیے مشکل نہیں ہوتی کیا؟''

''نہیں......کیونکہ مجھے ایسے ہی کردار پسند ہیں جو مشکل ہوں، محنت طلب ہوں اور چیلنجنگ ہوں......سیدھے سادے رول تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔''

☆''بالکل ٹھیک کہا......اس فیلڈ میں جگہ بنانے کے لیے کوئی مشکل پیش آئی؟''

''نہیں اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ہے کہ مجھے اس فیلڈ میں آنے کے لیے کسی بھی قسم کی مشکلات پیش نہیں آتیں، ابتدا میں نے ماڈلنگ سے کی جس میں میں نے کمرشلز بھی کیے، اسٹل still ماڈلنگ بھی کی، اور میں اس میں مصروف بھی تھی اور مطمئن بھی تھی کہ کچھ پروڈکشن ہاؤسز سے فون آئے کہ آپ ڈراموں میں کام کریں۔ تب میں نے سوچا کہ انہوں نے کچھ سوچا ہوگا اور انہیں مجھ میں کچھ صلاحیت نظر آتی ہوگی تب ہی انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا ہے...... چنانچہ میں نے انکار نہیں کیا......یوں میرا سب سے پہلا سیریل ''یاریاں'' تھا جو پسند کیا گیا۔ اس کے بعد پھر مجھے ''خدا اور محبت'' کے لیے پیش کش ہوئی۔ کردار بہت اچھا تھا کیونکہ اس سیریل کے ذریعے مجھے بہت شہرت ملی، جس کے بارے میں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

☆''سعدیہ آپ ایک ماڈل اور ''خدا اور محبت'' کا کردار ایک سیدھی سادی لڑکی اور دوپٹا لینے والی لڑکی کا کردار تھا کیسا لگا تھا یہ کردار کرتے وقت؟''

''میں عام زندگی میں بھی بہت سیدھی سادی لڑکی ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں سر پہ دوپٹا نہیں لیتی کہ یہ میری فیلڈ کا تقاضا ہے......اور ڈرامہ سیریل ''شاید'' میں بھی کچھ سین میری زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔''

☆''گھر والے خوش ہوئے آپ کے اس فیلڈ میں آنے سے؟''





✤ ''جی...... ہوئے...... مگر تھوڑا ٹائم لگا......
کیونکہ ہماری فیملی بلکہ خاندان میں دور دور تک کوئی اس فیلڈ میں نہیں ہے تو تھوڑی مشکل ہوئی پھر سب کچھ سیٹ ہو گیا۔''

☆ ''عموماً لڑکیاں اس فیلڈ میں اچانک اور حادثاتی طور پر آتی ہیں...... کیا یہ اتفاق آپ کے ساتھ بھی ہوا؟''

✤ ''جی...... جی بالکل یہ اتفاق میرے ساتھ بھی ہوا۔ میں بھی اتفاقاً اس فیلڈ میں آئی...... ورنہ میرا تو کوئی ارادہ کوئی سوچ ہی نہیں تھی کہ میں اس فیلڈ میں آؤں...... کیونکہ آپ کو پتا ہے بلکہ میں نے بتایا کہ ہمارے خاندان میں کوئی اس فیلڈ میں نہیں تھا...... خیر ہوا یہ کہ میں ''جمال شاہ'' صاحب کے آرٹ اسکول میں تھی، وہاں کوئی ٹیم آئی ہوئی تھی جو طالبات کی تصاویر لے رہی تھی۔ انہوں نے میری تصویر بھی لے لی...... چند دن کے بعد مجھے میری دوستوں کا فون آیا کہ تم نے ماڈلنگ شروع کردی اور ہمیں بتایا بھی نہیں...... میں حیران کہ میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا...... پھر پتا چلا کہ کچھ بڑی شاہراؤں پر میری تصویر کے بل بورڈ لگے ہوئے ہیں...... خیر بڑی حیرانی ہوئی اور اچھا بھی لگا۔ پھر میں نے سوچ لیا کہ میں اس فیلڈ کو اپناؤں گی اور بس پھر میں اس فیلڈ میں آ گئی۔''

☆ ''یہ کام تو غیر ارادی طور پر ہو گیا۔ اصل میں کچھ تجربہ تھا اداکاری کا...... یا کچھ شوق تھا؟''

✤ ''جی...... ہاں بالکل تجربہ تھا اور بہت زیادہ نہیں مگر تھوڑا تھا...... میں اسکول کے زمانے میں نہ صرف اداکاری میں حصہ لیا کرتی تھی بلکہ گلوکاری اور دیگر شوز میں بھی حصہ لیا کرتی تھی۔ اور جب باقاعدہ اس فیلڈ میں آئی تو میں نے کچھ ٹی وی شوز کی میزبانی بھی کی ہے۔ اور چونکہ میں نے کوکنگ میں ڈپلومہ لیا ہوا ہے تو لہٰذا میں نے کوکنگ شو کی بھی میزبانی کی ہے...... اور سچ بات ہے کہ مجھے اس فیلڈ میں اپنی جگہ

بنانے کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی، بس سب کام خود بخود ہی ہوتے گئے۔"

☆ "کیا کام کر کے زیادہ مزا آتا ہے، ماڈلنگ، اداکاری یا شوز؟"

❁ "مزا سب میں آتا ہے۔ کیونکہ اچھا پیسہ ملتا ہے لیکن ماڈلنگ زیادہ آسان ہے بہ نسبت اداکاری کے۔ کیونکہ اداکاری میں ٹائم بھی بہت لگ جاتا ہے...... مگر مزا بہت آتا ہے...... تو ان شاء اللہ اب زیادہ توجہ اداکاری پہ دوں گی۔"

☆ "فلم میں بھی تو آپ نے کام کیا ہے نا؟"

❁ "جی...... ایک فلم بھی کی ہے "دیور بھابھی" اور اگر مزید آفرز ہوئیں تو ضرور کروں گی۔"

☆ "سعدیہ آپ نے ایم بی اے انگلینڈ سے کیا اور اتنی اعلیٰ ڈگری لے کر آپ اس فیلڈ میں ہیں۔ کہیں جاب کرنے کو دل نہیں چاہتا کیا؟"

❁ "ضروری نہیں کہ ڈگری لے کر جاب ہی کی جائے۔ تعلیم ہر جگہ کام آتی ہے اور جس فیلڈ میں میں ہوں، یہاں تو تعلیم بہت ضروری ہے...... بلکہ ہر فیلڈ کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے گلوکاری کا بہت شوق ہے اور میں نے باقاعدہ ٹریننگ لی ہے اور میرے استاد کا نام "رفیق" ہے۔ لیکن اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے باقاعدہ کلاسز نہیں لے سکی...... کیونکہ ماڈلنگ کی ایک کے بعد ایک آفر آنے لگی...... اور ہاں ڈراموں میں زیادہ کام نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں زیادہ دن گھر سے باہر نہیں رہ سکتی۔ لیکن اب اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہوں میں۔"

☆ "اور گھر میں کیا مصروفیات ہوتی ہیں؟"

❁ "کچھ خاص نہیں...... گھر میں والد صاحب ہیں ان کی خدمت کر کے دل خوش ہوتا ہے۔ والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ میرا نمبر آخری ہے۔ بھائی کی شادی ہو چکی ہے اور ماشاءاللہ بھابھی اور بچوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزر جاتا ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے سعدیہ خان سے اجازت چاہی۔

☆☆

سانحہ ارتحال

گزشتہ دنوں ہماری دیرینہ ساتھی شاہین رشید کو انتہائی دکھ اور صدمے سے گزرنا پڑا ان کے ماموں کے داماد آصف حسین قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے اور اسی دن ان کے ماموں بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ خواتین ڈائجسٹ بہن شاہین رشید کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے اللہ تعالیٰ مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے لواحقین کو صبر و جمیل عطا فرمائے۔

میری بھی سنئے

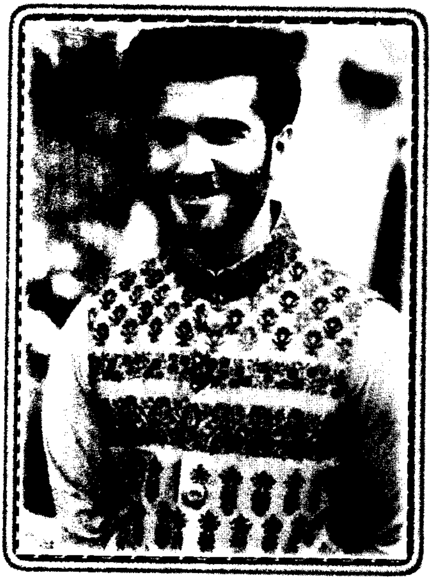
فیروز خان

شاہین رشید

1۔ ''میرا نام؟''
''فیروز خان۔''
2۔ ''مجھے بلاتے ہیں سب؟''
''امی گڈا کہتی ہیں اور باقی سب فیروزی کہتے ہیں اور دوستوں نے تو خیر بہت نام رکھے ہیں، بہت سوئٹ ہیں سب دوست۔''
3۔ ''جنم دن/جنم سال؟''
''11 جولائی/1990ء۔''
4۔ ''جنم شہر....../ستارہ....../قد......؟''
''کوئٹہ....../کینسر....../5 فٹ 11 انچ، کاش چھ فٹ کا ہوتا۔ مگر ویسے لگتا چھ فٹ کا ہی ہوں ......کیونکہ دبلا ہوں۔''
5۔ ''بہن بھائیوں میں میرا نمبر؟''
''میری چار بہنیں ہیں اور ہم دو بھائی ہیں اور میں پانچویں نمبر کا بچہ ہوں ......اپنے والدین کا تو بچہ ہی ہوں۔''
6۔ ''پڑھائی کی یا صرف وقت گزارہ ؟''
''نہیں ......نہیں ...... پڑھائی کی ماشاء اللہ اور میں نے بزنس لاء میں ڈگری حاصل کی ہے۔''
7۔ ''شادی......؟''
''اس سوال کو رہنے دیں۔ ویسے سب کو معلوم تو ہے کہ میری شادی کس سے ہوئی ہے۔''
8۔ ''شوبز میں کس طرح آیا؟''
''100 فیصد اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے آیا ہوں۔ اور اللہ نے میرا ساتھ دیا اور مجھے سرخرو کیا۔''
9۔ ''شہرت دی؟''
''ڈرامہ سیریل ''چپ رہو'' نے دی۔''
10۔ ''آن ایئر ڈرامے ؟''



''خانی'' اور اس کی مقبولیت تو آپ کو معلوم ہی ہوگئی ہوگی۔ اس میں میرا کردار بہت اچھا ہے۔''
11۔ ''پریکٹیکل لائف میں جب آیا ؟''
''تب سولہ سال کا تھا......اپنے آپ کو منوانے کے لیے اور اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے مجھے اس پریکٹیکل لائف میں جلدی آنا پڑا۔''
12۔ ''شوبز نے کیا دیا......؟''
''شوبز نے ہی تو سب کچھ دیا ہے۔ عزت، شہرت اور دولت اللہ اسے برقرار رکھے۔ (آمین)۔''
13۔ ''برائی جو شوبز میں ہے......؟''
''صرف شوبز میں ہی کیوں؟ ہر شعبہ، ہر جگہ پر



برائی ہے۔بس انسان کو اسٹرونگ ہونا چاہیے۔پھر کچھ نہیں ہوسکتا۔''

14۔''میرا سورج طلوع ہوتا ہے ؟''

''الحمد للہ صبح نو بجے ......کہیں جانا ہو تب بھی جلدی اٹھ جاتا ہوں۔''

15۔''گھر آتا ہوں؟''

''کوئی ٹائم مقرر نہیں ہے......آپ کو پتا ہے کہ اس فیلڈ میں اپنی ایک نہیں چلتی......جب کام ختم ہو جاتا ہے گھر آجاتا ہوں۔''

16۔''کھانے کا شوقین ہوں یا کھلانے کا؟''

''دونوں کا......بھوک برداشت نہیں ہوتی۔ پاگلوں والی کیفیت ہوجاتی ہے......اور اگر کچھ کھانے کو نہ ملے تو مجھے ہر کوئی برا لگ رہا ہوتا ہے۔''

17۔''لڑکیوں کی کیا بات اچھی لگتی ہے؟''

''نزاکت، سنجیدگی، بردباری اور نسوانیت۔''

18۔''بری لگتی ہیں وہ لڑکیاں یا خواتین؟''

''جن میں شرم وحیا نہیں ہوتی......اور اب شرم و حیا رہی بھی نہیں ہے۔''

19۔''مطالعہ کتابوں کا کرتا ہوں یا اپنا؟''

''دونوں کا......کتابوں کا اس لیے کہ مجھے پڑھنا اچھا لگتا ہے خواہ وہ کتابیں ہوں یا اخبارات اور میگزین......اور اپنی ذات کا بھی مطالعہ کرتا ہوں کہ میں کیا ہوں......کیا خامیاں اور کیا خوبیاں ہیں۔''

20۔''کس رنگ کی شرٹس اور ٹی شرٹس پسند ہیں؟''

''ویسے تو میں ہر رنگ بہت شوق سے پہنتا ہوں۔لیکن مجھے لال رنگ بہت پسند ہے اور کالا بھی اچھا لگتا ہے۔''

21۔''جب جان پر بن آئے ؟''

''تب پھر جھوٹ کا سہارا لیتا ہوں۔کہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔''

22۔''مجھے اپنے اندر کیا تبدیلی لانی ہے؟''

''مجھے اپنا غصہ کم کرنا ہے۔ اللہ کرے کہ کامیاب ہوجاؤں۔''

23۔''اللہ مجھے محفوظ رکھے؟''

''غرور سے......کیونکہ جب شہرت مل جاتی ہے

تو انسان غرور میں پاگل ہو جاتا ہے اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے ان چیزوں سے دور رکھنا۔"

24۔ "میری پسندیدہ تاریخی شخصیات؟"
"قائداعظم اور مائیکل جیکسن۔"

25۔ "ایک بات جو سب کو سمجھاتا ہوں؟"
"کہ وقت کی پابندی کیا کرو......اس میں فائدہ ہے۔ بہت سے کام آسانی سے اور جلدی ہو جاتے ہیں۔"

26۔ "میرے نزدیک اچھا وقت ؟"
"میرے نزدیک اچھا وقت وہ ہوتا ہے جو ہم صحت و تندرستی کے ساتھ گزار رہے ہوتے ہیں اور اپنے فیوچر اور حال کو سنوارنے میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔"

27۔ "مجھے کن کیڑوں سے گھن آتی ہے ؟"
"چھپکلی سے۔ چھپکلی عجیب سا کیڑا ہے......ویسے ڈرتا کسی سے نہیں ہوں۔"

28۔ "کھانے سے ناراض کب ہوتا ہوں؟"
"نہیں نہیں......اب نہیں ہوتا...... یہ بچپن کی عادتیں تھیں جواب تقریباً ختم ہوگئی ہیں۔"

29۔ "جب غصہ آتا ہے تو؟"
"تو جو نہیں ہونا چاہیے وہ ہی ہوتا ہے......یعنی منہ سے گالیاں نکلتی ہیں اور سب کی بجا دیتا ہوں۔"

30۔ "اٹھنا مشکل لگتا ہے؟"
"نہیں۔ مجھے اٹھنا کبھی بھی مشکل نہیں لگتا......جب مجھے اٹھنا ہوتا ہے تو پھر سستی نہیں دکھاتا۔"

31۔ "میرے مشاغل ؟"
"میوزک سننا، مطالعہ کرنا، جم جانا وغیرہ۔"

32۔ "انجوائے کرتا ہوں؟"
"جب کوئی لڑکی مجھے پہچان کر گھور رہی ہوتی ہے یا پہچاننے کی کوشش میں گھور رہی ہوتی ہے۔"

33۔ "شہریت لینا چاہتا ہوں؟"
"کہیں کی بھی شہریت لینا نہیں چاہتا......پاکستان سے اچھا کوئی ملک ہو ہی نہیں سکتا اور میں اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"



34۔ "کس کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"
"اپنے بڑے بھائی کے غصے سے ڈر لگتا ہے......بہت غصہ تیز ہے ان کا۔"

35۔ "والدین سے کیا ریوارڈ چاہتے ہیں؟"
"یہی کہ میرے والدین کہیں کہ ہمارے بیٹے نے اپنی محنت سے یہ مقام بنایا ہے۔ وہ بہت محنتی بچہ ہے۔"

36۔ "غلطی مان لیتا ہوں ؟"
"جی......بالکل اب بہت سنبھل کے سب کام کرتا ہوں۔ بچپن میں اور لڑکپن میں بہت غلطیاں کی تھیں۔"

37۔ "میرا میٹر گھوم جاتا ہے ؟"
"جب کوئی میری عزت نہ کرے۔ جب کوئی میری بات نہ مانے بس پھر غصے کی حدود کو کراس کر دیتا ہوں۔ عزت انسان کے لیے بہت ضروری ہے۔"

38۔ "سوشل ہوں؟"
"جی ......جی......مگر مجھ سے دوستی کرنا بہت مشکل ہے ویسے سب میں جلدی گھل مل جاتا ہوں۔ ویسے دوست کم بناتا ہوں۔"

39۔ ''کوئی تنقید کرے تو؟''
''دل ٹوٹ جاتا ہے۔ تعریف سن کر حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔دل خوش ہو جاتا ہے۔''
40۔ ''پسندیدہ پیشہ ؟''
''یہی اپنا شوبز...... بندے کو جس چیز کا شوق ہو اسی میں جانا چاہیے۔''
41۔ ''زندگی کا مقصد؟''
'' اپنے مذہب کی عزت کرنا اور کرانا ......والدین کا خیال رکھنا۔ اپنے بہن بھائیوں سے محبت اور پیار کے ساتھ رہنا۔خاص طور پر اپنی بہنوں کے لیے کچھ کرنا۔''
42۔ '' سب کچھ آسانی سے ملایا''......؟
''نہیں...... اس دنیا میں سب کچھ اس وقت آسانی سے ملتا ہے جب آپ سونے کا نوالہ لے کر پیدا ہوئے ہوں......ورنہ تو سب کچھ جدوجہد سے ہی ملتا ہے......اور مجھے بھی جدوجہد کے بعد ہی سب کچھ ملا ہے۔''
43۔ ''وقت سے کیا ملا ؟''
''کچھ نہیں سب کچھ محنت سے ملا اور پیسہ بھی محنت سے ملتا ہے قسمت سے نہیں۔''
44۔ ''ڈھیٹ بن جاتا ہوں؟''
''جب مجھے کوئی سوتے میں اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ نیند مجھے بہت پیاری ہے۔''
45۔ ''خوف زدہ ہو جاتا ہوں؟''
''گہرے سمندر کو دیکھ کر، ٹھاٹھے مارتے سمندر کو دیکھ کر اور گہرے پانی کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔''
46۔ ''گھر میں اچھا کھانا کون پکاتا ہے ؟''
''عمیمہ پراٹھے بہت اچھے بناتی ہے......اور امی اور بھابھی کھانا اور ناشتا بہت اچھا بناتی ہیں۔''
47۔ ''کھانے کے لیے پسندیدہ جگہ......؟''
''مجھے آلتی پالتی مار کر چٹائی پہ بیٹھ کر کھانے میں بہت مزا آتا ہے۔''
48۔ ''پسندیدہ لباس؟''
''مجھے شلوار قمیض بہت پسند ہے۔''
49۔ ''کبھی ایم این اے بن گئے تو؟''
''تو بہت کچھ کروں گا......صرف باتیں نہیں بناؤں گا۔عوام کے حقوق کی جنگ لڑوں گا۔''
50۔ ''عشق کیے ؟''
''قہقہہ......'' جدوجہد مسلسل میں ان باتوں کے لیے ٹائم ہی نہیں ملا......اپنے کام پہ فوکس رہا بس۔''
51۔ ''کیا محبت اندھی بہری ہوتی ہے ؟''
''جی ...... جی...... بالکل......سنا ہے کہ جو ایک مرتبہ محبت میں ڈوبا پھر ابھر کر نکلنا مشکل ہی ہوتا ہے۔''
52۔ ''عورت کے لیے آپ کی سوچ ؟''
''کہ اسے ذہین اور بہت ذہین ہونا چاہیے اور خوب صورتی اس کی ایکسٹرا خوبی ہونی چاہیے۔''
53۔ '' نرم گوشہ کس میں ہوتا ہے ۔ مرد یا عورت؟''
''میرے خیال سے مرد زیادہ نرم دل ہوتے ہیں۔''
54۔ ''سکون ملتا ہے؟''
''اگر گھر کی بات کریں تو مجھے اپنے اور امی کے کمرے میں سکون ملتا ہے۔''
55۔ ''زوال کب نہیں آتا؟''
''جب ہم اللہ کا شکرانہ ادا کرتے ہیں اور اپنے کام پہ فوکس رہیں۔''

☆☆

اعتذار

اس ماہ آسیہ مرزا کے ناول ''من مورکھ کی بات نہ مانو'' کی قسط آسیہ مرزا کی طبیعت کی ناسازی کی بنا پر شامل اشاعت نہیں ہے۔ آپ اگلے ماہ یہ قسط پڑھ سکیں گی۔ ان شاء اللہ

شاکر حسین شاکر

شاہین رشید

''ایف ایم چینل پورے پاکستان میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے انٹرویوز کا دائرہ عموماً کراچی ہی ہوتا ہے...... اور دیگر چینلز کے پریزنٹرز کو عموماً یہ شکایت رہتی ہے کہ ہم انہیں جگہ نہیں دیتے...... جبکہ ایسا نہیں ہے۔ ہمیں جب بھی موقعہ ملتا ہے ہم دیگر شہروں کے آر جز کے انٹرویوز بھی دیتے ہیں۔ اس بار آپ FM-93 ملتان کے آر جے ''شاکر حسین شاکر'' سے ملیں گے۔ جو بیک وقت کئی خوبیوں کے مالک ہیں۔ بے حد مصروف رہتے ہیں مگر ہمارے کہنے پر بہت ہی شارٹ ٹائم میں انہوں نے انٹرویو دیا اس کے لیے ہم ان کے بے حد مشکور ہیں۔''



☆ ''کیسے ہیں آپ؟''

❖ ''جی اللہ کا شکر ہے۔''

☆ ''پہلے تو اپنے بارے میں کچھ بتائیے؟''

❖ ''میرا تعلق ملتان شہر سے ہے...... اور ملتان میری پہلی اور آخری محبت ہے اور میں ملتان کے بارے میں عموماً یہ کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ خوب صورت شہر پوری دنیا میں نہیں ہے...... میں اسی شہر میں پیدا ہوا اور اب میری وصیت بھی یہی ہے کہ مجھے دفن بھی اسی شہر میں کیا جائے۔ میری والدہ کا تعلق لائل پور (فیصل آباد) سے ہے جبکہ والد کا تعلق ملتان سے۔ دونوں پنجابی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ میں ملتان میں ہی رہا تو مجھے یہاں کی سرائیکی زبان پر عبور حاصل ہے اور میں ٹی وی پہ ہفتہ وار جو پروگرام کرتا ہوں وہ بھی سرائیکی زبان میں ہوتا ہے اور سرائیکی زبان میں میری کتاب بھی آچکی ہے۔ ٹی وی پہ سرائیکی زبان میں جو پروگرام کرتا ہوں وہ ''کرنٹ افیئرز'' کا پروگرام ہے۔ اور آپ کو بتاؤں کہ اسکول کے زمانے سے ہی میں نے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے تقاریر لکھنی شروع کیں، پھر اخبار تک رسائی ہوئی۔ جب کالج میں آیا تو کچھ ایسے دوست یار اور اساتذہ ملے کہ جن کی وجہ سے ریڈیو پاکستان آنا جانا شروع ہوا اور یوں لکھنے کا آغاز بھی باقاعدہ طور پر ہو گیا...... اور یہ سلسلہ 1980ء سے پہلے شروع ہوا اور اب تک میری بائیس (22) کتابیں آچکی ہیں اور ان بائیس کتابوں میں پاکستان کی ڈے بائے ڈے ہسٹری ہے جو 14 اگست 1947ء سے لے کر آج تک کی ہے۔ اس کے تین ایڈیشن آ چکے ہیں...... ''مادر ملت فاطمہ جناح'' کی حیات و فکر پر میں ایک کتاب لکھ چکا ہوں اور اس کتاب کو دو قومی اعزازات ملے ہیں، صدارتی ایوارڈز ملے ہیں اور ''وزیراعظم ادبی'' ایوارڈ بھی ملا۔ ''ملتان ایکسپو'' کے نام سے ملتان کی تاریخ پہ ایک کتاب آ چکی ہے۔ بچوں کے لیے ایک کتاب ہے جو سیرت پہ ہے۔ شاہ

سبز واری حضرت یوسف شاہ گردیز اولیاء کرام گزرے ہیں ان کی سوانح حیات پر میری ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔ میرے مضامین کی ایک کتاب ''حلوہ پورا آدھی پوری'' شائع ہوچکی ہے۔ ''ہم تیرا انتظار کرتے ہیں'' شاعری کی کتاب ہے۔ فیض صاحب کے خاکوں پر ''تیری یادوں کے نقوش'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ ان کی صد سالہ سالگرہ پر شائع ہوئی، یہ کتاب نہ صرف بہت پسند کی گئی بلکہ ''ایم فل'' کے تھیس میں بھی شامل ہے۔ لکھنے پڑھنے کا کام میں کرتا رہتا ہوں اور سیاست پہ بھی لکھتا ہوں۔ ''بے نظیر بھٹو'' کی شہادت کے موضوع پہ میں نے دو کتابیں لکھیں...... میں سمجھتا ہوں کہ میرا اصل کام تو لکھنا پڑھنا ہی ہے۔ اور بولنا ہے۔ ایف ایم -93 پہ پروگرام کرتا ہوں۔ ہفتے وار میں پروگرام کرتا ہوں اور پی ٹی وی ملتان جب سے وجود میں آیا ہے میں پروگرام کر رہا ہوں۔ ہم چھ بھائی ہیں۔ اور بہن نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم سب بھائیوں کو بیٹیاں دی ہیں۔ میری پہلی اولاد بیٹی ہے۔ پھر دو بیٹے ہیں۔ میری بیوی میری چچازاد ہے اور شائستہ بتول ان کا نام ہے ہماری ارینج میرج ہے۔''

☆ ''ماشا اللہ آپ تو بہت قابل انسان ہیں ریڈیو۔ ٹی وی کیا۔ بائیس کتابیں بھی لکھیں۔ کیا خواہش ہے کہ لوگ آپ کو کس حوالے سے پہچانیں؟''

❁ ''میں آپ کو بتاؤں کہ میں کچھ عرصہ سعودیہ بھی رہا۔ اور جب وہاں سے واپس آیا تو میری شادی ہوگئی۔ اور میرا اپنا ایک پبلیشنگ ہاؤس ہے جس کو میں گزشتہ 30 سال سے چلا رہا ہوں اور آپ نے پہچان کے بارے میں پوچھا تو میری پہچان میری کتابیں ہیں۔ اردو کتاب ہی میری زندگی ہے۔ کتاب سے ہی میں نے سب کچھ پایا ہے اور یہی میرے روزگار کا ذریعہ بھی ہے۔ ہفتے میں دو کالم لکھتا ہوں، کالم نگاری کا آغاز ''ایکسپریس'' اخبار سے کیا۔ روزنامہ ''آفتاب'' اور روزنامہ ''سنگ میل'' میں بھی لکھا۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' روزنامہ ''خبریں'' روزنامہ ''آج کل'' سب میں لکھا اور......

☆ ''ریڈیو آپ کا انتخاب کس طرح ٹھہرا؟''

❁ ''ریڈیو میرا انتخاب اس طرح ٹھہرا کہ اسکول کے زمانے سے ہی میں نے ریڈیو جانا شروع کر دیا تھا۔ وہاں میرے چچا حسین صاحب ایک ماڈیٹریٹر کے طور پر کام کرتے تھے...... اس زمانے کوئز شو کا بڑا رواج و رجحان تھا...... مقابلہ بیت بازی بھی ہوتا تھا۔ بزم طلبہ میں...... ان ہی پروگراموں کی وجہ سے مجھے بھی ادب سے لگاؤ ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ملتان میں علم و ادب کی بہت سی تقریبات ہوتی تھیں۔ اگرچہ اب بھی ہوتی ہیں مگر اب پہلے جیسا معیار نہیں رہا ہے۔ پھر جب اے ایم کے بعد ایف ایم کا زمانہ شروع ہوا تو مجھے بھی ایف ایم پہ پروگرام کرنے کا موقعہ ملا اور آج تک ایف ایم پہ پروگرام کر رہا ہوں۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب ملتان میں ایف ایم 93 شروع ہوا تو پروگرام ''تاروں بھری رات'' کے نام شروع کیا اور آج تک میں یہ پروگرام کر رہا ہوں اور ہفتے میں 3 دن بار پروگرام کر رہا ہوں۔''

☆ ''کشش کس کام میں محسوس کرتے ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی کے پروگرام کر کے یا کتابیں لکھ کر یا کالم لکھ کر؟''

❁ ''کشش جس کام میں ہے وہ بولنا، لکھنا اور پڑھنا ہے۔ میرے لیے لکھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ خواہ وہ لکھائی کی کوئی بھی صنف ہو، اور بولنے میں تو اتنی مہارت ہے کہ آپ مجھے کسی بھی تقریب میں کھڑا کر دیں اور صرف یہ بتا دیں کہ آپ کو اس موضوع پر بات کرنی ہے، میں کر دوں گا، اور آپ کو لطف کی بات بتاؤں کہ گزشتہ دس بارہ سال سے ریڈیو پہ کام کر رہا ہوں مگر میں نے کبھی اسکرپٹ نہیں لکھا۔ اسی طرح ٹی وی پہ پروگرام بھی فی البدیہہ کرتا ہوں...... اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹی وی پروگرام کی ریکارڈنگ کے لیے جاتا ہوں تو میرے پروڈیوسر اسی وقت مجھے بتاتے ہیں کہ آج آپ کو اس موضوع پہ

پروگرام کرنا ہے اور یہ بھی آپ کو بتاؤں کہ بہ حیثیت کمپیئر کے بھی میری ایک پہچان ہے اور جب مجھے ”تمغہ امتیاز“ ملا تو میرے تعارف میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا کہ میں ایک بہترین کمپیئر بھی ہوں۔ اور میرے والدین کی دعائیں ہیں، احباب کی مہربانی اور محبت ہے کہ وہ مجھے پسند کرتے ہیں میری نظامت کو سراہتے ہیں۔“

☆ ”خداداد صلاحیتیں ہوں تو پھر کہیں بھی جگہ بنانے میں مشکل نہیں ہوتی اور یہ تحفہ خدا نے آپ کو بھی دیا...... ایسا ہی ہے نا؟“

❖ ”جی...... میں بھی بہت خوش قسمت ہوں کہ مجھے اپنی جگہ بنانے کے لیے دوسروں کی طرح پاپڑ نہیں بیلنے پڑے...... میں اس معاملے میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ جب ریڈیو پاکستان ملتان میں میرا انتخاب ہوا تو اس سے پہلے چونکہ ہم پروگرام کرنے جایا کرتے تھے تو وہاں کا ماحول میرے لیے بہت شناسا تھا...... اور بہت سے دوست پروڈیوسر کے عہدے پر بھی فائز ہو گئے...... ٹی وی کے لیے ”دنیا“ نیوز کے لیے ملتان سے پہلا بیورو چیف مجھے مقرر کیا جناب سرور منیر راؤ صاحب نے اور اس سلسلے میں لاہور جا کر میں نے ٹریننگ بھی لی، لیکن پھر جب میں نے دیکھا کہ یہ تو 24 گھنٹے کی جاب ہے، تو میں نے سرور منیر راؤ سے معذرت کر لی، کیونکہ میں کسی بھی چینل کے لیے پابند نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میں نے استعفیٰ دیا اور ملتان واپس آ گیا پھر جب سرور منیر راؤ صاحب ملتان آئے تو ان کے شاگرد جو ان سے تربیت لے کر آئے تھے ان سے انہوں نے کہا کہ آپ شاکر سے پروگرام کروائیں تو کہا گیا کہ ہمارے پاس سرائیکی کے لیے بندہ ہے، تب سرور صاحب نے کہا کہ انہیں سرائیکی اور اردو میں عبور حاصل ہے آپ ان سے پروگرام کروائیں۔ چنانچہ ان کی وجہ سے مجھے ٹی وی پہ پروگرام ملا جو کہ میں آج تک کر رہا ہوں۔“

☆ ”دیگر ایف ایم کے پروگرام سنتے ہیں آپ؟“



❖ ”جی...... جب میں لونگ ڈرائیو پہ ہوتا ہوں تو مختلف چینل تبدیل کرتا رہتا ہوں۔ مجھے اپنا ہی ایف ایم 93 جو کہ سرکاری چینل ہے جس میں ایف ایم 101 بھی شامل ہے بہت پسند ہے کیونکہ ہم ہمسایہ ملک کے گانے نہیں سنواتے۔ پاکستان سے محبت میرے وجود کے اندر ایک بنیاد کی طرح ہے۔ ہمارے چینلز میں پاکستان سے محبت کا پیغام دیا جاتا ہے۔ باقی چینلز کے لیے یہی کہوں گا کہ مقابلے کا دور ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک چینل آ گیا ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر آر جے موجود ہے اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کونسا چینل اچھا کام کر رہا ہے۔ پہلے صرف ”اے ایم“ ہوتا تھا یا وائس آف امریکہ، وائس آف جرمنی یا بی بی سی ہوتا تھا...... اب اپنے ہی کافی چینل کھل گئے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ پہلے والا ذوق نہیں رہا، اچھی آواز اور اچھا لہجہ، شستہ اردو اب یہ سب کچھ عنقا ہو کے رہ گئی ہیں میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ جو جتنا زیادہ برا بولتا ہے اسے زیادہ پسند کیا جاتا ہے...... بہرحال میری تو پہلی اور آخری محبت ایف ایم 93 ملتان ہی ہے۔“

☆ ”ہمارے ملک کے مختلف تہوار ہیں۔

تہواروں پہ پروگرام کرنا کیسا لگتا ہے اور ویلنٹائن ڈے پہ پروگرام کرتے ہیں آپ؟ اور آپ کے پروگرامز کی کوئی خاص بات ہو تو بتائیے؟"

❁ "تہوار کوئی بھی ہو اگر میرے شیڈول میں آتا ہے تو ضرور کرتا ہوں......اور تہواروں پہ پروگرام کرنا مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے اور میرے پروگرام کی خوبی یہ ہے کہ کسی بھی مشہور شخصیت کی سالگرہ کا دن ہو یا وفات کا دن ہو میں ان کے بارے میں بتاتا ہوں۔ پروفائل انداز میں ......اس طرح سامعین کو اس شخصیت کے بارے میں ساری معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ایونٹس کے پروگرام کرنا بھی پسند ہے اور اتفاق یہ ہے کہ ابھی تک ویلنٹائن ڈے پہ میں نے کوئی پروگرام نہیں کیا......لیکن ہمارے سارے پروگرام محبت کے بارے میں ہی ہوتے ہیں۔اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے، محبت کا پھیلاؤ ہے۔امجد اسلام امجد کی نظم ہے کہ "جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے۔"

☆ "ایک آر جے کے اندر کن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے؟"

❁ "ایک آر جے کو چلتا پھرتا انسائکلو پیڈیا ہونا چاہیے اور جو چاہیے اور جس وقت چاہیے اسے معلومات فراہم کر دے کیونکہ آپ کے سامعین پروگرام کے دوران کبھی بھی کسی بھی وقت آپ سے کچھ پوچھ لیں کوئی انفارمیشن لینا چاہیں تو آپ کے پاس وہ انفارمیشن ہونی چاہیے......کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ پروگرام کے دوران اچانک کسی نامور شخصیت کی وفات کی خبر آ جاتی ہے تو آر جے کے پاس اتنی معلومات ضرور ہو کہ وہ فوری طور پر ان کے بارے میں کچھ بتا سکے......کمپیئر کو اپ ڈیٹ رہنا چاہیے۔ اس کا مطالعہ بڑا اچھا ہونا چاہیے اس کا تلفظ بہت اچھا ہونا چاہیے۔جس کا تلفظ اچھا نہ ہو اسے صرف پروگرام سننا چاہیے۔بدقسمتی یہ ہے کہ دیگر چینلز اس بات پر توجہ نہیں دیتے۔"

☆ "آپ اتنی فیمس شخصیت ہیں لوگ آسانی سے پہچان لیتے ہیں آپ کو؟"

❁ "پہچان کے معاملے میں تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خود کفیل ہوں۔لوگ بہت آسانی سے پہچان لیتے ہیں نہ صرف ملتان میں بلکہ ملتان سے باہر بھی میری ایک پہچان ہے۔اب ٹرینڈ بدل گیا ہے پہلے لوگ پہچان کر آٹوگراف لیتے تھے اب سیلفی بنواتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کسی کام سے گئے ہیں تو کام وہ آپ کا بعد میں کریں گے پہلے تصویر بنوانے کی بات کرتے ہیں۔

☆ "واہ......تقریبات میں جاتے ہیں۔سوشل ہیں آپ؟"

❁ "میں تقریبات میں زیادہ نہیں جاتا......اگر جاتا بھی ہوں تو اپنی گفتگو کرتا ہوں اور پھر واپس آ جاتا ہوں۔کیونکہ مجھے اور بھی کئی کام کرنے ہوتے ہیں۔ سوشل ہوں مگر اپنے کام کی حد تک......میری فیلڈ نے مجھے بہت زیادہ عزت و احترام دیا ہے۔میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔"

☆ "کبھی موڈ خراب میں، ٹریفک میں پھنس گئے ہوں۔پروگرام کرنے کا موڈ نہ ہو یا دیر ہو جائے تو کیا کرتے ہیں؟"

❁ "کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں ٹریفک میں پھنس گیا اور عموماً ٹریفک میں ہی پھنستا ہوں۔مگر پھر بھی میں وقت پر ہی پہنچتا ہوں اور اگر لائیو پروگرام ہو تو پھر بہت سی چیزوں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔میرا پروگرام رات دس بجے شروع ہوتا ہے اور مجھے رات 10 بجے سے پہلے پہلے پہنچنا ہوتا ہے......فیملیز کی بہت سی تقریبات خاص طور پر شادیوں میں شرکت نہیں کر سکتا یا میرا آرام کرنے کو دل چاہ رہا ہو تو آرام بھی کر نہیں پاتا......ظاہر ہے کہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے اور اگر آپ پر کسی نے کوئی ذمہ داری ڈالی ہے تو اسے ضرور نبھانا چاہیے۔"

☆ "مزاج کے کیسے ہیں؟ بچوں کا رجحان ہے لکھنے کی جانب؟ مزید مشغل؟"

❁ "مزاج کا تیز بھی ہوں اور جولی بھی ہوں اور مزاج میں تبدیلی وقت کے ساتھ ساتھ آتی رہتی

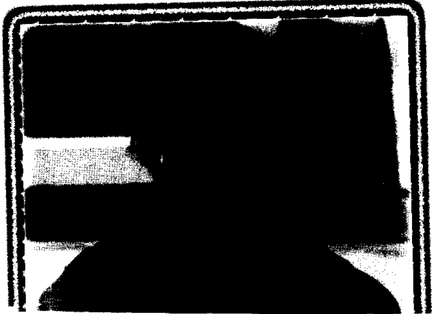
ہے......جو غصہ پہلے آتا تھا اب نہیں آتا...... بچے ماشاءاللہ تین ہیں مگر کسی کا بھی رجحان لکھنے کی طرف نہیں ہے۔ سیاست سے لگاؤ ہے اور بے نظیر بھٹو صاحبہ میری آئیڈیل تھیں۔ ان کے بعد کچھ بچا نہیں......ہم وہ لوگ جنہوں نے ضیاء الحق کے زمانے میں شعور سنبھالا، کوڑے، پھانسیاں اور لاٹھی چارج دیکھے......ابھی تک وہ چیزیں چل رہی ہیں۔ اب تو کوئی آئیڈیل نہیں ہے۔''

☆ ''کھانا پکانے یا کھانے کا شغف ہے آپ کو؟''

❖ ''نہیں کچن میں صرف پانی پینے کے لیے جاتا ہوں یا برتن رکھنے جاتا ہوں کوکنگ بھی نہیں کی اور آپ کوکنگ کی بات کر رہی ہیں مجھے تو ابھی تک مائیکرو ویو اون چلانا نہیں آیا......میں بالکل نان ٹیکنیکل آدمی ہوں۔ مجھ سے تو آپ ادبی کام کروالیں......کھانا کھانے میں کبھی نخرہ نہیں دکھایا جو مل جائے کھا لیتا ہوں۔ کبھی کھانے پہ تنقید بھی نہیں کی۔''

☆ ''چلتے چلتے یہ بتایئے کہ آپ کے کالمز پہ کبھی کوئی توجہ دلائے نوٹس لیا گیا؟''

❖ ''پرویز مشرف کے زمانے میں بطور لکھاری کے مجھے خواتین کی جیل کا دورہ کروایا گیا، رمضان کا زمانہ تھا میں نے دیکھا کہ 30،35 خواتین الگ سے بیٹھی ہیں۔ میں نے جیلر سے پوچھا کہ ان خواتین کو کیوں الگ سے بٹھایا ہوا ہے تو اس نے بتایا کہ ان خواتین کی قید کی عمر پوری ہو گئی ہے لیکن ان کے پاس جرمانے کی رقم نہیں ہے اور ہمارے پاس کوئی ایسا مخیر فرد نہیں ہے کہ جو ان کے جرمانے کی رقم ادا کر سکے، ان خواتین کے ساتھ ان کے بچے بھی ساتھ تھے۔ جیل کا دورہ کرنے کے بعد میں نے نوائے وقت



میں دو اقساط پر مبنی کالم لکھا اور اس میں ان خواتین کے جرمانے کی رقم جو کہ تقریباً 35 لاکھ بنتی تھی وہ بھی لکھ دی، جب یہ کالم شائع ہو گئے تو مجھ سے کسی نے رابطہ کیا اور کہا کہ میں یہ رقم دینا چاہتا ہوں۔ اگر آپ مجھے جیل پہنچا دیں تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے میں نے جیل سپرنٹنڈنٹ سے بات کی انہوں نے کہا کہ ان صاحب کو بھیج دیں۔ وہ صاحب گئے اور ان خواتین کے جرمانے کی رقم ادا کی اور ان خواتین کو عید سے پہلے پہلے رہائی مل گئی......اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی کالم کا اس سے بہتر استعمال نہیں ہو سکتا، اسی طرح تھیلسیمیا کا ایک مریض بچہ تھا اس کے والدین میرے پاس روتے ہوئے آئے کہ ہمیں اپنے بچے کے لیے امداد چاہیے۔ میں نے اس بچے کے لیے کالم لکھا اور میرے کالم کا اثر ہوا کہ اس بچے کے لیے لاکھوں روپے اکٹھے ہو گئے......آپ بہت کچھ لکھتے ہیں بہت لفظ بولتے ہیں......اور آپ کے لکھے سے کسی کو زندگی مل جائے، آسانی مل جائے تو وہ ہی لمحہ آپ کی زندگی کا حاصل ہے۔ میرے بے شمار کالمز میں یہی کچھ ہے اور میرے کالمز کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگوں کو ریلیف ملنا چاہیے۔ میں لوگوں کے مسائل پہ بات کرتا ہوں اور یہی میری کامیابی ہے۔''

☆☆

کچن اور آپ

اس ماہ ''رضوانہ شکیل'' کو کچن اور آپ میں انعام کا حق دار قرار دیا ہے ادارے کی طرف سے رضوانہ شکیل کو تین ماہ کے لیے ''ماہنامہ کرن'' مفت دیا جا رہا ہے۔

مقابل ہے آئینہ

فضہ نور

ادارہ

فضہ نور......روہڑی

س۔ ''اصلی نام گھر والے پیار سے کیا کہتے ہیں؟''

ج۔ ''فضہ ہی کہتے ہیں گھر والے سب۔''

س۔ ''آئینہ آپ سے کیا کہتا ہے؟''

ج۔ ''میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اک مکمل انسان بنایا ہے ویسے آئینہ تو تعریفیں کرتا ہی ہے......کبھی اسے روئی ہوئی آنکھیں پیاری لگتی ہے تو کبھی مسکراہٹ پیاری لگتی ہے۔''

س۔ ''حسین صورتیں دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟''

ج۔ ''یہی کہ ان کی سیرت کیسی ہوگی......کیونکہ میں صورت سے زیادہ حسین سیرت کی قائل ہوں۔''

س۔ ''اگر آپ کے پرس کی تلاشی لے جائے تو کیا ملے گا؟''

ج۔ ''کچھ خاص نہیں۔''

س۔ ''بھوتوں سے ڈرتی ہیں؟''

ج۔ ''نہیں اگر کوئی ڈرامہ یا ہارر فلم دیکھ لوں تو......ہاہاہاہا۔''

س۔ ''مہمان کیسے اچھے لگتے ہیں؟''

ج۔ ''مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں لیکن جو بتا کر آئے وہ مہمان زیادہ اچھے لگتے ہیں۔''

س۔ ''کھانے میں کیا پسند ہے؟''

ج۔ ''چکن کڑاہی، اروی گوشت، بھنڈی گوشت، بریانی، برگر، سبزیوں میں آلو ویسے تو سب کھا لیتی ہوں بہت صابر ہوں۔''

س۔ ''اگر آپ کو حکومت مل جائے تو؟''

ج۔ ''ظاہری بات ہے اپنے ملک کا بھلا ہی چاہوں گی ویسے تو سب ہی سدھارنے والا ہے ہمارے ملک میں۔''

س۔ ''پسندیدہ شاعر؟''

ج۔ ''شاعری سے بہت لگاؤ ہے شاعری جس مرضی شاعر کی ہو لیکن اچھی لگے۔ کچھ شاعروں کے نام یہ ہیں وہی فیض احمد، احمد فراز، محسن نقوی اور پروین شاکر ان کی شاعری زیادہ پسند ہے۔''

س۔ ''مزاجاً لڑاکا ہیں؟''

ج۔ ''جی نہیں مجھے نہیں لگتا لیکن غصہ بہت جلدی آتا ہے۔''

س۔ ''کس مزاج کے لوگ پسند ہیں؟''

ج۔ ''معصوم، کم گو اور تھوڑا بہت ہنسی مذاق کرنے والے۔ سب کے ساتھ گھل مل جانے والے ہنس مکھ لوگ پسند ہیں۔''

س۔ ''اگر لوڈشیڈنگ نہ ہوتی تو؟''

ج۔ ''تو زمانے میں اور بھی غم ہے لوڈشیڈنگ کے سوا۔''

س۔ ''اللہ کو یاد کرنے کا بہترین وقت؟''

ج۔ ''اللہ کو یاد کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے کیونکہ اللہ پاک ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تو ہم اسے جس وقت چاہے یاد کر سکتے ہیں۔''

س۔ ''آپ کفایت شعار ہے یا فضول خرچ؟''

ج۔ ''مجھے کفایت شعار بھی ہو سکتے ہیں اور فضول خرچ بھی کیونکہ میرے پاس پیسے آجائیں تو خرچ ہو جاتے ہیں بہت مشکل سے بچاتی ہوں۔''

س۔ ''کیا نام شخصیت پر اثر انداز ہوتے

ہیں؟"

ج۔ "میرے خیال میں تو ہوتے ہیں باقی سب کا اپنا نظریہ ہے۔"

س۔ "وہ کون سے کام ہیں جن کو کرتے ہوئے سوچ آتی ہے۔ دنیا کیا کہے گی؟"

ج۔ "دنیا کا کیا ہے کہنے کو تو بہت کچھ کہتی ہے اگر انسان اتنا سوچنے لگ جائے تو جینا بھی دشوار ہو جاتا ہے جیسے شاعر نے کہا ہے۔"

کچھ کام مسلسل سے تھکاوٹ نہیں لازم......!
انسان کو تھکا دیتا ہے سوچوں کا سفر بھی......!

س۔ "آپ سنسان راستوں سے گزر رہی ہیں اور کتا پیچھے لگ جائے تو؟"

ج۔ "ایسا تو کبھی نہیں ہوا لیکن میں کوشش کروں گی کہ جلدی جلدی چلنے لگوں ویسے نہ اسے چھیڑوں گی نہ وہ پیچھے لگے گا۔"

س۔ "آپ کی نظر میں محبت؟"

ج۔ "محبت تو اک خوب صورت احساس ہے لیکن آج کل کے دور میں تو رشتے بھی مطلب سے چل رہے ہیں محبت تو کہیں دور جا سوئی ہے۔"

احساس نہ اخلاص، محبت نہ تعلق......!
اس دور کے انسان ہیں کہ پتھر کے مجسمے......!

س۔ "کن لوگوں کی احسان مند ہیں؟"

ج۔ "اپنی امی کی۔"

س۔ "اپنی تعریف سن کر خوشی ہوتی ہے کیا؟"

ج۔ "بندہ بشر ہوں ظاہر سی بات ہے کون انسان اپنی تعریف پہ خوش نہیں ہوتا۔"

س۔ "ڈرامے دیکھتی ہیں؟"

ج۔ "جی بہت شوق سے دیکھتی ہوں لیکن ڈائجسٹ رائٹرز کے ڈرامے زیادہ شوق سے دیکھتی ہوں۔"

س۔ "اگر دوست ناراض ہو جائے تو کیسے مناتی ہیں؟"

ج۔ "منا لیتی ہوں اپنی غلطی تسلیم کر لیتی ہوں اگر غلطی سامنے والی کی ہو تو پھر نہیں مناتی جب تک وہ اپنی غلطی نہ مان لے......"

س۔ "حقیقی خوشی کس وقت حاصل ہوتی ہے؟"

ج۔ "یہ تو وقت اور حالات پر منحصر کرتا ہے کیونکہ وقت اور حالات کو مدنظر رکھا جائے تو پریشانی میں ذہنی سکون بھی کسی نعمت سے کم نہیں ورنہ کوئی بن مانگے چیز یا پھر کوئی خواہش پوری ہو جائے تو حقیقی خوشی حاصل ہو جاتی ہے۔"

س۔ "زندگی سے کیا سبق سیکھا؟"

ج۔ "زندگی تو شاید سیکھنے کا ہی نام ہے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک انسان اس سے کچھ نہ کچھ سیکھتے ہی رہتا ہے۔ وقت اور حالات کے بدلنے کے ساتھ انسانوں کے بدلتے رویے بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔"

س۔ "ستاروں پر یقین رکھتی ہیں؟"

ج۔ "ہاں جی! تھوڑا بہت۔"

س۔ "کوئی آخری بات؟"

ج۔ "یہی نئے سال کی سب کو مبارک باد اور دعا یہی کہ نیا سال ہم سب کے لیے اچھا ثابت ہو آمین۔ اور آخر میں اک شعر۔"

نہ گلہ ہے کوئی حالات سے
نہ شکایت کسی کی ذات سے
خود ہی سارے ورق جدا ہو رہے
میری زندگی کی کتاب سے......

س۔ "کوئی ایسی بات جو ہمیشہ ذہن میں رہتی ہو؟"

ج۔ "سندر تھا اس قدر کے معلوم نہ ہو سکا......!
کیسے، کہاں؟ اور کب میرا بچپن چلا گیا......"

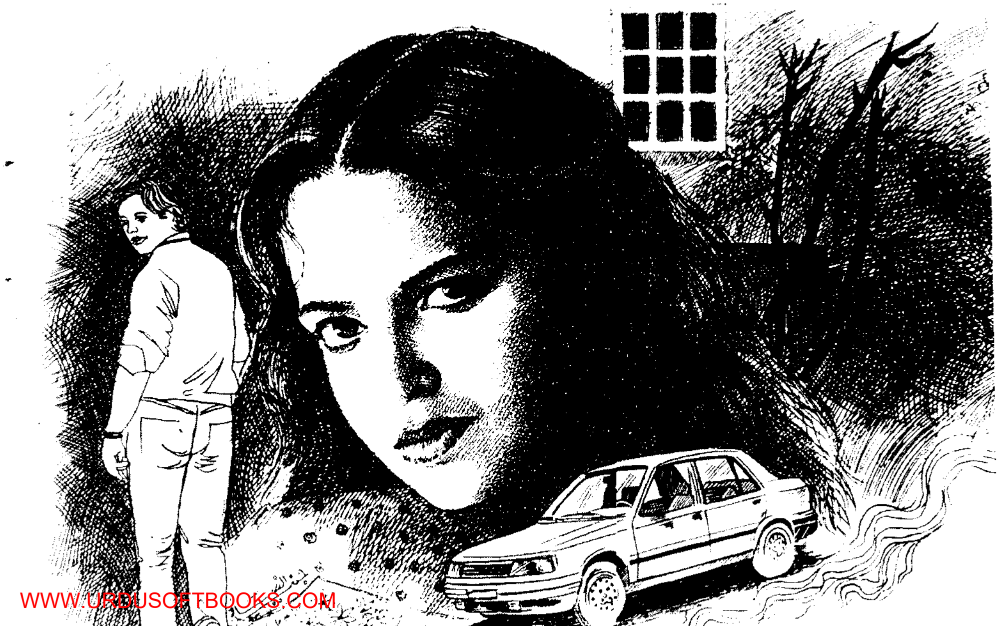
☆☆

نگہت عبداللہ

ہوائیں رخ بدل گئیں

حیدر علی اور احمد علی دو بھائی تھے۔ حیدر علی بڑے تھے' چھوٹے بھائی احمد علی کے لیے وہ مشفق باپ تھے۔ احمد علی کا انتقال ہو چکا تھا اور حیدر علی جس حد تک ممکن ہوتا بھاوج اور بچوں کی' مدد کرتے ہیں۔
حیدر علی کو ان کے مزاج کے برعکس بیوی ملی تھیں' وہ جتنے نرم خو تھے حمیدہ بیگم اس قدر تیز وطرار اور کسی حد تک بدزبان بھی۔ احمد علی کی بیوی فاخرہ ان ہی کی طرح نرم مزاج اور درگزر کرنے والی تھیں
حیدر علی کی تین بیٹیاں سبینہ' خزینہ اور شہرینہ تھیں جبکہ احمد علی کے دو بچے حمزہ اور بیلا تھے۔
سبینہ کی شادی ہو چکی ہے۔ خزینہ اپنے باس تیمور غزنی کو پسند کرتی ہے جبکہ خزینہ کا خالہ زاد شرجیل اس کو چاہتا ہے۔ حمزہ اور شہرینہ کا رشتہ' حیدر علی نے حمیدہ بیگم کی مرضی کے خلاف بھائی کی زندگی ہی میں' ان کی کم عمری ہی میں کر دیا تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں بھی مضبوط ہو چکا ہے۔

چوتھی قسط





''دیکھا ممی! یہ ہمیشہ ایسے ہی کرتی ہے، بلیک میل کرتی ہے آپ کو اور ڈیڈی کو بھی لیکن اس کی اس ناجائز بات کے سامنے آپ لوگوں نے ہتھیار نہیں ڈالنے، سن رہی ہیں ناں ممی......'' شہنیلا نے غصے میں بولتے ہوئے شاکڈ بیٹھیں ثمرہ کو اچانک جھنجوڑ ڈالا تھا۔

''میں تمہیں یہی تو بتا رہی تھی، تمہارے ڈیڈی نے بھی منع کر دیا ہے اور میں بھی نہیں چاہتی اسے کیسے سمجھایا جائے۔'' ثمرہ اسے سمجھانے کے معاملے میں بے بس نظر آنے لگی تھیں۔

''کوئی ضرورت نہیں اسے سمجھانے کی، خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔''

''مجھے تو وہ لڑکا بہت چالاک لگتا ہے۔'' ثمرہ نے کہا تو شہنیلا دانت پیس کر کہنے لگی۔

''صرف چالاک نہیں مما لالچی بھی، یہ نچلے طبقے کے لوگ امیر بننے کے لیے ایسے ہی لڑکیوں کو پھانستے ہیں۔ مجھے تو ربیکا پر حیرت ہو رہی ہے اس نے تو کبھی معمولی چیزوں پر دھیان نہیں دیا اس کی باتوں میں کیسے آ گئی۔''

''اب میں کیا کہوں؟'' ثمرہ نے گہری سانس بلکہ آہ بھری تھی۔

''ڈیڈی سے کہیں اسے فارغ کریں، میرا مطلب ہے اس لڑکے کو دھکے دے کر نکال دیں اپنے آفس سے اور ربیکا کا بھی آفس جانا بند کریں۔'' شہنیلا کا ڈپریشن کم نہیں ہو رہا تھا۔

''ریلیکس بیٹا! غصہ اور سختی سے ربیکا کو نہیں روکا جا سکتا، تمہارے ڈیڈی ہی اب اس میٹر کو ہینڈل کریں گے، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔'' ثمرہ نے شہنیلا کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کہا تو وہ مزید اکھڑ گئی۔

''فار گاڈ سیک ممی! آپ ربیکا سے ڈرتی کیوں ہیں؟''

''ڈرنے کی بات نہیں ہے، میں اس کی نیچر سے خائف ہوں، تم جانتی تو ہو جس بات پر اڑ جائے۔''

''تو اس میں غلطی آپ لوگوں کی ہے...... آپ کی' ڈیڈی کی......شروع سے اس کی ہر بات مانتے چلے آئے۔ مجھے نہیں یاد کبھی آپ نے یا ڈیڈی نے اسے کسی بات سے منع کیا ہو یا سمجھانے کی کوشش کی ہو کہ یہ اس کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔'' شہنیلا اب ثمرہ کو الزام دے رہی تھی اور کچھ غلط بھی نہیں تھا جب ہی وہ خاموش ہو گئی تھیں۔

شام میں حسان صاحب آئے تو انہوں نے خود ہی ثمرہ کو بتایا کہ ''انہوں نے حمزہ کی طبیعت صاف کر دی ہے اور انہیں امید ہے کہ وہ ربیکا کی طرف پیش رفت نہیں کرے گا۔''

''لیکن حسان آپ اگر اسے اپنی فرم سے نکال دیتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔'' ثمرہ نے ان کی ساری بات سن کر کہا تو وہ سر جھٹک کر بولے تھے۔

''تم عورتیں بہت جلد باز ہوتی ہو، فوری اسے نکالنے کا مطلب اپنی بیٹی کو خود سے متنفر کرنا تھا جبکہ میں چاہتا ہوں سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس لیے میں نے ابھی اسے صرف وارن کیا ہے۔'' ثمرہ انہیں دیکھے گئیں جب کہ چہرے پر فکرمندی جوں کی توں موجود تھی۔

''ڈونٹ وری! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' حسان صاحب ان کا چہرہ دیکھ کر کہنے لگے۔ ''تم ابھی ربیکا سے اس سلسلے میں کوئی بات مت کرنا۔''

''میں نے تو اس دن کے بعد سے کوئی بات نہیں کی، بس آج شہنیلا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔''

''پھر؟'' حسان صاحب نے فوراً ٹوکا تھا۔

''پھر بس...... ربیکا تو کمرے میں بند ہو گئی لیکن شہنیلا بہت ناراض ہو رہی تھی۔ وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے، اس کے سسرال تک بات پہنچ گئی تو کتنی ہرٹ ہو گی وہ اور ہرٹ تو ہم بھی ہوں گے۔'' ثمرہ کو زیادہ فکر اسی بات کی

تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا، تم لوگ بات کا بتنگڑ مت بناؤ۔'' حسان صاحب کے جھنجلانے پر ثمرہ کو وہاں سے کھسکنے میں عافیت نظر آئی تھی۔

☆☆☆

کل وہ انتہائی غصے میں تلملایا ہوا آفس سے نکلا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ وہ دوبارہ کبھی ادھر قدم نہیں رکھے گا۔ بات ہی ایسی تھی وہ لڑکی ربیکا حسان خود ہی اس کی طرف مائل تھی اور جب اس نے حوصلہ افزائی نہیں کی تو جانے اپنے ڈیڈی سے کیا کہا کہ وہ اس پر چڑھ دوڑے تھے۔ کوئی اور بات ہوتی یا آفیشل معاملے میں وہ اسے سرزنش کرتے تو وہ کبھی سیریس نہ لیتا لیکن انہوں نے تو انتہائی بے ہودہ الزام لگا کر اس کے کردار کی دھجیاں اڑا دی تھیں اور یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔

رات اس نے بہت سوچا تھا' سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ یہ جاب اسے بہت خواری کے بعد ملی تھی، ریزائن کا مطلب تھا پھر خواری اور اس نے خواری منظور کر لی۔ عزت نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا، اس نے سوچ لیا وہ محنت مزدوری کرے گا، پتھر توڑے گا لیکن یوں ذلیل ہو کر دوبارہ اس آفس میں نہیں جائے گا۔ یوں صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہی اس نے ریزائن لیٹر حسان صاحب کو ای میل کر دیا اور کیونکہ وہ فاخرہ کو جاب جانے کا بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے معمول کے مطابق گھر سے نکل آیا تھا۔

اب اسے جاب کے لیے نئے سرے سے تگ و دو کرنی تھی' اس لیے وہ ایک چائے کے ہوٹل میں آ بیٹھا اور چائے پینے کے ساتھ اخبار میں ویکینسیز دیکھتے ہوئے اس نے کافی وقت وہاں گزارا پھر ایک دو جگہ اپنی سی وی دے کر اس کی سمجھ میں نہیں آیا اب کیا کرے، کہاں جائے۔ ایک بج رہا تھا بے مقصد سڑکوں پر بائیک دوڑاتے ہوئے اسے خود بھی پتا نہیں چلا وہ شہرینہ کے کالج کے سامنے آن رکا تھا۔ اصل میں اس کا ذہن بے حد الجھا ہوا تھا' آگے کی فکر زیادہ تھی۔ خدا خدا کر کے اب تو حالات بہتر ہوئے تھے کہ پھر زندگی جانے کون سا امتحان لینا چاہتی تھی' وہ اسی سوچ میں تھا کہ اپنے نام کی پکار پر چونک کر دیکھنے لگا۔

''تم کیسے آئے؟'' شہرینہ پوچھ رہی تھی۔

''پتا نہیں۔'' اس نے بے دھیانی میں کہہ کر ادھر اُدھر دیکھا پھر نظریں شہرینہ پر جما دیں۔

''کیا ہوا ہے حمزہ! سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' شہرینہ اس کی سنجیدگی سے زیادہ پریشانی محسوس کر کے خائف ہو گئی تھی۔

''سب ٹھیک ہے' بیٹھو۔'' اس نے کہہ کر بائیک کو کک ماری تو شہرینہ اس کا موڈ دیکھتے ہوئی کچھ کہہ نہیں سکی فوراً اس کے پیچھے بیٹھ کر خود ہی جانے کیا کیا سوچتی، قیاس کرتی رہی تھی۔

''کھانا کھاؤ گی؟'' حمزہ نے ریسٹورنٹ کے پرسکون ماحول میں بیٹھتے ہی اس سے پوچھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''نہیں، پہلے تم بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے، اتنے پریشان لگ رہے ہو۔''

''اسی لیے تو میں گھر نہیں گیا' کیا واقعی میرے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے؟'' وہ یوں اپنا چہرہ چھونے لگا جیسے پریشانی نوچ پھینکے گا۔

''بالکل ظاہر ہو رہی ہے' اب بتا بھی دو حمزہ! میں تم سے زیادہ پریشان ہو رہی ہوں۔'' شہرینہ کی بے صبری پر وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''میری جاب چلی گئی ہے۔''

"کہاں......؟" وہ بے ساختہ کہہ کر جھنجلائی تھی۔ "اُف حمزہ تم نے تو میری جان ہی نکال دی' ایسی شکل بنائے ہوئے ہو جیسے پتا نہیں کتنا بڑا سانحہ ہو گیا ہو۔ اللہ نہ کرے......توبہ توبہ......"

"یہ سانحہ ہی تو ہے۔" حمزہ نے کہا تو اس نے فوراً ٹوکا۔

"جی نہیں' سانحہ وہ ہوتا ہے جس کی تلافی نہ ہو اور یہ تو سنا ہے ایک در بند سو کھلے۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو' اللہ پر بھروسا رکھو وہ جلد کوئی دوسرا اسباب پیدا کر دے گا۔" وہ لاابالی سی لڑکی کتنے آرام سے اسے ٹینشن سے نکال گئی تھی۔

"ہوں......" حمزہ نے بھینچی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگا۔ "بہر حال میں نے صرف تمہیں بتایا ہے اور تم ابھی کسی سے ذکر مت کرنا۔"

"نہیں کروں گی' چچی جان کو بھی نہیں پتا کیا؟" شہرینہ نے اس کی بات مان کر پوچھا۔

"نہیں، میں انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ کوشش کروں گا جلد کہیں اور جاب مل جائے تو پھر بتانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو، ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ چلو اب جلدی سے کچھ کھانے کو منگواؤ، بھوک لگ رہی ہے۔" شہرینہ نے کہتے ہوئے مینو کارڈ اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"تم بتاؤ، کیا کھاؤ گی؟"

"زیادہ کچھ نہیں بس بریانی منگوالو۔" وہ اب اس پر زیادہ برڈن نہیں ڈالنا چاہتی تھی' حمزہ بریانی آرڈر کر کے اسے دیکھنے لگا' سوچتا ہوا انداز تھا۔

"کیا ہوا؟" شہرینہ نے ٹوکنے کے ساتھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ بھی لہرایا تو اس نے یوں ہی نفی میں سر ہلایا پھر کہنے لگا۔

"سوچتا ہوں زندگی میں کتنے ایسے موڑ آتے ہیں جن کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا، ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"پتا نہیں۔" شہرینہ کی لاپروائی اس نے نظر انداز کر دی اور زور دے کر گویا ہوا۔

"سوچنا شہرینہ! غور کرنا پھر اس پر ڈسکس کریں گے۔"

"اچھی بات ہے، ابھی تو جلدی کھاؤ اور جلدی چلو، ایسا نہ ہو امی گھبرا کر خزینہ کو فون کر دیں کہ میں ابھی تک گھر نہیں پہنچی۔" شہرینہ پر اس خیال سے عجلت سوار ہو گئی تھی اور وہ بھی سمجھتا تھا اس لیے اسی کی طرح جلدی جلدی کھانے لگا تھا۔

☆☆☆

صبح آفس آتے ہوئے وہ حمیدہ بیگم سے کہہ آئی تھی کہ وہ نمرہ کے ساتھ مارکیٹ جائے گی اس لیے واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ اصل میں سعدیہ آپا کی شادی کے سلسلے میں اسے کچھ شاپنگ کرنی تھی اور شہرینہ کے لیے ایک دو سوٹ لینے کا سوچ کر اس نے اپنی جمع پونجی بھی پرس میں رکھ لی تھی اور اب وہ نمرہ سے پوچھ رہی تھی۔

"سنو! مارکیٹ چلو گی؟"

"مارکیٹ......کیا لینا ہے؟" نمرہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بس لینا ہے کچھ......میری کزن کی شادی ہے۔" اس نے کہا تو نمرہ ہونٹ سکیڑ کر بولی۔

"او......پھر تو لمبی شاپنگ ہو گی' ایسا کرو کل پر رکھو۔"

"کل سے تو فنکشنز شروع ہیں یار!"

"پھر آج تو میں نہیں جاسکتی کیونکہ مجھے خود جلدی گھر پہنچنا ہے' مہمان آرہے ہیں۔" نمرہ نے نہ جانے کی وجہ بتائی تو اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"تمہیں دیکھنے؟"

"ہاں کچھ ایسا ہی سلسلہ ہے۔" نمرہ ہنسی تھی۔

"چلو اللہ تمہاری نیا پار لگائے پھر میں ایسا کرتی ہوں ابھی نکل جاتی ہوں تاکہ شام تک گھر پہنچ جاؤں۔" اس نے کہتے ہوئے ٹائم دیکھا چار بج رہے تھے۔

"باس سے پوچھ لو جانے دیں تو چلی جاؤ۔"

"ہوں......" اس نے گلاس وال سے ادھر نظر ڈالی، تیمور غزنی فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کیا پھر اٹھ کر اس کے روم میں آئی تو وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ یہ پہلا موقع تھا ورنہ ہمیشہ اسے متوجہ کرنا پڑتا تھا۔

"بیٹھیں مس خزینہ!" خاصا دوستانہ انداز تھا، شاید اس لیے کہ وہ اپنے دل کی بات اس کے ساتھ شیئر کر گیا تھا۔ خزینہ نے چیئر کی طرف دیکھا ضرور لیکن بیٹھی نہیں کیونکہ اسے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کرنی تھی۔

"سر! مجھے مارکیٹ جانا ہے اگر کوئی ضروری کام نہ ہو تو میں ابھی......" وہ اس سے غلط بیانی نہیں کر سکتی تھی۔

"کام......" تیمور غزنی نے چند لمحے سوچا پھر اسے دیکھ کر بولا تھا۔

"ہاں مجھے بھی باہر کے ایک دو کام ہیں آپ چلیں میں آتا ہوں۔"

"یا اللہ! یہ شخص جب میرا نہیں ہوسکتا تو مجھ پر مہربان کیوں ہے۔" وہ سوچتی ہوئی واپس آئی اور اپنا بیگ اٹھا کر نمرہ کو خدا حافظ کہتے ہوئے آفس سے نکل آئی تھی۔

تقریباً دس منٹ بعد تیمور غزنی پارکنگ سے گاڑی نکال کر اس کے قریب لے آیا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس دوران اس نے اپنے طور پر سمجھ لیا کہ تیمور غزنی اسے اس لڑکی کے بارے میں بتانا چاہتا ہوگا جس کا اس دن اس نے ذکر کیا تھا۔

گو کہ متجسس وہ بھی تھی پھر بھی اس کے بارے میں نہیں سننا چاہتی تھی کیونکہ اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ جس شخص کو وہ اپنا محبوب مانتی ہے اس کے لبوں پر کسی اور کا نام ہو۔ کہیں جانے انجانے میں اس کا اندر عیاں ہوگیا تو تیمور غزنی تو جو بھی سمجھے وہ خود اپنی نظروں میں بے وقعت ہوجائے گی۔ اس لیے وہ اس کی طرف سے انجان ہی بنی رہی تھی اور جب اس نے شاپنگ مال کے پارکنگ میں گاڑی روکی تو وہ پریشان ہوگئی کیونکہ اتنے مہنگے مال سے شاپنگ کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"سر! آپ اپنا کام کرلیں، میں یہیں ویٹ کرلوں گی۔" اس نے خود پر قابو پا کر سہولت سے کہا تو وہ قدرے حیرت سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"واٹ ڈو یو مین......کیا آپ کو شاپنگ نہیں کرنی؟"

"کرنی ہے سر اور میں گھر سے اپنی سسٹر کے ساتھ جاؤں گی۔" اس نے جز بز ہو کر بات بنائی تھی۔

"اوکے، سسٹر کے ساتھ بھی چلی جایئے گا ابھی تو میرے ساتھ آئیں۔" تیمور غزنی نے لاپروائی سے کہہ کر پہلے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تو اسے اترنا پڑا۔

پھر وہ قصداً کسی روبوٹ کی طرح اس کے ساتھ چل رہی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی چیز کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں لینے کی چمک یا نہ لے سکنے کی حسرت لہرائے۔ اس لیے ہر طرف سے بے نیاز وہ جہاں رکا وہ رک گئی، وہ چلا تو وہ بھی چل پڑی۔ جانے وہ کیا کیا لے رہا تھا پھر وہ فوڈ کارنر پر بیٹھا تو وہ بھی بیٹھ گئی، اس کے

چہرے پر بے زاری واضح نظر آنے لگی تھی۔

''آپ شاید بور ہو گئیں۔'' تیمور غزنی نے اس کی بے زاری محسوس کر کے کہا، وہ کچھ نہیں بولی۔ ایک نظر اس پر ڈال کر گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی، دھوپ میں یوں لگ رہا تھا جیسے سمندر موتی اچھال رہا ہو لیکن چند لمحوں میں ہی اس کی آنکھوں میں چبھن ہونے لگی تو اس نے اُدھر سے نظریں ہٹالیں۔ تیمور غزنی خود ہی چائے کے ساتھ سینڈوچز کی ٹرے اٹھائے آرہا تھا۔

''سر! اس کی ضرورت نہیں تھی، ہمیں چلنا چاہیے''

''ضرورت تو کسی چیز کی بھی نہیں تھی۔'' اس نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

''پھر......؟'' اس کے صرف ہونٹوں نے جنبش کی جب کہ آنکھیں سوالیہ نشان بن گئی تھیں۔ تیمور غزنی نے پہلے چائے کا مگ اس کے سامنے رکھا پھر کہنے لگا۔

''وہ ایسا ہے کہ اس روز میں نے اپنی پرابلم...... نہیں پرابلم نہیں کہنا چاہیے۔ ہاں دل کی بات آپ کے ساتھ شیئر کی تھی۔''

''تو کیا وہ لڑکی مان گئی؟'' اپنی بے اختیاری پر وہ خود پچھتائی تھی۔

''نہیں...... میرا مطلب ہے ابھی میں نے اس سے بات نہیں کی کیونکہ مجھے نہیں پتا کہ اس کے دل میں میرے لیے کیا ہے۔ وہ مجھ پسند کرتی ہے یا نہیں، یہ سب جاننے کے لیے آپ بتائیں مجھے کیا کرنا چاہیے۔'' اس کی ساری بات سن کر خزینہ نے دل میں اسے گالی دی تھی اور دل تو اور بھی بہت کچھ چاہ رہا تھا بمشکل اسے سمجھا کر گویا ہوئی تھی۔

''سر! آپ کون سی صدی میں جی رہے ہیں؟ یہ اکیسویں صدی ہے پھر دیکھنے میں آپ کوئی ایسے لچے لفنگے بھی نہیں لگتے جو اظہار محبت کے جواب میں چماٹ پڑ جانے کا خدشہ ہو۔'' اس کے لہجے کی کھولن محسوس ہو رہی تھی، وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

''میں غلط نہیں کہہ رہی سر! اب کوئی پاپڑ نہیں بیلنے پڑتے۔ آپ سیدھے سیدھے اس سے کہہ دیں کہ آپ اسے پسند کرتے ہیں اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد باقی کام اس کا، وہ ہاں کرے یا ناں۔'' وہ اس موضوع سے جان چھڑانا چاہتی تھی کہ اچانک تیمور غزنی نے اس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تو کیا جواب ہے تمہارا؟''

''جی......'' سارے منفی جذبوں پر حیرت غالب آگئی تھی اور تیمور غزنی اس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا۔

''جو بھی ہوں لچا لفنگا تمہارے سامنے ہوں، کیا تم مجھے میری فیملی کے بغیر قبول کر سکتی ہو...... میں بڑے بڑے دعوے کر کے خود کو ہلکا نہیں کرنا چاہتا بس اتنا کہوں گا کہ......'' اس کا سر نفی میں ہلتے دیکھ کر وہ ایک دم خاموش ہو گیا اور قریب تھا کہ خود پر ہنستا۔ وہ دھیرے سے بولی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آرہا......'' تیمور غزنی قدرے خائف ہوا تھا، کہیں وہ یہ نہ کہہ دے کہ سارہ کی موجودگی میں تم ایسی بات کیسے کر سکتے ہو، جب ہی اسے ٹوکا نہیں اور اس کی ایک ایک حرکت دیکھنے لگا۔ خزینہ کی نظریں اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں بھٹکتے ہوئے جانے کیا تلاش کر رہی تھیں پھر اسی طرح وہ نظریں اٹھائے بنا بولی تھی۔

''جب میرے ہاتھ کی لکیروں میں ازل سے آپ کا نام لکھ دیا گیا ہے تیمور غزنی تو میں اسے مٹا تو نہیں سکتی۔'' تیمور غزنی نے کب سے رکی سانس سر پیچھے گرا کر بحال کی تھی۔

☆☆☆

شام اتر رہی تھی جب وہ بھاری شاپرز سے لدی پھندی گھر میں داخل ہوئی تو پہلے مرحلے پر ہی سینہ آپا کی

آمد کے آثار محسوس کر کے اس نے سیدھا اپنے کمرے کا رخ کیا اور تمام شاپرز الماری میں بند کر کے پھر حمیدہ بیگم کے کمرے میں آئی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے قصداً تھکا انداز اختیار کیا تھا، حمیدہ بیگم جواب کے ساتھ بولیں۔

''آ گئیں۔''

''جی، آپ کب آئیں سبینہ آپا؟'' اس نے سبینہ کے گلے لگتے ہوئے پوچھا، ساتھ اس کے بیٹے کو پیار بھی کیا تھا۔

''کافی دیر ہوئی امی نے بتایا تم مارکیٹ جاؤ گی، کیا لائی ہو؟'' سبینہ جیسے اسی انتظار میں بیٹھی تھی اور اسے خود پتا نہیں تھا تیمور غزنی نے وہ ساری شاپنگ اسے تھما دی تھی۔

''کچھ خاص نہیں، شہرینہ کے لیے سوٹ لینا چاہ رہی تھی لیکن سمجھ میں نہیں آئے۔'' اس نے بتاتے ہوئے شہرینہ کو آنکھ ماری جس سے وہ سمجھ گئی سبینہ کے سامنے نہیں دکھانا چاہتی پھر بھی منہ پھلا کر بولی تھی۔

''کل مہندی میں، میں کیا پہنوں گی؟''

''کوئی ضرورت نہیں مہندی وہندی میں جانے کی، یہ کوئی موقع ہے خوشیاں منانے، خالہ نے بھی احساس نہیں کیا۔'' سبینہ بگڑ گئی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے سبینہ آپا! خالہ امی سے اجازت لے کر ہی یہ سب کر رہی ہیں، مجبوری تھی ان کی۔'' خزینہ نے سمجھانا چاہا تو وہ اور بگڑ گئی۔

''کیسی مجبوری...... دو مہینے رہ گئے ہیں امی کی عدت ختم ہونے میں، اس کے بعد کی تاریخ رکھ لیتیں، کیوں امی؟''

''بس چپ ہو جاؤ۔'' حمیدہ بیگم اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتی تھیں۔

''میں تو چپ ہو جاؤں گی، دنیا کیا کہے گی۔''

''دنیا کو چھوڑیں یہ بتائیں آپ چلیں گی شادی میں۔'' خزینہ نے گویا جلتی پر تیل پھینکا تھا۔

''بی بی مجھے سسرال میں باتیں نہیں سننیں کہ باپ کو مرے جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اور اسے شادیاں سوجھ رہی ہیں۔ میں نے تو کسی کو بتایا بھی نہیں، طارق کو بھی نہیں پتا اور خبردار تم لوگ بھی ان کے سامنے ذکر مت کرنا۔''

''نہیں کریں گے۔ اب آپ ایک بات بتائیں اگر اس وقت میرے لیے کوئی پرپوزل آ گیا تو کیا آپ صرف اس لیے منع کر دیں گی کہ یہ ان باتوں کا موقع نہیں ہے، چار مہینے بعد آیے گا۔'' اس کی بات پر لاجواب ہو کر سبینہ نے حمیدہ بیگم کو پکارا تھا۔

''امی دیکھ رہی ہیں یہ مجھے کیسے زچ کر رہی ہے۔''

''کوئی نہیں، میں نے تو ایک بات کی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے کمرے سے نکل آئی، اب وہ کیسے بتاتی کہ اس کا دل اٹکھیلیاں کرنے کو چاہ رہا ہے۔

''خزی......'' شہرینہ کی پکار وہ ان سنی کر گئی اور آسمان کی وسعتوں میں کچھ تلاش کرنے کا شغل جاری رکھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' شہرینہ اس کے قریب چلی آئی۔

''اپنے بخت کا ستارہ۔'' وہ کہنے کے ساتھ اچھل پڑی۔ ''وہ دیکھو...... دیکھو شہرینہ! کتنا روشن ہے۔''

شہرینہ نے بے اختیار اس کی انگلی کے اشارے کی سمت نظریں اٹھائیں پھر ایک دم جھنجلا گئی۔

''کیا بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو، کم از کم تم پر ایسی باتیں بالکل سوٹ نہیں کرتیں۔'' وہ ہاتھ نیچے گرا کر

پوری شہرینہ کی طرف گھوم گئی۔

''کیونکہ دیکھنے میں تم خاصی سمجھ دار لگتی ہو۔'' شہرینہ ہنسی تھی۔

''اُف! میں تو ڈر ہی گئی تھی کہیں تم مجھے بوڑھی نہ کہہ دو۔'' اس نے کہا تو شہرینہ چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔

''ویسے میرا یہی مطلب تھا۔''

''شٹ اپ...... یہ بتاؤ سبینہ آپا کا کیا پروگرام ہے؟'' اس نے ٹوک کر پوچھا۔

''کھانا کھا کر جائیں گی' ارے......'' کھانے کے ساتھ ہی شہرینہ کو پکانا یاد آیا تو کچن کی طرف دوڑ لگا دی جب کہ اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا کوئی کام کرنے کو۔ خیال ضرور آیا کہ شہرینہ کی مدد کر دے لیکن پھر سر جھٹک کر وہیں صحن میں بیٹھ گئی گو کہ سردی کا زور ٹوٹ چکا تھا لیکن شام میں خنکی بڑھ جاتی تھی اور اسے خنک فضا اچھی لگ رہی تھی۔

وہی بات دل کا موسم اچھا ہو تو سب اچھا لگتا ہے' ہر طرف سے بے نیاز وہ ان لمحوں میں کھو گئی جب تیمور غزنی نے اس کی دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اس کی ایک ایک بات سوچتی اور دل میں دہرانے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی خواب ہو جس نے اس پر سحر طاری کر دیا تھا اور وہ اس سحر سے نکلنا نہیں چاہتی تھی۔

کتنی دیر ہو گئی، سرمئی شام نے سیاہ اوڑھنی اوڑھ لی تھی لیکن اسے کوئی ہوش نہیں تھا جب شہرینہ نے پکارا تب چونکنے کے ساتھ ہی اس نے جھرجھری لی تھی، اچانک ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا۔

''بیمار پڑنے کا ارادہ ہے کیا؟'' شہرینہ کہہ رہی تھی۔

''ہاں، دل چاہ رہا ہے شاید کوئی عیادت کو آ جائے۔'' وہ اپنی خود کلامی پر خود ہی محظوظ ہوتی اٹھ کر اندر آ گئی۔

پھر کھانے کے بعد طارق اپنے بیوی بچوں کو لے کر چلا گیا تو معمول کے مطابق حمیدہ بیگم کے سونے تک وہ ان کے پاس بیٹھی پھر اپنے کمرے میں آئی تو شہرینہ بری طرح جھنجلا رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولی تھی۔

''تم کہاں رکھ دیا ہے تم نے میرا سوٹ، میں ڈھونڈ ڈھونڈ تھک گئی۔''

''صبر نہیں ہے تم میں۔'' اس نے الماری کے اوپر سے چابی اٹھاتے ہوئے کہا پھر شہرینہ کو دیکھ کر بولی۔

''دیکھو، شور مت مچانا۔ آرام سے ساری شاپنگ دیکھنا۔''

''کیا مطلب؟''

''کوئی مطلب نہیں، یہ لو......'' اس نے چابی شہرینہ کے ہاتھ پر رکھی اور خود کمبل میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ اس کی بے نیازی میں اسرار تھا۔ شہرینہ الماری میں سے شاپر نکال نکال کر بیڈ پر رکھتے ہوئے حیرت میں مبتلا تھی پھر جب خود بیٹھی تو اسی حیرت سے پوچھنے لگی۔

''کیا کیا لے آئی ہو خزی! اتنی شاپنگ کے لیے پیسے کہاں سے آئے؟''

''پیسوں کا حساب کتاب بعد میں کرنا پہلے یہ دیکھتے ہیں۔'' وہ کہہ کر شاپرز میں سے ڈبے نکال نکال کر کھولنے لگی۔ بہت خوب صورت ریڈی میڈ سوٹ تھے، اس کے علاوہ نفیس جیولری' قیمتی رسٹ واچ اور ایسے ہی قیمتی موبائل فون' پرفیومز......ایک ایک اشتیاق سے دیکھنے اور دل کھول کر تعریف کرنے کے بعد شہرینہ کا پھر وہی سوال تھا۔

''اتنے پیسے کہاں سے آئے؟''

''بونس ملا تھا۔'' اس نے قیمتی سیل فون پر نظریں جماتے جواب دیا تھا، اصل میں وہ کچھ عجیب سا محسوس کرنے لگی تھی کیونکہ وہ اگر امیر نہیں تھی تو غریب بھی نہیں تھی۔ وہ محلوں کے خواب نہیں دیکھتی تھی، اس کے دل نے

تیمور غزنی کی تمنا کی تھی اور اس کے لیے وہی سب کچھ تھا۔
''اس نے مجھے یہ سب کیوں دیا؟'' وہ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

آج تیسرے دن بھی حمزہ آفس نہیں آیا تھا تو ربیکا کو اچنبھا ہوا۔ کسی اور سے اس کے بارے میں پوچھنے کے بجائے وہ سیدھی حسان صاحب کے روم میں آئی تھی۔

''ڈیڈی! مسٹر حمزہ نہیں آرہے، لیو پر ہیں کیا؟''

''نہیں، اس نے یہاں سے ریزائن دے دیا ہے۔'' حسان صاحب نے مصروف انداز میں یوں جواب دیا جیسے ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

''ریزائن دے دیا، کیوں؟'' ربیکا کو جھٹکا لگا تھا۔

''آئی ڈونٹ نو (مجھے نہیں معلوم) ہوسکتا ہے اسے یہاں سے اچھی جاب مل گئی ہو۔'' حسان صاحب نے بے نیازی سے کندھے اچکائے تو وہ انہیں اس کیفیت سے نکالنے کی خاطر ٹیبل پر ہاتھ مار کر کہنے لگی۔

''لیکن ڈیڈی! وہ ایسے کیسے جاسکتا ہے، آئی مین اسے پہلے سے اِن فارم کرنا چاہیے تھا۔ کمپنی کا یہی رول (اصول) ہے، آپ نے اس کا ریزائن قبول کیسے کیا؟''

''کیونکہ وہ میری کمپنی کے لیے اتنا اہم نہیں تھا، اس کے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' حسان صاحب نے کہا تو وہ بدلحاظی سے بولی تھی۔

''مجھے فرق پڑتا ہے ڈیڈی! کیونکہ وہ میرے لیے اہم ہے۔ کیا آپ کو ممی نے نہیں بتایا۔''

''ربیکا......'' غصہ ضبط کرنے کی سعی میں حسان صاحب کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔

''میں کچھ نہیں جانتی' آپ اسے واپس بلائیں۔'' وہ کہہ کر ان کے روم سے اور پھر آفس سے ہی نکل آئی۔ اس کے اندر عجیب سی بے چینی پھیل گئی تھی، دنیا میں ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا جو اس کی دسترس سے باہر ہو۔ گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہی اس نے سیل فون اٹھا کر حمزہ کا نمبر پش کیا تھا۔

اس وقت دن کے بارہ بجے تھے، حمزہ ایک جگہ سے انٹرویو دے کر نکلا تھا اور کیونکہ اسے وہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ انٹرویو محض فارملیٹی ہے ورنہ سلیکشن پہلے ہی ہو چکا تھا جب ہی وہ خاصا مایوس اور دل برداشتہ سا ابھی سوچ ہی رہا تھا مزید کہاں ٹرائی کرے کہ اس کی جیب میں سیل فون بجنے لگا، اس نے سیل فون نکال کر دیکھا اجنبی فون نمبر تھا۔

''شاید کہیں اور سے کال آئی ہو۔'' اس خیال سے اس نے فوراً کال لی تھی۔

''ہیلو......''

''حمزہ! آپ نے ریزائن کیوں دیا؟'' ادھر سے ربیکا نے چھوٹتے ہی پوچھا اور ادھر وہ جل کر بولا تھا۔

''تمہاری وجہ سے۔''

''میری وجہ سے......'' وہ حیران ہوئی۔ ''میں سمجھی نہیں؟''

''آپ بس اتنا سمجھ لیں میم کہ یہ رانگ نمبر ہے، آئندہ اس نمبر کو چھونے کی زحمت مت کیجیے گا۔'' حمزہ نے کہہ کر لائن کاٹ دی تھی۔

''ارے......'' ربیکا نے غیر یقینی سے اپنے سیل فون کو دیکھا پھر دوبارہ کال ملائی، دوسری طرف بیل جارہی تھی پھر ناٹ رسپانڈنگ کا ٹیپ بجنے لگا۔ اس کے باوجود وہ بار بار اس کا نمبر پش کرتی رہی، اسی حساب سے اس پر غصہ اور جھنجلاہٹ سوار ہورہی تھی۔ ذہن الگ چٹخنے لگا تھا آخر اس نے موبائل رکھ کر گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔

وہ ثمرہ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اس کی حسان صاحب سے حمزہ کے بارے میں کیا بات ہوئی تھی لیکن پھر گھر

پہنچ کر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ ثمرہ سے کچھ پوچھنے سے پہلے وہ حمزہ سے بات کرنا چاہتی تھی، اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے پہلے حمزہ کو میسج کیا۔

''حمزہ! پلیز ریسیو مائی کال۔'' جواب ندارد۔ اس نے پہلے کال ملائی پھر میسج کیا۔

''حمزہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔'' وہ بار بار اسے یہی میسج بھیجتی رہی اور شام میں کہیں جا کر اس کا جواب آیا تھا۔

''میں ابھی تین چار دن بہت مصروف ہوں اس کے بعد۔''

''اس کے بعد......'' اس نے سوچا پھر سر جھٹک کر گہری سانس کھینچی تھی گو کہ حمزہ کی بات واضح نہیں تھی پھر بھی وہ قدرے مطمئن ہو گئی تھی۔ اس لیے جب حسان صاحب آئے تو اس نے ان پر کچھ ظاہر نہیں کیا اور ثمرہ سے اپنی دوست انابیہ کے پاس جانے کا کہہ کر گھر سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆

خزینہ کے کہنے پر حمزہ شام میں ہی فاخرہ اور بیلا کو اس کے گھر لے آیا تھا کیونکہ خزینہ اور شہرینہ کو کزن سعدیہ کی مہندی میں جانا تھا تو حمیدہ بیگم کے اکیلے ہونے کے خیال سے اس نے حمزہ سے کہا تھا کہ وہ چچی جان اور بیلا کو تین چار دنوں کے لیے ان کے ہاں چھوڑ دے۔ حمزہ کا خیال تھا وہ انہیں چھوڑ کر واپس آ جائے گا لیکن آگے حمیدہ بیگم نے اسے لڑکیوں کے ساتھ جانے کا کہہ دیا۔ اسے اعتراض تو نہیں تھا لیکن عجیب سا لگ رہا تھا کہ وہ بن بلایا مہمان ہے۔

بہر حال اس نے جو ربیکا کو محض ٹالنے کی غرض سے کہہ دیا تھا کہ ابھی تین چار دن وہ بہت مصروف ہے تو واقعی تین چار دن وہ ادھر مصروف رہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ جاب کے لیے بھی کوشش کر رہا تھا۔

اس وقت وہ جاب کے سلسلے میں ہی ایک دیرینہ ساتھی سے ملنے جا رہا تھا کہ ربیکا نے گاڑی اس کے قریب روکتے ہی دروازہ کھول کر اسے پکارا تھا۔

''حمزہ......!'' وہ جو بائیک لاک کر کے مطلوبہ بلڈنگ کی طرف قدم بڑھانا ہی چاہتا تھا کہ اپنے نام کی پکار پر بلا ارادہ پلٹتے ہی ٹھٹک گیا۔

''حمزہ پلیز! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' ربیکا کہنے کے ساتھ اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ بھی کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہا پیر کی ٹھوکر سے اس کی گاڑی کا دروازہ بند کر دے لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''آپ کی مصروفیت ختم ہو گئی ہے؟''

ربیکا نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے غالباً بات کرنے کی غرض سے یونہی پوچھا تھا اور کیونکہ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے اس لڑکی کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے اس لیے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو پھر وہ بھی اصل بات پر آ گئی۔

''مجھے یہ پوچھنا تھا حمزہ کہ آپ نے ریزائن کیوں دیا اور پھر آپ نے کہا میری وجہ سے تو میری وجہ سے کیوں؟''

''پہلے آپ بتائیں، آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟'' حمزہ نے سامنے نظریں جمائے الٹا اس سے پوچھا تو وہ دھڑلے سے بولی تھی۔

''میں آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔'' حمزہ اس کی بے باکی پر ششدر رہ گیا اور وہ مزید گویا ہوئی۔

''اگر مزید سننا چاہتے ہیں تو سنیں، میں نے اپنے دل کی ریاست آپ کو سونپ دی ہے اور اس پر صرف آپ ہی حکمرانی کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔''

''آپ......'' بے حد سلگ کر حمزہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس نے ٹوک دیا۔

''ایک منٹ حمزہ! ابھی آپ کچھ نہ کہیں کیونکہ غصے اور جذبات میں کیے گئے فیصلے ہمیشہ پچھتاوے لے کر آتے ہیں۔''

''نو پرابلم! میں پچھتالوں گا۔ آپ پلیز گاڑی روکیں۔'' وہ اس کی مزید بکواس سننا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''ایسا مت کہیں حمزہ! اپنی اب تک کی زندگی میں آپ نے پایا ہی کیا ہے اور آئندہ میں بھی آپ وہ کچھ نہیں پا سکتے جو آپ کو میرے ساتھ سے حاصل ہوگا۔'' وہ بہت سکون سے حمزہ کے ساتھ اس کی زندگی کا سودا کرنا چاہ رہی تھی۔

حمزہ نے سختی سے اپنی ہونٹ بھینچ لیے کیونکہ کسی لڑکی پر چلانا وہ مردانگی کی توہین سمجھتا تھا۔ اس لیے چہرہ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگا اور ربیکا سے کب کسی نے منہ موڑا تھا' وہ پہلا شخص تھا اور اس کی یہی ادا اسے ضد دلانے کے ساتھ اندر سے توڑ بھی رہی تھی۔

''حمزہ آپ سمجھنے کی کوشش تو کریں۔'' جانے کیا تھا اس کے لہجے میں کہ وہ ایک دم اسے دیکھنے لگا بلاشبہ وہ بہت خوب صورت تھی' گھنی سیاہ پلکوں کے پہرے میں اس کی آنکھوں میں اپنی ہستی کا غرور ماتم کرتا نظر آرہا تھا۔ حمزہ کی سمجھ میں نہیں آیا اسے کیسے روکے' بمشکل خود کو بولنے پر آمادہ کر پایا تھا۔

''دیکھیں مس ربیکا! آپ نے اپنی طور پر سمجھ لیا کہ میں نے اب تک زندگی میں کچھ نہیں پایا' ایسا کچھ نہیں ہے۔ بے شک میرے پاس سب کچھ نہیں ہے لیکن اللہ کا شکر ہے ضرورتوں کے لیے مجھے کبھی ترسنا نہیں پڑا اور یہی میرے لیے بہت ہے۔''

''لیکن حمزہ!''

''پلیز......'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''سمجھنے کی ضرورت مجھے نہیں آپ کو ہے۔ آپ اپنے دل کی ریاست ایسے شخص کو سونپنا چاہتی ہیں جو اس کا اہل ہی نہیں ہے۔''

''اس کا فیصلہ وقت کرے گا، آپ اپنے خول سے باہر تو نکلیں۔'' ربیکا نے کہا تو وہ محض اس سے جان چھڑانے کی غرض سے بولا تھا۔

''چلیں ٹھیک ہے میں سوچوں گا۔''

''ضرور، میں بھی یہی چاہتی ہوں۔'' ربیکا خوش ہو گئی جب کہ وہ کچھ اور سوچنے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ سونیا کے بچوں کے ساتھ کیرم کھیلتے ہوئے خود بھی بچہ بنا ہوا تھا، ماما کی نظریں بار بار اسے دیکھ رہی تھیں۔ کتنا خوش نظر آرہا تھا وہ اور اب تو ماما اس کی ایسی خوشی کے لیے دعا بھی نہیں کر سکتی تھیں کہ اللہ اس کے آنگن میں ایسے پھول کھلائے، جب ہی ان کی آنکھوں میں حسرت تھی جسے محسوس کر کے سونیا سرگوشی میں پوچھنے لگی۔

''کیا سوچ رہی ہیں ماما؟''

''ہیں......'' چونکنے کے ساتھ ماما کے سینے سے آہ کی صورت سانس خارج ہوئی تو سونیا نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''میں جانتی ہوں ماما! یہ دکھ آپ کو اندر سے کھوکھلا کر رہا ہے۔ بابا نے تو سمجھوتا کر لیا ہے لیکن آپ نہیں کر پا رہیں اور دیکھیے گا ابھی نہیں تو وقت گزرنے کے بعد بابا کو بھی احساس ضرور ہوگا۔''

''وقت گزرنے کے بعد......'' ماما نے تڑپ کر سونیا کو دیکھا تھا۔

''سوری ماما! بات کڑوی ہے لیکن یہی سچ ہے، مجھے سارہ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ آپ کی اور بابا کی طرح مجھے بھی وہ بہت عزیز ہے لیکن آپ کا، تیمور کا وارث بھی تو ہونا چاہیے۔''

''آپ بابا کو کنونیس کریں، آخر کب تک تیمور دوسروں کے بچوں کے ساتھ خود کو بہلاتا رہے گا اور کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کوئی آپ کو دادی کہے؟'' سونیا بہت نرمی سے انہیں اکسا رہی تھی۔

''تمہارے بابا نہیں مانیں گے۔'' ماما کا انداز کھویا ہوا تھا، سونیا یکدم پرجوش ہوگئی۔

''اور آپ؟''

''میں تمہارے بابا کے خلاف نہیں جاسکتی۔'' انہوں نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''اسی لیے تو میں کہہ رہی ہوں آپ بابا کو آمادہ کریں' اموشنل بلیک میل کریں، انہیں تیمور کا احساس دلائیں۔ کہیں خود تو ابا بن گئے اس بے چارے کو بھی بننے دیں۔'' سونیا روانی میں جو منہ میں آیا کہتی چلی گئی۔

''بس، بس کرو سونیا! اب اس عمر میں مجھے گھر سے نکلواؤ گی کیا۔'' ماما نے ٹوک کر کہا تو وہ حیرت سے بولی۔

''ہیں' آپ کو کون گھر سے نکال سکتا ہے؟''

''تمہارے بابا! یہی کہا تھا انہوں نے مجھ سے کہ اگر میں نے تیمور کو دوسری شادی پر اکسایا تو پھر اس گھر میں میرے لیے جگہ نہیں ہوگی۔'' ماما کی بات پر سونیا سلگ کر دانت پیسنے لگی تب تیمور غزنی پکار کر پوچھنے لگا۔

''سونیا آپی! ہم لوگ بچوں کو آؤٹنگ پر لے جارہے ہیں' آپ چلیں گی؟''

''نہیں، تم لوگ جاؤ اور ذرا جلدی آجانا، مجھے گھر بھی جانا ہے۔'' سونیا نے صرف اس لیے منع کیا کہ ماما کو راضی کرسکے۔ اتفاق سے اس وقت بابا گھر پر نہیں تھے اور وہ یہ موقع کھونا نہیں چاہتی تھی۔ جب ہی تیمور لوگوں کے جاتے ہی وہ پھر شروع ہوگئی تھی۔

''حد کرتی ہیں ماما! بابا کی دھمکی سے آپ ڈر کر بیٹھ گئیں، یہ دھمکی تو آپ کو انہیں دینی چاہیے۔''

''بے کار بحث مت کرو سونیا! تیمور بھی نہیں مانے گا۔''

''اسے میں منالوں گی۔'' سونیا فوراً بولی تھی، ماما نفی میں سر ہلانے لگیں تو وہ جھنجلا گئی۔

''کیسی ماں ہیں آپ، بیٹے کا ذرا احساس نہیں۔ ظلم کررہی ہیں آپ اس پر اور اپنے آپ پر بھی۔ اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے' اختیار بھی، حق بھی پھر بھی آپ سناٹوں میں پڑی ہیں۔ ذرا دیکھیں ان در و دیوار کو، کیسی ویرانی ٹپکتی ہے۔''

''اللہ کو یہ ہی منظور ہے۔'' ماما کے آہ بھرنے پر سونیا نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

☆☆☆

وہ اس کی محبت نہیں تھی جو اظہار کے بعد اس کا اعتراف سن کر ہواؤں میں اڑنے لگتا اور اس کے انتظار میں پل پل گنتا۔ وہ جو تین دن بعد آنے کا کہہ گئی تھی تو آج چوتھا دن تھا۔ وہ معمول کے مطابق اپنے کام میں مصروف تھا جب خزینہ نے اس کے روم میں داخل ہوکر سلام کیا تب چونکنے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں تین دن پہلے کی شام اتر آئی تھی جب کہ وہ تو اس سحر سے نکلی ہی نہیں تھی۔

''پلیز......'' تیمور غزنی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرکے پوچھا۔ ''کیسی ہیں آپ؟''

''سوری، میں آج کچھ لیٹ ہوگئی۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی، اس کی بات کا جواب سر کے اشارے سے دیا تھا۔

''نو پرابلم! اب یہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بظاہر سنجیدگی سے کہا تو وہ نہ سمجھ کر پریشان

ہوگئی۔

''جی؟''

''جی میم! اب آپ کی ضرورت میرے گھر میں ہے۔'' وہ اس کی کھلی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تو قدرے نروس ہوکر اس نے پلکیں جھکالی تھیں۔

''پھر میں کب آؤں تمہارے گھر؟'' وہ زیادہ دل لگی نہیں کرسکتا تھا۔

''جی......'' وہ بوکھلا گئی تو اسے پوچھنا پڑا۔

''کوئی پرابلم ہے؟''

''نو سر......بس ابھی آپ اتنی جلدی نہ کریں، میرا مطلب ہے پہلے میں خود اپنی مدر سے بات کروں گی اور جب وہ کہیں گی تب......'' وہ قدرے ہچکچا کر بول رہی تھی۔

''ہوں......'' وہ سمجھ کر کہنے لگا۔ ''تم ان پر ساری صورت حال واضح کردینا، آئی مین اپنی فیملی کے بارے میں، میں نے تمہیں جو بتایا ہے۔''

''جی سر! میں بھی یہی چاہتی ہوں۔''

''پلیز اب یہ سر سر کی گردن چھوڑو، میرا نام کوئی اتنا مشکل نہیں ہے چاہو تو صرف غزنی کہہ لو۔'' اس نے ٹوک کر کہا تو وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اسے دیکھنے لگی، اب اسے کیا بتاتی کہ اس کا دل تو اول روز سے اسے غزنی غزنی پکارتا ہے۔

''اور ہاں، میں چاہتا ہوں تم ابھی ریزائن دے دو کیونکہ اگر یہاں کسی کو بھی ہمارے بارے میں شبہ ہوگیا تو میں بڑی مشکل میں پھنس جاؤں گا۔ سمجھ رہی ہو ناں، میرا مطلب ہے بات میرے گھر تک پہنچ سکتی ہے۔''

''تو کیا آپ بھی بھی......'' وہ اندر سے خائف ہوئی تھی۔

''دیکھو میں تمہیں کوئی جھوٹی آس نہیں دلا سکتا، ابھی جو مجھے لگتا ہے کہ میرے والدین کبھی نہیں مانیں گے تو میں نے تمہیں بتادیا ہے۔ باقی وقت پر چھوڑ دو' ہوسکتا ہے کبھی ان کے دل نرم ہوجائیں۔ میرے لیے نہیں تو میرے بچوں کے لیے۔'' وہ بہت سنجیدگی سے بات کررہا تھا پھر بھی اس کی آخری بات پر اس کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے تھے جو پتا نہیں اس نے محسوس کیے یا نہیں، اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بہرحال تم سے زیادہ مجھے اس وقت کا انتظار ہوگا اور ہاں یہاں ریزائن دے کر تم کہیں اور جاب کرنے کا مت سوچنا، آرام سے گھر بیٹھو۔ میں تمہیں دو مہینے کی سیلری دے دوں گا۔''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ جز بز ہوئی تھی۔

''بات ضرورت کی نہیں حق کی ہے اور اب تو تم مجھ پر ضرورت کے علاوہ خواہشات کا بھی حق رکھتی ہے، آئی سمجھ۔'' وہ اچانک اس کی آنکھوں میں دیکھ کر شوخی سے مسکرایا تو اس کے سارے خدشات اپنی موت آپ مر گئے، سنبھل کر بولی تھی۔

''مجھے آپ کے ساتھ کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے غزنی!''

''اور مجھے تمہارے ساتھ سب کچھ۔'' معنی خیز مسکراہٹ تھی، وہ پھر نروس ہوگئی تو اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں چلتی ہوں۔''

''کیسے جاؤ گی؟''

''جیسے آئی تھی۔'' وہ کہہ کر پلٹی تو بے اختیار تیمور غزنی نے اٹھ کر اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ انجانے میں وہ اسے مان دے گیا تھا اور پھر دیکھا ہی نہیں کہ اس مان نے اسے کتنا پراعتماد بنادیا تھا۔

☆☆☆

حمزہ نے کیونکہ فاخرہ کو اپنی جاب جانے کا نہیں بتایا تھا اس لیے وہ گھر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ روزانہ آفس ٹائم پر ہی گھر سے نکل جاتا، کہیں انٹرویو کہیں سی وی دینا، اس کے بعد ادھر اُدھر وقت گزارتا جس سے اب وہ تنگ آ گیا تھا۔ اس وقت اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو حمیدہ بیگم کی خیر خیریت معلوم کرنے کے بہانے ان کے پاس آ گیا تھا۔

"آج آفس نہیں گئے؟" حمیدہ بیگم نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"نہیں، کچھ گھر کے کام نمٹانے تھے اس لیے آج چھٹی کر لی اور ابھی سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں کوئی کام......" وہ انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو حمیدہ بیگم یاد کرنے میں لگ گئیں کہ انہیں کیا کام تھا۔ تب ہی خزینہ آ گئی، بے وقت آمد تھی جب ہی حمیدہ بیگم فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"جلدی آ گئی بیٹا! خیر تو ہے۔"

"جی، چھٹی ہو گئی۔" خزینہ کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی، پرس ایک طرف اچھال کر حمزہ کو دیکھنے لگی۔

"تم اس وقت کیسے؟"

"بس میں نے بھی آج چھٹی کر لی۔" وہ کہہ کر حمیدہ بیگم سے پوچھنے لگا۔

"جی تائی جان آپ بتائیں۔"

"کیا بتاؤں، ذہن سے ہی نکل گیا۔ پتا نہیں کیا کام تھا خیر کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں، تم یہ بتاؤ......" حمیدہ بیگم جانے کیا پوچھنے جا رہی تھیں کہ خزینہ کو دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

"پوچھ لیں جو پوچھنا ہے، میں جا رہی ہوں۔" خزینہ سمجھ کر کہتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل گئی تب حمیدہ بیگم آواز دبا کر کہنے لگیں۔

"تم نے شرجیل کو دیکھا ہے ناں، ابھی اس کی بہن کی شادی میں بھی تمہاری اس سے ملاقات ہوئی ہوگی، کیا برائی ہے اس میں؟"

"جی......؟" حمزہ سمجھا نہیں۔

"ہاں بتاؤ کیا برائی ہے اس میں؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں تائی جان! میرا مطلب ہے میرا اس سے زیادہ ملنا جلنا تو نہیں ہوا ویسے بھی آپ زیادہ بہتر جانتی ہوں گی، کیوں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" وہ بہت سنبھل کر بول رہا تھا۔

"ارے بات کیا ہونی ہے، میری بہن اس کے لیے خزینہ مانگ رہی ہے۔ پڑھا لکھا، سلجھا ہوا لڑکا ہے لیکن خزینہ مان کے نہیں دے رہی۔" حمیدہ بیگم کہاں تو حمزہ کو منہ نہیں لگاتی تھیں اور اب اسی پر بھروسا کر رہی تھیں اور وہ سمجھ نہیں پایا اسے کیا کہنا چاہیے کیونکہ یہ بات شہرینہ بھی اسے بتا چکی تھی کہ خزینہ نے شرجیل کا پرپوزل ریجیکٹ کر دیا ہے۔

"بیٹا تم بات کرو خزینہ سے۔" حمیدہ بیگم اسے بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر خود ہی کہنے لگیں۔ "بلکہ سمجھاؤ اسے، آج کل ایسے ہی اچھے رشتوں کا کال پڑا ہے۔ تمہارے تایا جان زندہ تھے تو مجھے زیادہ فکر نہیں تھی اب تو فکریں ہی فکریں ہیں۔"

"فکر نہ کریں تائی جان! میں بات کروں گا خزینہ سے۔" اسے کہنا پڑا۔

"ہاں بیٹا! سمجھاؤ اسے، میں اس سے فارغ ہوں تو شہرینہ کا سوچوں، تمہاری اماں کو بھی جلدی ہے۔" حمیدہ بیگم نے کہا تو وہ خوش گوار حیرت میں گھر گیا تھا۔

☆☆

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

منشا محسن علی

اٹس او کے



زندگی گزارنے کا طریقہ، سلیقہ اور ڈھب ہر بار آپ کو کتابوں کے ڈھیر سے نہیں ملتا۔ واقعی نہیں ملتا۔ یہ آپ کو بزرگوں کی باتوں سے بھی نہیں ملتا...... کبھی کبھار...... گنی چنی بار...... یہ طریقہ، یہ ڈھب، آپ کو بچے سکھاتے ہیں کہ نہیں! آپ غلط کر رہے ہیں اور آپ کو اسے درست کرنا ہوگا۔ زندگی جینے کے لیے یہ ضروری ہے...... انتہائی ضروری...... اور بات جب زندگی جینے کی ہو تو...... آپ کو سوچنا پڑتا ہے۔ ٹھٹکنا پڑتا ہے، کیوں کہ زندگی گزارنے میں اور زندگی جینے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ دریا اور سمندر جیسا...... چٹان اور پہاڑ کے جیسا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے میں نے نظریں ''کھلے'' ہوئے دروازے کی طرف جما دی تھیں۔ مجھے ہمیشہ کی طرح یقین تھا کہ ''وہ'' آئیں گے۔ سب آئیں گے...... میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ میں نے رخ موڑ کر دائیں طرف لگی دیوار گیر گھڑی کو دیکھا تھا اور بار بار دیکھا تھا۔ ایسا تو پہلے کبھی بھی نہیں ہوا تھا...... کہ وہ نہ آئیں...... میں ٹشو باکس سے ٹشو کھینچ رہی تھی۔ جب چوکھٹ پر دو پٹی والی چپلوں میں مقید دودھیا پاؤں نظر آئے تھے۔ ایسا بھی پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ آج ''وہ'' آئی تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتی بالکل میرے پاس آن کھڑی ہوئی تھی۔ میں اگر چاہتی تو اس کے پونی ٹیل میں بندھے بال ہاتھ بڑھا کر کھول سکتی تھی۔ وہ میرے پاس بیڈ پر نہ بیٹھی تھی، بس کھڑی رہی تھی۔ گھنی پلکیں، موٹی موٹی آنکھیں، اونچی مغرور ناک جواب پھولنے اور پچکنے لگی تھی۔ وہ میری بیٹی تھی۔ عالیہ بنت فاریہ فاروق...... ہم میں صدیاں حائل تھیں اور یہ کیوں تھیں، اس سوال کا جواب سمندر میں سکے اچھالنے جیسا تھا۔ کبھی نہ ملنے والا...... گمشدہ...... میں نے ٹشو سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ الٹا اثر ہوا تھا۔

''جب آپ کو اوپر والے نے انسان ہی بنایا ہے تو آپ فرشتہ کیوں بننا چاہتی ہیں؟'' موٹی آنکھوں میں غصہ اچھل رہا تھا۔

''عالو...... میں......'' میں اسے پاس بٹھا کر سب سمجھنا آسان کر دینا چاہتی تھی۔ مگر میں غلط تھی، وہ بالکل اپنے باپ پر گئی تھی۔ ویسی ہی دوٹوک، سمجھ دار اور خوب صورت۔''

''آپ مجھے کچھ مت سمجھائیں۔ میں سب سمجھتی ہوں۔''

''تم ابھی بچی ہو بیٹا۔ میں اس بپھری ہوئی غزال کو سکون دینا چاہتی تھی۔

''آئی ایم ناٹ آ چائلڈ'' (میں بچی نہیں ہوں) وہ کرسی قریب گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا، جس سے وہ وقفے وقفے سے سپ لے رہی تھی، جیسے خود پر قابو پانا چاہتی ہو۔ اسے بہت چھوٹی باتوں پر غصہ آتا تھا اور بے تحاشا آتا تھا...... اور آج کی تو بات بھی ''بہت'' بڑی تھی۔ کاش مجھے ان سب کے ردعمل کا ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو کبھی بھی ان سب کے سامنے وہ بات نہ رکھتی۔ بس اتنا سا میرا جرم تھا اور شاید ناقابل معافی بھی تھا۔ میں نے عالیہ کا چہرا ہاتھوں کے پیالے میں لیا تھا، اس کی موٹی آنکھیں شاید روئی روئی سی تھیں۔

''عالو بیٹا...... اس سب میں میرا کوئی قصور نہیں۔ چار سال تک جو میں نہ کر پائی وہ پانچویں سال بھی کرنے کی ہمت نہیں پاتی، تمہاری قسم کھاتی ہوں، تمہیں اپنی ماں کا یقین کرنا ہوگا۔ پروفیسر راشد چار سال سے میرے راستوں میں آ رہا ہے اور میں اتنے ہی عرصے سے اسے نظر انداز کرتی آ رہی ہوں۔ کیوں کہ بیٹا! میں نے تمہارے پاپا سے ''محبت'' نہیں کی تھی، میں نے تو ''عشق'' کیا تھا۔ میرے دل میں کوئی چور، کوئی کھوٹ نہیں۔ پروفیسر راشد نے مجھے پرپوز کیا تو میں نے انہیں انکار ہی کیا۔ آج میں نے اسی بات کا ذکر کیا تو سب مجھ پر چڑھ دوڑے۔ میں فاروق سے بے وفائی کی مرتکب نہیں ہو رہی۔ شاید مجھے اس بات کا ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں تم سب سے شرمندہ ہوں بیٹا۔ بہت گلٹ ہو رہا ہے۔''

میں آنسو چھپاتی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھی۔ شام ابھی وارد ہونے کو تھی۔ جنوری نے درختوں کو بے لباس کردیا تھا۔ موسم خنک تھا اور وقفے وقفے سے ٹھنڈی ہوائیں چلتی تھیں۔ شام دھند کے ساتھ آئی تھی۔ روشنیاں دھند میں مدغم ہوگئیں اور ہر طرف سفید اندھیرا پھیل گیا تھا، جیسا میرے اندر کہیں پھیلا تھا، جانے اس کا رنگ کیسا تھا۔ کچھ خبر نہیں۔ مجھے بہت دور سے عالیہ کی آواز آئی تھی اور جس نے مجھے فریز ہونے پر مجبور کردیا تھا...... منجمد۔

''جب کوئی زندہ انسان مرے ہوئے انسان کی یادوں میں زندہ رہنا شروع کرتا ہے نا...... تو اس میں سے بھی موت جیسی بساند آنے لگتی ہے۔ مجھے آپ سے کافور کی مہک آرہی ہے ممی۔'' کھڑے کھڑے دوسروں کو پتھر کرنے کا فن دونوں باپ، بیٹی کو آتا تھا اور یہ ہی بات میں بھول گئی تھی۔ بھولی تو میں یہ بھی تھی کہ ''وہ'' میری بیٹی تھی۔ ''ان'' سب کی طرح کیسے ہوسکتی تھی۔ جو باہر بیٹھے تھے۔

☆☆☆

اور ''وہ'' جو باہر بیٹھے تھے جیسے کسی جنگل میں تھے، اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ ہر کسی کو اپنا ہی ''خیال'' تھا، اول روز کی طرح...... اور دوسری طرف وہ تھی...... جسے اپنے سوا ہر کسی کا خیال رہتا تھا۔ تائی نے دوالی یا نہیں لی؟ مونا کی اس سمسٹر کی فیس دینی ہے۔ اسد کے کوچنگ سینٹر سے معلومات لینی ہیں؟ جنید کسی بری کمپنی میں تو نہیں اٹھ بیٹھ رہا؟ ساری فکریں اسی کو تو تھیں۔ اس نے فاروق کے حادثاتی طور پر گزر جانے کے بعد سب ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔ وہ خود کو بھی بھول بیٹھی تھی۔ جناح کا فارمولا وہ رٹے ہوئے تھی۔ کام، کام اور صرف کام۔ وہ ایک پرائیویٹ کالج میں لیکچرار تھی۔ ہر پہلی کو تنخواہ صفیہ تائی کی ہتھیلی پر رکھتی تھی اور وہ ہمیشہ حق سمجھ کر وصول بھی کرتی تھیں اور وہ خود کو اس معاملے میں حق بجانب بھی سمجھتی تھیں، آخر وہ ان کے بیٹے کی بیوہ تھی۔ لاؤنج میں پن ڈراپ سائیلنس تھا (مکمل سکوت طاری تھا) اور اس کو ہمیشہ کی طرح مونا نے توڑا تھا، اسے خاموشیوں کو توڑنے میں بڑا مزا آتا تھا۔

''پروفیسر کا پروپوزل تو فاریہ بھابھی نے منع کردیا، مگر آگے بھی پھر ایسا سلسلہ شروع ہوگیا تو کیا ہوگا؟ میری تو پڑھائی باقی ہے اور پھر خالدہ خالہ کا شادی پہ اصرار...... گھر کا خرچا سب کچھ تو بھابھی کی تنخواہ سے چل رہا ہے۔ ہمیں ان سے سختی سے سارے معاملے کی باز پرس کرنی ہوگی۔'' مونا کو بھول کر بھی یاد نہ آرہا تھا کہ وہ اس کے بارے میں یہ سب کہہ رہی ہے جو چار سالوں سے اپنا دن رات کا آرام بھلائے، ان سب کے آرام کے لیے خوار ہورہی تھی۔ کبھی تیوری نہ چڑھائی، اف تک نہ کی...... ان کی بھی کبھار کی تلخ گوئی پر بھی...... ہاں کبھی کبھار کی تلخ گوئی پر بھی وہ ''سوری'' کہہ کر ہنس دیتی تھی۔ وہ انہیں اپنا سمجھتی تھی اور وہ اپنے اسے ''مشین'' سمجھتے تھے جو کام کرتی رہے تو اچھی، ورنہ بے کار...... ٹکے جیسی۔

''گھر کا سارا نظام اسی کی وجہ سے تو چل رہا ہے۔ اسد اور جنید تو پڑھائی کرلیں بڑی بات ہے...... اور فاریہ تو ابھی کم عمر ہے، کسی کی بھی باتوں میں آسکتی ہے اور عورت کے دل کے پھرنے میں کون سا پتا چلتا ہے۔'' جو چار سالوں تک ان کے مرے ہوئے بیٹے کی یادوں کے سہارے زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہی تھی۔ اب اس کا دل پھر سکتا تھا؟ واہ...... خوب کہی۔

''اور میری بھی سن لو اماں...... اب یہ نہیں ہوتی مجھ سے پڑھائی، مجھے کوئی کاروبار کرا کے دو بس۔'' جنید بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اپنا مطالبہ دوسروں کے منہ پر دے مارتا تھا۔ وہ بھی سب کی طرح بھول گیا تھا کہ فاریہ ہمیشہ جب وہ گروپ اسٹڈی کو جاتا تھا، اس کے لیے جاگ رہی ہوتی تھی اور یہ وہ رات کا وقت ہوتا تھا جب باقی گھر والے خراٹے لے رہے ہوتے تھے۔ فاریہ کھانا گرم کرتی اور چائے بھی بنا دیتی تھی۔ سب کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ ''عالیہ'' کو بھول

گئی تھی۔ زندگی کبھی کبھی بہت مصروف اور تھکا دینے والی ہو جاتی ہے نا...... تھکن الگ...... وہ بھی تھکنے لگتی، مگر زندگی کی دوڑ میں کبھی پیچھے نہ رہی تھی اور اس دوڑ میں پیچھے چھوٹنے والی واحد اس کی اپنی چیز۔ ''عالیہ'' تھی۔ اس کی بیٹی...... جو کہنے کو تو دادی کے سائے تلے پرورش پا رہی تھی، مگر وہ چھوٹی عمر سے ہی ماں کی مصروفیت سے سمجھوتا کرنا سیکھ چکی تھی۔ شاید سکون کا دوسرا نام سمجھوتا ہوتا ہوگا، بلکہ ہوتا ہے۔ صفیہ نے تنک کر سر اٹھایا تھا۔

''ارے پریشان مت ہو تم لوگ۔ میں بات کروں گی فاریہ سے...... دماغ صاف کردوں گی۔ ارے بھئی میرا بیٹا خدا کو پیارا ہو گیا تو کیا ہوا۔ ارے ہم تو زندہ ہیں نا۔ ارے چھوٹی سی تھی جب تمہارے چچا، چچی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ہمارے ہاں ہی پلتی رہی۔ بڑی ہوئی تو فاروق سے بیاہ دیا۔ وہ تو اللہ کو جو منظور تھا...... آہ۔'' اور لاؤنج میں بیٹھا ہر شخص جانتا تھا کہ وہ کتنا جھوٹا بیان تھا جو صفیہ نے دھڑلے سے دیا تھا، وہ ایسی ہی تھیں۔ فاریہ کی پرورش ماں، باپ کی وفات کے بعد دادی نے کی تھی اور فاریہ کے فاروق کے ساتھ بیاہ پر بھی صفیہ تائی نے خوب واویلا مچایا تھا۔ مگر پھر کہیں جا کر دباؤ میں ہامی بھری تھی۔

''اور فاریہ کی جرأت نہیں کسی اور طرف دیکھنے کی۔ اپنے قد برابر کی تو اس کی بیٹی ہو چکی ہے۔ ہونہہ!'' وہ استہزائیہ انداز میں بولی تھیں۔ جنگل کی بولیاں یک دم رکی تھیں۔ دروازہ تھامے وہ بمشکل کھڑی تھی۔ اور پہلی بار مونا خاموشی توڑنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ وہاں ''فاریہ'' نہیں کھڑی تھی۔ ''چار سال'' کھڑے تھے۔ وہ خاموشی سے رو رہی تھی اور عالیہ اس کے آنسو پونچھ رہی تھی۔ شطرنج الٹ گئی تھی۔

☆☆☆

میں نے گردن موڑ کر عالیہ کو دیکھا تھا جو اٹھ کر میرے پاس چلی آئی تھی۔

''اپنی عمر سے بڑی باتیں تم نے کہاں سے سیکھ لیں عالو؟'' مجھے اپنی بیٹی کی بزرگی سے خوف آرہا تھا۔ اس نے میرے ہاتھ پکڑ کر مجھے بیڈ پر بٹھا دیا تھا اور اپنا چھوڑا ہوا آدھا پانی کا گلاس مجھے پکڑا دیا تھا۔ وہ ساتھ ساتھ میرے آنسو پونچھ رہی تھی۔

''مما...... آپ کس مٹی سے بنی ہیں، میں کبھی بھی نہیں سمجھ سکی آپ کو......! قربانی دینے کی ضرورت دو جگہ پڑتی ہے، ایک وہاں جہاں آپ کی قربانی کی ضرورت ہو اور دوسرا وہاں جہاں آپ کی قربانی کو قربانی تو سمجھا جائے اور جہاں آپ اپنے آپ کو ختم کر رہی ہیں، وہاں یہ دونوں باتیں سرے سے ہیں ہی نہیں...... آج تک آپ نے اپنے لیے کیا، کیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں...... زندگی تھوڑی ہے، اسے اور کم مت کریں کہ سانس لینا بھی دشوار ہو۔ سب کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر آپ کے ہونٹوں پر آنے والی پھیکی ہنسی مجھے نظر آتی ہے مما...... چار سال میں آپ نے اتنا کچھ تیاگ دیا ہے اور بدلے میں ایک ہنسی اور سکون کی سانس تک نہیں ملی آپ کو...... ایسے کون کرتا ہے بھلا...... چار سال کم عرصہ نہیں ہوتا۔'' وہ میری آنکھوں میں دیکھ کر سکی تھی۔ میری بیٹی تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ میں نے کمرے کی فضا کو آنسوؤں سے تر ہوتا محسوس کیا تھا۔ ''پروفیسر راشد بہت اچھے ہیں مما...... ایک آئیڈیل شخصیت' شاید وہ یہ نہ بھی ہوں، مگر ان کو اپرووّ (قبول) کرنے کے لیے صرف ایک بات کافی ہے کہ وہ آپ سے محبت کرتے ہیں...... اور محبت تو کسی کو بھی زندگی میں شامل کرنے کے لیے سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے۔''

وہ اصرار کر رہی تھی اور میں نے دل میں جھانکا تھا، وہاں سنسان جگہوں جیسا سناٹا تھا۔ وہ خاموشی......

''عالو...... میں نے تو صرف اور صرف تمہارے پاپا سے محبت کی ہے...... میں کیسے کسی اور سے......؟'' میرا آنسو ہتھیلی کی پشت پر گرا تھا۔ اس نے میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

وقت، حالات، ترجیحات سب بدل چکا ہے۔''

"سب بدل گیا عالو؟" میری آواز کھوکھلی تھی۔

"پاپا نہیں رہے...... بے شک ان کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا، مگر زندگی زندہ لوگوں کے ساتھ ہی گزرتی ہے۔ مانا کہ آپ کو پاپا سے محبت تھی بے تحاشا تھی۔ مگر محبت کا بھی سیزن ہوتا ہے، جو کسی پر صرف ایک بار اور کسی پر دو، تین بار آتا ہے۔ یہ مذاق اڑانے کی بات نہیں ہے۔ یہ تو دل کی بات ہے۔"

بات چاہے مذاق اڑانے والی بھی ہوتی، مگر پھر بھی بات تو دل کی تھی نا...... اور دل کی اہمیت سے انکار کسے ہے؟ کسی کو نہیں......

دل کی بات پر ہی "وہ" مجھے یاد آیا تھا۔ وہ ایک بھیگی دوپہر تھی، جب اسٹاف روم میں مارکنگ کرتے وقت اپنے پین کو چھڑکا تھا۔ نیلی روشنائی نے اس کی سفید شرٹ کو داغ دار کردیا تھا۔ مجھے لگا وہ مجھے چار، پانچ سنا دے گا۔ مگر وہ صرف دو لفظ بولا تھا۔ صرف دو لفظ "اٹس اوکے" اور یہ دو لفظ اس دن مجھے حصار میں لیے رہے تھے۔ اس کا نام راشد تھا اور اس جیسے انسان کو دیکھتے ہی ذہن میں پہلا لفظ "شان دار" ابھرتا تھا۔ شائستگی بھرا لہجہ، خوب صورت جملے اور اس کی آنکھیں جانے کیوں مجھے بولتی ہوئی، محسوس ہوئی تھیں۔ وہ نیا، نیا کالج میں آیا تھا۔ آنے والے دنوں میں، میں نے اسے اپنی طرف متوجہ پایا تھا۔ پہلے الجھن ہوئی اور پھر میں نے نظر انداز کرنا شروع کردیا تھا۔ مگر وہ چپکو تھا، ہر بار چاہے میں کتنی ہی خشمگیں نظروں سے گھورتی، مگر وہ مجھ سے مخاطب ہونا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" دل چاہتا فائلوں کا ڈھیر اس کے سر پر دے ماروں۔

"آپ میں اور مجھ میں ایسا کوئی تعلق نہیں۔"

وہ چائے کی پیالی کو پرچ میں بڑے خوب صورت شور کے ساتھ پٹخ دیتا تھا۔ "تعلق بنانے میں قباحت تو نہیں۔" کاش آنکھوں سے کوئی قتل ہوسکتا۔ مگر میری یہ حسرت، حسرت ہی رہتی تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

وہ میرے غصے سے گھبرایا۔ "کیا ہم اچھے دوست نہیں بن سکتے؟"

"ہم دوست ہی نہیں بن سکتے۔" میں فائلیں اٹھاتی اسٹاف روم سے باہر آجاتی تھی اور وہ کبھی میرے پیچھے نہیں آیا تھا۔ شرافت تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ میں نے بہت کوشش کی بچنے کی...... مگر ہم دوست بن گئے۔ اچھے دوست یا برے...... علم نہیں، مگر ہم "دوست" ہوگئے۔ پھر میں نے گرم دوپہر میں ساڑ کر رکھ دینے والا جواب اس کے سامنے رکھا تھا۔

"میں بیوہ ہوں اور میری ایک بیٹی بھی ہے۔"

وہ بس مجھے دیکھتا رہا تھا۔ پھر ہنس کر اپنے پسندیدہ وہ دو لفظ بولنا نہیں بھولا تھا۔ "اٹس اوکے۔"

اسے حیران کرنا آتا تھا یا پھر شاید یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اسے صرف "مجھے" حیران کرنا آتا تھا۔ کتنا عجیب تھا اور جو کام ہمیشہ سے وہ کرتا آرہا تھا، آج وہ میرے گھر والوں نے کردیا تھا۔ راشد کے پروپوز کرنے نے اتنا کچھ بدل دیا چار سال تک جو پردہ پڑا تھا وہ آج عجیب رنگ سے ہٹا تھا۔ اگر میں دروازہ نہ تھام چکی ہوتی تو وہ وہیں گر جاتی۔ وہ سب گم صم بیٹھے تھے کہ جانے میں کیا، کچھ سن چکی تھی اور میں نے دکھ سے پھٹتے دل کے ساتھ سوچا تھا کہ "شکر ہے میں نے اور کچھ نہیں سنا تھا، ورنہ میرا تو وہیں مر جانے کو دل کرتا تھا۔

فاروق ہمیشہ سے کہتا تھا۔ "فاریہ اتنی حساسیت اچھی نہیں ہوتی۔ حساس لوگ بڑے بزدل ہوتے ہیں۔ کسی خنجر، تلوار سے نہیں مرتے، حتیٰ کہ فائر سے بھی نہیں۔ وہ بس کچھ لفظوں، کچھ لہجوں سے ہی مر جاتے ہیں۔" میں نے ان سب کی طرف دیکھا تھا اور وہ میری طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔ میں نے عالیہ کا ہاتھ تھاما اور وہ مسکرائی تھی، میں نے اب بولتے ہوئے ان کی طرف نہیں دیکھنا تھا۔

"میں نے فاروق سے وعدہ کیا تھا، آپ سب کا خیال رکھنے کا...... چاہے جیسے بھی حالات

ہوں...... فاریہ نہیں تھکے گی، مجھ جیسوں کو تو تھکن ہوتی بھی نہیں۔ میں انسان نہیں ہوں نا، ایک مشین ہوں، جو بس کام کرنا جانتی ہے، جس کے دل کی جگہ انجن فٹ ہوتا ہے۔ ان چار سالوں میں، میں نے صفیہ تائی کی دوائی کا ناغہ نہیں ہونے دیا۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر کران کو دیکھا۔ جنید بہت لاپروا تھا، میں نے اس کے کسی بری کمپنی میں نہ پڑ جانے کی وجہ سے ہمیشہ اس پر توجہ دی۔ اسد کی اسٹڈیز کا خیال رکھا۔ مونا آج کی لڑکی ہے نا، اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھا۔ آپ سب کے لیے وہ سب کچھ کیا جو فاروق بھی ہوتے تو یہ ہی کرتے۔ اگر اس سب میں کچھ نظر انداز ہوا تو وہ بھی ''میں'' اور میری ''بیٹی''

''آج ایک شخص نے پروپوز کیا تو آپ لوگوں نے یہ کچھ کردیا۔ ساری محنت، سب کچھ مٹی میں رل گئی۔ آپ سب کی خوشیاں خواب، خواہش پوری کرتے کرتے میں نے اپنے آپ کو مار دیا...... اور آپ سب نے میرے لیے کیا، کیا؟ چار سالوں کے بدلے ملے بھی تو ''چار'' لفظ...... میں تو تیاگ دیوی بن گئی، سب قربان کرتی گئی۔ جان دینے کی نوبت آتی تو ایک سیکنڈ نہ سوچتی، اسی وقت دے دیتی۔ انسان نہیں ہوں نا۔'' میں نے اپنی سسکیاں بمشکل روکی تھیں۔

''میں تو بہت بے وقوف ہوں۔ قربانیاں اور تیاگ تو وہاں دیے جاتے ہیں جہاں بدلے میں کچھ تو ملے۔ اور یہاں تو راکھ ہی ملی...... کھالوں یا سر میں ڈالوں؟ میری عالو کہتی ہے مما زندگی بہت تھوڑی ہے، اسے اور کم مت کریں۔ واقعی ہر بار آپ کو زندگی جینا یہ کتابیں اور بڑے بوڑھے نہیں سکھاتے۔ یہ آپ کو آپ کے بچے سکھاتے ہیں اور میں اپنی بیٹی کی بات نہیں ٹال سکتی۔''

میں نے عالیہ کا ہاتھ تھاما تھا اور قدم آگے بڑھائے تھے...... مگر جاتے جاتے پلٹ کر ان سب کو ضرور دیکھا تھا اور مسکرا دی تھی۔ ''آپ سب نے جو بھی کیا بہت اچھا کیا...... خیر...... اٹس او کے۔'' اور مونا کا پہلی بار دل چاہا تھا کہ وہ خاموشی کبھی بھی نہ ٹوٹے جو فاریہ کے جانے کے بعد ہوئی تھی۔

موبائل بج رہا تھا۔ ''راشد کالنگ'' میں نے دل میں جھانکا تھا۔ وہاں اب سناٹا نہیں تھا۔ شور تھا۔ دھڑکنوں کا شور...... میں نے موبائل کان سے لگالیا تھا۔ دودھیا دھند اب غائب ہوگئی تھی۔ روشنیاں واضح ہوگئی تھیں۔

''تم نے سچ کہا تھا راشد...... دوستی کی پرسنٹیج چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو...... چاہے ننانوے فیصد بھی، اگر اس میں ایک فیصد محبت کا شامل ہوجائے نا وہ دوستی کے فیصد نکل جاتا ہے۔ وہ محبت ہوجاتا ہے۔'' پروفیسر راشد کو اس بار میں نے حیران کرنے کی ٹھانی تھی اور وہ اچھل ہی پڑا تھا۔

''یعنی کہ تم......؟'' میں ہنس دی تھی۔

''ہاں میں...... میں زندگی گزار چکی ہوں...... چار سال...... اب زندگی کو جینا چاہتی ہوں۔'' وہ مسکرانے والی بات پر بھی قہقہے لگا رہا تھا۔ عالیہ میرے پاس کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی تھی، میں نے اسے اپنے ساتھ لگالیا تھا۔

''بیٹا...... کچھ لوگوں کا ظرف خشک روٹی کی طرح ہوتا ہے، ہلکی ہوا بھی اسے اڑا کر رکھ دیتی ہے اور کچھ لوگوں کا ظرف ہمیشہ تر روٹی کی طرح رہتا ہے...... وزنی...... اور خوب صورت...... جو ہوا سب بھول جائیں گے، کیوں کہ آگے زندگی جینی ہے...... جو ہوگیا، سو ہوگیا...... اٹس او کے۔''

☆☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل	رانیہ خان
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی	موسیٰ رضا

مکمل ناول

سدرہ حیات

دل کو ہائے سمجھایا بہت



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شام کے سائے بڑھ رہے تھے۔ پارک میں معمول کی چہل پہل مغرب کی اذانوں کے ساتھ ہی کم ہونا شروع ہوگئی تھی۔ اب اکادکا لوگ ہی پارک میں نظر آرہے تھے۔ وہ پارک کے ایک الگ تھلگ گوشے میں بینچ پر بیٹھی تھی۔ براؤن رنگ کی شال اس کے کندھوں سے ہوتی، پورے وجود کو ڈھانپے ہوئے تھی، بس اس کے خوب صورت بال ہی تھے جو سر سے شال کے ڈھلک جانے کے باعث آزادی سے ہوا کے ساتھ اٹکھیلیاں کررہے تھے۔ فضا میں بارش کے بعد کی مٹی کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا ماحول کو پرلطف بنائے ہوئے تھی، مگر ایک وہ تھی جو ہنوز اپنی جگہ بیٹھی، دور افق پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ تھے۔ آنکھیں بھیگی ہوئی معلوم ہورہی تھیں۔ بال اڑ کر اس کے چہرے پر بکھر رہے تھے، مگر اسے ہوش کہاں تھا۔ وہ تو یہاں بیٹھی اپنی قسمت کو رو رہی تھی۔ ہاں، قسمت کو ہی رونا چاہیے تھا اسے۔ شاید اس سے تکلیف کچھ کم ہوجاتی۔ یہ موسم کی دل فریبی، بہار کی آمد یہ سب تو انہیں ہی بھاتا ہے جن کا دل آباد ہو اور اس کا دل تو کب کا اجڑ چکا تھا اور جن کی قسمت پر کالے بادل چھا جائیں پھر موسم کی خوش گواریت ان کے لیے بے معنی ہوکر رہ جاتی ہے۔

''کیا ہوا بیٹی۔ کب سے یوں ہی بیٹھی ہو۔ گھر نہیں جانا۔'' وہ خاتون کافی دیر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اب رہا نہ گیا تو اس کے قریب آگئیں۔

''گھر۔'' اس کے لب ہولے سے ہلے۔ وجود میں بھی ہلکی سی جنبش ہوئی۔ چہرے پر تاریک سایہ لہرایا۔

''دکھی لگتی ہو۔ شادی شدہ بھی لگ رہی ہو۔ کیا سسرال والے اچھے نہیں؟'' بینچ پر بیٹھتے ہوئے خاتون نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔ کانوں میں سونے کے خوب صورت آویزے، گلے میں چین، ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی، یہ سب اس کے شادی شدہ ہونے کی طرف اشارہ کررہا تھا۔

''شادی...... ہاں ہوئی تو تھی۔'' زیر لب بولتی جیسے وہ کچھ یاد کررہی تھی۔

''کیا کوئی بات ہوگئی ہے گھر میں...... شوہر کدھر ہے تمہارا۔ مجھے بتاؤ میں سمجھاؤں گی اسے۔'' خاتون کو اس کی موہنی صورت پر ترس آیا۔

''شوہر......'' یہ لفظ بولتے ہی آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

''اوہ۔ نہیں رہا بے چارہ' بیٹا! اللہ کے کاموں میں کیا دخل۔'' خاتون افسردہ ہوئیں۔

''کچھ بھی نہیں رہا میرے پاس...... سب...... سب ختم ہوگیا۔'' آنسو روانی سے پلکوں کی باڑھ پھلانگتے بہہ رہے تھے اور وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھے جارہی تھی۔

''صبر کرو بیٹا۔ ویسے ہوا کیا تھا اسے؟''

''قتل...... قتل ہوا ہے اور اب کچھ بھی نہیں بچا میرے پاس۔ میرے ہاتھ خالی ہیں بالکل خالی۔'' خاتون نے ہم دردی سے اس دکھی لڑکی کو دیکھا جو دکھ واذیت کی کیفیت سے دوچار تھی۔ الفاظ ٹوٹ کر اس کے منہ سے ادا ہورہے تھے۔

''بچے ہیں؟'' خاتون نے پوچھا اور اس سوال پر وہ جھٹکے سے اٹھی تھی۔ اپنی شال سنبھالتی وہ چل پڑی۔ بینچ پر بیٹھی خاتون نے افسوس سے اس دکھی لڑکی کو دیکھا تھا جو تیزی سے قدم اٹھاتی تاریکی میں گم ہورہی تھی۔

☆☆☆

وہ آج بھی یونی ورسٹی نہیں آئی تھی۔ یہ تیسرا دن تھا جب وہ اس کے پیچھے یونی ورسٹی تک آگیا تھا۔ اسے دیکھنے اس سے بات کرنے کو بے قرار تھا اور ایک وہ تھی جو ایک ہی جھٹکے میں سارے تعلق توڑ دینے کے درپہ تھی۔ بھلا جو تعلق اس کے دل سے بندھا تھا وہ اسے اتنی آسانی سے کیسے توڑ سکتی تھی۔ نہیں وہ اسے ایسا نہیں کرنے دے گا۔ اسے اس کی زندگی میں آنا ہی ہوگا۔ وہ کسی صورت اپنی محبت سے دست بردار نہیں ہوگا۔ سختی سے لب بھینچ کر سلگتے ہوئے اس نے

گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ ایک ایسا ملزم تھا جس کو اس کے ناکردہ جرم کی سزا دی جانے والی تھی اور وہ کسی صورت اس زیادتی کو تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔

☆☆☆

ڈھولک کی آواز گھر کے باہر تک گونج رہی تھی اور ساتھ لڑکیوں کی سرلگاتی آوازیں۔ ایک کے بعد ایک گانا ان کی زبان کی نوک پر دھرا تھا۔ گویا سارا اسٹاک تمام کر کے ہی انہیں سکون ملنا تھا۔ لڑکیوں کے گول دائرے کے بیچ چوکڑی مارے بیٹھی وہ مایوں کی دلہن کم اور دلہن کی سہیلی زیادہ معلوم ہو رہی تھی، جو اپنے سارے ارمان نکالنا چاہ رہی ہو۔ زور و شور سے تالیاں پیٹتی اور سر ہلاتی ہوئی وہ پوری طرح سے اپنی ڈھولکی انجوائے کر رہی تھی۔ دو گھنٹے سے یہ شغل جاری تھا اور نیچے بیٹھے رہنے سے اب اس کی ٹانگیں درد کرنے لگی تھیں۔ اگلے گانے کی فرمائش کرتی وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ تالیاں پیٹتی، ان کا جوصلہ بڑھاتی، ایک دو چکر لگا کر وہ کچھ فاصلے پر تخت پر بیٹھی امی اور خالہ کے پاس آ گئی۔

"آپ دونوں اتنی دور کیوں بیٹھی ہیں؟ ادھر آئیں کوئی گانا وانا گائیں۔ ویسے مجھے یقین ہے ادھر بھی میرا ہی ذکر خیر ہو رہا ہوگا۔ یقیناً امی میری شکایتیں نوٹ کروا رہی ہوں گی۔" شرارت سے بولتی وہ امی کے چہرے پر خفگی صاف محسوس کر رہی تھی۔

"کوئی کام تمہارا ڈھنگ کا ہے۔ حلیہ دیکھو اپنا کوئی مایوں کی دلہن مانے گا تمہیں۔" امی کے ناراضی سے بولنے پر خالہ نے مسکراتے ہوئے اپنی بھانجی کو دیکھا جواب دانت لبوں میں دبائے اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، ان پر سیاہ فلکن دراز پلکیں، خوب صورت نقوش میں کھلی دلکشی اور شوخی، اسٹیپس میں کٹے سیاہ چمک دار بال پشت پر بکھرے تھے جن کی کچھ لٹیں اس کے چہرے کے کٹاؤ کے ساتھ آگے کو آتی ٹھوڑی کو چھو رہی تھیں۔ دودھیا رنگت پر پیلے رنگ کا جوڑا پہنے، کلائیوں میں پیلے گجرے۔ بس ایک دوپٹا تھا جو لاپروائی سے دائیں کندھے پر جھول رہا تھا۔

"ٹھیک تو لگ رہی ہوں امی اور پھر پہلی پہلی شادی ہے۔ مجھے کوئی دلہن بننے کا تجربہ تھوڑی ہے۔" مزے سے بولتی وہ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی، مگر امی کے چہرے پر پھیلتی ناگواری دیکھتے ہی اسے اپنے جملے کے غلط ہونے کا احساس ہوا۔ سر پر ہاتھ رکھتے، دانت لبوں میں دبائے اور خالہ کو دیکھا جو تنبیہہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"سدھر جاؤ زینب۔ ایسی اوٹ پٹانگ باتیں اپنی سسرال جا کر نہ کرنا ورنہ ہم ہی شرمندہ ہوں گے۔ لڑکیاں سوچ سمجھ کر بولتی ہی اچھی لگتی ہیں۔" امی نے سمجھایا۔

"اچھا نا امی سوری۔" زینب نے آگے ہو کر پیار سے ان کے کندھوں پر اپنے بازو پھیلائے۔ یہ اس کا مسکہ لگانے کا پرانا طریقہ تھا۔

"لیں آپ کی سمجھ دار بیٹی بھی آ گئی۔ فکر نہ کریں یہ کرے گی آپ کا نام روشن۔" زینب نے شرارت سے چائے لاتی فارہ کو دیکھا۔ پیچھے لیلیٰ بھابھی بھی تھیں جو اس کا جملہ سن کر مسکرائیں۔

"تم اپنی فکر کرو۔ اس کا نمبر تو ابھی دور ہے اور پھر ہماری فارہ کو تو کتابوں سے دل لگانا خوب آتا ہے۔ یہ تم ہی ہو جس نے گریجویشن کے فوراً بعد پڑھائی کو خیر آباد کہہ کر جان چھڑا لی۔" بھابھی نے شرارت سے اس پر چوٹ کی۔ تخت پر سے اٹھتی وہ ان کے قریب آئی۔ دائیں ہاتھ سے ان کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ سے نمکو اچک کر منہ میں رکھتے، بائیں کہنی ان کے شانے پر رکھتے وہ بے تکلفی سے بولی۔

"ہائے بھابھی کچھ تو خیال کریں میرے معصوم سے دل کا۔ بھلا مایوں کی دلہن سے بھی کوئی پڑھائی کی باتیں کرتا ہے اور پھر زندگی کی کتاب کے اوراق پڑھنے میں تو اپنا ہی مزا ہے۔"

"ہوں۔ زندگی کے پس پردہ آپ جو کتاب پڑھنا چاہ رہی ہیں وہ مجھے سمجھ آ رہی ہے اور اس کا

ایک ورق تو کب سے منتظر ہے۔'' بھابھی کے مبہم سے لہجے پر اس نے استفہامیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

''جاؤ تمہارے منگیتر کا کافی دیر سے فون آرہا تھا۔ اس بے چارے کی بھی سن لو۔'' پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے انہوں نے بتایا۔ زینب کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی۔

''اہم بات آپ اب بتا رہی ہیں۔ اس خوشی میں چائے رہنے دیں۔'' مسکرا کر کہتے ہوئے دوسری جانب دیکھا جہاں فارہ سب کو چائے دے رہی تھی۔

''فارہ میرے لیے جوس لے آنا'' دور سے ہانک لگاتی وہ دھپ دھپ کر کے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اسے دیکھتی فردوس بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''دیکھیں آپا ہر وقت اودھم مچائے رکھتی ہے یہ لڑکی۔ ہوا کے گھوڑے پر سوار ادھر سے ادھر قلانچیں بھرتی ہوئی۔ یہ ڈھنگ ہوتے ہیں بھلا لڑکیوں کے۔'' ان کی بڑی بہن فریدہ بیگم نے نرمی سے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''بچی ہے۔ آج کل کی بچیاں ایسی ہی ہوتی ہیں تم فکر مت کرو۔ دیکھنا سسرال جا کر اتنے اچھے سے سب سنبھالے گی کہ تم خود حیران رہ جاؤ گی۔ وقت کے ساتھ سمجھ داری آ ہی جاتی ہے۔''

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو ورنہ آج کی لڑکیوں کے ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔ گھر بنانا، رشتے نبھانا تو انہیں آتا نہیں ہے۔ ذرا سا کچھ ہو تو بات ان کی انا پر آجاتی ہے، عزت نفس مجروح ہو جاتی ہے۔ قربانی کا تو لفظ ہی ان کے لیے بے معنی ہے۔ بس زندگی کی گاڑی کو دھکا ہی لگا لیں تو کافی ہے۔ اب ہماری بڑی بہو کو دیکھ لیں۔ نند کی مہندی ہے کل اور وہ دونوں میاں بیوی دوسرے شہر سے نہیں آسکے۔ چھوٹی بہو اور بیٹا دوسرے ملک سے پہنچ گئے۔ پہلے ہی اس کے مزاج کہاں ملتے تھے اور جب سے زینب کے لیے اس کے بھائی کا رشتہ منع کیا ہے تب سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتی۔'' فردوس بیگم نے بہن کے سامنے دل کی بات کی۔

''اچھا ہی کیا زینب کا رشتہ نہیں دیا۔ بسمہ اور اس کے بھائی کا ایک سا مزاج ہے پل میں تولہ پل میں ماشہ اور تم نہ دل برا کرو۔ لیلیٰ کو دیکھو کتنی اچھی بچی ہے۔'' فریدہ بیگم نے فارہ کے ساتھ بیٹھی خوش مزاج سی لیلیٰ کو دیکھا۔

''ہوں اللہ اچھا ہی رکھے۔'' فردوس بیگم مسکرائیں۔

''آمین! اور ماشاء اللہ شہر یار بھی زینب کے جوڑ کا ہے۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے۔'' فریدہ بیگم نے دل سے دعا دی۔

☆☆☆

مہندی کا فنکشن شروع ہو چکا تھا۔ فنکشن کا اہتمام گھر کے لان میں کیا گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں زینب کو لا کر خوب صورتی سے سجے اسٹیج پر بٹھا دیا گیا۔ پنک اور گرین کلر کے کامبینیشن کے سوٹ میں، تازہ پھولوں کا زیور کانوں اور کلائیوں میں پہنے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ جگر جگر کرتی آنکھیں، چمکتا چہرہ، اس کے چہرے کی چمک آج ستاروں کو بھی مات دے رہی تھی۔ اسٹیج سے کچھ فاصلے پر بیٹھی زبیدہ بیگم نے دل ہی دل میں اس کی بلائیں لیتے ہوئے یوں ہی شاد و آباد رہنے کی دعا دی اور اپنی پرنم آنکھیں چادر کے پلو سے پونچھ لیں۔ وہ اپنے رب کی شکر گزار تھیں کہ بیوگی کے بعد وہ سرخرو رہیں۔ شہر یار کے لیے انہیں زینب کا انتخاب بہترین لگا تھا۔ شہر یار نے ان کا بڑا بیٹا ہونے کے ناطے بہت مشکل وقت دیکھا تھا اور اب جبکہ وہ اپنے قدم جما چکا تھا۔ وہ ایک ایسی ہی زندگی سے بھرپور لڑکی کے ساتھ کا مستحق تھا۔ وہ ماتھے پر ٹکی بندیا ٹھیک کر رہی تھی جب فارہ اس کے ساتھ آکر بیٹھی۔

''بسمہ بھابھی کیوں اتنے نخرے سے بیٹھی ہیں۔'' دائیں طرف منہ بنا کر بیٹھی بڑی بھابھی کو دیکھتے ہوئے زینب، فارہ کے کان میں گھسی۔

''آپی چپ کر جائیں۔ سن لیا تو ناراض

ہو جائیں گی۔" فارہ نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"ابھی بھی کون سا خوش ہیں۔ لگ رہا ہے زبردستی بٹھایا گیا ہو ان کو نیچے ہی لے جاؤ ورنہ ساری پکچرز خراب کر دیں گی۔" زینب کے چپ ہوتے ہی بسمہ بھابھی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر فارہ ٹھٹکی کہیں یہ الفاظ ان کے کانوں تک نہ پہنچ گئے ہوں، مگر انہیں خاموش دیکھ کر فارہ نے سکھ کا سانس لیا۔ زینب کی متلاشی نظریں اسٹیج سے نیچے مہمانوں پر تھیں۔

"جاؤ میری ساس کو بلا کر لاؤ۔ وہ امی اور خالہ کے ساتھ باتیں کر رہی ہیں۔" زینب نے کہا اور اسٹیج پر آتی لیلیٰ بھابھی کو دیکھ مسکرائی۔ "شکر ہے آپ آئیں تو۔ کب شروع کریں گے رسمیں؟"

"صبر چندا۔ ابھی پورا کرتے ہیں تمہارا یہ شوق بھی۔" شرارت سے اس کی ٹھوڑی ہلاتی وہ اسے چھیڑنے کو بولیں اور فارہ کو رسم کی چیزیں لینے بھیجا۔ امی کو وہ پہلے ہی کہہ آئی تھیں۔ وہ اور خالہ زینب کی ساس کو اسٹیج پر ہی لا رہی تھیں۔

"مجھے تو اب نیچے ہی اتر جانا چاہیے۔" بسمہ بھابھی نے بظاہر خود سے کہتے ہوئے انہیں سنایا اور اپنی جگہ سے اٹھیں۔

"ایسے کیوں کہہ رہی ہیں بھابھی۔ بیٹھیں نا۔" لیلیٰ بھابھی جلدی سے بولیں۔ زینب بھی انہیں دیکھنے لگی۔

"چھوڑو لیلیٰ تم لوگ رسم شروع کرو۔ میرے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔ ویسے بھی اس گھر کے لوگ مجھے غیر سمجھتے ہیں۔ میں بھی پھر غیروں کی طرح ہی شرکت کروں گی نا۔" استہزائیہ انداز میں کہتی وہ اسٹیج سے اتر گئیں۔ زینب اور لیلیٰ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ اس خود ساختہ ناراضی کا وہ کیا کرتیں جب کوئی خود ہی کسی چیز میں شامل نہ ہونا چاہیے۔

انہیں تلاش کرتا وہ اس طرف آیا تھا۔ متلاشی نظریں عورتوں پر سے ہوتی اس پر ٹھہر گئیں۔ پہلی بار وہ یوں ہار سنگار کیے سامنے کھڑی تھی۔ اس سے پہلے جتنی بار بھی اسے دیکھا تھا وہ خود سے لاپروا سادہ سے حلیے میں نظر آئی تھی۔ اس کی آنکھیں زیادہ پرکشش تھیں یا چہرے کے نقوش وہ فیصلہ نہ کر پایا۔ کوئی ایسی کشش تھی اس کے پورے وجود میں کہ اسے دیکھتے ہی ایک سحر سا اپنے گرد بندھتا محسوس ہونے لگتا۔ اپنا نام پکارے جانے پر وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔ خود کو سرزنش کرتا وہ آگے بڑھنے لگا۔ زندگی کے اس اسٹیج پر وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ یہ صرف وقتی کشش تھی جو اس کی جانب متوجہ ہونے پر مجبور کر دیتی تھی یا پھر محبت؟ اور اگر یہ محبت تھی تو کب اور کیسے ہو گئی تھی؟

☆☆☆

کہتے ہیں شادی کے بعد زندگی تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کی زندگی بھی بدل گئی تھی، مگر یہ بدلاؤ اس قدر خوش گوار ہو گا یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس گھر میں وہ ایسے گھل مل گئی تھی جیسے ہمیشہ سے یہیں رہی ہو۔ شہریار کی فیملی چھوٹی سی تھی۔ زبیدہ بیگم نہایت سادہ خاتون تھیں اور اتنی محبت کرنے والی کہ زینب کو وہ بالکل بھی روایتی ساس نہ لگیں۔ پھر زین تھا اس کا دیور جو ہمیشہ خوش گوار موڈ میں رہتا۔ ایک خیر مقدمی مسکراہٹ اکثر اس کے چہرے کا احاطہ کیے رکھتی۔ گھر کا لاڈلا ہونے کے باوجود اس میں لاپروائی نہیں تھی بلکہ وہ خاصا ذمہ دار اور اماں کے معاملے میں حساس بھی تھا۔ خود شہریار اس قدر اچھا، خیال رکھنے والا اور محبت کرنے والا تھا کہ اسے اپنی قسمت پر رشک آنے لگتا۔ ان چند دنوں میں وہ اتنی بہت سی محبتیں پا کر اور حسین لگنے لگی تھی۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹتی محسوس ہوتی۔ آنکھوں میں روشنیاں سی اتر آتیں۔ وہ زینب تھی جس کی قسمت اسی کی طرح خوب صورت تھی۔

☆☆☆

وہ دونوں کارنر والی ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔ ان کے بائیں طرف گلاس وال تھی۔ جہاں سے ریسٹورنٹ کا لان نظر آ رہا تھا۔ لان کے درمیان میں پتھروں سے اونچی نیچی جگہ بنائی گئی تھی۔ اونچائی سے

پانی بہتا ہوا نیچے کی طرف آرہا تھا۔ دیکھنے پر یوں لگتا جیسے آبشار بہہ رہی ہو۔ لان کی لائٹس پانی پر پڑ رہی تھیں جس سے اس کی خوب صورتی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ زینب کو محویت سے باہر کا منظر دیکھتے پا کر شہریار نے کھنکارتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

''میرا خیال ہے میں اپنے لیے ہی آرڈر کرلوں۔ تم تو کھانے کے موڈ میں نہیں لگ رہیں۔'' مینو کارڈ دیکھتا وہ شرارتی انداز میں بولا۔

''بہت برے ہیں آپ۔ پہلی بار بیوی کو کھانے پر لائے ہیں اور اس پر یہ بچت کرنے کے بہانے۔'' زینب نے بھی مینو کارڈ پر نظریں دوڑائیں۔

''اچھا تمہیں یہ بچت کے بہانے لگ رہے ہیں اور جو بیوی اتنی ناقدری ہے کہ سامنے بیٹھا اتنا ہینڈسم شوہر نہیں نظر آرہا۔'' مزے سے بولتا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جو اتنے تھوڑے سے دنوں میں اس کی زندگی میں ہی نہیں دل میں بھی آبسی تھی۔

''میں آپ کو دیکھتی رہوں اور آپ سارا کھانا کھا جائیں۔ جی نہیں آج تو میں آپ کا خوب خرچا کرواؤں گی۔'' لب دانتوں میں دبائی وہ بولی۔ نگاہیں مینو کارڈ پر تھیں اور آنکھوں میں شوخی صاف نظر آرہی تھی۔ شہریار محظوظ ہوتے ہوئے مسکرایا۔

''پھر آج میں اپنی جیب خالی ہی سمجھوں۔'' خوش گوار ماحول میں کھانا کھاتے، اپنی باتیں کرتے وہ دونوں مگن سے اپنی زندگی کے اس خوب صورت وقت کو انجوائے کررہے تھے۔ کھانے کے بعد زینب پھر سے گلاس وال سے باہر کا منظر دیکھنے لگی تھی۔ شہریار واش روم گیا تھا۔ پانچ منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔ بیٹھتے ہی اس نے زینب کا ارتکاز نوٹ کیا۔

''باہر کا منظر تمہیں کچھ زیادہ ہی پسند آگیا ہے۔''

''ہوں۔ مجھے لان بہت فیسینیٹ کرتے ہیں۔ ہمیشہ سے میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے گھر کے لان کو خوب صورتی سے سجاؤں اور یہ جو پتھروں پر پانی بہہ رہا ہے نا۔ یہ تو میں نے بارہا اپنے تصور میں سوچا تھا۔'' اس کی طرف دیکھتے وہ بچوں کے سے اشتیاق سے بولی۔

''چلو پھر تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ تمہارے لیے ایک خوب صورت سا گھر بناؤں گا جس کے لان کو تم اپنی مرضی سے سجانا جیسے دل چاہے۔'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلنے والے ان لفظوں میں عہد تھا تو آنکھوں میں یقین۔ چونک کر اس کی طرف دیکھتی زینب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اب کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کرو۔'' اس کی اس عجیب سی فرمائش پر زینب حیران ہوئی۔

''کیوں۔''

''بس کرو نا۔'' وہ بضد تھا۔

''دیکھیں اگر آپ بل ادا کیے بغیر یہاں سے جانے والے ہیں تو سن لیں، میں یہ مذاق بالکل برداشت نہیں کروں گی۔'' زینب کے دھمکی دینے والے انداز پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

''بے فکر رہو تمہیں چھوڑ کر میں کہیں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو۔'' خوب صورت لہجے میں بولتا وہ محبت کے ورق پر ایک اور عہد لکھ رہا تھا۔ زینب نے آنکھیں بند کرلیں۔ پانچ منٹ بعد شہریار کے کہنے پر اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ ان کے درمیان موجود ٹیبل پورا سج چکا تھا۔ اس کے بالکل سامنے چاکلیٹ کیک رکھا گیا تھا اور باقی سارا ٹیبل چھوٹی چھوٹی کینڈلز سے سجایا گیا تھا۔

''شہریار یہ سب......!'' حیرانگی سے سب دیکھتی وہ نگاہیں اٹھا کر اسے استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

''ہیپی برتھ ڈے ڈیر وائف۔'' مسکرا کر اسے وش کرتا وہ اس کے چہرے پر پھیلے حیرت وخوشی کے ملے جلے تاثرات دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔

''میری برتھ ڈے۔'' زیرلب بولتی جیسے وہ تاریخ یاد کررہی تھی۔

''مگر میری برتھ ڈے تو کل ہے۔'' اسے یاد

آ گیا تھا۔

''ہاں تو دو گھنٹے ہی رہ گئے ہیں۔'' گھڑی دیکھتے ہوئے وہ مزے سے بولا۔ ''میں چاہتا تھا اس بار میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے ساتھ تم اپنا یہ اسپیشل ڈے سیلیبریٹ کرو۔'' آنکھوں میں محبت سموئے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

زینب کے کیک کاٹنے کے بعد اس نے گولڈ کا بریسلٹ اس کی نازک کلائی میں پہنایا۔

''کیسا لگا سرپرائز۔''

''بہت اچھا۔ سب کچھ خواب سا لگ رہا ہے۔'' بریسلٹ پر سے نظر ہٹاتی بے ساختگی میں کہہ گئی۔

''ہوں یعنی میں تمہارے خوابوں میں آنے والا شہزادہ ہوں۔'' اس کے چہرے پر پھیلی مسکان دیکھتے ہوئے وہ شرارتی انداز میں بولا۔

''جو دل میں آ بسیں ان کے خوابوں میں آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔'' محبت سے اسے دیکھتی وہ سوچ رہی تھی۔ اسے ٹکٹکی باندھ کر خود کو دیکھتے پا کر شہریار نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا اور وہ جھینپ کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

☆☆☆

''ہوں کیا خوشبو ہے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مجھے پتا چل گیا تھا۔ آج اماں کے ہاتھ کی بریانی کھانے کو ملے گی۔'' گہرا سانس لے کر خوشبو اپنے اندر اتارتا وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''دیکھ لیں بھابھی شادی کے بعد ایسے نمبر بنائے جاتے ہیں۔ آپ بھی کچھ سیکھ لیں۔'' زین نے شرارت سے کرسی پر بیٹھتی زینب سے کہا۔

''بھئی یہ تو سچ ہے میری اماں بہت اچھا کھانا بناتی ہیں۔ اس میں نمبر بنانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی اپنے ہاتھ کا ذائقہ ہمیں چکھانا ہی نہیں چاہتا تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بغیر کھائے تو خالی خولی تعریف نہیں کر سکتے۔'' شہریار نے اپنے ساتھ بیٹھی زینب کو چھیڑتے ہوئے مسکراہٹ دبائی۔ اس سے پہلے کہ زینب اس الزام پر احتجاج کرتی اماں بول پڑیں۔

''میں نے خود روکا ہے زینب کو۔ شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو یہ کچن میں چولہا ہانڈی کرنے کھڑی ہو جائے۔''

''بڑے لکی ہیں بھائی آپ۔ ساس بہو والی ٹینشن سے تو بچت ہی رہے گی۔'' بریانی کے اوپر رائتہ ڈالتے ہوئے زین مزے سے بولا۔

''اللہ خیر کرے دن پھرتے دیر نہیں لگتی۔'' شہریار نے مصنوعی افسردگی سے کہا۔

''بری بات بیٹا۔ ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔ کھانا شروع کرو۔'' اماں نے دونوں کو ٹوکا۔

''میری اور اماں کی تم فکر نہ کرو۔ اپنی بیوی کی خیر مناؤ جس نے ابھی آنا ہے۔'' زینب نے زین کو گھورا۔

''وہ معصوم بیچ میں کدھر سے آ گئی۔'' زین کے کہنے کی دیر تھی۔ زینب اور شہریار نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے ''معصوم'' لفظ پر زور دیا۔

''دیکھ رہے ہیں ہم۔ ابھی سے کتنا خیال ہے تمہیں اس معصوم کا۔'' شہریار نے اماں کو ٹہوکا دیا۔ جو زیر لب مسکرائے جا رہی تھیں۔

''ہاں تو ہونا چاہیے نا خیال۔ بیوی کی ایک الگ حیثیت ہوتی ہے جس کی نفی نہیں کی جا سکتی اور پھر ماں کی تو کیا بات ہے۔ میری اماں کی حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔'' متحمل انداز بولتا آخر میں وہ اماں کو دیکھ کر مسکرایا۔ شہریار سنجیدگی سے زینب کی طرف جھکا۔

''نوٹ کر رہی ہو زینب نمبر کیسے بنائے جاتے ہیں۔'' اماں سمیت سب ہی بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

''بیٹے پڑھائی پر دھیان دیں۔'' شہریار نے ہنستے ہوئے کہا۔ جس پر زین جھینپ کر کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔

''بیٹا تم نے کب جانا ہے۔'' اماں کے پوچھنے

پر زینب کا بریانی ڈالتا ہاتھ رکا۔

''ہفتہ ہی رہ گیا ہے اگلے اتوار کو میری فلائٹ ہے۔'' چاولوں سے بھرا چمچہ منہ میں رکھتے شہریار نے بتایا۔ زینب نے مزید بریانی ڈالنے کے بجائے ڈش واپس رکھ دی۔ اس کا دل ایک دم سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ جلدی سے پلیٹ خالی کرتی وہ برتن سمیٹنے کے لیے اٹھ گئی۔ اماں بھی ساتھ ہی اٹھ گئیں۔ وہ اسے زیادہ کام نہیں کرنے دیتی تھیں۔ کچن بھی خود ہی سنبھالتی تھیں۔ وہ خود ہی ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ شہریار زین سے اس کی پڑھائی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

''یہ سال ختم ہوتے ہی تم باہر کی یونیورسٹیز میں اپلائی کرنا۔''

''جی میں بھی سوچ رہا ہوں اسکالرشپ کے لیے اپلائی کروں پر اماں کا خیال آتا ہے۔'' زین تذبذب کا شکار تھا۔ ان کی آوازیں کچن تک آرہی تھیں۔ زینب برتن سمیٹ رہی تھی اور اماں چولہے پر چائے رکھ رہی تھیں۔

''زین یہ میری اور اماں دونوں کی خواہش ہے۔ تمہیں اسکالرشپ ملے یا نہ ملے میں تمہیں سب سے اچھی یونی ورسٹی سے پڑھانا چاہتا ہوں بلکہ میرے خیال میں تمہیں ایک آدھ سال باہر جاب کر کے ایکسپیرئنس بھی لینا چاہیے۔'' شہریار کے لہجے میں اس کے لیے باپ جیسی فکر تھی۔

''پر بھائی یہاں اماں اور بھابھی...... میں کیسے جا سکتا ہوں۔''

''چلو کچھ سوچتے ہیں ابھی تو ٹائم ہے۔'' پھر تھوڑی گپ شپ کر کے دونوں اٹھ گئے تھے۔ سائڈ ٹیبل پر چائے کا کپ رکھتی زینب کے چہرے پر پھیلی افسردگی کو اس نے نوٹ کیا۔

''کیا ہوا ہے۔'' شہریار کے پوچھنے پر وہ نفی میں سر ہلاتی مڑی تھی۔ جب اس نے ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ''اداس ہو؟''

''آپ جا رہے ہیں؟'' اس نے نظریں اٹھا کر مدھم سی امید کے سہارے اسے دیکھا، جیسے وہ کہہ ہی دے گا کہ اسے کہیں نہیں جانا۔

''میرے جانے میں ابھی دن ہیں۔ پر جانا تو مجھے ہے نا زینب۔ انگلینڈ میں میری جاب ہے۔'' اس نے سمجھانا چاہا۔

''آپ یہاں جاب کر لیں نا۔ اتنے سالوں کا تجربہ ہے آپ کے پاس کوئی نہ کوئی اچھی جاب مل جائے گی۔'' اس کے بولنے پر وہ مسکرایا۔

''ایک دم سے میں چھوڑ نہیں سکتا کانٹریکٹ کیا ہے اور پھر میں تمہارے اور اماں کے لیے ایک خوب صورت سا گھر بنانا چاہتا ہوں۔ زین کو پڑھانا ہے اور اس کے لیے دو تین سالوں تک مجھے یہ جاب کرنی پڑے گی۔ پھر ہی میں واپس آکر یہاں بزنس کر پاؤں گا۔''

''اتنی جلدی جا رہے ہیں مہینہ بھی نہیں ہوا ہماری شادی کو۔'' زینب نے خفگی سے شکوہ کیا۔

''مجھے آئے ہوئے بھی تو تین مہینے ہو گئے ہیں۔ آیا تو میں دو مہینوں کے لیے تھا پر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس بار میں شادی کر کے جاؤں گا۔ کیا کریں اماں نے لڑکی ہی ایسی پسند کی کہ میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا۔'' شرارت سے اس کے بالوں کی لٹ چھیڑتا وہ شوخ ہوا۔

''چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' زینب نے جھینپ کر کہا۔

''پہلے چائے بنانے والی کو تو دیکھ لوں۔'' جذب سے بولتا وہ اسے دیکھے گیا۔

''میں نے نہیں بنائی۔ اماں نے بنائی ہے۔ بلاؤں انہیں۔'' اس نے لب دانتوں میں دبائے اپنی ہنسی روکی۔

''نہیں مہربانی۔ فی الحال میں پلانے والی سے گزارا کر لوں گا۔'' مزے سے بولتے ہوئے اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے چائے پینے لگی۔

☆☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اسے آوازیں دیتا وہ لاؤنج میں آیا تھا۔ وہ زرینہ کے ساتھ برتن سمیٹ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی چند مہمان خواتین اس سے مل کر گئی تھیں۔ زرینہ کے ہاتھ میں ٹرے تھماتی وہ شہریار کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کوئی کام ہے آپ کو۔''

''ہوں تم آؤ ذرا میری شرٹ کا بٹن لگا دو۔'' سنجیدگی سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں شرارت تھی جو زینب نے محسوس کر کے اسے گھورا تھا۔

''کہیں جا رہے ہو؟'' اماں نے اسے تیار دیکھ کر پوچھا۔

''جی ایک دوست سے ملنا تھا۔ تیار ہو رہا تھا پر اس شرٹ کا بٹن ٹوٹ گیا۔'' شرٹ کے بائیں بازو کا بٹن وہ ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔ نظریں زینب کے اٹھنے کی منتظر تھیں۔

''اماں یہ ان کی شرٹس کے بٹن کچھ زیادہ ہی نہیں ٹوٹنے لگے۔ کل بھی جو شرٹ پہنی تھی اس کا بٹن ٹوٹا ہوا تھا۔'' متبسم لہجے میں بولتی وہ اماں سے مخاطب تھی۔

''بٹن کچے ہو گئے ہوں گے۔ تم ایسا کرو ساری شرٹس مجھے لا دو میں سب کے بٹن پکے کر دوں گی۔'' اماں سادگی سے کہہ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے اماں۔ ابھی تو تم آؤ نا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اماں سے کہہ کر وہ اس کی طرف مڑا۔

''اماں آپ بٹن لگا دیں میں کچن میں سالن دیکھ لیتی ہوں اسے دم آ گیا ہو گا۔''

''ہاں دیکھ لو کافی دیر ہو گئی اسے رکھے۔'' زینب سر ہلاتی اپنی مسکراہٹ دباتی اٹھ گئی۔ اس کی طرف دیکھے بغیر بھی جانتی تھی کہ اس وقت وہ اسے ہی گھور رہا ہو گا۔ دس منٹ بعد وہ کمرے میں گئی تھی۔ جوتے پہننے کے بعد اب وہ آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش پھیر رہا تھا۔ زینب کھنکارتی ہوئی اس کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔

''یہ ناراضی کب تک چلے گی۔'' لب دانتوں میں دبائے وہ پوچھ رہی تھی۔

''جاؤ تم اپنے ضروری کام نبٹاؤ۔'' پرفیوم کا بے دریغ استعمال کرتا وہ خفگی سے بولا۔

''اچھا اب چھوڑ دیں نا۔ میں تو آپ کو تنگ کر رہی تھی۔ آپ بھی تو روز اس بہانے سے مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں اور چہرہ دیکھیں اپنا بالکل بچوں کی طرح منہ پھلا لیا ہے۔'' اس کے خفگی بھرے تاثرات پر وہ ہنسی تھی۔

''ابھی تمہیں میری پروا نہیں ہے۔ جب چلا جاؤں گا اور مڑ کر بھی نہیں دیکھوں گا تب قدر آئے گی۔'' کلائی پر گھڑی باندھتا وہ مڑا۔ اس سے پہلے کہ آگے بڑھتا زینب نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''کچھ بھی بول دیتے ہیں آپ۔ میرے جذبات کی بھی پروا ہے۔ ایک چھوٹی سی شرارت ہی تو کی تھی۔'' اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر وہ شرمندہ ہوا۔

''سوری میرا وہ مطلب نہیں تھا چلو اب مسکرا دو تاکہ میں جاؤں۔ عمر انتظار کر رہا ہو گا۔'' اس کی فرمائش پر وہ بھیگی پلکوں کے ساتھ زبردستی مسکراہٹ چہرے پر لائی۔

''ایسے نہیں صحیح سے مسکراؤ۔ پتا ہے زینب، تمہاری مسکراہٹ مجھے بہت پیاری لگتی ہے کیونکہ جب تم دل سے مسکراتی ہو نا تو ساتھ میں تمہاری یہ خوب صورت آنکھیں بھی مسکرانے لگتی ہیں۔ ایک چمک ہوتی ہے ان آنکھوں میں کہ بس دیکھتے رہنے کو دل چاہتا ہے۔ ہمیشہ ایسے ہی مسکرانا۔'' جذب سے بولتا وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں وہ اپنا عکس صاف دیکھ سکتی تھی۔

''اچھا بہت ہو گئے ڈائیلاگز۔ جائیں دیر ہو رہی ہے۔'' اپنے کندھوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹاتی وہ پیچھے ہوئی، چہرے پر بڑی پیاری مسکان پھیلی تھی۔

''ویسے میں نے سنا ہے میاں کی محبت کا بخار چار دن کا ہوتا ہے۔ کچھ سالوں بعد بیویوں کی تعریف کرنا بھی بھول جاتے ہیں۔'' کمرے سے نکلتی وہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شرارت سے بولی۔

"ہائے، اگر یہ بخار ہے تو میں تمام عمر اسی بخار میں تیمار رہوں اور اف تک نہ کروں۔" محظوظ ہوتا وہ اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکلا تھا۔

☆☆☆

دو دن بعد وہ چلا گیا تھا۔ شروع شروع میں وہ پہروں بیٹھ کر اس کے فون کا انتظار کیا کرتی تھی۔ اسکائپ پر بھی دن میں ایک آدھ بار بات ہو جاتی۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے اماں کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ اس طرح اس کا دھیان بھی بٹا رہتا تھا۔

سال بعد حذیفہ اس کی گود میں آ گیا پھر تو جیسے مصروفیت ہی مصروفیت تھی۔ سارا دن اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہی گزر جاتا۔ اس کی پیدائش پر شہریار بھی مہینے کی چھٹی لے کر آیا تھا اور یوں زندگی کا پہیہ چلنے لگا۔ چار سال کے بعد اس کی گود میں مشال آ گئی تھی۔ اب تو وہ بھی گھٹنوں کے بل چلنے لگی تھی۔ پانچ سال گویا زندگی کی کتاب کے وہ ورق تھے جو تیزی سے پلٹ دیے گئے تھے۔ اس دوران زین بھی اسکالرشپ پر پڑھنے امریکا چلا گیا تھا۔ اس کے جانے سے پہلے ہی زبیدہ بیگم نے اپنے بھائی کو بلا لیا تھا جو سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ مجیب احمد سائیکالوجی کے ریٹائرڈ پروفیسر تھے۔ بیوی سالوں پہلے وفات پا چکی تھی۔ بچے تھے نہیں اور دوسری شادی کرنے پر وہ کبھی رضامند نہ ہوئے تھے۔ بس کتابیں تھیں جن سے انہوں نے اٹوٹ رشتہ جوڑ رکھا تھا۔ زبیدہ بیگم کے بلانے پر وہ بغیر کسی پس و پیشت کے اپنا شہر چھوڑ آئے تھے۔ کہہ کر تو وہ یہی آئے تھے کہ بھتیجوں کے آتے ہی واپس چلے جائیں گے پر اب کتابوں کے ساتھ ساتھ بچوں میں بھی ان کا خوب دل لگ گیا تھا۔

☆☆☆

"زینب آپی سے جیسے ہی سنا، تم آ رہے ہو میں نے سوچ لیا اس بار تو سارے دوست اکٹھے ہوں گے۔ یونی ورسٹی کے بعد سب ایسے غائب ہوئے ہیں۔ پچھلی بار تم آئے بھی تھوڑے سے دنوں کے لیے تھے۔ کوئی پلان ہی نہیں بن سکا تھا۔" گاڑی ڈرائیو کرتا عمار مسلسل بولے جا رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ بیٹھے زین نے تائید میں سر ہلایا۔

"ہوں۔ سب مصروف بھی تو ہو گئے ہیں۔"

"تم اپنا بتاؤ۔ تم کب تک ہو پاکستان میں؟" عمار نے پوچھا۔

"پچھلی بار تو ہفتہ ہی رہ سکا تھا۔ نئی جاب تھی اور جوائننگ دینی تھی۔ پر اس بار دو مہینے کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔" باہر کے بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھتے ہوئے زین نے بتایا۔

"دیٹس گریٹ یار۔ پھر میں سب کو اکٹھا کرتا ہوں۔ مل کر گپ لگاتے ہیں۔" عمار خوش ہوا تھا۔ اسے گاڑی روکتے دیکھ کر زین نے چونک کر کالونی کو دیکھا اور اس گھر کو، جس کے سامنے عمار نے گاڑی کھڑی کی تھی۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" وہ حیران سا اس کی طرف مڑا۔ پچھلی سیٹ سے سفید رنگ کا شاپر اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے عمار بولا۔

"اس کے لیے۔ زینب آپی نے دیا تھا کہ راستے میں ڈراپ کرتا جاؤں۔" زین نے سر ہلایا۔

"اترو بھی۔" اسے بیٹھے دیکھ کر اشارہ کیا۔

"میں جا کر کیا کروں گا۔ تم دے آؤ۔"

"مانا کہ میری پھوپھو کا گھر ہے پر تمہاری بھابھی کا میکا بھی تو ہے۔ چل آ جا۔" گاڑی سے نکلتا وہ اس کے اٹھنے کا منتظر تھا۔

عمار نا صرف اس کے بچپن کا دوست تھا بلکہ دونوں کی ماؤں میں بھی اچھی دوستی تھی اور عمار کے بڑے بھائی کی شادی میں ہی زبیدہ بیگم نے زینب کو پسند کیا تھا جو کہ عمار کی پھوپھی زاد کزن تھی۔

زین بھی گاڑی کا دروازہ بند کرتا اس کے قریب آ گیا۔ گیٹ چوکیدار نے کھولا۔ عمار کو پہچان کر وہ انہیں اندر لے گیا۔ فردوس بیگم انہیں دیکھ کر خاصی خوش ہوئیں۔ دونوں کا حال احوال پوچھتیں، انہیں

بیٹھنے کو کہا۔
''نہیں آنٹی بس ہم چلتے ہیں۔'' زین نے انکار کرنا چاہا۔
''ابھی تو آئے ہو بیٹا۔ ایسے کھڑے کھڑے دروازے سے میں رخصت نہیں کروں گی۔'' فردوس بیگم نے بیٹھتے ہوئے کہا۔
''اس کو چھوڑیں پھوپھو۔ یہ تو خواہ مخواہ تکلف کر رہا ہے پر میں تو چائے پی کر ہی جاؤں گا۔'' عمار مزے سے بولتا پھیل کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ زین اسے گھورتا ہوا ساتھ بیٹھا۔ فردوس بیگم مسکرائیں۔
''کیوں نہیں میں ابھی چائے پلواتی ہوں۔''
''امی۔ آپ کا جوڑا میں نے استری کر دیا ہے۔'' اپنے آپ میں مگن وہ ہوا کے جھونکے کی طرح اندر آئی تھی۔ لہجے میں وہی دھیما پن، چہرے پر وہی معصومیت اور وہی کشش جو سالوں پہلے بھی اسے اپنے حصار میں لے لیتی تھی۔ ایسا کیا تھا اس لڑکی میں کہ اس کے علاوہ کبھی کوئی اچھا ہی نہیں لگا تھا۔ آج بھی اس کی نگاہیں جیسے پلٹنا بھول گئی تھیں۔
ہلکا گندمی رنگ، گہری سیاہ آنکھیں، گھنی پلکیں، چہرے پر دھیمی مسکراہٹ جو عمار کی کسی بات پر اس کے لبوں پر پھیلی تھی۔ آج بھی وہ عام سے حلیے میں تھی۔ لیمن اور براؤن کنٹراسٹ کا سوٹ پہنے، دوپٹا پہلے کی طرح کندھوں پر پھیلانے کے بجائے سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ یہ ایک واحد تبدیلی تھی جو نظر آرہی تھی۔ عمار کے، کھنکارتے ہوئے پکارنے پر اور ساتھ میں کہنی مارنے پر وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔
''جاؤ فارہ۔ بھائیوں کے لیے چائے بناؤ۔''
اس کی حالت سے بے خبر فردوس بیگم نے بیٹی سے کہا۔ زین نے پہلو بدلتے ہوئے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی مسلی، شرمندگی سے اس کا پورا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں ایسے جھک گئی تھیں جیسے اب نہ اٹھانے کی قسم کھالی ہو۔
''جاؤ شاباش فارہ اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔ زین بھائی کے تو سر میں بھی درد ہے۔'' عمار کے کہنے پر سر جھکائے بیٹھے زین کو دیکھ اس نے سر ہلایا۔
''جی...... میں پین کلر بھی لے آتی ہوں۔'' پھر سارے وقت عمار ہی بولتا رہا تھا۔ زین چپ چاپ چائے کے گھونٹ بھرتا رہا، جو وہ تھوڑی دیر بعد دے کر گئی تھی اور اس بار اسے دیکھنے سے گریز ہی برتا تھا۔ چائے واقعی میں اچھی تھی یا اسے ہی خاص لگی۔ وہ فیصلہ نہ کر پایا۔

☆☆☆

عمار نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اسے دیکھا جو سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے باہر دیکھ رہا تھا۔
''یہ تمہارا کھویا کھویا انداز سمجھ میں نہیں آرہا۔''
''تمہارا وہم ہے۔'' اسی حالت میں بیٹھے زین نے تردید کی۔
''اوکے...... میں بتانا بھول گیا۔ میری منگنی ہو رہی ہے اور جیسی اسپیڈ میری والدہ کی ہے۔ عنقریب سمجھو شادی کے کارڈ بانٹ رہا ہوں گا۔'' مزے سے بولتا وہ ہنسا تھا۔
''اچھی بات ہے اب میں اگلی بار آؤں تو تمہارے ہاتھ میں کارڈ ہونا چاہیے۔'' زین مسکرایا۔
''ایسا ہی ہونے والا ہے۔ میری والدہ صاحبہ یوں ہی اچانک حملہ کرتی ہیں۔ اب ایک دم ہی طے کر لیا کہ اپنی نند کی بیٹی بیاہ کر لاؤں گی۔ خاندان سے باہر رشتہ جوڑنے کا سوچ کر ہی انہیں ٹھنڈے پسینے آنے لگتے ہیں۔'' عمار نے اپنے مخصوص ہلکے پھلکے انداز میں بولتے ہوئے اس کی جانب دیکھا جو ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا۔ چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات تھے۔
''تمہیں کیا ہوا ہے۔'' عمار نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''کچھ نہیں۔'' نظریں چراتے ہوئے اس کے سینے میں سانس اٹکا تھا۔
''پھر چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔ بائے داوے میری دو پھوپھو ہیں اور وہ خوش نصیب میری بڑی پھوپھو کی بیٹی نگین ہے۔'' عمار نے سنجیدگی

سے بتایا۔ "سانس آرہی ہے یا گلوکوز پلاؤں۔" اس کے حلق میں اٹکا سانس صحیح معنوں میں بحال ہوا تھا۔ پر ایک شرمندگی کا احساس سا تھا۔ اسی لیے عمار کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

"مجھے کیا ہونا ہے۔"

"بدھو نہیں ہوں میں، آنکھیں ہیں میرے پاس اور نظر بھی بالکل صاف آتا ہے اور شک تو مجھے تب ہی ہو گیا تھا جب زینب آپی اور شہریار بھائی کی شادی ہوئی تھی اور آج تو ماشاء اللہ کیا کارکردگی دکھائی ہے۔ اب تو مان لے یہ اثرات نہایت خطرناک ہیں۔"

"مان تو لیا ہے۔" زین زیر لب مسکرایا۔

"مجھے نہیں پتا، تمہیں سن کر کیسا لگے گا۔ پر اب تم جان ہی چکے ہو تو میں انکار نہیں کروں گا۔ شروع میں مجھے یہ ہی لگا کہ یہ محض اٹریکشن ہے، جو مجھے پہلی بار کسی کے لیے محسوس ہوئی ہے۔ پر آج میں مانتا ہوں کہ یہ محبت کا جذبہ ہے جو بہت عرصے سے میرے دل میں پنپ رہا تھا اور یہ بھائی کی شادی سے بھی پہلے کی بات ہے۔ یاد ہے جب ہم یونی ورسٹی سے بنک کر کے آؤٹنگ کے لیے گئے تھے اور وہ اپنی دوستوں کے ساتھ کالج ٹرپ پر آئی تھی۔ تب ہی وہ دل میں اتر گئی تھی اور پھر میں کبھی اسے بھول نہیں سکا۔" نگاہیں جھکائے وہ اعتراف کر رہا تھا۔ عمار نے گہرا سانس لیا۔ اسے بھی وہ دن یاد آ گیا تھا۔

"برا نہیں لگا مجھے، کیوں کہ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں، نہ تم ایسے دل پھینک ہو اور نہ تمہاری نیت میں کھوٹ ہے اور پھر اتنا اچھا لڑکا میں کیوں ہاتھ سے جانے دوں۔ فوراً آنٹی سے بات کرو اور رشتہ بھیجو۔ اچھی لڑکیاں جلدی رخصت ہو جایا کرتی ہیں۔" عمار نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"اب یہ ہی کروں گا۔" زین بھی محظوظ ہوا۔

"شکر کرو میرے جیسا اچھا دوست ساتھ تھا۔ وہ تو میں نے پھوپھو کو باتوں میں لگا لیا۔ ورنہ جس طرح تم اسے دیکھ رہے تھے اور چائے کو کسی پر لطف جام کی طرح ہولے ہولے پی رہے تھے۔ انہیں تمہاری ذہنی حالت پر شک ہو جاتا تھا۔" عمار کے چوٹ کرنے پر وہ محض مسکراتا رہا۔ وہ خوش تھا اور یہ خوشی اس کے چہرے پر صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ فارہ سے محبت کا اعتراف کر کے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ ایک الجھن کا سرا مل گیا تھا۔

☆☆☆

زین کے منہ سے فارہ کا نام سن کر زبیدہ بیگم بہت خوش ہوئی تھیں۔ ان کے دل میں بھی یہ ہی خواہش تھی کہ زینب کے بعد اب فارہ کو بھی اس گھر کی بہو بنا کر لے آئیں۔ زینب اگر اپنے چلبلے پن کی وجہ سے پسند آئی تھی۔ تو فارہ کا دھیما انداز انہیں بھا گیا تھا۔ پھر جس طرح آناً فاناً دونوں گھرانوں کے درمیان سب کچھ طے پا گیا تھا۔ زین کو اپنے اوپر رشک آیا تھا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ سب کچھ اس قدر سہل ہو گا کہ اس کے منہ سے نکالتے ہی فارہ اس کی قسمت میں لکھ دی جائے گی۔ زبیدہ بیگم اور زینب تو جا کر فارہ کو انگوٹھی بھی پہنا آئی تھیں۔ جبکہ شادی اس کے ایگزامز کے بعد، زین کے اگلی دفعہ آنے پر ہونا طے پائی تھی۔ ورنہ زبیدہ بیگم کا تو بس نہ چلتا تھا کہ اپنے لاڈلے کی خوشی کو پورا کرنے کے لیے ابھی فارہ کو بیاہ لاتیں۔

☆☆☆

شہریار کی اچانک آمد نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ زبیدہ بیگم کے گھر میں گویا خوشیاں سی اتر آئی تھیں۔ سب ہی گھل مل کر بیٹھے، خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ حذیفہ باپ سے چپکا بیٹھا تھا اور مشال ہاتھ پاؤں ہلاتی ساتھ میں شور مچاتی اس کے پاس آنے کے لیے ہمک رہی تھی۔ سال بھر کی بچی کے اس قدر احتجاج پر زین نے اسے اپنی گود سے شہریار کی گود میں منتقل کیا تھا۔

"لیں بھئی اپنی لاڈلی کو...... اب یہ ہمیں کہاں لفٹ کرائے گی۔" زین نے شرارت سے مشال کی ناک ہلائی جو مزے سے باپ کی گود میں بیٹھی تالیاں

بجا رہی تھی۔

''بچے، ماں، باپ کی خوشبو کی پہچان رکھتے ہیں۔'' مجیب ماموں مسکراتے ہوئے اٹھ گئے۔ ان کے سونے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ جلدی سونے کے عادی تھے اور فجر کے بعد سے ان کے دن کا آغاز ہو جاتا تھا۔

''اپنے آنے کا بتا دیتے تو زین کی منگنی ٹھہر کر کر لیتے۔'' زبیدہ بیگم اس سے مخاطب ہوئیں۔

''میں نے تو ڈھکے چھپے الفاظ میں زینب کو روکا تھا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے، مگر آپ دونوں ساس، بہو سنیں تب نا۔'' اس الزام پر زینب نے احتجاجی انداز میں اسے دیکھا۔

''صاف صاف بتاتے۔ آپ کو بھی تو سرپرائز دینے کا شوق ہے۔''

''فلائٹ کنفرم نہیں تھی...... کہہ کر نہ آتا تو رونا دھونا شروع ہو جانا تھا'' شہریار نے شرارت سے لب دانتوں میں دبائے اور زینب کا خفگی بھرا انداز دیکھا۔

''چھوڑیں بھائی۔ جس بے چارے کی منگنی تھی، اسے بھی کسی نے شریک کرنا ضروری نہیں سمجھا۔'' زین نے مصنوعی افسردگی سے کہا۔ جبکہ چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''جی آپ کی بے چارگی کا ہمیں خاصی حد تک اندازہ ہے۔'' شہریار نے اسے چھیڑا۔

''منگنی ونگنی کیا، بس بات طے کرنا تھی۔ ان شاء اللہ اب شادی دھوم دھام سے کریں گے۔'' زبیدہ بیگم مطمئن سی بولیں۔ کچھ دیر آپس میں خوش گپیاں کرنے کے بعد سب ہی آرام کی غرض سے اٹھ گئے۔

وہ بچوں کو سلا کر فارغ ہوئی تھی کہ شہریار فریش سا شاور لے کر واش روم سے نکلا۔ گیلے بالوں میں برش پھیر کر بستر پر آ گیا۔

''واپسی کب ہے آپ کی؟'' تکیہ درست کرتی زینب نے پوچھا۔

''کیا یار! تم آتے ہی واپسی کا پوچھنے لگتی ہو۔'' وہ بدمزا ہوا۔

''پہلے پوچھتی ہوں، تاکہ آپ ایک دم سے سرپرائز نہ دیں۔''

''واپس جانے کا تو دل ہی نہیں چاہ رہا۔ چھٹی بڑھوالوں گا۔'' اسے سوئی ہوئی مشال کو بھینچ بھینچ کر پیار کرتے دیکھ زینب نے روکا۔

''کیا کر رہے ہیں، جاگ جائے گی۔ اتنی مشکل سے دونوں سوئے ہیں۔''

''اپنی بیٹی کو پیار کر رہا ہوں۔'' اس نے پیار سے مشال کے پھولے ہوئے گال چھوئے۔

''سوئے ہوئے زیادہ پیاری لگ رہی ہے۔ سونے دیں۔'' زینب نے آہستہ آواز میں بولتے ہوئے اس کے بائیں طرف کاٹ میں سوئے حذیفہ پر ایک نظر ڈالی۔

''مشال کی آنکھیں بالکل تمہاری آنکھیں جیسی ہیں۔'' اس نے نرمی سے بیٹی کی پلکوں کو چھوا۔

''بس کر دیں نا۔'' زینب نے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے اسے گھورا۔ جو شرارت کے موڈ میں تھا۔ زیرلب مسکراتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ سر کی پشت پر باندھے۔

''کیا یار ابھی تو سمجھ میں آیا تھا کہ جو بچے، ماؤں پر پڑیں وہ اتنے پیارے کیوں لگتے ہیں۔''

''خبردار، جو میرے بچوں میں تفریق کی۔'' زینب نے تپ کر اسے دیکھا جو بڑی دلچسپی سے اس کا تپا تپا انداز دیکھ رہا تھا۔

''ہائے...... تفریق تو کبھی خود میں اور تم میں نہیں کی۔ بچوں میں کیسے کر سکتا ہوں۔'' جذب سے اسے دیکھتا دل فریب انداز میں مسکرایا۔

''چپ کر کے سو جائیں۔ رات کے دو بجے مجھے نہ کچھ سنائی دیتا ہے، نہ دکھائی۔ اپنی فلاسفیز کسی اور وقت کے لیے بچا رکھیں۔'' اپنی مسکراہٹ چھپاتی وہ لیٹ گئی۔ آنکھیں بند ہونے کے باوجود اسے معلوم تھا کہ وہ اسے ہی تک رہا تھا۔

''نیند نہیں آ رہی۔'' ہاتھ سر کے نیچے رکھتا کہنی

کے بل لیٹا وہ اس کی جانب مڑا۔
''کوشش کریں۔'' نیند میں ڈوبی آواز میں اس نے مشورہ دیا۔

☆☆☆

کاؤنٹر پر بل ادا کر کے وہ مڑے ہی تھے کہ عمار کو رکتے دیکھ کر زین نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''نگین یہاں کیا کر رہی ہے۔'' زین نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ جینٹس سیکشن میں شرٹس دیکھتی وہ نگین ہی تھی۔ اس سے پہلے کہ عمار آگے بڑھتا نگین کی نظر اس پر پڑی وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی ان کے پاس آئی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس کے سلام کا جواب دیتے ہی عمار نے پوچھا۔

''شاپنگ کر رہی ہوں اور کیا کرتے ہیں شاپنگ مال میں۔'' نگین نے خفگی سے اسے دیکھا۔ بلو رنگ کے ایمبر ائیڈ ڈ سوٹ میں، اسٹیپس میں کٹے کھلے بالوں کے ساتھ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں کاجل بھی لگا رکھا تھا۔ جو عمار کو اس کی خفگی بھری آنکھوں میں اور بھی بھلا لگا۔

''جینٹس شاپنگ...... یار اگلے مہینے کہیں میری برتھ ڈے تو نہیں آرہی۔'' شرارت سے لب دباتا وہ زین کی طرف مڑا۔ زین کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔

''زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھیا کی برتھ ڈے ہے کل۔ ان ہی کے لیے شاپنگ کر رہی ہوں اور بائے داوے میں آپ کو دیکھ کر نہیں آئی۔ زین بھائی کی وجہ سے اس طرف آگئی۔'' اسے جواب دے کر وہ زین سے مخاطب ہوئی، چہرے پر نرمی کا تاثر بھی ابھر آیا۔

''کیسے ہیں زین بھائی آپ؟''

''جی الحمدللہ بالکل ٹھیک'' مسکراہٹ دباتے ہوئے زین نے جواب دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یقیناً دونوں میں زبردست قسم کی لڑائی چل رہی ہے، کیوں کہ وہ اکثر لڑتے ہوئے ہی پائے جاتے تھے۔

''اکیلی آئی ہو۔'' عمار اس سے بولے بغیر رہ بھی نہیں سکتا تھا اور نہ وہ جواب دیے بغیر رہ سکتی تھی۔

''نہیں فارہ ساتھ ہے۔'' اس نے بتاتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ زین کی نظریں بے اختیار اس طرف اٹھی تھیں۔ جینٹس سیکشن سے نکلتی وہ فارہ ہی تھی۔ ایک ہاتھ میں اس نے شرٹ پکڑ رکھی تھی۔ نگین کے ہاتھ ہلانے پر اس نے انہیں دیکھا تھا۔ وہ ٹھٹک کر رکی تھی، پر عمار کے بھی ہاتھ ہلانے پر وہ جھجک کر ان کی طرف بڑھی۔ اس کی جھجک زین کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہی تھی اور وہ جانتا تھا کہ یہ جھجک اسی کی وجہ سے تھی۔ منگنی کے بعد دونوں کا یہ پہلا آمنا سامنا ہونے والا تھا۔

''بیٹا پبلک پیلس کا دھیان رکھیے گا۔'' عمار نے اسے کہنی مارتے آہستگی سے باور کرایا، لہجے میں واضح شرارت تھی۔ فارہ کو دیکھ کر زین کے چہرے پر جو روشنی سی پھیلی تھی وہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ زین نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا، جبکہ عمار مسکراہٹ چھپاتا فارہ کی جانب مڑا جو قریب آچکی تھی۔ دونوں کو سلام کرتی، بس ایک نظر ہی تھی جو اس نے زین پر ڈالی تھی، پھر وہ عمار کی طرف متوجہ ہوگئی جو اس کا حال احوال پوچھ رہا تھا۔

''یہ شرٹ بہت اچھی ہے، بس یہ ہی ڈن کرتے ہیں۔'' اس کے ہاتھ سے شرٹ لے کر نگین پوری طرح جائزہ لے چکی تھی۔

''چلو پھر ہم تم دونوں کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔'' عمار نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں، یہ لنچ ٹائم ہے اور ہم لنچ کیے بغیر کہیں نہیں جا رہے۔'' نگین نے اپنے اسٹائل میں گویا اعلان کیا۔

''یہ بھی اچھا آپشن ہے۔'' عمار متفق ہوا۔ زین محض مسکرا دیا۔ اندر سے خوش تو وہ بھی ہوا تھا۔

''آں...... آپ ہمیں گھر ہی ڈراپ کر دیں، امی اور خالہ کھانے پر انتظار کر رہی ہوں گی۔'' عمار

سے کہتی فارہ نے نگین کو ایسے دیکھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہہ رہی ہو۔

"ابھی تو ہم نے طے کیا تھا لنچ کرنے کا اور پلیز مجھے گھر جاکر وہ ٹھنڈے گوشت نہیں کھانا۔" وہ نگین ہی کیا جو چپ کر جاتی۔ فارہ کی آنکھوں میں چھپی بات سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گئی۔ فارہ کو اس پر جی بھر کر تاؤ آرہا تھا۔ مگر وہ مسلسل بولے جارہی تھی۔ "اور اب تو زین بھائی بھی ہمارے ڈائریکٹ رشتہ دار ہیں۔ کیوں زین بھائی۔" نگین کے مخاطب کرنے پر زین مسکرایا، نظریں پیچ و تاب کھاتی فارہ پر تھیں۔

"بالکل بلکہ لنچ میری طرف سے ہوگا۔"

"آپ دونوں بہن، بھائی طے کرچکے ہیں تو چلیں۔" عمار شرارت سے بولا۔ پھر دس منٹ میں بل ادا کرکے وہ لنچ کرنے کے لیے نگین کے فیورٹ ریسٹورنٹ آگئے۔ ٹیبل کے گرد وہ چاروں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ عمار اور نگین جب سے بیٹھے تھے مسلسل بولے جارہے تھے۔ زیادہ تر آرڈر بھی دونوں نے مل کر نوٹ کروایا تھا۔ اس دوران فارہ ریسٹورنٹ کا انٹیریر ہی دیکھتی رہی تھی۔ جبکہ سامنے بیٹھے زین کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ پیچ کلر کے ایمبرائیڈڈ سوٹ میں ملبوس، اپنے مخصوص اسٹائل میں دوپٹا سر پر اوڑھے بغیر کسی میک اپ کے وہ ہمیشہ کی طرح اسے پیاری ہی لگی تھی۔ دائیں کلائی پر اس نے خوب صورت سی گھڑی باندھی ہوئی تھی۔ ساتھ میں نازک سا بریسلٹ پہن رکھا تھا۔

"اب ذرا روبی آنٹی والا معاملہ کلیئر کریں۔" دونوں کلائیاں ٹیبل پر رکھتی نگین پوری طرح عمار کی طرف متوجہ ہوئی۔ انداز ایسا تھا جیسے نیا کھاتہ کھولنے کو تیار ہو۔

"تم ابھی تک وہیں اڑی ہوئی ہو۔ خیال کرلو، کچھ ان دونوں کا نہیں تو میرا ہی کرو۔ تمہارا منگیتر ہونے کے ساتھ تم سے چار سال بڑا بھی ہوں۔" عمار نے اسے شرم دلانا چاہی۔

"کر تو رہی ہو عزت۔ اتنا آپ جناب کرتی ہوں، اسی سے گزارا کریں۔" نگین کی بات پر فارہ اور زین کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"روبی آنٹی کیوں کہہ رہی تھیں کہ آپ کسی اور میں انٹرسٹڈ تھے۔" نگین نے جرح شروع کی۔

"بندہ اتنا ہینڈسم ہو تو ایسی افواہیں اڑتی رہتی ہیں۔ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔" عمار نے مزے سے کہتے ہوئے زین کو تائید طلب نظروں سے دیکھا جو ان کی نوک جھوک کو انجوائے کررہا تھا۔

"کچھ نہ کچھ سچائی تو ہوگی، ورنہ وہ ایسی بات کیوں کرتیں اور پھر وہ آپ کی چچی ہیں، جانتی تو ہوں گی آپ کو۔" نگین اپنی بات پر قائم تھی۔ جانچتی نظریں عمار کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"تم ان کی بات نہیں سمجھیں، کہنا تو وہ یہ چاہ رہی تھیں کہ میں ان کی بیٹی میں انٹرسٹڈ تھا، کیوں کہ یہ ان کی دلی خواہش تھی۔" غیر سنجیدگی سے بولتے اس نے سامنے بیٹھی مشکوک نظروں سے دیکھتی نگین کو دیکھا۔

"تم بھی تو میری کزن ہو۔ تم کتنا جانتی ہو مجھے۔"

"اب یہ ہی لگتا ہے کہ نہیں جانتی۔" نگین خراب موڈ کے ساتھ بولی۔ خفگی کا تاثر صاف چہرے پر نظر آرہا تھا۔

"عمار بھائی آپ اس معاملے کو سنجیدہ نہیں لیں گے تو یہ غلط فہمیاں ہمیشہ آپ دونوں کے بیچ رہیں گی۔" عمار کے کچھ بولنے سے پہلے ہی فارہ سنجیدہ سے بولی تھی۔

"یہ اعتبار بھی تو کرے۔"

"آپ اعتبار دلائیں تو اور یہ رشتہ تو اعتبار کے بغیر بے معنی ہے۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں جس پر آپ اعتبار نہ کرسکیں، اس سے ایسا نازک رشتہ بنانا ہی نہیں چاہیے۔" سنجیدگی سے بولتے ہوئے اس کے چہرے پر معصومیت اور لہجے میں مضبوطی تھی۔

"اور اگر کوئی تیسرا اس رشتے کے بیچ آنے کی

کوشش کرے تو......'' زین کے سوالیہ انداز میں کہنے پر فارہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی، جو منتظر سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر اس کی طرف دیکھ نہیں سکی۔ جانے کیوں اس کی آنکھیں بولتی ہوئی سی محسوس ہوئی تھیں۔ پلکیں جھکاتے اس نے جواب دیا تھا۔

''اعتبار کا رشتہ مضبوط ہو تو کسی تیسرے کی اہمیت نہیں رہتی۔'' بڑی خوب صورت مسکراہٹ زین کے لبوں پر پھیلی تھی۔ اس کے خیالات سن کر وہ اور بھی دل سے قریب محسوس ہوئی۔

''دیکھا، غلطی آپ کی ہی ہے۔ الٹا آپ میرا فون بھی نہیں اٹھا رہے تھے۔'' فارہ کے خاموش ہوتے ہی نگین کو بولنے کا موقع مل گیا تھا۔

''بزی تھا یار اس وقت۔ اب دفتر میں بیٹھ کر میں اپنے گھریلو مسئلے حل کرنے سے رہا۔'' عمار نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''دوسرے بندے کو بھی بتا دیتے ہیں کہ وجہ کیا ہے۔ آپ تو میرے میسجز کا جواب اتنا لیٹ دیتے ہیں کہ میں خود بھول جاتی ہوں کہ میسج کب کیا تھا۔ آپ بتائیں زین بھائی، آپ بھی فارہ کے ساتھ یہ سب کرتے ہیں۔'' مسلسل بولتے ہوئے وہ ایک دم سے زین کی طرف مڑی۔ زین کو ایسے سوال کی توقع نہیں تھی۔ اس کی نگاہیں فارہ پر اٹھی تھیں، جس نے اسی وقت اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پھر وہ نظریں جھکا گئی۔

''آں...... نہیں...... ہمارے پاس ایک دوسرے کا نمبر نہیں ہے۔ اس لیے کبھی ایسی نوبت نہیں آئی۔'' جواب تو دینا تھا سو سنجیدگی سے کہہ گیا۔ نگین کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔

''آپ کے پاس نمبر نہیں ہے۔ کون سی دنیا کے ہیں آپ لوگ۔'' حیرت سی حیرت تھی۔

''یہ پچھلی صدی کے معصوم اور سادہ لوگ ہیں۔ تم غم نہ کرو۔'' عمار نے ہنستے ہوئے زین کو دیکھا۔ جو زیرِ لب مسکرائے جا رہا تھا، کن انکھیوں سے کنفیوز سی فارہ کو بھی دیکھ رہا تھا۔

''موبائل نکالیں اور نمبر لکھیں۔'' نگین کی اگلی فرمائش پر زین سیدھا ہوا۔

''کس کا۔'' فارہ نے بھی سٹپٹا کر ساتھ بیٹھی نگین کو دیکھا۔

''بھئی اپنی منگیتر کا۔ کبھی بھی کوئی ضروری بات کرنی پڑ سکتی ہے۔''

''ہاں فائر بریگیڈ کو بھی بلانا ہو تو پہلے زین کو کال کر لینا، یہ اس سے بھی پہلے اڑتا ہوا پہنچے گا۔'' ہنسی دباتے عمار نے شریر لہجے میں فارہ سے کہا۔ پھر لاکھ فارہ نے اسے گھورا، اپنا پاؤں اس کے پاؤں پر مارا، مگر اس نے زین کو نمبر نوٹ کروا کر ہی دم لیا۔ بلکہ اسی وقت مس کال بھی دلوائی۔ پھر خود کو گھورتی فارہ کو دیکھا۔

''تم کیا مجھے دیکھے جا رہی ہو۔ نمبر سیو کرو۔ یہ نہ ہو زین بھائی کال کریں اور تم، بھائی صاحب رانگ نمبر ہے کہہ کر بند کر دو۔'' فارہ نے دل میں اسے خوب سناتے ہوئے ہینڈ بیگ سے موبائل نکالا۔

''آج مجھے اندازہ ہوا ہے کہ آپ خاصی سمجھ دار ہیں۔'' شرارت سے لب دانتوں میں دباتا زین اس صورت حال سے خاصا محظوظ لگ رہا تھا۔ پھر چاروں کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جو ویٹر سرو کر رہا تھا۔

☆☆☆

''فارہ اپنے آپ کو تھوڑا بدلو۔''

''کیا مطلب؟'' فارہ نے اچنبھے سے سبزیاں کاٹتی زینب کو دیکھا جو سالن بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ آج اتوار تھا اور ابو اسے صبح ہی زینب کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ گھر کے باقی افراد زبیدہ بیگم کے دور کے رشتہ دار کی فوتگی میں گئے ہوئے تھے۔ اسی لیے زینب نے فارہ کو بلا لیا تھا۔

''ذرا حلیہ دیکھو اپنا۔'' زینب نے چولہے کی آنچ آہستہ کرتے ہوئے کہا۔ فارہ نے حیرت سے

ایک نظر اپنے لباس پر ڈالی۔ سیب کی کاشیں کاٹنے کے بعد اب وہ کچن کاؤنٹر سے ٹیک لگائے اطمینان سے سب کھانے میں مصروف تھی۔

"کیوں، کیا ہوا ہے میرے حلیے کو۔ ٹھیک تو ہے۔"

"بالکل سادہ سی رہتی ہو ہر وقت۔ اب نگین کو ہی دیکھ لو، ہر وقت ٹپ ٹاپ رہتی ہے۔"

"میں کسی کو کیوں دیکھوں اور پھر نگین کو بچپن سے تیار شیار رہنے کا شوق ہے۔ میری اور اس کی نیچر میں بہت فرق ہے۔" فارہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں خود کو بدلو۔ میں یہ نہیں کہتی کہ بالکل نگین کو فالو کرنا شروع کر دو۔ مگر کبھی کبھی ہلکا پھلکا تیار ہو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایگزامز کے بعد تمہاری شادی ہو جائے گی۔ اس سے پہلے ہی تھوڑی عادت ڈالو۔ زین کو اچھا لگے گا۔ اگر تم بھی دوسری لڑکیوں کی طرح خود کو ٹپ ٹاپ رکھو گی۔" زینب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"سادگی کوئی بری چیز نہیں ہے اور پھر جب وقت آئے گا تو دیکھ لیں گے۔ ابھی مجھے پڑھائی پر فوکس کرنے دیں۔ میرے لیے پڑھائی ہی اس وقت سب سے اہم ہے اور اگر آپ کے دیور کو دوسری لڑکیاں اتنی پسند ہیں تو ان سے شادی کرا دیں۔" آخر میں مزے سے مشورہ دیتی وہ پلیٹ خالی کر چکی تھی۔ زینب نے اسے ملامتی نظروں سے گھورا۔

"شرم کرلو۔ میرے اتنے شریف دیور کے بارے میں ایسے کہہ رہی ہو۔"

"میں تو بس آپ کی بات کا جواب دے رہی ہوں اور مجھے یقین ہے آپی! امی نے آپ سے یہ سب کہا ہوگا۔ انہیں کہیں مجھے ابھی سے اتنا نہ ڈرائیں کہ میں شادی کے نام سے ہی بھاگنے لگوں۔" پریقین سے انداز میں بولتی وہ زینب کو ہی دیکھ رہی تھی، جس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں امی سے کہہ دوں گی کہ فارہ سے کچھ نہ کہیں، بس ایگزامز کی تیاری کرنے دیں۔ تم ٹینشن نہ لو۔" اس کے تسلی دینے پر وہ بھی مطمئن ہوئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کوئی سویٹ ڈش بنا دے کہ کسی کے کھنکارنے پر بری طرح چونکی۔ زینب بھی چونک کر متوجہ ہوئی۔ سامنے کھڑے زین کو دیکھ کر وہ جھٹ سے سیدھی ہوئی۔ چہرے پر خجالت کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے کچھ سن ہی نہ لیا ہو۔ اس کا کمرہ بھی تو ساتھ ہی تھا۔ پہلی سوچ فارہ کو یہ ہی آئی۔

"ارے زین تم گئے نہیں۔" زینب نے حیرت سے نکھرے نکھرے زین کو دیکھا، جو نیلی جینز پر نیلی ٹی شرٹ پہنے تازہ دم سا لگ رہا تھا۔ بالوں کی نمی اس کے نہا کر تیار ہونے کی چغلی کھا رہی تھی۔ چہرے پر شیو کیے جانے کے بعد کی فریشنیس (تازگی) سی تھی۔

"صبح کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ٹیبلٹ لے کر سو گیا۔"

"اچھا، ہاں شہریار کی کال آ رہی تھی۔ شاید تمہارا ہی بتانا چاہ رہے تھے، پر میں اٹھا نہیں سکی۔ خیر تم کہیں جا رہے ہو؟" زینب نے اس کی تیاری سے اندازہ لگایا۔

"جی...... عمار کا فون آیا تھا۔ اس نے کوئی پروگرام بنایا ہے۔ پہلے اگر ناشتا مل جائے تو بہت اچھا ہوگا۔" خوش دلی سے بولتے اس نے زینب کے دائیں طرف کھڑی فارہ کو دیکھا جو اسی کا جائزہ لے رہی تھی۔ نظریں ملنے پر پلکیں جھکا گئی۔

"میں ناشتا بناتی ہوں۔" زینب نے چھری رکھ کر سنک کا نل کھول کر ہاتھ دھوئے۔ اسی وقت کمرے سے آتی رونے کی آواز سن کر وہ فارہ کی طرف مڑی۔

"فارہ! تم زین کا ناشتا بنا دو۔ میں مشال کو دودھ پلا کر سلاتی ہوں۔" جلدی سے اسے ہدایت دیتی وہ کمرے کی طرف بھاگی۔ زین کاؤنٹر کے دوسری طرف رکھے اسٹول پر بیٹھا گلاس سے منہ لگائے پانی پی رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی فریج سے بوتل نکال کر اس نے گلاس بھرا تھا۔ گلاس خالی کرتا وہ ہموار

قدموں سے چلتا کاؤنٹر کے دوسری طرف آیا، جہاں فارہ کھڑی تھی۔ اس کے قریب رکھتے ہوئے وہ کھنکارا۔ اپنا اعتماد بحال کرتی وہ اس کی جانب مڑی۔ ساتھ ہی وہ آملیٹ بنانے کے لیے انڈہ پھینٹ رہی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"یہ تو آپ بتایے انفیکٹ آپ کو کیسا لگتا ہوں؟" زین نے اس کی جھکتی سیاہ گھنی پلکوں کو دیکھا، جن کی لرزش اس کے نروس ہونے کا پتا دے رہی تھی۔

"فریش لگ رہے ہیں۔ اب آپ جائیں، میں آپ کا ناشتا بنا رہی ہوں۔" فارہ نے اسے کچن سے نکالنے کے لیے کہا، ساتھ میں ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔

"ہوں...... وہ تو میں دیکھ رہا ہوں، میری پسند کا کچھ کچھ اندازہ ہوتا جا رہا ہے۔" زین نے اپنے سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے دلچسپی سے اس کے لبوں پر پھیلی دھیمی مسکان کو دیکھا۔ اشارہ اپنے فیورٹ آملیٹ کی طرف تھا جو وہ بنا رہی تھی۔ اس دن کے بعد سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی ہلکی پھلکی بات چیت سے کم از کم وہ ایک دوسرے کی پسند ناپسند کو جاننے لگے تھے۔

"چلیں آپ بنائیں ناشتا، مزید آپ کو ڈسٹرب نہیں کرتے، بلکہ لاؤنج میں بیٹھ کر اس مزے دار ناشتے کا انتظار کرتے ہیں۔" زین کے کہنے پر وہ مسکرا کر سر ہلاتی چائے کے لیے پانی رکھنے لگی۔

"فارہ......" نرمی سے اسے پکارتا وہ مڑتے مڑتے رکا۔ نگاہیں بے اختیار اس کی جانب اٹھیں۔ انداز سوالیہ تھا۔ اس کی طرف دیکھنا اسے مشکل لگا، مگر کچھ تھا اس کی لو دیتی آنکھوں میں کہ وہ دیکھے گئی۔ چہرے پر دلفریب مسکراہٹ سجا کر وہ دو قدم آگے بڑھا۔ دراز قد ہونے کی وجہ سے تھوڑا سا اس کی جانب جھکا۔ "بھابھی سے کہیے گا۔ فارہ، زین کو ہر روپ میں اچھی لگتی ہے۔" اس کا چہرا تیزی سے سرخ ہوا تھا۔ جس پر سے نگاہ ہٹاتے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کچن سے نکل گیا۔ وہ چلا گیا تھا۔ مگر اپنی محبت کی خوشبو چھوڑ گیا تھا، جس کو فارہ نے اپنے اندر تک پھیلتے محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

"واپسی کے لیے کب کا ٹکٹ کروایا ہے۔ اب بتا بھی دیں۔ پہلے بھی آپ سے کہا تھا، سرپرائز نہ دیا کریں۔" جوس کا سپ لیتے ہوئے زینب نے خفگی سے اسے گھورا، جو پرسوں ٹکٹ لے چکا تھا، مگر پوچھنے پر ٹال جاتا۔

"سن کر تم کون سا خوش ہوگی۔" شرارت سے بولتا وہ پلے ایریا کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں حذیفہ کھیل رہا تھا۔

"سرپرائز ملنے سے بہتر ہے پہلے ہی معلوم ہو۔" زینب نے اسٹرا گود میں بیٹھی مشال کے منہ میں ڈالی جو کافی دیر سے جوس کی طرف ہاتھ کیے آوازیں نکال رہی تھی۔

"بھئی سرپرائز کا تو اپنا مزا ہے۔" شہریار نے مسکراتے ہوئے دلچسپی سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھا۔

"سرپرائزز دینے کا بہت شوق ہے اسے۔" دونوں چونک کر اس آواز کی جانب مڑے۔

"آج میں نے تمہیں سرپرائزڈ کر دیا نا۔" جھٹکے سے کھڑے ہوتے شہریار کو دیکھ کر وہ مسکرائی۔ زینب نے حیرت سے اس لڑکی کو دیکھا۔ بلیو کلر کی جینز کے اوپر اس نے وائٹ ٹاپ پہن رکھی تھی۔ سنہری تراشیدہ بال کندھوں سے ذرا نیچے تک آتے تھے۔ رنگت بے حد گوری تھی اور چہرے کے نقوش میں گھلا مغربی اور مشرقی امتزاج بہت خوب صورت تھا۔ بلاشبہ وہ بے پناہ حسین تھی۔ پھر وہ خود کو دیکھتی زینب کی طرف مڑی۔

"تم زینب ہو، رائٹ۔" وہ جیسے کنفرم کر رہی تھی۔ شہریار کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ زینب نے اثبات میں سر ہلایا اور شہریار کو دیکھا کہ وہ اس کا

تعارف کروائے۔ مگر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

''آپ شہریار کی کولیگ ہیں؟'' زینب کو خود ہی پوچھنا پڑا۔

''ہاں، یہ میری کولیگ ہے۔'' شہریار کا سینے میں اٹکا سانس بحال ہوا تھا۔

''بس کولیگ......'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ برٹش لہجے میں اردو بولتی وہ اسے آدھی انگریز ہی لگی تھی۔ مگر اس کی اردو صاف تھی۔

''شالین تم......تم ابھی جاؤ، ہم پھر بات کریں گے۔'' شہریار نے جلدی سے کہا۔

''نہیں، آپ ہمارے ساتھ بیٹھیں، لنچ کریں۔'' زینب کو شہریار کی بے مروتی اچھی نہ لگی، مجبوراً اسے آفر کرنی پڑی۔

''لنچ تو اب شہریار بھی نہیں کرپائے گا۔ پر میں اپنا مکمل تعارف کرواکر ہی جاؤں گی۔'' کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ رکھتی وہ بولی۔

''شالین پلیز۔'' شہریار کی آنکھوں میں التجا تھی، جسے اگنور کرتی وہ زینب کو دیکھنے لگی۔ جو کنفیوز سی کھڑی دونوں کے عجیب رویے دیکھ رہی تھی۔

''میں مسز شہریار احمد ہوں۔'' انگلی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتی وہ مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ زینب کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ یہ مذاق کیوں کررہی ہے۔ امید سے شہریار کو دیکھا کہ وہ کچھ بولے، مگر وہ خاموش سا شالین کو دیکھ رہا تھا۔

''اب نمبر تو شہریار ہی بتا سکتا ہے، مگر میری معلومات کے مطابق میں شہریار کی پہلی بیوی ہوں۔'' چبھتی ہوئی نظروں سے زینب کو دیکھتی وہ سرد لہجے میں بولی۔ زینب کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ اس کی گود سے اترنے کے لیے مشال نے ہاتھ پاؤں مارے۔ اس نے جھک کر اسے اترنے دیا۔

''آپ......مذاق کررہی ہیں۔ شہریار یہ......'' وہ اس کی طرف مڑی۔ اسے نظریں چراتے دیکھ کر اسے اپنے پیروں تلے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔

''مذاق تو ہم دونوں کے ساتھ ہوا ہے، بلکہ دھوکا کہنا چاہیے۔'' وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی، مگر زینب کے دماغ میں گویا دھماکے ہورہے تھے۔ اسے لگا کسی نے اسے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا ہو۔ کیوں اس کے محبوب شوہر نے نظریں چرالیں تھیں۔ کیوں وہ اس لڑکی کو چپ نہیں کروارہا تھا۔ اس کے اندر اتنا شور تھا کہ اسے لگا اس کی سماعت چھن جائے گی۔ وہ بہری ہوجائے گی۔ وہ وہاں سے سرپٹ بھاگی تھی، کون سا پیر کہاں پڑرہا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ اس کے بچے وہیں رہ گئے تھے۔ چہرا آنسوؤں سے تر ہوتا جارہا تھا اور کانوں میں ایک ہی جملے کی بازگشت ہورہی تھی۔

''میں مسز شہریار احمد ہوں۔ شہریار کی پہلی بیوی۔'' وہ اسے آواز دے کر بھی نہیں روک پایا تھا، نہ ہی وہ بچوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے جاسکتا تھا۔

''تمہارا کام ہوگیا شالین۔ مگر میں اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' پریشانی سے پیشانی مسلتا وہ بار بار پیچھے دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ گئی تھی۔

''بات تو تمہیں کرنی ہوگی۔ دھوکا دیا ہے تم نے مجھے۔''

''ایک دھوکے باز انسان کہہ بھی کیا سکتا ہے۔'' اس سے نظریں چراتے، ٹیبل پر ہاتھ مارتی مشال کو اٹھایا۔ ابھی اسے حذیفہ کو بھی لے کر گھر جانا تھا۔ گھر......ہاں وہ گھر جو اس نے دھوکے سے بنایا تھا۔

☆☆☆

''بھابھی مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ کچھ ہوا ہے آپ لوگوں کے درمیان۔'' اس کے گھر پہنچتے ہی زین نے پہلا سوال یہ ہی کیا۔ کیوں کہ جس حالت میں وہ اسے روڈ پر ملی تھی، وہ بہت پریشان ہوگیا تھا۔ پھر سارے راستے وہ گم صم سی بیٹھی رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی جو اس کے چہرے کو بھگوئے جارہی تھی۔ زین نے اس سے شہریار اور

بچوں کا پوچھا تھا کہ وہ کہاں ہیں، وہ تو ان کے ساتھ گئی تھی، پھر اکیلی کیوں ہے۔ پر وہ چہرا موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ نہ ہی شہریار اس کا فون پک کر رہا تھا۔ سخت ٹینشن میں وہ گھر پہنچا تھا۔ گھر پہنچ کر اس نے پھر شہریار کو فون کیا اور زینب کے گھر پہنچنے کا سن کر اس نے "میں آ رہا ہوں" کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ گھر پر کوئی نہیں تھا۔ زبیدہ بیگم اور مجیب ماموں قل پر گئے ہوئے تھے۔

"وہ کہاں ہے۔" پیشانی مسلتا وہ متفکر سا تھا۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔"

"تم بچوں کو اپنے کمرے میں لے جاؤ، میں دیکھتا ہوں۔" شہریار نے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مما کہاں ہیں؟" حذیفہ نے باپ اور چاچو کو دیکھا۔

"مما آرام کر رہی ہیں۔ ان کی طبیعت خراب ہے نا۔ آپ چاچو کے ساتھ جاؤ۔" شہریار نے اسے پیار سے سمجھایا اور مشال کو زین کی گود میں دے دیا۔ وہ آدھی نیند میں تھی۔

"بھائی ہوا کیا ہے؟" زین نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ آخر ایسا کیا ہوا تھا ان کے درمیان، ورنہ ان کے درمیان تو ہمیشہ محبت ہی نظر آتی تھی، پھر اب کیا ہو گیا تھا۔

"سب غلط ہو گیا اور اب ایسا لگتا ہے کہ سب کے پاس سوال بہت ہوں گے، پر میرے پاس شاید دینے کے لیے کوئی جواب، کوئی توجیح نہ ہو۔" نظریں چراتا وہ اسے حیران چھوڑ کر کمرے کی طرف چلا گیا۔

☆☆☆

دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ لاک نہیں ہے۔ اپنے اندر ہمت مجتمع کرتا وہ اندر داخل ہوا، سامنے ہی وہ اپنا سامان پیک کرتی نظر آ گئی۔ وہ پریشان سا اس کی طرف بڑھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" اس کی طرف سے جواب نہ پا کر اس کو کلائی سے پکڑ کر موڑنا چاہا، مگر وہ اس کا ہاتھ بے دردی سے جھٹکتی غضب ناک انداز میں اس کی جانب مڑی، چہرا شدت گریہ سے سرخ تھا۔

"مجھے ہاتھ مت لگانا۔" سختی سے اسے وارن کرتی وہ اسے کوئی اور ہی زینب لگی، جس کے لہجے میں تلخی اور آنکھوں میں نفرت تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔ مگر اسے بولنا تھا، اسے روکنے کے لیے۔

"زینب تم مجھ سے پوچھو۔ سوال کرو، مگر اس طرح سے مت جاؤ۔" اس نے التجا کی۔

"سوال...... ہاں میں یہ حق رکھتی ہوں شہریار احمد کہ تمہارا گریبان پکڑ کر تم سے سوال کروں۔ پوچھوں تم سے، کیوں دیا مجھے دھوکا، کیوں میری زندگی برباد کی۔ جب تمہاری زندگی میں کوئی اور لڑکی تھی، مگر مجھے لگتا ہے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ جب میں تمہیں امید سے دیکھتی رہی کہ تم کچھ بولو گے۔ تب تم چوروں کی طرح نظریں چراتے رہے۔ اب سب ختم ہو گیا ہے۔ مجھے تمہاری کسی صفائی کی ضرورت نہیں ہے۔" سلگتے لہجے میں بولتی وہ اسے چبھتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ گھنٹوں میں جیسے سب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ اس کے لیے آپ سے تم ہو گیا تھا۔ تو کیا دل میں بھی اس کی جگہ نہ رہی تھی؟ اپنے اندر اٹھتے سوالوں کو دباتا وہ بولا۔

"ایسے مت کہو زینب۔ میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔ شالین سے شادی میری مجبوری تھی۔ میں......" چہرے پر پھسلتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتے، اس نے تلخی سے اس کی بات کاٹی۔

"اس سے جا کر کہو گے مجھ سے شادی تمہاری مجبوری تھی۔ کتنے دوغلے ہوتے ہو نا تم مرد اور مجھ سے شادی تو یقیناً تمہاری مجبوری رہی ہو گی۔ کچھ غلط نہیں کہو گے تم۔ اسے بتانا کہ اماں نے زبردستی کروا دی۔ یو نو پاکستانی مائیں۔ ان کی بلیک میلنگ۔ اچھا بہانا رہے گا۔" استہزائیہ انداز میں بولتی وہ بیگ کی زپ بند کر رہی تھی۔ جس میں اس نے اپنا اور بچوں کا

ضروری سامان رکھا تھا، ورنہ اس گھر سے اس کا تنکا بھی اٹھانے کا دل نہیں کر رہا تھا۔

"نہیں زینب، تم سے شادی میں نے اپنی خوشی سے کی تھی۔ پہلے میں انکار کرنا چاہتا تھا۔ مگر جب تمہیں دیکھا تو مجھے لگا میری زندگی میں صرف تمہاری ہی کمی ہے۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو زینب۔ میں نے صرف تم سے محبت کی ہے۔" مضبوط لہجے میں بولتا وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خوشی سے نہال ہو جاتی، مگر اس وقت وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے خاموشی سے بیگ نیچے رکھ کر ہینڈل سے پکڑ کر گھسیٹا۔

"پلیز مت جاؤ۔" شہریار نے بیگ پکڑ کر روکا۔

"میں اسے چھوڑ دوں گا۔ تمہارے لیے میں اسے چھوڑ سکتا ہوں۔ میرے لیے صرف تم اہم ہو۔" زینب نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"کتنا آسان ہے تمہارے لیے چھوڑ دینا۔ پھر ایسا کرو مجھے چھوڑ دو۔" اس نے گویا دھماکا کیا تھا۔ شہریار اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا تھا۔ اس پر سخت نگاہ ڈالتی وہ بیگ گھسیٹتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

"بیٹھ جاؤ۔ تمہارے یوں اسٹریس لینے سے کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔" آدھے گھنٹے سے وہ یوں ہی کمرے میں چکر لگائے جا رہی تھی۔ چہرے کے حسین نقوش میں تناؤ جھلک رہا تھا۔

"کیسے نہ لوں اسٹریس، وہ مجھے...... شالین حیدر کو چھوڑ کر اس لڑکی کے پاس چلا گیا۔" انگلی سے اپنی طرف اشارہ کرتی وہ اپنی دوست سے مخاطب تھی۔

"اس کی فیملی ہے، بچے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے اس کے پیچھے گیا ہوگا اور پھر تمہیں کتنا منع کیا تھا۔ اس سے شادی کا فیصلہ بھی تمہارا تھا۔ ابھی فیملی اسٹارٹ نہ کرنے کی مرضی بھی تمہاری تھی۔ کتنا سمجھایا تھا کہ ایک ایمپلائی کو ایمپلائی ہی رہنے دو، رشتہ مت جوڑو اس سے۔"

"ممی کی ٹون میں بات مت کرو، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ ممی میری شادی کے اتنا خلاف کیوں تھیں۔ آج بھی وہ اسے ریسپکٹ نہیں دیتیں۔ جبکہ خود انہوں نے پاکستانی مرد سے شادی کی تھی اور یہاں تک کہ ڈیڈ کی محبت میں مذہب تک چھوڑ دیا۔" اس کے لہجے میں شکایت تھی جو اسے ممی سے شہریار کے ساتھ رویے پر تھی۔ شازمین اس کی بہترین دوست تھی۔ اس کے ڈیڈ کے بچپن کے دوست کی بیٹی۔ دونوں اکلوتی تھیں اور ایک دوسرے سے ہمیشہ سے قریب رہی تھیں۔ اسی لیے دل کی ہر بات کہہ دیا کرتیں۔

"آنٹی غلط نہیں شالین۔ تم اپنے اور اس کے ریلیشن شپ کو بھی تو دیکھو۔ وہ انکل کے آفس میں لوئر ایمپلائی تھا، تم نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اتنی مراعات کا شاید اس نے خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔ وہاں تک بھی ٹھیک ہے۔ پر جیسی اہمیت تم اسے دیتی ہو۔ جیسی محبت کرتی ہو۔ سوری، بٹ وہ نہیں کرتا۔ مجھے تو کبھی نہیں لگا کہ اسے بھی تمہاری محبت کی پروا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ٹائم اسپینڈ کر رہا تھا تو کتنی خوشی تھی اس کے چہرے پہ اس وقت۔" شازمین کو اس کا چمکتا چہرا یاد آیا جب وہ اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"ہم بھی اکٹھے ٹائم اسپینڈ کرتے ہیں اور وہ میرے ساتھ خوش بھی ہوتا ہے اور انجوائے بھی کرتا ہے۔ شالین حیدر کے ہوتے ہوئے وہ کسی اور کو اہمیت نہیں دے سکتا۔ اسے میرے پاس لوٹ کر آنا ہی ہوگا اور وہ آئے گا۔" مضبوط لہجے میں بولتی وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آنٹی کی کال آ رہی تھی۔" شازمین نے بات بدلی۔

"ممی کو مت بتانا ہم کہاں ہیں۔ وہ یہ ہی سمجھ رہی ہیں کہ ہم لیزا اور مائک سے ملنے پیرس گئے ہیں۔ ڈیڈ کو معلوم ہے، میں انہیں کال کر لوں گی۔" شازمین نے سر ہلا دیا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

☆☆☆

زینب کا گھر چھوڑ کر آنا اور شہر یار کا پہلے سے شادی شدہ ہونا، اس کے گھر والوں کے لیے ایک دھچکا تھا۔ اتنے سالوں میں کسی کو بھی یہ شک نہیں گزرا تھا کہ شہر یار پہلے سے شادی شدہ بھی ہوسکتا ہے۔ فردوس بیگم اور شاہ نواز صاحب کے سر پر تو گویا آسمان ہی ٹوٹ پڑا تھا۔ بھلا کب سوچا تھا۔ اپنے گھر میں خوش باش، آباد، بیاہی بیٹی یوں گھر چھوڑ کر آجائے گی۔ بھائیوں تک یہ بات ابھی نہیں پہنچی تھی، چونکہ ایک دوسرے شہر میں رہتا تھا تو دوسرا ملک سے باہر تھا۔ اسے گھر چھوڑ کر آئے دوسرا دن تھا جب شاہ نواز صاحب نے زبیدہ بیگم اور شہر یار کو گھر بلایا۔ زینب نے ان کے آنے کا سن کر ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ جس پر دونوں میاں، بیوی کچھ نہ بولے تھے۔ ان کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ فردوس بیگم لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر اپنے پاس بلایا۔ کچن سے نکلتی فارہ بھی خاموشی سے آکر قریبی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بات ہوئی ہے ہماری۔ زبیدہ بیگم کو تو خیر ہم کیا کہتے، وہ خود لاعلم تھیں۔ شرمندہ تھیں، بے چاری ماں جو ٹھہریں۔ پر شہر یار بھی شرمندہ تھا، بلکہ اس لڑکی کو چھوڑنے پر بھی تیار ہے۔'' ان کے خاموش ہوتے ہی وہ بولی تھی۔

''مجھے کوئی سروکار نہیں، وہ اسے چھوڑے یا رکھے۔ ایک بات طے ہے کہ مجھے اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا۔''

''کیوں نہیں رہنا اس کے ساتھ، معافی مانگ تو رہا ہے۔ اس لڑکی کو بھی چھوڑ دے گا۔ مرد ہے، ہوگئی غلطی۔ آ گیا بے چارہ لالچ میں۔ یا اس کی بیٹی پیچھے پڑ گئی تھی اور اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔ ایسے میں اگر مجبوراً شادی کرلی تو اب شرمندہ بھی تو ہے۔'' انہوں نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

''تو آپ کیا چاہتی ہیں اس خود غرض اور لالچی انسان کے ساتھ چلی جاؤں۔ جس کو احساس تک نہیں کہ اس نے کسی کی زندگی برباد کردی۔ ایسا نہیں کرسکتی۔ میرے دل میں اب اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' زینب کے بے لچک انداز پر انہیں تاؤ آیا۔

''تو گنجائش پیدا کرو اپنے دل میں۔ بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہیں اور پھر یوں گھر نہیں بسا کرتے دل مارنا پڑتا ہے۔ اپنی انا کو کچلنا پڑتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو اپنے بچوں کا سوچو۔ باپ ہے وہ ان کا۔ اور پھر فارہ کا سوچو، اس کا بھی رشتہ جڑا ہے اس گھر سے۔'' فردوس بیگم کی آخری بات پر فارہ بے اختیار بول پڑی۔

''امی پلیز، مجھے درمیان میں مت گھسیٹیں۔ آپی کو اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے دیں۔''

''میں فیصلہ کرچکی ہوں۔ آپ ابو کو بتا دیں، مجھے شہر یار سے طلاق چاہیے۔'' اٹل لہجے میں بولتی وہ ان کے سر پر بم پھوڑتی اٹھ کر چلی گئی تھی۔ جبکہ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ اسے سمجھانا عبث تھا۔

☆☆☆

''فارہ تم مجھ سے نارمل بات کیوں نہیں کر رہیں۔'' فون پر بھی وہ دوسری طرف موجود فارہ کے لہجے میں در آنے والے بدلاؤ کو محسوس کر رہا تھا۔

''اب کچھ بھی نارمل نہیں ہے اور شاید ہو بھی نہیں سکتا۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''ایسے مت کہو فارہ۔ تم بھابھی کی وجہ سے اپ سیٹ ہو۔ ہم بھی ابھی تک شاک میں ہیں، مگر یقین کرو اس معاملے میں ہم بھی اتنے ہی بے خبر تھے۔''

حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ابھی بھی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ عجیب سی خاموشی نے ان کے گھر کی فضاؤں میں بسیرا کرلیا تھا۔ وہ سب اس رشتے کے انجام کا سوچ کر پریشان تھے اور زینب کا مطالبہ بھی ان تک پہنچ چکا تھا۔

''میں کیسے مان لوں کہ چھ سال سے وہ شادی کیے بیٹھے ہیں اور آپ کو خبر تک نہیں۔ آپ کی تو بڑی دوستی ہے اپنے بھائی سے۔'' اس نے چبھتے ہوئے

لہجے میں کہا۔ ایک ہاتھ سے وہ اپنے دکھتے ہوئے سر کو مسل رہی تھی۔ کل بڑے بھائی آرہے تھے۔ ابو نے ان کو بلایا تھا اور بسمہ بھابھی کے آنے کا سوچ کر ہی ٹینشن ہو رہی تھی۔

"ہاں، دوستی ہے، مگر مجھے اس بات کا واقعی علم نہیں تھا۔"

"ایک منٹ۔ آپ تو انگلینڈ بھی گئے تھے۔ اپنے بھائی سے ملنے۔ پھر کیسے آپ پہلو تہی کر سکتے ہیں کہ آپ یہ پہلے سے نہیں جانتے۔" فارہ کو بروقت یاد آیا، ایک بار زینب نے بتایا تھا کہ زین اپنی ویکیشنز میں امریکہ سے انگلینڈ گیا تھا۔ شہریار سے ملنے۔

"میں گیا تھا پر ہم دوست اکٹھے گئے تھے میں ان ہی کے ساتھ رہا تھا اور بھائی سے ہم شام کو باہر ہی کسی اسپاٹ پر ملتے تھے۔ ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ مگر ان کی شادی تو میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھی نہ ہی میں وہاں ان کی جاسوسی کرنے گیا تھا۔" زین نے اس کا شک دور کرنا چاہا مگر ایک خطرے کی گھنٹی اس کے اندر بجنا شروع ہو گئی تھی۔

"مجھے اس بات پر یقین نہیں ہے۔ آپ ان کے پاس سے ہو کر آگئے اور ان کی شادی آپ سے چھپی رہی۔ یا تو آپ غلط بیانی کر رہے ہیں یا اپنے بھائی کو کور دے رہے ہیں۔" اس الزام پر زین ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا۔"

"مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے آپ نے بھی کوئی شادی کر رکھی ہو اور اس کو چھپانے کے لیے ہی آپ اپنے بھائی کے معاملے میں معصوم بن رہے ہیں کہیں وہ آپ کا راز آشکار نہ کر دیں۔" بدگمانی سے بولتے ہوئے اسے معلوم بھی نہیں تھا کہ دوسری طرف موجود شخص کو اس کے الفاظ کیسے تکلیف دے رہے تھے۔

"تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔" وہ بمشکل بول پایا۔

"سمجھتی تو میں شہریار بھائی کو بھی ایسا نہیں تھی۔ پر دھوکا تو انہوں نے دیا نا۔ اب آپ پر کیسے اعتبار کروں۔" فارہ نے فون بند کر دیا تھا۔ زین فون ہاتھ میں لیے بے یقین سا بیٹھا تھا۔ یہ اس نے کیا کہہ دیا تھا۔ کیا اب اسے اس جرم کی سزا ملنی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

"ماما مجھے گھر جانا ہے۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔" وہ مشال کے کپڑے بدل رہی تھی جب حذیفہ کمرے میں آیا۔

"بابا واپس چلے گئے ہیں۔"

"میرے بابا مجھ سے ملے بغیر نہیں جا سکتے۔ آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔" خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے لہجے میں باپ کے لیے یقین تھا۔

"بری بات حذیفہ ماما کو ایسے نہیں کہتے۔" اس کی آنکھوں پر سے نظر ہٹاتے ہوئے ٹوکا۔ اس کی آنکھیں بالکل شہریار کی آنکھوں جیسی تھیں اور وہ اسے یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"سوری ماما۔ پر مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ بابا' دادی اور چاچو کے پاس۔ آپ بابا سے ناراض ہیں نا۔ میرے بابا بہت اچھے ہیں وہ جھوٹ بھی نہیں بولتے' کسی کو تنگ بھی نہیں کرتے۔ آپ ان سے صلح کر لیں نا پلیز ماما!۔ مجھے یہاں نہیں رہنا یہ سب میرے بابا کو برا کہتے ہیں۔" آخری بات پر وہ ٹھٹکی۔

"کسی نے کچھ کہا ہے آپ سے۔" حذیفہ کو ہاتھ سے پکڑ کر قریب کیا۔

"آنٹی کہہ رہی تھیں میرے بابا اچھے نہیں ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اور تانیہ اور فرح، مشال کو مارتے ہیں۔ ہمیں تنگ کرتے ہیں۔ مجھے اپنا بابا کے پاس جانا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے پر ابھی تو نانا ابو' نانو اور خالہ ناراض ہو جائیں گے نا کہ حذیفہ ان کے پاس رہتا ہی نہیں ہے۔ وہ تو آپ سے پیار کرتے ہیں نا اور میں آنٹی کو بھی ڈانٹوں گی ٹھیک ہے۔"

"آپ آنٹی کو کہنا میرے بابا بہت اچھے ہیں۔" وہ معصومیت سے بولا۔ ایک بات جیسے اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی۔ زینب نے سر ہلاتے ہوئے

اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔ پھر اسے مشال کے پاس بٹھا کر وہ بھابھی کے پاس آئی۔

''بھابھی آپ نے حذیفہ سے کیا کہا ہے اس کے باپ کے بارے میں؟''

''یہی کہا ہے کہ جھوٹا ہے۔ دھوکے باز ہے۔ تم بھی کہتی ہو میں نے کہہ دیا تو کون سا گناہ کر دیا۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولیں۔

''بچوں سے ایسی بات نہیں کرتے۔'' اس نے نظریں چرائیں۔

''ان کے سامنے نہیں کہتی تو کیا ہوا۔ اس حقیقت کا انہیں پتا تو چلنا ہے۔ ابھی سے جان لیں تو اچھا ہے۔ باپ سے دور دور رہیں گے۔ تمہیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔'' بھابھی کو کچھ کہنا بے کار تھا۔ وہ سلگتی ہوئی امی کے پاس گئی۔ وہ دوپہر کے سالن کی تیاری کر رہی تھیں۔

''امی یہ بھابھی واپس کب جائیں گی۔ دو ہفتے ہو گئے ہیں انہیں آئے ہوئے۔''

''اپنی مرضی سے رہ رہی ہے میں کیسے واپس بھیج دوں اور جب اپنی بیٹی پر زور نہیں چلتا تو پرائی سے کیا شکایت کرنا۔'' وہ ناراضی سے بولیں۔

''امی آپ کب تک ناراض رہیں گی اور پھر وہ عورتیں بھی تو زندگی کی گاڑی چلا ہی لیتی ہیں جن کے شوہر نہیں رہتے۔'' فردوس بیگم تپ کر اس کی طرف مڑیں۔

''زندہ کو مارو گی تو کیا باقی سب یقین کر لیں گے۔ یہ دھوکا تم خود کو تو دے سکتی ہو، دوسروں کو نہیں۔''

''دھوکا ہی سہی میں اس دھوکے کے ساتھ ہی خوش ہوں۔'' کاؤنٹر کی سلیب پر انگلی پھیرتی وہ نظریں چرا رہی تھی۔

''ایک بات یاد رکھنا زینب۔ یہ خودساختہ بیوگی جو تم اوڑھنے چلی ہو، پچھتاؤ گی ایک دن کیونکہ وقت کی دھول پچھتاوے تو بڑھاتی ہے پر دوا نہیں کرتی۔'' سنجیدگی سے کہتی وہ نگاہ پھیر گئیں۔ زینب خاموشی سے پلٹ گئی۔

☆☆☆

''تم نے تو کہا تھا اعتبار کا رشتہ مضبوط ہو تو کسی تیسرے کی اہمیت نہیں رہتی۔ پھر میں کیا سمجھوں کہ ہمارے درمیان اعتبار کا رشتہ بھی تھا ہی نہیں۔'' وہ اس سے ملنے یونی ورسٹی تک آ گیا تھا کیونکہ وہ دو دنوں سے فون نہیں اٹھا رہی تھی اور وہ اندر ہی اندر سلگتا رہا تھا۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' اس کی سنجیدہ گہری نگاہیں خود پر محسوس کرتی وہ پلکیں جھکا گئی۔ اتنا سنجیدہ تو اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔''

''جب کسی کے اعتبار کی عمارت آپ کے سامنے زمین بوس ہو جائے تو لفظ اعتبار سے بھی اعتبار اٹھ جایا کرتا ہے اور اب بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے مزید تنگ مت کریں۔ ہمارے بڑوں کو ہی یہ فیصلہ کرنے دیں۔'' سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتی وہ کہہ گئی تھی۔

''میں اتنی آسانی سے اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کسی اور کو نہیں کرنے دوں گا اور پھر اس جرم کی سزا مجھے کیوں ملے جو میں نے نہیں کیا۔''

''یہ میری زندگی ہے اور مجھے حق ہے کہ میں فیصلہ کر سکوں اور کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔'' وہ تپ کر بولی۔ اسے تپتے دیکھ کر گہری سانس لیتا وہ دھیما پڑا۔

''مجھے نہیں معلوم تمہیں میری محبت پر اعتبار کیوں نہیں۔ پر سچ یہی ہے کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور یہ ہماری منگنی سے بھی پہلے کی بات ہے جب ہم پہلی بار ملے تھے۔ شاید تمہیں یاد نہ ہو۔ تم کالج ٹرپ پر آئی تھیں اور وہاں کچھ لڑکوں نے فقیر بن کر تم لوگوں کے ساتھ مذاق کیا تھا۔ تم نے اپنا سارا لنچ اٹھا کر اس کو دے دیا تھا۔'' وہ جیسے کچھ یاد کر کے مسکرایا تھا۔ چہرے پر آسودگی سی آ گئی تھی۔ ''وہ ہمدرد سی لڑکی مجھے اس دن اتنی اچھی لگی کہ اس کے بعد کبھی کوئی اچھا ہی نہیں لگا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بس وہی نظر آئی ہمیشہ۔ کسی اور پہ نظر پڑنے کا تو سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ فارہ تمہارے علاوہ میری زندگی میں کوئی اور نہیں آسکتا۔" محبت سے اسے دیکھتا آج وہ اپنا دل اس کے سامنے کھول گیا تھا۔ یوں تو اس نے کبھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ فون پر بھی فارہ اس قدر ریزروسی بات کرتی تھی کہ معمول کی باتوں کے علاوہ کوئی ایسی بات ان کے درمیان نہ ہوئی تھی۔

"آپ اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ یوں جذباتی داؤ پیچ آزما کر مجھے شیشے میں اتار لیں گے تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں جو باتوں کے جال میں پھنس جائے۔"

"فارہ تم میری توہین کر رہی ہو۔" اشتعال کی تیز لہر اس کے اندر اٹھی تھی جس کو اس نے بمشکل دبایا۔ چہرے سے غصہ چھلک رہا تھا۔ وہ ایک سیکنڈ بھی یہاں نہ رکتا اگر سامنے کھڑی لڑکی سے اسے شدید محبت نہ ہوتی۔

"آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں۔ میرا تماشا مت بنائیں۔" وہ اس وقت ڈیپارٹمنٹ کے لان میں کھڑے تھے اور آس پاس موجود اسٹوڈنٹس انہیں کافی دیر سے دیکھ رہے تھے۔

"میں بات مکمل کیے بغیر یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں کوئی سڑک چھاپ فلرٹ لڑکا نہیں ہوں۔ رشتہ ہے ہمارے بیچ اور رشتے اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹتے۔" سرد لہجے میں بولتے، اس کا تنفس تیز ہوا۔ مگر سامنے بھی فارہ تھی جس پر آج اس کے لہجے کا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

"اگر آپ اس منگنی پر اترا رہے ہیں تو اس کمزور رشتے کو میں آج ختم کرتی ہوں۔" سپاٹ لہجے میں بولتے اس نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتاری۔

"یہ لیجیے اپنی انگوٹھی اور آج کے بعد میرے راستے میں مت آیئے گا۔" اس نے انگوٹھی لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ وہ تو بس بے یقین سا فارہ کا یہ تلخ روپ دیکھے جا رہا تھا جو اس حد تک بھی جا سکتی تھی۔ انگوٹھی قریبی بینچ پر رکھتی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی تھی۔ وہ اسے روک نہیں پایا تھا۔ بینچ پر سے انگوٹھی اٹھاتا وہ لب بھینچ گیا۔ اسے بھی تو وہ یوں ہی ناقدری سے چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

"کیا اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا؟" کارپٹ پر ٹانگیں فولڈ کیے بیٹھا وہ قریبی صوفے پر بیٹھی زبیدہ بیگم کی گود میں سر رکھے ہوئے تھا۔ جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ ماں کی گود میں منہ چھپائے سکون تلاش کرتا ہے۔

زبیدہ بیگم نے گہرا سانس لیا۔ اس کے بالوں کو سہلاتی ان کی انگلیاں بھی لمحے بھر کو تھم سی گئیں۔ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب وہ خود تلاش نہ کر پائی تھیں۔

"دل تو یہی چاہتا ہے کہ سب پہلے جیسا ہو جائے، مگر جب اس بچی کا سوچتی ہوں تو زبان پر تالا لگ جاتا ہے۔ خود میں اتنی ہمت بھی نہیں پاتی کہ اس کا سامنا کر سکوں۔ میں تو اسے منہ دکھانے کے لائق بھی نہیں رہی کہ میرے بیٹے نے اس کا اس قدر دل دکھایا ہے۔ جس شخص پر وہ صرف اپنا حق سمجھتی تھی اب اس میں کوئی اور بھی حصے دار ہے۔ یہ سہنا آسان نہیں ہے۔"

"اماں اگر بھابھی واپس نہ آئیں تو حذیفہ اور مشال کا کیا ہوگا۔" ان کی گود سے سر اٹھاتا وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ زبیدہ بیگم خاموش ہی رہیں۔ کیا بتاتیں کہ دھیان تو سارے وقت ان دو معصوم بچوں کی طرف ہی لگا رہتا تھا۔ آخر ان کا مستقبل ماں باپ سے مشروط تھا۔ دونوں خاموش سے اپنی سوچوں میں غرق تھے۔ تھکا تھکا سا شہریار اندر آیا۔ سلام کرتا وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ گاڑی کی چابی سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔

"کہاں گئے تھے؟" زبیدہ بیگم نے پوچھا۔

"شالین سے ملنے۔" شہریار نے اپنی کنپٹیاں سہلاتے ہوئے جواب دیا۔ زین نے لب سختی سے بھینچ لیے۔

"سمجھایا ہے اسے کہ وہ بے کار میں اپنا وقت ضائع کر رہی ہے، مگر وہ بضد ہے کہ مجھے ساتھ لے کر جائے گی۔ وہ سمجھ رہی ہے کہ فیملی پریشر کی وجہ سے

میں زینب کو نہیں چھوڑ رہا اور اسے چھوڑ دینا چاہتا ہوں حالانکہ میں صاف لفظوں میں اسے بتا چکا ہوں۔اور چونکہ چھوڑنے کے سارے اختیارات اس کے پاس ہیں اس لیے میں خود سے یہ فیصلہ بھی نہیں کرسکتا اور اب یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتا۔"

"عجیب لڑکی ہے جب تم اسے رکھنا نہیں چاہتے تو کیوں تمہارے ساتھ بندھے رہنا چاہتی ہے۔" ان کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"قصور صرف اس لڑکی کا نہیں ہے اماں۔آپ کے بیٹے کا بھی ہے جس نے خودغرضی میں یہ رشتہ جوڑا تھا۔وہ اگر محبت کے ہاتھوں مجبور ہوگئی تھی اور انہیں بھی مجبور کررہی تھی۔تب بھی زبردستی کا یہ رشتہ بنانا ہی نہیں چاہیے تھا اور بنا ہی لیا تھا تو نبھاتے۔بھابھی کی زندگی کیوں خراب کردی۔" زین تیز لہجے میں بولا تھا۔

"تم پرائی لڑکی کے لیے بھائی کو ایسے کہہ رہے ہو۔" شہریار کے سرخ پڑے چہرے کو دیکھ کر زبیدہ بیگم نے زین کو ٹوکا۔زین بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں اماں وہ پرائی لڑکی ہے کیونکہ آپ اسے جانتی نہیں ہیں،مگر اس لڑکی کے پاس بھی دل ہوگا اس کے بھی جذبات ہوں گے ذرا سوچیں اسے کیسا لگا ہوگا یہ جان کر کہ شہریار بھائی نے دوسری شادی کررکھی ہے۔" پھر وہ شہریار کی طرف مڑا۔

"آپ نے صرف ان دونوں لڑکیوں کی زندگی ہی برباد نہیں بلکہ میری زندگی بھی آپ کے دھوکے کے لپیٹ میں آگئی ہے۔فارہ نے منگنی کی انگوٹھی اتار کر میرے منہ پر ماری ہے کہ جاؤ جب تمہارا بھائی اعتبار کے لائق نہیں تو تم سے کیا امید کی جاسکتی ہے۔" استہزائیہ انداز میں کہتے اس نے جیب سے انگوٹھی نکال کر دکھائی۔زبیدہ بیگم نے گہرا سانس لیا تھا۔تو یہ وجہ تھی ان کے بیٹے کی اداسی کی۔شہریار بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب آیا،نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تم پریشان مت ہو۔ہم تمہارا رشتہ نہیں ٹوٹنے دیں گے۔"

"رہنے دیں مجھے یہ بہلاوا نہیں چاہیے۔آپ کی طرف سے یہ تحفہ ہی بہت ہے۔" بدتمیزی سے اس کا ہاتھ جھٹکتے وہ چلا گیا۔شہریار شرمندہ سا زبیدہ بیگم کے قدموں میں بیٹھ گیا جو روئے جارہی تھیں۔

"اماں آپ بھی مجھے معاف نہیں کریں گی۔" اس کے لہجے میں تھکن اور شرمندگی تھی۔دوپٹے سے آنسو صاف کرتی وہ بولیں۔

"مائیں تو بڑی سے بڑی خطا معاف کردیتی ہیں اور پھر تم تو میرے وہ بیٹے ہو جس نے میری ہر تکلیف کو بانٹا ہے۔پھر کیوں نہیں معاف کروں گی تمہیں،مگر میں تم دونوں بھائیوں کو لڑتے اور دور ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔" آنسو پھر سے ان کے رخسار پر بہہ نکلے تھے۔شہریار نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ہمیشہ وہ ان کی تکلیفیں بانٹتا آیا تھا اور آج تکلیف کا سبب بن گیا تھا۔اس احساس جرم سے وہ کبھی نکل بھی پائے گا یا نہیں؟ وہ نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

زندگی کے معنی جیسے اس کے لیے تبدیل ہوگئے تھے۔وہ جو ہر لمحے سے خوشیاں کشید کرنے کے مواقع تلاش کیا کرتی تھی۔اب ایسے جمود کا شکار ہوگئی تھی جس کے آگے گویا تلاش ممکن نہیں رہی تھی۔بے سکونی اور اداسی کی لپیٹ میں تو وہ تھی ہی پر اب تو دل بھی بوجھل محسوس ہورہا تھا۔امی اس سے ناراض ہی رہتی تھیں جبکہ ابو اس معاملے میں بالکل خاموش ہوگئے تھے۔نہ ساتھ دیتے نہ اختلاف کرتے تھے اور دونوں بھائیوں کو اس کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔بڑے بھیا واپس چلے گئے تھے پر جاتے وقت اسے یقین دہانی کرواکر گئے تھے کہ اگلی بار اس کا مسئلہ حل کرکے ہی جائیں گے۔فارہ کے فائنلز ہونے والے تھے وہ مصروف ہی رہتی تھی۔وقت ملتا تو بچوں اور اس کو بہلانے میں لگی رہتی۔

وہ حذیفہ کی طرف سے بے حد پریشان تھی۔وہ

دن بدن چڑچڑا ہوتا جارہا تھا۔ باپ کے گھر جانے کی ضد بڑھتی جارہی تھی۔ کل اس نے موبائل سے شہریار کو کال ملالی تھی۔ وہ کمرے میں آئی تو اس باپ سے باتیں کرتا دیکھ کر ایک اشتعال کی لہر اس کے اندر ابھری تھی اور بے اختیار اس نے حذیفہ کے ہاتھ سے موبائل جھپٹ لیا تھا، مگر یہ بے اختیاری اسے بہت بہت مہنگی پڑی تھی۔ حذیفہ کی طرف سے اتنا شدید ردعمل آیا تھا کہ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ رو رو کر اس نے پورا گھر سر پر اٹھالیا تھا اور بدتمیزی الگ کررہا تھا۔ شکر کہ بھابھی میکے گئی ہوئی تھیں۔ پھر زینب نے اسے بہت منانے کی کوشش کی پر وہ اس قدر ناراض تھا کہ رات کو بھی اس کے پاس نہیں آیا، امی کے پاس ہی سو گیا تھا۔ ابھی وہ امی کے کمرے میں حذیفہ کو دیکھ کر آئی تھی جس کے معصوم سے چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشانات تھے۔ وہ اداس سی باہر لان میں نکل آئی۔ چہل قدمی کرتے اسے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ لیلیٰ بھابھی کی کال آگئی۔

''اپنی زندگی کا فیصلہ جلد بازی میں مت کرو زینب۔ جس رشتے کو تم نے اپنے قیمتی پانچ سال دیے ہیں، وہ اتنا تو مستحق ہے کہ کم از کم پانچ مہینے تو اس کے لیے سوچو۔''

''جتنا بھی سوچ لوں جواب ایک ہی ملتا ہے۔ مجھے لگتا ہے شہریار کے لیے میرا دل بند ہوگیا ہے۔ جو شخص کبھی روشنی بن کر میری آنکھوں میں چمکتا تھا۔ آج میں اس کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔'' لب کاٹتے اس نے بہت سے آنسوؤں کو اپنے اندر اتارا۔

''آپ بتائیں بھابھی اگر چھوٹے بھیا آپ کے ساتھ یہ سب کرتے تو آپ کا فیصلہ کیا ہوتا؟''

''یہ سوال بہت مشکل ہے۔ کسی اور کی جگہ خود کو رکھ کر سوچنا آسان نہیں ہوتا۔ پھر بھی میں یہی کہوں گی کہ سوال جتنا بھی مشکل ہو، اگر اس کے بارے میں کیے گئے فیصلے کے اثرات آپ کی زندگی پر بہت گہرے ہوں تو اس کا جواب ڈھونڈنا ضرور چاہیے اور ایک بات کا خیال رکھنا۔ فیصلہ تو تمہیں ہی کرنا ہے، مگر اس کی پلیٹ میں تمہارے بچے بھی آئیں گے۔'' بھابھی نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ ان سے بات کرکے وہ اندر آگئی۔ بسمہ بھابھی کے کمرے سے آوازیں آرہی تھیں۔ وہ صبح ہی اپنا زیور اور فینسی کپڑے لینے آئی تھیں۔ ان کے میکے میں شادی تھی۔ وہ آگے بڑھ جانا چاہتی تھی، مگر اپنا نام سن کر ٹھٹک گئی۔ لاشعوری طور پر وہ کمرے کے قریب ہوئی۔

''جس فیصلے پر اڑ جائے کرکے چھوڑتی ہے۔ اب نہیں جانے والی واپس۔ طلاق لے کر رہے گی۔ میں تو کہتی ہوں بہت اچھا ہوا، تمہارا رشتہ ٹھکرا کر اس شہریار کے لیے ہاں کردی تھی۔ دیکھ لو اب کیا گل کھلایا ہے اس نے۔'' بھابھی کے طنزیہ لہجے کی کاٹ اسے اندر تک اترتی محسوس ہوئی۔

''میں تو کہتی ہوں تم اس بار آجاؤ تو تمہارے رشتے کی بات ایک بار پھر چلاتی ہوں زینب کے ساتھ۔ تمہاری طلاق کو سال ہوگیا ہے اور امی لڑکیاں دیکھ دیکھ کر خوار ہورہی ہیں اور دانیال کو سنبھالنا الگ مشکل ہوگیا ہے۔'' وہ جو جانے کے لیے مڑی تھی۔ بھابھی کی بات نے گویا قدموں کو جکڑ لیا۔ بے یقین سی وہ دروازے کی آڑ سے، فون پہ بات کرتی بسمہ بھابھی کو دیکھے گئی جو دوسری طرف کی بات سن کر سر ہلاتی پھر سے شروع ہوگئیں۔

''اس کی تم فکر نہ کرو، اس بار وہ انکار نہیں کرسکے گی۔ یہ بھائی جو اس وقت اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ طلاق کے بعد یہی زور دیں گے کہ دوسری شادی کرلو اور پھر میں ہوں نا اس بار کوئی راستہ نہیں چھوڑوں گی انکار کا اور رہا سوال اس کے بچوں کا تو شہریار کو تو وہ دے گی نہیں۔ تو چلو خیر ہے دانیال کے ساتھ پل ہی جائیں گے اور پھر خون کب جدا ہوا ہے۔ تھوڑے بڑے ہوں گے تو خود ہی باپ کے پاس چلے جائیں گے۔'' وہ شاید کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں پر اب زینب میں مزید سننے کی سکت نہیں تھی۔ بمشکل اپنا آپ گھسیٹتی وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

☆☆☆

''تمہارا فون کافی دیر سے وائبریٹ کررہا ہے۔'' چائے کا کپ فارہ سے لیتے اس نے بتایا۔ ساتھ ایک نظر مشال پر ڈالی جو ابھی سوئی تھی۔ فارہ نے ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا۔ اسکرین پر چمکتے زین کے نام کو دیکھ کر اس نے لب کاٹے۔ ساتھ ہی اس کا آخری میسج پڑھا جو چند منٹ پہلے ہی آیا تھا۔

''آج میں تم سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اس وقت تک گھر کے باہر موجود رہوں گا جب تک تم میرا فون نہیں اٹھاؤ گی۔''

''اپنا وقت ضائع مت کریں۔ ہماری بات ختم ہوچکی ہے۔ ابو آنے والے ہیں میری سبکی کا باعث مت بنیں۔'' اس نے میسج لکھا۔

''تو پھر آج میں ان سے بات کر کے ہی جاؤں گا یا پھر تم کرلو۔'' فارہ نے دانت پیسے۔ عجیب سر پھرا، دیوانہ لگا تھا جو اس کے انکار کے باوجود اس رشتے کو جوڑنے کے درپے تھا۔ اس کو جواب دینے کے بجائے موبائل آف کرتی وہ اٹھ گئی۔ امی ابو، حذیفہ کو ساتھ لے کر بسمہ بھابھی کے میکے کی شادی کی تقریب میں گئے ہوئے تھے اور ان کے آنے میں ابھی ایک دو گھنٹے باقی تھے۔ زینب کو اپنے جاگنے کا بتا کر وہ اپنی کتابیں سمیٹتی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ فارہ کے کمرے سے نکلتے ہی وہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتی کھڑکی کے قریب آ گئی۔ کھلی کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ باہر برستی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چبھن بڑھنے لگی تھی۔ سچ کہتے ہیں کہ موسم انسان کے مزاج کے رنگوں سے مشروط ہوتا ہے۔ یہ موسم جو کبھی اس کی شوخیوں کو بڑھا دیا کرتا تھا اور وہ قلانچیں بھرتی بارش میں بھیگنے کے لیے دوڑ پڑتی تھی۔ آج یہی موسم اسے اپنے دکھ میں برابر کا شریک لگا تھا۔ بہت سے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے گڈمڈ ہوئے تھے۔ بسمہ بھابھی کی کہی باتیں پھر سے کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔ ساری تکلیف دہ سوچوں سے دامن چھڑاتی وہ رات کی تاریکی میں برستی بارش کو دیکھنے لگی۔ باہر دیکھتی وہ ٹھٹکی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ آنکھوں میں آئے آنسو دوپٹے سے صاف کیے اور غور سے نیچے دیکھا۔ وہ اس وقت گھر کی بالائی منزل پر موجود تھی۔ گھر کے گیٹ سے تھوڑی دور گاڑی سے ٹیک لگائے، جانے وہ کون دیوانا تھا جو اپنا غم غلط کرنے کو یوں اکیلا کھڑا، میں بھیگ رہا تھا۔ افسردگی سے اسے دیکھتی وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ ہی جاتی اگر وہ سر اٹھا کر اوپر نہ دیکھ لیتا۔ منہ پر آنے والے بارش کے قطروں کی پروا نہ کرتے ہوئے ان کے گھر کی طرف دیکھتا وہ کچھ جانا پہچانا سا لگا اور پھر لمحے کے ہزاروں حصے میں وہ اسے پہچان گئی تھی۔ باہر بجلی کڑکنے کی زوردار آواز سناٹے کو چیرتے ہوئے پھیلی تھی۔

''زین۔'' زیرلب پکارتی وہ بے اختیار بیرونی دروازے کی طرف بھاگی تھی۔

''یہ کیا بے وقوفی ہے زین۔ اپنی حالت دیکھو۔ کیوں اس طرح سے بارش میں بھیگ رہے تھے۔'' اسے گھر کے اندر بلاتے ہی وہ اس پر برس پڑی۔ پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالے، سر جھکائے کھڑا وہ بری طرح بھیگ چکا تھا۔

'اب بیٹھو۔'' اسے ابھی تک کھڑا دیکھ کر زینب نے اشارہ کیا۔

''رہنے دیں۔'' آہستگی سے کہتا وہ نظریں جھکائے کھڑا رہا، مگر زینب کے ڈپٹنے پر بیٹھ گیا۔

''کچھ کہو گے نہیں۔'' اسے ہی خاموشی کو توڑنا پڑا۔

''آپ سے تو نظریں ملانے کے بھی قابل نہیں ہوں۔'' زخمی مسکراہٹ زینب کے چہرے پر پھیل گئی۔

''شرمندہ مجرم ہوا کرتے ہیں اور تم اس کیٹگری میں نہیں آتے۔ تمہیں نظریں چرانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مگر کبھی کبھی اپنوں کے جرم کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔''

''کیا ہوا۔ کوئی بات ہوئی ہے فارہ اور تمہارے درمیان۔'' وہ ٹھٹکی

''فارہ نے منگنی توڑ دی ہے۔ اعتبار نہیں کرتی

مجھ پر۔ اسے لگتا ہے کہ میں بھی اپنے بھائی کی طرح اسے دھوکا دوں گا۔'' اسے دھچکا لگا تھا یہ سن کر، فارہ نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ ''آپ کو بھی یہی لگتا ہے بھابھی کہ میں فارہ کو دھوکا دوں گا۔'' کچھ تھا اس کے انداز میں، اس کی اٹھی ہوئی گہری آنکھوں میں۔ شاید ایسا احساس جو اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

''میرا خیال ہے جس سے بات کرنے آئے ہو پہلے اس سے بات کرلو۔'' گہرا سانس لیتی وہ اٹھ گئی۔

''ایک بات آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ جب میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی تو کیوں بار بار ڈسٹرب کرتے ہیں۔'' چند سیکنڈ بعد وہ اس کے سامنے موجود تھی۔ تمام تر سنجیدگی چہرے پر پھیلائے بے لچک انداز میں اسے دیکھتی ہوئی۔ زین کی حالت نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔

''ڈسٹرب تو میں بھی ہوں۔ انفیکٹ تمہاری وجہ سے ہوں۔'' زین اس کے مقابل کھڑا ہوا۔

''میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ مشورہ ہی دے سکتی ہوں۔ بھول جائیں کہ کبھی کوئی تعلق ہمارے درمیان تھا۔''

''دل سے جڑے تعلق آسانی سے بھلائے نہیں جاتے۔ نہ ہی دل کوئی ایسی زرخیز زمین ہے جس کی مٹی میں کوئی بھی پودا آسانی سے کسی کی جگہ لے لے۔ یہ زین احمد کا دل ہے یہاں کے مکین روز روز جگہ نہیں بدلتے۔'' مضبوط لہجے میں بولتا وہ سامنے کھڑی سنگدل لڑکی کو دیکھے گیا جس پر جذبات بھی شاید اثر نہیں کرتے تھے۔ دونوں بازو سینے پہ لپیٹتے وہ بولی۔

''میں نے آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں جوڑا۔ اس لیے مجھے الزام مت دیں اور اگر آپ اپنی محبت کا واسطہ دینے آئے ہیں تو سمجھ لیں کہ محبت بھیک میں نہیں ملا کرتی۔'' آج سارے لحاظ بالائے طاق رکھے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ توہین کے احساس سے زین کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ بولا تو لہجہ بھی تیز تھا۔

''میں یہاں کچھ مانگنے نہیں آیا تھا۔ پر مان تھا اپنی محبت پر کہ اس کا حصار اتنا مضبوط تو ضرور ہوگا کہ تم مڑکر دیکھوگی تو اعتبار پھر سے اپنی جگہ بنالے گا، مگر میں غلط تھا تمہیں تو اپنے فیصلے پر ملال تک نہیں۔'' وہ پلٹ گیا تھا پر کتنی ہی دیر فارہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی تھی۔

☆☆☆

''فارہ نے منگنی توڑ کر اچھا نہیں کیا۔ ابھی زینب آپی کا مسئلہ حل نہیں ہوا اور اس نے یہ اسٹیپ اٹھالیا۔'' زین کی ساری بات سن کر عمار نے تبصرہ کیا۔ وہ دونوں اس وقت کافی پینے آئے ہوئے تھے۔

''ادھر پھوپھو کے گھر میں کسی کو خبر بھی نہیں ہے اور ایک طرح سے اچھا ہی ہے زینب آپی کی وجہ سے وہ لوگ پہلے ہی سخت پریشان ہیں۔ امی خود پھوپھو سے شرمندہ ہیں۔ آخر یہ رشتہ کرانے میں وہ پیش پیش تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ شہریار بھائی کے بارے میں ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا۔'' کافی کا سپ لیتے ہوئے عمار نے سامنے بیٹھے زین کو دیکھا جو خاموش بیٹھا کافی سے بھرے کپ کو گھورے جارہا تھا۔

''اب کچھ بول بھی دے۔ کب سے میں بولے جارہا ہوں۔'' عمار نے اسے اکسانا چاہا۔

''کیا بولوں بتا تو چکا ہوں سب اور ویسے بھی ہم کچھ بولنے کی پوزیشن میں رہے ہی کب ہیں۔ اب تو بس سننی ہی پڑیں گی۔'' گہرا سانس لیتا وہ نظریں چرا گیا تھا۔

''کم آن یار۔ تمہارا تو اس معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے اور پھر بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔'' عمار نے تسلی دینے کی کوشش کی۔ ایک تلخ مسکراہٹ زین کے لبوں پر پھیل گئی۔ اسی وقت زین کو پکارتا ہوا کوئی ان کی ٹیبل پر آیا تھا۔

''عدیل بھائی۔'' زین ان کو پہچان کر اٹھا۔ وہ شہریار کا سب سے قریبی دوست تھا۔ دونوں ایک ہی

فرم میں جاب کرتے تھے۔ انگلینڈ میں بھی اس سے زین کی ملاقات ہوئی تھی اور ایک دوبار پاکستان میں بھی۔

''آپ کب آئے؟'' انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے زین نے پوچھا۔

''کل ہی آیا ہوں۔ ابھی شہریار سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ فون پر تو کافی ٹینس لگ رہا تھا۔ معاملات کچھ حل ہوئے۔'' عدیل نے سنجیدگی سے پوچھا۔ یقیناً وہ بہت کچھ جانتا تھا۔

''جس قدر وہ حالات بگاڑ چکے ہیں۔ مشکل ہی ہے اب کچھ سدھر پائے۔'' زین کے لہجے کی تلخی عدیل کو اچھی طرح محسوس ہوئی۔ ''آپ تو سب جانتے تھے۔ مجھے بتا سکتے تھے بلکہ اپنے دوست کو روک بھی سکتے تھے۔ پھر کیوں نہیں روکا آپ نے انہیں دو دو زندگیاں برباد کرنے سے۔'' عمار خاموش سامع کی طرح زین کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ زین کی سنجیدگی سے کہی بات پر عدیل ہلکا سا مسکرایا۔

''بہت خفا ہو اپنے بھائی سے، مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا زین کہ کہانی کے ہمیشہ دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک جو الزام لگانے والا سناتا ہے اور دوسرا وہ جو ملزم سناتا ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ شہریار نے جو کیا ٹھیک کیا۔ ہاں پر یہ ضرور کہوں گا کہ اپنی جگہ پہ کھڑے رہ کر دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانا بہت آسان ہوتا۔ اگر اس کی جگہ پر آ کر دیکھو تو جانو اس کے سو دوزیاں کا حساب۔'' گہرا سانس لیتا وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا پھر اپنے مخصوص انداز میں ہلکا سا مسکرا کر بولنا شروع کیا۔

''اور یہ جو ہم پردیسی ہوتے ہیں نا۔ جو اپنے گھر والوں کی خاطر پیسا کمانے سات سمندر پار جاتے ہیں۔ یہ وہاں کیسے رہتے ہیں۔ کیسے پائی پائی جوڑ کر گزارا کرتے، کیا کیا تکلیفیں سہتے ہیں۔ یہ سب ان کے گھر والے کبھی بھی نہیں جان پاتے۔ ایسے میں اگر ہمیں اپنا آپ بھی بیچنا پڑے تو یہ بھی کر گزریں۔ میں شہریار کے اچھے برے وقت کا ساتھی ہوں۔

اکٹھے ہم نے چوبیس چوبیس گھنٹوں کی ڈیوٹیاں دیں، بیماری میں ایک دوسرے کا سارا بوجھ اٹھایا۔ اکٹھے ہنسے، اکٹھے روئے۔ جب ہم یہاں سے گئے تو ہماری تعلیم اتنی نہیں تھی کہ اچھی نوکری کر سکتے۔ شروع کے سالوں میں بہت مشکل وقت دیکھا۔ شہریار کو پڑھنے کا شوق بھی تھا اور کچھ مالی حالات کو بھی بہتر بنانا چاہتا تھا۔ بس اسی تگ و دو میں اس نے مجھے بھی شامل کر لیا۔ اتنے گھنٹوں کی ڈیوٹیوں کے ساتھ پڑھنا خاصا مشکل تھا، مگر ہم نے کیا۔ تب ہی ہمیں بہتر نوکریاں ملنا شروع ہوئیں۔ پھر حیدر صاحب کی فرم میں اچھی جاب مل گئی۔ سب سیٹ تھا، ہم گھر والوں کو اچھی طرح سے سپورٹ کرنے لگے تھے۔

پھر شالین حیدر آ گئی۔ حیدر صاحب کی اکلوتی بیٹی جس کو شہریار کچھ عرصے تک سپروائز کرتا رہا تھا۔ پتا نہیں کیسے وہ شہریار کی محبت میں گرفتار ہوگئی۔ شاید اس کی شاندار پرسنیلٹی کی وجہ سے۔ شہریار نے اس کے پرپوزل کو فوراً ہی رد کر دیا تھا اور شالین کے لیے یہ چھوٹی بات نہیں تھی۔ وہ سونے کا نوالہ لے کر پیدا ہونے والوں میں سے تھی جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دیں وہ حاصل کر کے ہی رہتے ہیں۔ شالین عجیب جنونی سی لڑکی ہے۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ شہریار کے پلس پوائنٹس کی وجہ سے حیدر صاحب کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ انہوں نے شہریار کو خاصا پریشرائز کیا تھا۔ وہ تب بھی نہ مانتا اگر اس سے ریزگنیشن (استعفیٰ) نہ مانگ لیا جاتا۔ حیدر صاحب نے آخری حل یہی دیا کہ یا تو وہ جاب چھوڑ کر چلائے جائے یا پھر شالین سے شادی کر لے۔ اور وہ شاید جاب چھوڑ دیتا اگر اس وقت اسے اپنے بھائی کی سمسٹر کی فیس نہ دینی ہوتی۔'' عدیل نے سنجیدگی سے سامنے بیٹھے زین کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔

''چھ سال پہلے اس کے بھائی کی فیس پہلی مرتبہ لیٹ ہوئی تھی کیونکہ وہ اس کشمش میں تھا کہ اس سے کم پیسوں والی جاب کر لے جو اسے اس وقت مل سکتی تھی

یا پھر حیدر صاحب کی آفر میں ملنے والی مراعات کا فائدہ اٹھائے اور فیصلہ ہو گیا تھا۔ وہ جوا کھیل گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ ماں جی کو بتا دے۔ پر وہ نہیں مانا۔ مرد پر اگر کوئی فیصلہ زبردستی مسلط کر دیا جائے تو اس کے لیے قبول کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ شالین اچھی لڑکی نہیں ہے۔ پر میرے خیال میں وہ ویسی بیوی نہیں بن سکتی تھی جیسی ہم مڈل کلاس مردوں کو چاہیے ہوتی ہے۔ تب ہی تو شہریار کو اس سے محبت نہیں ہوئی جب کہ زینب بھابھی کے ساتھ شادی کے بعد وہ اتنا خوش رہنے لگا تھا کہ میں حیران ہوتا تھا اسے دیکھ کر۔" پھر وہ گھڑی دیکھتا ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"یہ ہم پردیسیوں کی کہانیاں بھی بڑی لمبی ہوتی ہیں۔ خاصا وقت لے لیا تم دونوں کا۔"

"آپ بیٹھیں کچھ کھلاتے ہیں آپ کو۔" عمار کو یک دم خیال آیا۔ وہ مسکرایا پھر زین پر نظر ڈالی جو غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ضبط سے چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی اندرونی کیفیت یقیناً توڑ پھوڑ کا شکار تھی۔

"رہنے دو کھانے کا وقت تو گزر گیا۔ ویسے بھی پردیسیوں کو فاقوں کی عادت ہوتی ہے۔ خالی پیٹ ہمیں تنگ نہیں کرتا۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ چلا گیا تھا۔

☆☆☆

اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے نظر اس کے مضطرب چہرے پر پڑی تو وہ پریشان ہوا تھا۔

"کیا ہوا زین؟" متفکر سا اس کی جانب دیکھتا وہ اس کے احساس جرم کو بڑھا گیا۔ اس سے پہلے کہ شہریار اپنی جگہ سے اٹھتا۔ زین سر جھکائے، گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"سب غلط ہو گیا بھائی۔ وہ سب جو میں نے آپ سے کہا۔ مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ابا کے بعد آپ کی شفقت کے سائے کو میں نے ہمیشہ محسوس کیا۔ آپ کے وجود میں تو ابا مل گئے تھے مجھے۔ پیار کرنے والے، تحفظ دینے والے۔ میری ہر تکلیف پر تڑپ اٹھنے والے۔" شہریار نے اسے ٹوکنے کے لیے منہ کھولا، مگر زین نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے روکا۔ آنکھوں میں درد کی چبھن نمی بن کر اتر رہی تھی۔

"آج مجھے بولنے دیں کیونکہ آپ نے تو بڑے بھائی ہونے کے سارے فرائض نبھائے، مگر جب میری باری آئی تو میں خود غرض ہو گیا بالکل اس بیٹے کی طرح جو باپ کے کندھے تک پہنچتا ہے تو اس کے مرتبے اور حیثیت کو بھی بھول جاتا ہے۔ بھول جاتا ہے کہ کیسے باپ نے اسے قدم قدم چلنا سکھایا تھا۔ اپنے برابر کھڑا کرنے کے لیے کیسی کیسی تکلیفیں سہی تھیں۔ حالانکہ مجھے تو وہ پہلا شخص ہونا چاہیے تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا بھلے سے کوئی کچھ بھی کہتا پر مجھے تو آپ کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ مجھے معاف کر دیں بھائی۔ میں خود غرض ہو گیا تھا صرف اپنا نقصان ہوتا نظر آیا مجھے۔ تب ہی تو ان ہاتھوں کو جھٹک دیا جو دن رات میرے لیے محنت کرتے رہے۔" نمی کو اپنے اندر اتارتے زین نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ دل سے جیسے کوئی نادیدہ بوجھ سا اترتا محسوس ہوا تھا۔

"تمہارا قصور نہیں ہے۔ بچے اپنے باپ کو ہیرو سمجھتے ہیں اور جب ان کا بنایا ہوا بت ٹوٹتا ہے تو تکلیف تو ہوتی ہے۔" شہریار نے اسے شرمندگی کے احساس سے نکالنا چاہا۔ پر اس کے لہجے میں چھپی تکلیف زین کو آج پوری طرح محسوس ہوئی تھی۔ گہرا سانس لیتے ہوئے شہریار نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھایا۔ بولا تو لبوں پر نرم مسکراہٹ تھی۔

"تم میرے بیٹے ہو زین۔ تمہاری خوشی مجھے اپنی خوشی سے زیادہ عزیز ہے۔ تم فکر مت کرو میں خود فارہ کے پاس جاؤں گا، اس سے بات کروں گا۔ اسے بتاؤں گا کہ زین جیسا تو اسے کوئی مل ہی نہیں سکتا۔"

"نہیں بھائی۔ آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ میں نہیں چاہتا وہ آپ سے الٹا سیدھا کچھ کہے۔ وہ آپ کی بے عزتی کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔" سختی سے کہتا وہ لب بھینچ گیا تھا۔ کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ شہریار خاموش ہوگیا۔

☆☆☆

"منگنی توڑ دی اور بتایا بھی نہیں۔" ٹانگیں فولڈ کیے، گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا گھیرا تنگ کیے وہ لان کی جانب جاتی سیڑھیوں پر بیٹھی اپنے دھیان سے چونکی۔ نظر بے اختیار اپنے قریب بیٹھی زینب پر پڑی جس کے لہجے میں شکایت تھی۔

"پتا چل گیا آپ کو۔"

"پتا تو اسی دن چل گیا تھا زین سے، بہت جلدی نہیں کرلیا یہ فیصلہ تم نے۔"

"کچھ فیصلے وقت پر کرلینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کم از کم بعد میں پچھتانا تو نہیں پڑے گا۔" ہوا کے زور پر اڑتی شرارتی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے بھی ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟" فارہ اس کی جانب مڑی جو اسی کے انداز میں بیٹھی، سامنے دیکھتی اندھیرے میں کچھ تلاش کررہی تھی۔ چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔

"میں واپس جارہی ہوں مجھے شہریار سے طلاق نہیں لینی۔" اسے لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"کیوں آپ...... کہیں آپ میری وجہ سے......" اسے یک دم خیال سا آیا، مگر زینب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

"نہ تمہارے لیے نہ اپنے لیے۔ یہ فیصلہ میں نے حذیفہ اور مشال کی وجہ سے کیا ہے۔ بہت سے رویوں اور باتوں نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کرنے چلی ہوں۔ شہریار کو چھوڑ کر شاید میں اپنی انا کی تسکین تو پالوں، مگر اپنے بچوں کی زندگی میں آنے والی محرومیوں کا ازالہ نہیں کرپاؤں گی۔" تحمل سے بولتی وہ اسے کوئی اور ہی زینب لگی۔

"کسی نے آپ سے کچھ کہا ہے۔" فارہ کو شک گزرا۔

"کسی نے کچھ بھی کہا ہو پر سچ یہی ہے کہ میرے بچوں کو اپنے باپ کی ضرورت ہے اور اس کی جگہ ان کی زندگی میں کوئی نہیں لے سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرا دل اس سے کوئی بھی تعلق رکھنے پر راضی نہیں۔ پر میں اپنے دل کو سمجھالوں گی۔ کیونکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ شخص میرے بچوں کا باپ ہے۔ ان سے محبت کرتا ہے اور اس میں ایسی کوئی برائی نہیں ہے کہ میں ان سے ان کا گھر، ان کی چھت چھین لوں۔ جو حق بچے اپنے باپ کے گھر پر۔ اس دی ہوئی چیزوں پر جماتے ہیں، وہ کسی دوسرے کی چیز پر نہیں ہوسکتا اور پھر میں ان پر یہ ظلم کیوں کروں۔ مجھے ان سے ان کا باپ، ان کا ہیرو نہیں چھیننا۔ وہ ٹوٹ جائیں گے، بکھر جائیں گے اور میں ساری زندگی انہیں سمیٹنے میں لگی رہوں گی۔" بے اختیاری میں چھلک پڑنے والے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتی وہ اس کی جانب مڑی۔

"تم سے یہی کہوں گی کہ زین کو ایک موقع دو۔ وہ بہت اچھا ہے اور اس سارے قصے میں اس کا قصور تو کہیں پر بھی نہیں ہے۔ شاید میں تم سے ایسا نہ کہتی، مگر اس رات مجھے اس کی آنکھوں میں وہی تکلیف، وہی چبھن نظر آئی جو مجھے اپنے وجود میں محسوس ہوتی ہے۔ بہت چاہتا ہے وہ تمہیں اور اس کی چاہت میں کوئی کھوٹ نہیں نظر آیا مجھے۔ ایسے پیارے اور خالص جذبات رکھنے والے انسان کی ناقدری نہ کرو فارہ۔ مان لو کہ وہ تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔"

"مانتی تو ہوں۔" اس کی زبان سے پھسلا پھر اس نے نگاہ چرالی۔ زینب منتظر نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ "میں نے منگنی اس لیے نہیں توڑی کہ مجھے اس پر اعتبار نہیں ہے یا اس کی محبت پر شک ہے اپنے لیے اس کا حساس ہونا مجھے بھی نظر آتا ہے۔ اس کی

محبت کا خالص پن بھی محسوس ہوتا ہے۔" جھکی نظروں سے وہ اعتراف کر رہی تھی۔

"پر آپی آپ خود بتائیں۔ اگر آپ شہریار بھائی سے رشتہ توڑتیں تو کیا ہمارا رشتہ باقی رہ پاتا، مگر زین کو یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اسی لیے مجھے لگا کہ ابھی سے اسے اس بات کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ میرے سخت رویے کی وجہ بھی یہی تھی، مگر وہ اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے یہی لگا کہ میں اس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں۔" جس بات کو وہ اتنے دنوں سے اپنے دل میں چھپائے بیٹھی تھی، آج زینب کو بتاتے ہوئے اسے اپنا آپ ہلکا پھلکا ہوتا محسوس ہوا۔

"ضروری تو نہیں تھا کہ تم دونوں کا رشتہ بھی ٹوٹتا اور امی تو ابھی بھی یہ ہی چاہتی ہیں کہ تمہارا رشتہ جڑا رہے۔" اس نے ٹھنڈی ہوا کو گہرا سانس لے کر اندر اتارا۔

"نہیں آپی' وہ آپ کو بھی اسی گھر سے وابستہ دیکھنا چاہتی ہیں اور بالفرض اگر ہمارے بڑے ایسا کوئی فیصلہ کرتے بھی تو میں خود اس رشتے پر راضی نہ ہوتی۔ بھلا آپ کو میں تکلیف میں کیسے دیکھ سکتی تھی۔ اس گھر کے ہر فرد سے آپ کا ایک رشتہ رہا ہوتا جو ہر بار نئے سرے سے آپ کو تکلیف میں مبتلا کیے رکھتا۔ میں اتنی خود غرض نہیں ہوں آپی اور پھر میں کیسے اس شخص کی عزت کر پاتی جو میری بہن کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا۔" اس نے پیار سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا تھا۔ کتنی پروا تھی اسے اس کے جذبات کی۔ اسے پیار سے ساتھ لگاتے ایک خوب صورت مسکراہٹ لبوں پر پھیلی تھی۔ فارہ بھی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

☆☆☆

"واپس کب جانا ہے تم نے۔" چولہے کی آنچ دھیمی کرتی، سالن کو دم پہ رکھتے ہوئے وہ اسٹول پر بیٹھ کر پانی پیتے زین سے مخاطب تھی۔

"اس دل کو ہم نے سمجھایا بہت ہے۔ میں نے جاب چھوڑ دی ہے۔ یہاں پر ایک اچھی جاب آفر تھی۔ اسے منظور کر لیا ہے۔" خالی گلاس پر رکھتے اس نے بتایا۔

"گڈ نیوز۔" وہ مسکرائی۔ ساتھ ہی سلاد تیار کرنے لگی۔

"اب آپ بھی کوئی گڈ نیوز دیں۔" ٹماٹر کاٹتے اس کے ہاتھ رکے نا سمجھی سے زین کو دیکھا۔

"بھئی آپ کے دیور کی اب شادی کی عمر ہو گئی ہے۔" اس کے مزے سے کہنے پر وہ مسکرائی اور پھر سے ہاتھ چلانے لگی۔ "مسکرائیں مت۔ کچھ بات آگے بڑھائیں، کیوں کہ اب اماں تو کچھ بولیں گی نہیں۔ آپ کو ہی کچھ کرنا ہوگا، اس سے پہلے کہ آپ کی بہن اپنی منگنی کے ٹوٹنے کا اعلان نشر کرتی پھرے۔" اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے اسے فارہ کا پتھریلا انداز یاد آیا۔

"شادی تو اس کے فائنلز کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ چلو تاریخ رکھ لیتے ہیں یا کہو تو پھر سے منگنی کرا دوں۔ ری نیو ہو جائے گی نا۔" اسے تنگ کرتی وہ شرارت سے بولی۔ زین بدک کر کھڑا ہوا۔

"ہرگز نہیں۔ منگنی کر کے دیکھ چکا ہوں، کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بالکل بھروسا نہیں رہا۔ اس لیے نکاح کی بات کریں، وہ بھی جلد سے جلد۔" سلاد کی پلیٹ ڈھک کر رکھتی وہ مڑی۔ دونوں ہاتھ پر رکھ کر زین کو غور سے دیکھا جو اسی کی طرف متوجہ تھا۔

"میرا خیال تھا تم فارہ سے اچھے خاصے ناراض ہو گئے۔"

"ناراض تو میں ہوں۔ غصہ بھی بہت ہے، مگر کیا کروں، دل اس سے دستبردار ہونے پر راضی ہی نہیں ہوتا اور پھر محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہ تو سامنے والے کو ایسے سنوارتی ہے کہ اس کی خامیاں بھی قابل قبول ہو جاتی ہیں۔" کاؤنٹرز کی سطح پر ہاتھ پھیرتا وہ نظریں جھکائے سنجیدگی سے بولا۔

"خیر آپ فکر مت کریں۔ بخشوں گا تو اسے میں بھی نہیں۔ گن گن کر بدلے لوں گا۔" ہلکے پھلکے

انداز میں بولتے ہوئے سر اٹھایا۔ زینب نے نگاہ چرائی۔ ساتھ ہی زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر پھیلائی۔

''شرم کرو میری بہن کے بارے میں کہہ رہے ہو۔''

''نہیں میں تو آپ کی دیو رانی کی بات کررہا ہوں۔'' زین نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا، آنکھوں میں شرارت تھی۔ زینب کو ہنسی آئی۔ دوسرے ہی لمحے اس کی ہنسی غائب ہوئی۔ چہرے کے تاثرات تیزی سے سنجیدگی میں ڈھلے تھے۔ سالن کے نیچے چولہا بند کرتی وہ تیزی سے اس کے پہلو سے نکلتی چلی گئی۔ زین نے گہرا سانس لے کر شہریار کو دیکھا، جس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا اور نظریں جاتی ہوئی زینب پر تھیں۔ زین نے قریب آکر بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ بے اختیار چونکا۔

''زخم گہرا اور تازہ ہو تو اس کی دکھن وجود میں تلخی بھر دیتی ہے اور اس تلخی کو نکلنے کے لیے وقت بھی درکار ہے اور نرمی و محبت بھی۔ انہیں تھوڑا وقت دیں، وہ سنبھل جائیں گی۔'' شہریار نے سر ہلاتے ہوئے طویل سانس لیا۔ دو دن ہوگئے تھے اسے واپس آئے، مگر اس سے بات تو درکنار، اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ ایسا اجنبی روپ تو اس کا سوچا ہی نہیں تھا۔ پتا نہیں یہ اجنبیت کی دیوار کتنی طویل تھی۔ کیا خبر زندگی اتنی مہلت دیتی بھی ہے یا نہیں کہ وہ اسے ختم کرپاتا۔

☆☆☆

دعا کر کے چہرے پر ہاتھ پھیرتی وہ ٹھٹکی۔ ایک مانوس سی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ ناگواری کی ایک لہر وجود میں گویا سرایت کرگئی۔ جب سے وہ آئی تھی ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی کمرے میں موجودگی صرف بچوں کے جاگنے تک ہی ہوتی تھی اور اب جب کہ وہ بچوں کو سلا کر ہی کمرے سے گیا تھا، تو پھر سے کمرے میں آنے کا کیا مقصد ہوسکتا تھا۔ وہ الجھی، مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھتی، وہ گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''کیا تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں۔ کیا میرا جرم اتنا بڑا ہے کہ اس کی کوئی معافی نہیں۔'' دھیمی آواز میں بولتا وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ وہ اس کی جانب نہیں دیکھ پائی تھی۔ جاء نماز پر نظریں گاڑے، پتھریلے تاثرات کے ساتھ بس سنے جارہی تھی۔ ''تم سمجھتی ہونا کہ مجھے احساس نہیں ہے تمہارے ساتھ کی زیادتی کا۔ اس دھوکے کا جو میں تمہیں دیتا رہا۔ ایسا نہیں ہے، مجھے احساس ہے اور کیوں نہ ہو کہ جن آنکھوں میں میری محبت روشنی بن کر چمکتی تھی۔ جو مجھے دیکھ کر مسکراتی تھیں۔ آج ان میں میرے لیے چاہت کے رنگ نہیں ہیں، صرف نفرت اور بے زاری ہے۔'' اس کی بجھی ہوئی خوب صورت آنکھوں کو دیکھتا وہ بولے گیا۔ ''اور پھر ہمارے بیچ کی یہ نفرت ہمارے بچے محسوس کریں گے۔ بہت سے سوال ان کے ذہنوں میں اٹھیں گے۔ وہ......'' زینب نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

''اپنے بچوں کی وجہ سے آج میں یہاں ہوں۔ کوشش کروں گی کہ ان کے سامنے نارمل رہ سکوں۔ مگر ہمارا رشتہ کبھی پہلے جیسا نہیں ہوسکتا۔'' اس کا تلخ اور اٹل انداز بہت کچھ باور کرارہا تھا۔ وہ مایوس ہوا۔ اپنی جگہ سے اٹھتا بوجھل قدم دروازے کی جانب بڑھائے۔

''شالین کو مت چھوڑو۔'' وہ اپنے پیروں پر گھوما تھا۔ کیا وہ کچھ بولی تھی یا اس کی سماعت کا دھوکا تھا۔ مگر سنجیدگی سے بولتی وہ اپنی بات دہرا گئی۔ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ شہریار منتظر سا کھڑا تھا۔ ''تمہاری زندگی میں کوئی ہے یا نہیں، مجھے اب اس سے فرق نہیں پڑتا۔ میرے بچے ویسے ہی اپنے باپ کا انتظار کریں گے جیسے ہر سال کرتے ہیں۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم کسی اور کے ساتھ زیادتی مت کرو۔ میری بھی ایک بیٹی ہے۔ میں نہیں چاہتی کسی کی آہ اس کی زندگی کی خوشیوں کو کھا جائے یا اس کے باپ کی گئی زیادتی اس کے آگے آئے۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ

نہیں چاہیے۔" بات مکمل کرتی وہ جاء نماز لپیٹنے لگی۔ لب بھینچتا وہ بمشکل خود کو دروازے کی طرف گھسیٹ پایا۔ قدم جیسے من من بھر کے ہو رہے تھے۔ دل الگ بوجھل تھا۔

☆☆☆

وہ اس کے ملنے کی خواہش پر حیران ہوئی تھی۔ یوں اچانک سے گھر آ گئی تھی کہ وہ انکار بھی نہیں کر سکی۔ شہریار اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کا بتا کر باہر چلا گیا تھا۔ شام کا وقت تھا، بچے زین کے ساتھ پارک گئے ہوئے تھے اور اماں دوا کھا کر سو رہی تھیں۔ سارے کام جوں کے توں چھوڑ کر وہ اس کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ کچھ پل خاموشی سے گزر گئے۔ زینب اس کے بولنے کی منتظر تھی، مگر وہ فرصت سے بیٹھی اسی کو دیکھے جا رہی تھی۔

"آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی ہے؟" بالآخر زینب نے اپنے دل میں مچلتا سوال پوچھا۔

"اس لڑکی کو دیکھنے آئی ہوں، کل تک جس کے لیے شہریار سب کچھ چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ اپنے نقصان کی بھی پروا نہیں تھی اسے۔ جبکہ وہ جانتا ہے کہ شالین حیدر اسے کنگال کر سکتی ہے۔ وہ سب بھی اس سے چھین سکتی ہے جو اس نے اپنی محنت سے بنایا ہے۔" سنجیدگی سے بولتی وہ رکی، پھر ایک خوب صورت مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی جو اس کے حسین چہرے کو حسین تر بنا رہی تھی۔ "پر آج تو حیران کر دیا اس نے۔ کل تک جس کی خاطر وہ شالین کو چھوڑ رہا تھا۔ اب اسی کی خاطر اپنانا چاہتا ہے۔ میں دیکھنے آئی ہوں کہ آخر تمہاری محبت میں ایسا کیا ہے کہ اسے اور کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ کیوں تم اتنی اہم ہو۔ اس کے لیے کہ وہ اپنے فیصلے بھی پل میں بدل لیتا ہے۔ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر۔" اس کے حسرت آمیز لہجے پر زینب نے پہلو بدلا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے، تم بیوی ہو اس کی۔ حق رکھتی ہو اس پر......" اور بھی کچھ الفاظ وہ اس کی تسلی کے لیے بولنا چاہتی تھی کہ اس کے ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا، مگر اس نے استہزائیہ ہنستے ہوئے بات کاٹی۔

"بیوی...... ہوں اس ناطے تو اس کی محبت پر بھی حق رکھتی ہوں، پھر کیوں نہیں کرتا وہ مجھ سے محبت۔" اس کا لہجہ آنچ دیتا ہوا تھا۔

"کوئی تم سے محبت کیوں نہیں کرے گا۔" بے اختیار زینب کے منہ سے پھسلا۔ آخر اس کا حسن نظر انداز کیا جانے والا تو نہیں تھا۔

"میں بھی یہ ہی سمجھتی تھی کہ جسے چاہوں گی اپنا بنا لوں گی۔ مگر شہریار کو تو مجھ سے محبت نہیں ہوئی۔ اسے تو میری پروا بھی نہیں ہے۔ شاید اس لیے کیوں کہ ہمارا رشتہ غرض کی بنا پر جڑا تھا۔ مجھے وہ چاہیے تھا اور اسے اپنی جاب۔ دھونس اور زبردستی سے میں اس کی زندگی میں گھس تو گئی، مگر اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکی۔ اس کی زندگی میں آنے سے پہلے اگر میں اس کا دل جیت لیتی تو شاید آج صورت حال مختلف ہوتی۔" آنکھوں میں چبھن سی ہوئی تھی۔ دائیں ہاتھ کی انگلی سے آنکھ مسلتی، گہرا سانس لیتی وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ "اچھا لگا تم سے مل کر۔ مان گئی کہ تم کچھ الگ ہو۔ اپنا شوہر بھی بانٹنا چاہتی ہو اور اس کی محبت بھی۔ مگر اب مجھے اس کا ساتھ نہیں چاہیے۔ میرا ظرف اتنا بڑا نہیں ہے کہ اس کی آنکھوں میں تمہارا عکس دیکھوں اور پھر ساری زندگی خود کو دھوکا دیتی رہوں۔" اس کی آنکھوں میں نمی چمکی تھی۔ زینب کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کن الفاظ میں اس کی تشفی کرائے۔ ایسا کیا کہے کہ اس کی تکلیف کم ہو۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ "بائے" کہتی ڈرائنگ روم کے دروازے سے نکلی۔ سامنے کھڑے شہریار کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

"شالین آئی ایم سوری۔ اب احساس ہو رہا ہے، مجرم تو میں تمہارا بھی ہوں۔ بیوی ہونے کے ناطے سے دھوکا تو تمہارے ساتھ بھی ہوا ہے۔" وہ شرمندہ سا نظریں چرا گیا۔ تھکن اس کے لہجے میں اتر آئی تھی۔

''اس ٹاپک کو رہنے دو شہریار...... مسکرا کر رخصت کرو۔ میں واپس جا رہی ہوں۔'' حلق میں جمع ہوتے نمکین پانی کو نیچے اتارتی وہ خود کو کمپوز کر رہی تھی۔

''تم اکیلے نہیں جا رہی، میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ اب میں خود بھی یہ رشتہ نبھانا چاہتا ہوں۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''نہیں شہریار...... مانا کہ اس سارے قصے میں ہم دونوں ہی قصوروار ہیں، مگر اس کی سزا اس تیسرے شخص کو کیوں ملے جس کو سب سے زیادہ تکلیف ہوئی ہے ہماری وجہ سے۔ نہیں اب ایسا ممکن نہیں ہے۔'' نفی میں سر ہلاتی، اپنی بات پر زور دیتی آج وہ کوئی اور ہی شالین لگی، جس کے انداز میں غرور کی جھلک نہیں تھی۔ شہریار نے گہرا سانس لیا۔

''وہ خود ایسا چاہتی ہے۔ اسے فرق نہیں پڑے گا۔''

''مجھے فرق پڑے گا۔ کچھ میری چاہت کا ہی خیال کرو۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ زیر لب مسکرائی۔ آنکھوں کے زیریں کناروں پر نمی ٹھہر گئی تھی۔

''مجھے یہ اعزاز دو شہریار کہ میں نے خود تمہیں چھوڑا ہے۔ اپنی مرضی سے۔'' وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ بولنے کے لیے کچھ بچا ہی کب تھا وہ تو خود ہی سارے تعلق ختم کر رہی تھی۔ ''تم ایک اچھے انسان ہو شہریار۔ تم نے ہمارے رشتے کو مس یوز نہیں کیا۔ میری پراپرٹی پر نظر نہیں رکھی۔ حالانکہ تم یہ کر سکتے تھے۔ تمہاری ان ہی خوبیوں کی تو گرویدہ تھی میں۔ خیر تمہاری یہ اچھائی میں ہمیشہ یاد رکھوں گی اور تمہیں بھی۔'' نم آنکھوں کے ساتھ وہ ہنس دی، ورنہ سارے آنسو چھلک پڑتے۔ پھر جلدی سے بائے کہتی باہر نکل گئی۔ گاڑی میں شازمین اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے اندر کھڑی زینب اور دروازے کے باہر کھڑا شہریار، دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں غرق کتنی ہی دیر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے تھے۔

☆☆☆

پورا گھر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ نکاح کی تقریب شروع ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا نے ماحول میں ایک خوش گواریت سی بھر دی تھی۔ سب ہی لان میں منعقد کی گئی نکاح کی تقریب کو انجوائے کر رہے تھے۔ ایجاب و قبول کا مرحلہ بخیر و خوبی طے پا چکا تھا اور ابھی تک فارہ کو اسٹیج پر نہیں لے جایا گیا تھا۔ تب سے وہ کمرے میں ہی بیٹھی تھی۔ ٹینشن سے اس کا برا حال تھا۔ جب سے وہ تیار ہوئی تھی، اس کا ایک ایرنگ غائب تھا اور اب صورت حال یہ تھی کہ ایک کان میں ایرنگ پہن رکھا تھا اور دوسرے میں غائب۔ کوئی اور ایرنگ بھی میچ نہیں کر رہا تھا۔

''میں ایسا کرتی ہوں پہلے کھانا لگواتی ہوں۔ تب تک کوئی اور ایرنگز ارینج کرتی ہوں۔'' نگین اسے تسلی دیتی کمرے سے نکلی۔ باقی کزنز کو وہ پہلے ہی کمرے سے نکال چکی تھی، ایرنگ ڈھونڈنے کے بہانے سے۔ نگین کے جاتے ہی فارہ ایک بار پھر اٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں کھنگالنے لگی۔ جو پہلے بھی وہ اور نگین کافی اچھی طرح دیکھ چکی تھیں۔ تیسری دراز کھولتے ہی اسے ایرنگ نظر آ گیا تھا۔ پشت پر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ خوشی سے ایرنگ ہاتھ میں لیتی وہ بولی۔

''نگین ایرنگ مل گیا، شکر ہے، ورنہ ایرنگز کے بغیر میں کیسی عجیب دلہن لگتی۔ لیکن یہ پہلے کیوں نہیں نظر آیا، سامنے ہی تو پڑا......'' تیز تیز بولتی وہ مڑی، مگر نگین کی جگہ اسے دیکھ کر بری طرح چونکی، الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ سفید کرتا شلوار کے ساتھ سیاہ واسکٹ پہنے، اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی تھی۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' نظریں جھکاتے وہ پوچھ گئی۔

''ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ فارہ کے وجود میں سنسناہٹ سی ہوئی۔ بھلا ایسی کیا ضروری بات تھی کہ وہ نکاح کے فوراً بعد ہی کرنے پہنچ گیا تھا۔ وہ بھی اس طرح سے۔ اس کی سوچوں کو بریک لگا۔ وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔

''کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ یہ رشتہ مجبوراً جوڑنا پڑا، ورنہ ہمارے درمیان تو پہلے ہی سب ختم ہو چکا تھا۔'' دھچکا لگا تھا اسے۔ حیرت سے کھلی آنکھیں اس پر اٹھیں۔ کیا وہ مذاق کر رہا تھا۔ لیکن اس کا انداز تو کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے۔ میں اپنی تذلیل بھول کر تمہیں خوشی خوشی قبول کرلوں گا۔ یہ رشتہ اب خواہش اور طلب سے خالی ہے۔'' اس کی خوب صورت آنکھوں میں دیکھتا وہ گویا اسے اس کی حیثیت بتانے آیا تھا۔ فارہ کے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا۔ مگر وہ لہجے کو مضبوط بناتی بولی۔

''آپ کو یہ رشتہ نہیں جوڑنا چاہیے تھا۔ نکاح کا مطلب بھی پتا ہے آپ کو۔''

''میں تو مجبور کر دیا گیا۔ اگر روک سکتا تو روک لیتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے تم یہ کر سکتی ہو اور جہاں تک مجھے یاد ہے تمہارے دل میں تو پہلے بھی میرے لیے کوئی نرم و نازک جذبات نہیں پنپ رہے تھے۔ تمہیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے، سب کو اپنا فیصلہ سنانے میں۔'' فارہ کے حلق میں کچھ اٹکا تھا۔ چہرے کا رنگ پھیکا پڑا، آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ کیا اس رشتے کا انجام یہ ہی ہونا تھا۔ مگر اس وقت وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ خود کو بمشکل سنبھالتی وہ بولی۔

''آپ اس وقت یہاں سے جائیں اور بے فکر رہیں، مجھے بھی ایسا کھوکھلا رشتہ قبول نہیں اور مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں یہ فیصلہ لے سکوں۔'' اس کے لہجے کی کپکپاہٹ کو محسوس کرتے اس نے اپنے لبوں پر رینگتی مسکراہٹ کو دبایا۔

''تو پھر جائیں، آج ہی ہمت کریں اور سب کو بتا دیں۔'' اسے راستہ دیتا وہ ہاتھ سے دروازے کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ فارہ نے حیرت و بے یقینی

سے اس کا یہ نیا روپ دیکھا۔

"بس ہوگئی ہمت ختم۔" اس کی خاموشی سے اس نے نتیجہ نکالا۔

"اتنی بری نہیں ہوں میں۔ اپنے اور آپ کے گھر والوں کی عزت کا خیال ہے مجھے۔"

"ابھی جاؤ تو مانوں، ورنہ پھر بعد میں، میں صاف مکر جاؤں گا۔" کندھے اچکا کر کہتا وہ اسے تپا گیا۔ اس پہ لعنت بھیجتی وہ غصے سے آگے بڑھی، مگر اس کی کلائی زین کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے آیا۔

"چھوڑیں مجھے۔" فارہ نے بے اختیار اپنا ہاتھ کھینچا، جو اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ نرم گرفت کے باعث وہ اپنا ہاتھ چھڑا گئی۔

"جن کو دل کی پوری آمادگی سے اپنایا جائے، انہیں چھوڑا نہیں جاتا مسز زین احمد۔" گمبھیر لہجے میں بولتا وہ زیر لب مسکرادیا۔ پرشوق نگاہیں فارہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ڈل گولڈ شرٹ کے ساتھ پلم غرارہ پہنے۔ ساتھ میں پلم دیدہ زیب کام والا دوپٹا دلہنوں کے مخصوص اسٹائل میں اوڑھے، میک اپ اور زیورات سے بجی سنوری وہ اسے اور بھی دل فریب لگی۔ خوب صورت میک اپ نے اس کے نقوش کو ایک الگ طرح کا نکھار بخشا تھا۔ ایک مقناطیسی کشش سی تھی جو ہمیشہ اسے اپنی جانب کھینچتی رہی تھی۔ وہ اس کے لیے خاص تھی اور آج یوں پورے حق سے اسے دیکھنا اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔ خفگی بھری آنکھوں سے اسے گھورتی وہ اس کے بدلے ہوئے انداز دیکھ رہی تھی۔ عجیب دھوپ چھاؤں کا سا انداز تھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" اس کی بولتی آنکھوں سے نظریں چرائیں۔

"تمہیں...... تب ہی تو دل کے مجبور کرنے پر اتنی بڑی بارات لایا ہوں۔" وہ سٹپٹائی، پھر اس کی کچھ دیر پہلے کی باتیں یاد آئیں۔

"اور ابھی جو آپ...... میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیسے بات شروع کر کے اس کے خدشات دور کرے۔

"کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے بھابھی نے سب بتا دیا ہے۔" مزے سے مسکراتے ہوئے اس کی پریشانی دور کرنا چاہی۔

"آپ مجھے تنگ کر رہے تھے۔" اپنی جون میں لوٹتی وہ خود اعتمادی سے بولی۔ ذہن پر سے بھاری بوجھ گویا سرک گیا تھا۔

"اتنا تو بنتا تھا، جتنا تم نے مجھے تڑپایا تھا۔ یاد ہے کتنا بھیگا تھا بارش میں۔" شرارت سے بولتے وہ اسے تکے گیا۔ جس کا چہرا خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

"تو نہ بھیگتے، میں نے تو نہیں کہا تھا۔ ویسے اگر آپی نہ بتاتیں پھر......"

"پھر بھی میری محبت کم نہیں ہونی تھی۔ یہ زین کی محبت ہے اور فارہ کے علاوہ اس پر کسی کا حق نہیں۔"

اس کی جانب جھکتا وہ دھیمے لہجے میں اظہار کر گیا۔

"اب آپ یہاں سے جائیں، اگر کوئی آگیا تو بہت بری بات ہوگی۔" اپنی مسکراہٹ دباتی وہ پیچھے ہوئی۔

"نگین بھابھی ہیں نا۔ سنبھال لیں گی۔"

"اسے تو میں بعد میں سیٹ کروں گی۔" نگین کی چال تو وہ سمجھ ہی چکی تھی۔

"میں تم سے ایک فیور چاہتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ فارہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ماضی میں جو کچھ بھی ہوا، مگر میری بیوی کی حیثیت سے میں چاہتا ہوں کہ تم شہریار بھائی کی ہمیشہ عزت کرو۔ انہوں نے باپ بن کر میری سرپرستی کی ہے۔ میرے لیے ان کی عزت بہت اہم ہے۔"

"آپی کے حوالے سے وہ پہلے بھی میرے بھائی تھے اور اب آپ کے لیے۔ میں ان کی اور بھی عزت کروں گی۔" اس کا معصوم سا اظہار زین کے دل کو شاد کر گیا۔

"اب نکلیں یہاں سے۔" اسے دونوں ہاتھوں سے دروازے کی طرف دھکیلتی وہ بولی۔

"بہت ظالم ہو بھئی۔ کیا بنے گا میرا۔" وہ باہر نکل گیا تھا۔ مگر اس کی کھنک دار ہنسی اور چوڑیوں کی جلترنگ دیر تک کانوں میں گونجتی رہی تھی۔

☆☆☆

"بابا، آپ اداس ہیں۔" وہ لاؤنج کے صوفے پر آدھا ترچھا لیٹا تھا، جب حذیفہ اس کے پاس آکر پوچھنے لگا۔

"نہیں بیٹا، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سیدھا ہو کر بیٹھتے اسے اپنے ساتھ بٹھایا اور دائیاں بازو اس کے گرد حمائل کیا۔

"جب میں نانو کے گھر تھا، تب میں بھی اسی طرح چپ کر کے لیٹ جاتا تھا اور آپ کو یاد کر کے اداس ہو جاتا تھا۔ پھر کسی سے بات بھی نہیں کرتا تھا۔" اس کی معصوم سی وضاحت پر وہ زیر لب مسکرایا۔ جبکہ کمرے میں ڈسٹنگ کرتی زینب کے ہاتھ لمحے بھر کو رکے۔

"بابا کیوں اداس ہوں گے، آپ ہو نا بابا کے پاس۔"

"آپ ٹھیک نہیں لگ رہے بابا۔ آپ بیمار ہیں نا۔" فکرمندی سے پوچھتا وہ اپنے چھوٹے ہاتھوں سے اس کے چہرے اور ماتھے کو چھو رہا تھا۔ کھلے دروازے سے زینب نے یہ منظر دیکھا۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس نئی جاب شروع ہوئی ہے نا تو بابا تھوڑا سا تھک گئے ہیں۔" انگلیوں سے اشارہ کرتا وہ اسے بہلا رہا تھا۔ کام سے تو وہ کبھی نہیں گھبراتا تھا۔ پھر اب کیوں تھکنے لگا تھا۔ اپنی جگہ تھم کر وہ اسے دیکھے گئی۔ کتنے عرصے بعد وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ملگجا سا حلیہ، بڑھی ہوئی شیو، یہ وہ شہریار تو نہیں تھا جو ہمیشہ نک سک سے تیار اور فریش نظر آتا تھا۔ یہ تو کوئی اور تھا جس کے وجود پہ تھکن اور اداسی کے ڈیرے تھے۔

"ماما ابھی تک ناراض ہیں نا۔ آپ سے ٹھیک سے بات نہیں کرتیں نا۔" سانس اس کے سینے میں اٹکا۔ ان کے رشتے کا کھنچاؤ اس چھوٹے سے بچے نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ اپنی طرف سے سرگوشی کرتا وہ باپ سے تائید چاہ رہا تھا اور ٹھٹک تو شہریار بھی گیا تھا۔ "آپ ماما کو منالیں، ورنہ وہ پھر سے نانو کے گھر چلی جائیں گی۔ مجھے نہیں جانا۔ مجھے آپ کے پاس رہنا ہے، اپنے گھر میں۔" وہ اپنے دل کے خدشات بتا رہا تھا۔

"آپ ہمیشہ اپنے گھر میں ہی رہو گے بابا کے پاس اور ماما بالکل بھی ناراض نہیں ہیں، بس ان کا موڈ آف ہو تو وہ بات کم کرتی ہیں۔ اب آپ جلدی سے اٹھو، ہم پلے لینڈ چلتے ہیں۔" اسے بہلاتا وہ بولا۔

"میں ماما کو بتاتا ہوں۔" حذیفہ خوش ہوتا ہوا اٹھا۔

"ماما تو شاید نہ ہی جائیں، تھک گئیں ہوں گی، صبح سے کام کر رہی ہیں اور آپ کا یونیفارم بھی تیار کرنا ہوگا انہیں۔ چلو آپ پوچھ لو ماما سے۔" ہلکے پھلکے انداز

میں کہتا وہ پہلے ہی بہلا رہا تھا، کیوں کہ پچھلی بار بھی وہ ان کے ساتھ نہیں گئی تھی۔

کمرے کی ڈسٹنگ کرتی وہ اب لاؤنج میں آ گئی تھی۔ خود کو مصروف ظاہر کرتی، مگن سی ٹی وی صاف کر رہی تھی۔ جب حذیفہ نے قریب آ کر اسے چلنے کے لیے کہا۔

''ٹھیک ہے، چلتے ہیں، میں مشال کو تیار کرتی ہوں۔'' اس نے بیٹے کی آس نہیں توڑی تھی۔ ایک نظر بے یقین سے شہریار پر ڈالتی وہ آگے بڑھ گئی۔

آج ایک عرصے بعد وہ یوں اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر وہ مطمئن سی باہر آ گئی۔

''چلیں ماما۔'' حذیفہ اسے دیکھ کر خوش ہوا۔ زینب نے تنقیدی نظروں سے شہریار کو دیکھا، جس نے آف وائٹ شلوار قمیص پہن رکھا تھا۔

''ایسے جائیں گے آپ اس حلیے میں۔ ہم آؤٹنگ پر جا رہے ہیں۔'' اس کے سر پر پہنچ کر وہ بولی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔ زینب کا یوں اسے خود سے مخاطب کرنا اور اس انداز میں بات کرنا مقام حیرت تھا۔ اگر یہ ایکٹنگ تھی تو کمال تھی۔ اس نے دل میں سوچا۔

''ٹھیک تو ہے۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''جی نہیں چلیں فوراً چینج کریں۔'' پھر وہ زین کی طرف مڑی جو مشال کو گود میں اٹھائے حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

''زین ذرا بچوں کو دیکھنا، ہم آتے ہیں۔'' پھر وہ حیرت سے گنگ کھڑے شہریار کا بازو پکڑے اسے اپنے ساتھ اندر لے گئی۔ زین کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ رینگی۔

''آپ بھی نا بچوں کی طرح کرتے ہیں۔ یہ جوڑا اماں نے گھر میں پہننے کے لیے سلوایا تھا اور آپ...... اگر شلوار سوٹ پہننا تھا تو کوئی ڈھنگ کا پہنتے۔'' اس کی کلاس لیتی وہ تیزی سے اس کی وارڈروب کھنگال رہی تھی۔

''یہ کرتا اچھا لگے گا۔ عید پر سلوایا تھا اور یہ جینز شرٹ، یہ بھی آپ پر بہت سوٹ کرتی ہے۔'' دونوں ہینگرز پکڑے وہ قریب آئی۔

''مجھے پتا ہے، میں بہت پیاری لگ رہی ہوں۔ اب کیا نظر لگائیں گے۔'' اس کی آنکھوں میں جھانکتی وہ شرارت سے بولی۔ شہریار نے اس کے چہرے پر پھیلی مسکان کو دیکھا۔ کتنے عرصے بعد وہ ایسے مسکرائی تھی کہ اس کی آنکھیں بھی مسکرا اٹھی تھیں۔ زینب نے دونوں ہینگر آگے کیے۔ شہریار نے بغیر دیکھے اس کے دائیں ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں تشکر بھرے وہ مشکور سا اسے دیکھے گیا۔ اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑا ہینگر بیڈ پر رکھ کر اپنا ہاتھ اس کے مضبوط مردانہ ہاتھ پر رکھ کر ہولے سے دبایا۔ اس لمس میں وہ سب تھا جو شاید الفاظ بھی پورا نہیں کر سکتے۔ کبھی کبھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی، احساسات سب کہہ دیتے ہیں۔ انہیں بھی اب کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

''اب عورتوں کی طرح دیر مت کیجیے گا۔'' اسے واش روم کی طرف دھکیلتی وہ ہنسی۔

آئینے میں خود کو دیکھتی وہ بالوں میں برش پھیرنے لگی۔ وہ خوش تھی۔ دل فریب سی مسکان لبوں کو چھو رہی تھی۔ دل پھر سے نئی دھنوں پر دھڑکنے لگا تھا۔ شاید اس میں بڑا ہاتھ شالین کا تھا، جس کی باتوں نے بہت سی بدگمانیوں کی دھند کو چھٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے معاملے میں شہریار قصوروار سہی، مگر اتنا بھی نہیں تھا کہ وہ اسے معاف نہ کر سکتی۔ وہ زندگی کے کسی موڑ پر پچھتانا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے خود سے ایک قدم اس کی جانب بڑھا کر وہ خوشی کے جس احساس کو محسوس کر رہی تھی، وہ زندگی میں بہت سے خوب صورت رنگ بھر دینے والا تھا۔

☆☆

ناولٹ

شمائلہ دلعباد

کسی اجنبی سے دیار میں



سارے اسٹاف کو وہ پریشان کیے جا رہی تھی، مجبوراً پاکستان ایمبیسی کے سی او کو خود اٹھ کر اس کے پاس جانا پڑا۔

"میڈم ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ پاکستان کا ویزا آپ کو نہیں دیا جا سکتا، جب تک آپ کا اسپانسر نہ ہو۔ رہی آپ کے بچے کی بات تو اسے پاکستانی پاسپورٹ کسی قیمت پر نہیں دیا جا سکتا، جب تک کنفرم نہ ہو۔ نکاح نامہ سے لے کر کانٹیکٹ تک آپ کے پاس نہیں، ہمیں کیا پتا آپ کس کو اپنا ہسبینڈ بول رہی ہیں، آیا وہ پاکستانی تھا بھی یا نہیں۔"

"کیا مطلب؟ ہاں بولو، کیا مطلب...... میں جھوٹ بولتی کیا؟ وہ پاکستانی تھا، سالیکوٹ (سیالکوٹ) سے تھا، میں قسم کھاتی۔"

"دیکھیں میڈم! قسم سے کچھ نہیں ہوتا، آپ اس کیس کو قاضی کے پاس لے جائیں۔ پھر ہی کوئی نیکسٹ اسٹیپ لیا جا سکتا ہے۔ اب ہمارا وقت نہ ضائع کریں، آپ دیکھ رہی ہیں، کتنا رش ہے جسٹ بی کاز آف یو، وی آر لیٹ۔"

(صرف آپ کی وجہ سے ہمیں دیر ہو گئی ہے۔)

"خدا کے لیے آپ میرے کو ویزا ایشو کر دو، میں اس کو سرچ (تلاش) کر کے واپس آئے گی۔ ایسے میں برباد ہو گئی ہے، میرے پر قرضہ چڑھ گیا، ڈلیوری سے لے کر اب تک تین ہزار ریال لگ چکا، میں کیسے چکائے گی۔"

"بی بی! یہ ہمارا مسئلہ نہیں۔"

"آپ کا مسئلہ کیوں نہیں، آپ کے کنٹری والے نے میرے کو چیٹ کیا۔ فراڈ کیا۔ وقت گزاری کا شادی بنایا، پھر فرار ہو گیا۔ میں ادھر کا رہی، نہ ادھر کا، میرے بچے کو فلپائن بھی پاسپورٹ نہیں دے رہا، عمان بھی نہیں دے رہا، پاکستان بھی نہیں دے تو کون وارث ہے، کہاں جائیں گے ہم؟"

"آپ قاضی کے پاس جائیں، وہاں سے فیصلہ لیں۔"

"فیصلہ...... کیا فیصلہ، ابھی میرے پاس پچیس پیسا بھی نہیں رہا۔ بے بی کا ملک کہاں سے لے گا۔ صحار تک بس کا کرایہ کون دے گا۔ میرے کو، لوٹ کر چلا گیا حرامی نفر ماضی رین (گندے آدمی نے پوچھا نہیں کیا۔) کل پاکستانی حرامی۔" وہ اب چلا رہی تھی۔ ہندی، عربی اور فلپائنی و نیپالی کے مکسچر میں، مسقط، پاکستان ایمبیسی میں کھڑے سارے مرد حضرات ٹائٹ جین اور سرخ کھلے گلے کے ٹاپ میں ملبوس اس انگریز نما عورت کو فرصت سے دیکھ رہے تھے، سارا اسٹاف جز بز ہو رہا تھا، پھر قدرت نے ان کی سن لی اور بالآخر وہ پرام دھکیلتے ہوئے ایمبیسی سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

گھر میں شادی کی مناسبت سے فل والیوم میں میوزک بج رہا تھا۔ دوسری جانب خواتین کپڑوں کے انبار پیک کرنے میں لگی تھیں، وہ فرصت سے جاسوسی ناول میں مگن تھی۔

"بدر کچھ حیا کر لو، کل تمہاری شادی ہے۔ لڑکیاں ابٹن، مہندی کے ڈیزائن دیکھتی ہیں، تم جاسوسی ناول پڑھ رہی ہو۔"

"ہائے آپا! کیا بتاؤں، کیسا ناول ہے۔ ویسے وقاص کے بارے میں ٹھیک سے پتا کروانا چاہیے تھا، باہر جا کر بہت فراڈ بھی ہو جاتے ہیں، کچھ ایسا ہی ناول پڑھ رہی ہوں۔" وہ اماں کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی، لیکن نتیجہ حسب توقع تھا۔

"کم بخت! تو ناول پڑھ کر بکواس کرتی جا، ایسا اچھا رشتہ ملنے پر شریکوں کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہیں، تمہیں باتیں سوجھ رہی ہیں۔" اماں وقاص کے بارے میں ایک لفظ سننے کی روادار نہ تھیں۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ دو ہفتے پہلے آنے والے وقاص کے رشتے نے اماں کو پورے خاندان میں معتبر کر دیا تھا۔ جہیز ان لوگوں کو نہیں چاہیے تھا۔ شادی کے اخراجات وہ خود اٹھا رہے تھے۔ قیمتی برانڈ کا اسمارٹ فون، رشتہ ڈن ہوتے ہی بدر کے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔ سارا خاندان حیران تھا زبیدہ نے بڑا اونچا

ہاتھ مارا ہے، وہ اڑی اڑی پھر رہی تھیں، آخر بیٹی بیاہ کر دبئی جارہی تھی۔ سارے خاندان میں سے پہلی لڑکی، پھر اس سے چھوٹی دونوں کا مستقبل بھی روشن نظر آرہا تھا، جب کہ بیٹے کا ویزا تو جاتے ہی بھیجنے کا وقاص نے خود کہا تھا۔ ایسے میں زبیدہ بیگم، وقاص کے خلاف مذاق میں بھی کوئی بات سننے کی روادار نہ تھیں۔

"بدر آپی! آپ کی نند گاڑی لے کر آچکی ہیں، آپ کو مہندی لگوانے نہیں جانا؟" مہر ناراضی بھرے انداز میں پوچھ رہی تھی، اس نے فٹافٹ چادر اٹھائی، موبائل پکڑا اور کھڑی ہوگئی۔

"چلیں آپی!" وہ بولی تو نرگس بھی کھڑی ہوگئی۔

"ارے رکو بدر۔" پھوپھو کی آواز پر پلٹی۔

"آیت الکرسی پڑھ دوں، کہیں نظر ہی نہ لگ جائے تیری ماں کو تو پروا ہی نہیں۔" وہ اس کے چودھویں کے چاند جیسے چہرے سے نظر ہٹا کر بولیں، مبادا نظر لگ ہی نہ جائے۔

وہ اسم با مسمیٰ تھی، میدے جیسی رنگت پر سبز مائل آنکھیں، سنگ مرمر سا تراشا ہوا سراپا، وہ پاکیزگی کے لبادے میں لپٹی اجنتا کی مورت تھی۔ نرگس نے کہا تھا وقاص کی بس ایک ہی ڈیمانڈ ہے، لڑکی حسین ہو، امیری، غریبی کی کوئی حیثیت نہیں، پیسا تو میرے اپنے پاس بہت ہے، جب کہ بدر تو سچ مچ بدر تھی۔ سارا محلہ اس کی قسمت پر رشک کر رہا تھا، ہزاروں حسین چہرے مٹی میں مل جاتے ہیں، پر کسی کو قدردان تھوڑی ملتا ہے۔ سفید پوشوں اور غریبوں کی بیٹیوں کو بنا جہیز کے اپنانے والے مل جائیں تو یہ ہی بڑی بات ہوا کرتی ہے۔ قدردانی تو گئی بھاڑ میں یہاں بدر کو تو سب کچھ ایک ساتھ ایک وقت میں مل رہا تھا، وہ سب کے لیے قابل رشک تھی، قابل حسد تھی، اس کے گھر کا رتبہ اچانک ہی اپنوں میں بہت اونچا ہوگیا تھا۔ وہ مغرور ہو رہی تھی۔ غرور بھلا انسان پر کہاں سجتا ہے۔ اسے معلوم ہی نہ تھا۔

☆☆☆

وہ اپسرا تھی، زمین پر غلطی سے آگئی تھی، کمرے میں آرائش کے لیے لگائے گئے سارے گلاب اس کے حسن کے آگے ماند تھے۔ بلاشبہ وہ دنیا کی حسین ترین دلہن رہی ہوگی۔ وقاص نے واسکٹ صوفے پر اچھالی، گلے سے پھولوں کی مالا اتار کر میز پر رکھی اور سامنے آبیٹھا۔

"بدر تم تصویر سے بہت بڑھ کر حسین ہو واللہ بیان سے باہر۔" وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "مجھے تو لفظ بھول گئے۔" وہ ہنسا تھا۔ "اچھا، مجھے نہیں دیکھو گی۔" ٹھوڑی پکڑ کر اس کے صبیح چہرے کو اوپر اٹھایا گیا۔ گندمی رنگت پر اچھا قد کاٹھ اسے جاذب نظر بناتا تھا۔ بدر نے نظریں جھکالیں، تو وہ مزید قریب ہوا۔

"ہم میاں، بیوی ہیں، یہ کوئی ایک دن کا ساتھ تو نہیں۔" وہ ہولے ہولے اس کی صراحی دار گردن کے گرد لپٹے ہار پر انگلیاں چلا رہا تھا۔ "میں چاہتا ہوں ہم اپنی نئی زندگی کا آغاز اپنے گھر میں کریں، دبئی جاکر، تمہیں اعتراض تو نہیں۔"

"ہرگز نہیں، وقاص آپ نے اعتراض کا سوچا بھی کیوں؟" وہ مسکرادیا۔

"چلو پھر ایزی ہوجاؤ۔"

☆☆☆

اندر سے کسی ایئر پورٹ کو دیکھنے کا اس کا پہلا تجربہ تھا۔ وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھی، وقاص اس کا ہاتھ پکڑے بورڈنگ کی ساری کارروائی مکمل کراتا رہا، وزٹ ویزا کی وجہ سے اس سے خاصے سوالات کیے جاتے رہے۔ بالآخر بورڈنگ کارڈ ہاتھ میں پکڑے وہ لاؤنج میں آبیٹھے تھے۔ دبئی ایئرلائن والے اناؤنس کر رہے تھے، وہ لوگ گیلری سے ہوتے ہوئے جہاز میں آبیٹھے، بدر کے لیے قریب سے جہاز دیکھنا بھی بڑی بات تھی، اب تو وہ خود بیٹھی تھی۔ چنانچہ تصاویر بنانے کا سلسلہ بھی جاری و ساری تھا۔ جہاز ٹیک آف کر رہا تھا۔ اس نے ناک شیشے پر لگادی۔ لاہور اتنا بڑا ہے۔ لایعنی سوچ ابھری۔ سب لوگ کتنا خوش تھے، حج وعمرے کے علاوہ پہلی دفعہ سارا خاندان کسی کو

چھوڑنے ایرپورٹ آیا تھا۔ اس خوشی میں کسی کو بھی اس کے پردیس جانے کا رنج نہ تھا۔ حتیٰ کہ خود بدر کو بھی نہیں۔ اوٹ پٹانگ سوچیں سوچتی وہ دبئی انٹرنیشنل ایرپورٹ پر اتری تھی، وہ جو شہر روزگار بھی تھا، شہر فتنہ گر بھی۔ بیگ ہاتھ میں پکڑے چکنے فرش پر اس نے ہائی ہیل آگے بڑھائی تو سلپ ہو کر کسی کے قدموں میں گری تھی۔ سفید اسپورٹس شوز پر اس کے مہندی و کیوٹکس سے سجے ہاتھ پڑے تھے۔ وہ مارے خفت کے بے حال تھی، جب دو مضبوط مردانہ ہاتھوں نے اسے کندھے سے پکڑ کر کھڑا کرنا چاہا۔ بدر سے اٹھا ہی نہ گیا۔ ٹخنے میں ٹیس اٹھ رہی تھی۔

''آر یو اوکے؟'' وہ تھوڑا پیچھے ہو کر بولا تو بدر نے نظریں اٹھا کر جواب دینا چاہا تھا، مگر سٹپٹا کر پھر آنکھیں فرش پر گاڑ دیں، سامنے والا شارٹس پہنے ہوئے تھا، جب ہی وقاص نے پہنچ کر مشکل آسان کی تھی۔ عربی میں کچھ باتیں بگھار کر وہ اسے اٹھا رہا تھا۔

''سنبھل کر چلو یار، کیا ہو گیا تھا؟''

''آپ کو دیکھنے لگی تو پاؤں مڑ گیا۔'' وہ شرمندگی مٹانے کو بولی۔ ایسی ہیل پہن کر چکنے فرش پر چلنے کا پہلا موقع تھا۔ بارہ، چودہ لوگ ان کے آگے آگے شارٹس پہن کر چل رہے تھے۔ اسپورٹس کی کوئی ٹیم تھی، اتنے سارے مردوں کو پہلی مرتبہ اپنی نظروں میں آدھے ادھورے لباس میں دیکھ کر بدر کو نہایت شرم محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے بس ہاکی ٹیم کو ٹی وی میں ایسے لباس میں دیکھ رکھا تھا، اتنے نزدیک سے دیکھنے پر اسے بہت خفت ہو رہی تھی، اس نے مزید آنکھیں جھکا لیں اور احتیاط سے چلتی ایرپورٹ سے باہر نکل آئی تھی اور گھر پہنچ کر گھر کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہو گئی۔ اتنا بڑا گھر اسے محل ہی لگا تھا، پھر بیرونی شان دار گیٹ کے پاس بنا کوارٹر جو شاید گیٹ کیپر کے لیے ہو گا، لیکن اس میں رہتا وقاص تھا۔

''کیسا لگا میڈم بدر جہاں؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''یہ ہمارا گھر ہے نہ؟'' وہ ابھی تک حیران تھی۔

''جی میڈم! بالکل ہمارا ہے، تسلی رکھو۔''

''واقعی ایسا شان دار قیمتی فرنیچر اماں، ابا ساری زندگی کماتے رہیں، تب بھی نہ لے سکیں گے وہ بیڈ، پردے، صوفے، کارپٹ تک ہاتھ پھیر پھیر کر چیک کر رہی تھی۔ میں نے تو خوابوں میں بھی ایسی چیزیں، ایسا بیڈ روم نہیں سوچا تھا۔'' وہ بے اختیار وقاص کے ہاتھ تھام گئی تھی اور ہمیشہ کی طرح اس نے نرمی سے چھڑا لیے تھے۔

''بہت دیر ہو گئی، اب سوتے ہیں۔'' وہ اپنا کمبل اٹھاتا صوفے کی طرف بڑھ گیا۔ بدر ہمیشہ کی طرح ایک ایک چیز کی تصویر بنا کر مہرو کو واٹس ایپ کرنے لگی تھی۔ اماں نے پھر محلے اور رشتہ داروں کو بھی تو دکھانی تھیں۔ بدر ابھی جاگ رہی تھی۔ اس کے منہ دھو کر آنے سے پہلے ہی وقاص کے خراٹے گونجنے لگے تھے۔ اس نے بھی کندھے اچکائے۔ کمبل اوڑھا اور سونے لیٹ گئی۔ وہ رات کا آخری پہر تھا جب سردی زیادہ ہو گئی تھی، اے سی کی کولنگ کم کروانے کے لیے اس نے صوفے کی طرف دیکھا تھا، لیکن وقاص وہاں نہ تھا۔ واش روم کا ڈور بھی لاک نہیں تھا۔ وہ بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ باہر جانا چاہیے یا نہیں، یہ ہی سوچتے ہوئے اس نے بھاری پردے کو ذرا سا اٹھایا تھا۔ سامنے شیشے جیسی صاف شفاف روڈ تھی، جس پر ابھی بھی گاڑیاں آتی جاتی دکھ رہی تھیں، وہ گھر کی سائڈ والی ونڈو کی طرف آئی، پردہ ذرا سا اٹھایا، گوہر مقصود سامنے تھا۔ بدر نے ٹھنڈی سانس لی۔ وہ گھر کے اندرونی دروازے کے ساتھ بنی سیڑھیوں پر بیٹھا فون کر رہا تھا۔ بدر نے اس کا کمبل اٹھایا، اپنے والے کے ساتھ جوڑا اور لیٹ گئی۔

☆☆☆

وہ بڑے خواب خواب دن تھے۔ اس نے دنیا جہان کے اعلا ترین ہوٹل، مالز چھان مارے تھے، وہ سارا دن سوتے، سر شام آوارہ گردی کے لیے نکل کھڑے ہوتے، پھر رات گئے لوٹتے گرتے اور سو

جاتے۔

''آپ نے کام پر نہیں جانا۔'' وہ کافی کے سپ لیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کیسی بیوی ہو، شوہر کو کام پر بھیج رہی ہو۔'' وہ مطمئن سا تھا۔ ''بدر جی میرا شیخ کویت گیا ہوا ہے، تب تک آرام ہی آرام ہے۔ گھومتے پھرتے ہیں اور مزید پیسے بنانے کا سوچتے ہیں۔ کیا خیال ہے۔''

وہ پاس ہو کر بولا تو بدر نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ خوش تھی، بہت خوش، پہلے پہل وقاص کے رویے سے کچھ بے چینی ہوئی تھی، اب تو وہ بھی ختم تھی۔ اس نے خود سے فرض کرلیا تھا کہ وقاص کچھ ٹھیک نہیں ہے، رات کو اکثر اس نے اسے میڈیسن لیتے دیکھا تھا، وہ بدر سے چھپا کر لیتا تھا۔ بدر نے بھی کرید کر شرمندہ کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اسے یاد تھا وقاص نے کہا تھا یہ زندگی بھر کا ساتھ ہے، تو وہ کیسے اپنے ساتھی کو شرمندہ کرتی۔ وہ کلی طور پر میاں، بیوی نہ بنے تھے، تو کیا ہوا، وہ اچھے دوست بن چکے تھے۔ بدر کے لیے یہ سب اتنا خوش گوار اور سوچوں سے بڑھ کر تھا کہ وہ کسی سوچ میں نہ پڑنا چاہتی تھی۔ وہ بھلے صوفے پر سوتا یا کمرے سے باہر، اسے پروا نہیں تھی، وہ اپنی نسوانیت کی توہین نہ چاہتی تھی۔ اماں اور سارا گھر خوش تھا، تو وہ بھی دبئی کے نشے میں گم ہو گئی۔ سب آفرین تھا، قابل دید اور نا قابل تردید۔

☆☆☆

وہ لولو میں فوارے کے پاس کھڑی تھی۔ خوب صورت ست رنگا پانی اس کے چہرے پر خوب صورت رنگ بکھیر رہا تھا۔

''اماں ٹھہرو، میں زوم کر کے دکھاتی ہوں۔'' مہرو نے اماں کے ہاتھ سے فون لیا تھا کہ سجاد آن وارد ہوا۔

''دیکھ لو اماں! بدر اپنی عیاشیوں میں مگن ہے، مہینہ ہو گیا ویزے کا کوئی اتا پتا نہیں دیا۔ اس نے وقاص کو یاد بھی نہیں کروایا ہوگا، مجھے پتا تھا ایسا ہی کرے گی وہ، اسے اب کہاں خیال آنا ہے کسی چھوٹے بڑے کا۔'' وہ جلا بیٹھا تھا، اس کی رنگ برنگی تصویروں سے۔

''اے ہے، سجاد بہن کے بارے کبھی تو اچھا گمان رکھ لیا کر، جوائی بھائی سے اتنی جلدی منہ پھاڑ کر کچھ نہیں کہا جاتا، وہ موقع محل دیکھ کر ساری باتیں کرے گی، یاد رکھ لو تم...... ہمارے تو نصیب کھل گئے۔'' وہ پھر سے ممنونم تشکرم کی تصویر ہونے لگیں، تو سجاد باہر نکل گیا، مہر جاں نئے سرے سے تصویروں میں گم ہونے لگی۔ وہ سب روزانہ تصویر کا ایک ہی رخ دیکھتے تھے اور زاویے ہزار نکالتے تھے۔ چاہیے تو یہ ہوتا ہے رخ دونوں دیکھے جائیں، زاویے چاہے کم نکالے جائیں۔

☆☆☆

وہ اپنی تیاری سے مطمئن نہ ہو پا رہی تھی، وقاص نے کہا تھا۔ ''میرے دوست آرہے ہیں، وہ پہلی بار تم سے ملیں گے، تمہیں بہت خوب صورت نظر آنا ہے، اتنا کہ وہ حیران و ششدر رہ جائیں۔''

بدر جہاں نے شان دار ڈریسنگ کے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو تنقیدی آنکھوں سے دیکھ کر لپ اسٹک کا شیڈ کم کر دیا، اب وہ ریڈی تھی ویلکم کے لیے۔ ناک ہونے پر اس نے دروازہ کھولا تھا، ایک بار تو سمجھ ہی نہ آئی کہ کیا کرے، وقاص کے ساتھ ایک ہی آدمی کھڑا تھا اور وہ بھی عربی جب کہ اس نے کہا تھا میرے دوست آئیں گے۔

''السلام علیکم۔'' مخصوص عربی لہجے میں سلام سن کر بدر جہاں نے حواسوں میں آتے ہوئے سلام کا جواب دیا تھا، ورنہ تو وہ اپنی تیاری کے اکارت جانے کے غم میں مبتلا تھی۔

''بدر یہ شیخ نجم طبوق ہیں۔'' وقاص تعارف کروا رہا تھا۔

''وہ جو آپ کے دوست آرہے تھے وہ؟'' اس نے بھنویں اچکائیں۔ وہ بے فکر تھی کہ عربی کو اردو نہیں آتی، اس لیے وقاص سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر اس نے ٹوک دیا۔

”یہ ہی دوست ہے۔اس پر توجہ دو۔“ جوں ہی وہ شیخ کی طرف متوجہ ہوئی، اس نے اس کا سر سے پاؤں تک جائزہ تمام کر دیا اور بے ساختہ بول اٹھا۔

”واللہ انت بدر۔“ (تم واقعی چودھویں کا چاند ہو) اس کی نظروں میں کچھ ایسا تھا کہ بدر کو سردسی پھریری آ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ خاطر تواضع کا بہانا بنا کر اٹھتی، وقاص عربی میں کچھ بولتا ہوا اٹھ گیا۔ شیخ نے سر ہلا کر تائید کی تھی، ساری گفتگو بدر کے سر کے اوپر سے گزری تھی۔

”شیخ کو کمپنی دو، اسے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔“ وہ کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔ دروازہ خود کار تھا۔ سو بند ہو گیا۔ اسے وقاص کے اتنے آزاد خیال ہونے پر غصہ آ رہا تھا۔ شیخ اسے اب انگلش میں مخاطب کر رہا تھا۔ وہ ہوں ہاں کر کے اپنا بچاؤ سوچ رہی تھی، وہ ذہین و باصلاحیت لڑکی تھی۔ صورت حال کا تجزیہ کرنا چاہتی تھی، لیکن والدین نے پیسے کی چمک دمک دیکھ کر غلط فیصلہ کر لیا تھا اور غلطی کے نتیجے میں وہ اب ایسی مخدوش صورت حال سے دوچار ہوئی تھی۔ اس نے چاہا کہ ڈور کھول کر باہر نکل جائے، مگر شیخ نے دروازے تک پہنچنے نہ دیا، وہ اب باتوں کو چھوڑ کر براہ راست دست درازی پر اتر آیا تھا۔ بدر نے آؤ دیکھا، نہ تاؤ، کرارا سا تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا۔ وہ اب دوسرا مارنا چاہتی تھی، شیخ بھی بروقت آگاہ ہوا تھا۔ وہ بھی بپھری ہوئی تھی۔ شیخ کے بچاؤ کے باوجود اس کا لمبا ناخن اس کے ہونٹ پر کٹ لگاتا ہوا ناک میں گھسا تھا۔ شیخ نے بلبلا کر اسے دھکا دیا تو وہ دیوار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی، پھر اس نے پاس پڑا گلدان اٹھا لیا تھا۔

”ڈونٹ ٹرائی ٹو ٹچ می“ (مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش مت کرنا) وہ بری طرح ہانپتے ہوئے بولی۔
”میں اپنے شوہر کو سب بتاؤں گی۔“

”اس نے بیس ہزار عمانی ریال کے عوض تمہیں میرے ہاتھ بیچا ہے۔ وہ اول درجے کا حرامی ہے۔ اس سے میں نپٹ لوں گا۔ دھوکا اور وہ بھی شیخ تجم طبوق کے ساتھ......“ اس نے ٹھنڈا سانس لے کر فقرہ چھوڑ دیا۔ ”وہ تمہارا بھی مجرم ہے اور میرا بھی۔ مجھ سے اس نے کہا تھا تمہیں سب پہلے سے بتا دیا گیا ہے۔ اسے اس کے کیے کی سزا مل کر رہے گی اور تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ میرے ساتھ تعاون کرو، تم مجھے بہت پسند آئی ہو۔ زور، زبردستی مجھے پسند نہیں۔“ پھٹے ہوئے ہونٹ کے ساتھ وہ مسکرایا تو بدر کو بڑا بھیانک لگا، وہ وقاص کی حقیقت کے شاک سے نکل آئی، پھر اس نے ہاتھ میں پکڑا گلدان گھما کر دے مارا تھا۔

”کوآپریشن......؟ مائی فٹ۔“ گلدان کی نوک نے اپنا کام کر دیا، شیخ کے ماتھے کے فوارے نے اس کے سفید بے داغ عربی دشتے میں رنگ بھرنا شروع کیا تو وہ بدحواس ہوا تھا، جوں ہی وہ کوارٹر سے باہر نکلا تھا بدر نے بجلی کی تیزی سے فون ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ کانپتے بدن کے ساتھ معطل حواس لیے وہ سارے کمرے میں فون کی تلاش میں چکرا رہی تھی۔ بالآخر گوہر مقصود صوفے کے نیچے سے ملا تھا۔ وہ ایمو پر مسلسل کال کرتی رہی، مگر بیل نہیں جا رہی تھی، شاید پاکستان والوں نے ڈیٹا آف کیا ہوا تھا۔ خیال آنے پر اس نے واٹس اپ اوپن کر لیا۔ اب وہ واٹس اپ میسج سینڈ کر رہی تھی۔

”امی یہ وقاص بہت دو نمبر ہے، اس نے مجھے......“ وقاص نے فون چھین کر اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔

”مجھے برباد کر دیا، میرے پلان کی بینڈ بجا دی، تجھے تو میں چھوڑوں گا نہیں۔“ وہ اب بے رحمی سے پیٹ رہا تھا۔

اتنی مار کھانے کے بعد بدر کو اندازہ ہو گیا تھا، اب خوشامد سے کام لینا ہے، وہ منت سماجت و خوشامد کر رہی تھی۔

”وکی تمہیں پیسا چاہیے نہ، ہم مل کر کمائیں گے جو کہو گے میں کروں گی، سوائے اس گناہ کے۔“

”ہونہہ...... کمائیں گے۔“ وہ زہر زہر تھا۔

''جانا تو تمہیں شیخ طبوق کے پاس ہی ہے، ورنہ وہ میری اور تیری بھی بوٹیاں کر کے سمندر میں ڈال دے گا۔'' بدر کا ضبط پھر جواب دے گیا۔

''کتے، بے غیرت، میں بیوی ہوں تمہاری۔''

''طلاق......طلاق......طلاق......اب تو نہیں ہو نہ بیوی۔''

''تو پھر مجھے پاکستان جانے دو۔''

''میرے پاس پھوٹی کوڑی نہیں، ٹکٹ کہاں سے لاؤں۔ خود کماؤ پیسے اور پیچھے بیٹھے اپنے ریوڑ کو بھی بھیجو۔ بھائی کا ویزا بھی بھیجو، شیخ ایک گھنٹہ میں ویزا تیرے ہاتھ میں دے دے گا۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر، تمہارے شیخ پر اور ویزے پر، ہٹو پرے، میں خود جا سکتی ہوں پاکستان۔'' وہ اپنے زخم زخم وجود کو گھسیٹ کر بولی، جواباً وقاص نے اسے صوفے پر واپس دھکیل دیا۔

''شوق سے جاؤ، لیکن پہلے یہ دیکھ لو۔'' اس نے اسمارٹ فون اس کی جانب کر دیا۔

''اف میرے خدا!'' بدر نے آنکھیں بند کر لیں، اسے لگا تھا اب وہ مردے کے بدن کی طرح اکڑ گئی ہے، کبھی نہ اٹھنے کے لیے۔ وہ مہر جہاں تھی، دسویں کی طالبہ اور لڑکا یقیناً وقاص کے گینگ کا تھا۔ ظالموں نے ویڈیو اور تصویریں ایسی بنا ڈالی تھیں کہ کوئی شناخت نہ کر سکتا، فیک اللہ رئیل کی، ویسے بھی وہ جس طبقہ سے تعلق رکھتی تھی وہاں بات ہی سب کچھ ہوا کرتی ہے، لوگ بات کی تہ میں نہیں جایا کرتے۔ ''محترمہ اب ذرا خود کو بھی دیکھ لیں۔'' وہ جھکا دے کر اس کی آنکھیں کھلوا رہا تھا۔ بدر کا ضبط بس یہیں تک تھا، اس نے اس بھیانک آدمی کے بظاہر صاف چہرے پر ناخن گاڑ دیے۔ وقاص نے پھر اسے تھپڑوں، مکوں پر رکھ لیا تھا۔

''تم خوشی سے کرو یا مار کھا کر، کرنا تو تمہیں یہ ہی کام ہے۔ ابھی شیخ طبوق پھر کوئی اور شیخ اور پھر کوئی دوسرا، اپنے لیے بھی پیسے کماؤ میرا قرضہ بھی اتارو جو تم پر خرچ کیا، الو کا پٹھا سمجھ لیا تھا؟ وقاص یہ گفٹ بھائی کے لیے، یہ آپی کے لیے، وہ مہر کے لیے، وہ فلاں کے لیے۔'' وہ اپنے مکروہ چہرے کو مزید بگاڑ کر اس کی نقلیں اتار رہا تھا۔ گھونسلہ نما بالوں اور ورم زدہ جسم لیے وہ دیوار سے ٹکی اپنا آئندہ کا لائحہ عمل سوچنے لگی۔

☆☆☆

ہمیشہ کی طرح آج کا میچ بھی سالم حداد کے نام رہا تھا۔ وہ جب بھی دبئی میں کھیلتے تھے میچ کا وننگ گول ہمیشہ شیخ سالم حداد کے حصے میں آتا تھا، اس دفعہ تو عرب لیگ کے بیسٹ پلیئر کی ٹرافی جیتنے کی اس کی ہیٹ ٹرک بھی پوری ہوئی تھی۔ مقابلہ بہت سخت تھا، قطر کو ہرانا، پھر فائنل بھی جیتنا، پر جانے کیوں پھر بھی سالم اتنا خوش نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب خموشی کے حصار میں تھا وہ، کراؤن پلازہ کا شاندار ڈنر بھی اسے لطف نہ دے رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے تمہیں کسی سے محبت ہو گئی ہے سالم!'' معتصم نے نیپکن سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے بالآخر اعلان کر دیا تھا۔ سالم، معتصم اور حسین بچپن کے سنگی تھے۔ تینوں کا جنون بھی ایک ہی تھا۔ ''فٹ بال'' تینوں ٹیم عمان میں سلیکٹ بھی اکٹھے ہوئے تھے، لیکن بعد میں سالم کو ٹیم کا کیپٹن بننے میں فقط دو ماہ ہی لگے تھے۔ باوجود اس کے کیپٹن بننے کے، ان میں پہلے جیسی ہی دوستی تھی۔ معتصم اور حسین آگے پیچھے چار سال پہلے شادی کروا چکے تھے، جب کہ سالم کو ابھی تک شادی کے لیے کوئی لڑکی پسند نہ آئی تھی، نہ اپنے قبیلے کی، نہ غیر قبیلے میں سے......

''آنا...... (مجھے) اس نے بے یقینی سے استفسار کیا تھا۔

''آیوا!'' (ہاں) جواباً معتصم نے بنا شرمندہ ہوئے ہاں کہا۔

''دلیش ھذا نمونہ؟'' (یہ کیا طریقہ ہے۔) سالم کو یقیناً برا لگا تھا، مگر معتصم اپنی بات پر قائم رہا۔ ''میں طفار (کالج) جاتا ہوں، نا جو محبت ہو گئی ہے۔''

''طفار جاؤ یا نہ جاؤ، مگر کچھ گڑبڑ تو ہے۔'' اب کہ حسین بھی پیچھے نہ رہا تھا۔ سالم کے تصور میں دو

سفید کبوتروں جیسے مہندی سے رنگے ہاتھ چلے آئے، سہمی ہوئی سبز آنکھوں کا حصار اس کے گرد اور تنگ ہوا تھا۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔

"سنو یارو، جس دن ہم دبئی آرہے تھے، اس دن ایک لڑکی میرے پیروں کے پاس نیچے گر گئی تھی یاد ہے؟"

"تیرے قدموں میں تو روز ہزار گرتی ہیں اور ہزار گرنے کو تیار رہتی ہیں۔"

"ہاں...... ہاں...... مجھے یاد ہے۔" حسین نے حوصلہ بڑھایا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں اسے جانتا ہوں صدیوں سے۔"

"عالم ارواح کی شناسائی ہوگی۔" معتصم سے پھر نہ رہا گیا۔

"کسی میچ میں دیکھا ہوگا۔"

"نہیں، اس دنیا میں کہیں نہیں دیکھا اور کس دنیا میں دیکھا ہے، یہ بتا نہیں سکتا۔" اس نے بے بسی سے اپنے گردن تک لمبے ریشمی گھنیرے بالوں میں انگلیاں پھنسالیں۔ وہ دونوں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے اب نکلتے ہیں ایرپورٹ کی طرف۔" معتصم نے ایپل فون پر وقت دیکھا۔

"سالم چینج کرلو، یار لیٹ ہو رہے ہیں، جانا نہیں ہے کیا؟"

"نہیں......" وہ کمال اطمینان سے بولا تھا۔

"تو کیا اس ہندی لڑکی کو ڈھونڈنا ہے۔" حسین بلا کا سنجیدہ تھا۔ معتصم نے بولنے کی ساری ذمہ داری حسین پر ڈالی ہوئی تھی۔

"ہندی نہیں پاکستانی"

(عرب "پ" کو "ب" سے ہی Replac کرتے ہیں، اسی طرح "ٹ" کی جگہ "ت" استعمال کرتے ہیں انگلش میں "ٹا" ساؤنڈ کو "تا" ہی بلاتے ہیں۔)

"ایک ہی بات ہے۔" حسین کا انداز سابقہ ہی تھا۔

"ایک بات نہیں ہے تم اچھے سے جانتے ہو۔"

وہ اب اٹھ کر بیڈ سے پیر لٹکا کر ان کی طرف پورا متوجہ ہو کے بیٹھا تھا۔ معتصم نے بے اختیار صوفے پر پہلو بدلا تھا۔ وہ بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے تھے، جب جب سالم حداد کسی کو قائل کرنے کے لیے آمنے سامنے پورا متوجہ ہو کر بیٹھا تھا تو جیت کر ہی اٹھا تھا۔ سو اب بھی وہ اس کے بنا بولے ہی قائل ہو گیا۔

"گلی گلی گھوم کر ڈھونڈو گے کیا؟" حسین طنزیہ تھا۔

"یہ ہی کر گزروں گا۔" وہ ثابت قدم تھا۔

"اگر وہ شادی شدہ ہوئی تو......" حسین جیسے ضبط کی انتہا پر تھا۔ معتصم بھی گم صم ہو گیا۔

"رب مجھے معاف کرے، میرے نفس کو قرار دے۔" سالم حداد کا رنگ پھیکا پڑا تھا۔ "لیکن ایک بار تو مجھے اسے ڈھونڈنا ہے۔" خاموشی ان تینوں کے درمیان رقص کرتی رہی۔

☆☆☆

مہر جہاں مسلسل دو گھنٹے سے بدر جہاں اور وقاص کا سیل نمبر ملا رہی تھی، لیکن رزلٹ وہی تھا جو تین ہفتے سے چل رہا تھا، مطلب موبائل بند۔

"اے مہرو! ملا نمبر؟"

"نہیں اماں، دونوں کے فون بند ہیں۔"

"دیکھا اماں! میں نہ کہتا تھا، بدر نے یہ ہی کچھ کرنا ہے۔ اب دیکھ لو آگے پکا ویزا بھی لگ گیا، نمبر بھی بدل لیا۔ اب اس نے ہم غریبوں سے کیا لینا۔ جان چھڑا گئی۔" سجاد کی اول روز سے قائم بدگمانیاں ہر دن گہری ہوتی جا رہی تھیں۔

"قسمت سے اس کی اس کھڈے سے جان چھوٹی ہے، اب اس نے کیا لینا ادھر سے، ویسے مجھے تو پہلے ہی پتا تھا۔ وہ ایسے ہی کرے گی بے شرم کو بندہ کیا ملا ماں کو بھی بھول گئی تو بھائی کس کھاتے میں شمار ہوگا، توبہ توبہ لوگ اوقات ہی بھول جاتے ہیں امیر گھرانے میں جا کر۔" سجاد کی بیوی کا چپ رہنا معجزہ شمار ہوتا تھا

اور اس چھوٹے سے گھر میں یہ معجزہ کبھی وقوع پذیر نہ ہوا تھا۔

"دہائی خدا کی! کم بختوں اپنی اپنی پڑی ہے۔ میں ادھ موئی ہوئی جارہی ہوں، ہائے ربا میری پھول سی بدر کہیں مر مرا تو نہیں گئی، سنا ہے باہر کے ممالک کے ایکسیڈنٹ بہت برے ہوتے ہیں۔ بندہ بچتا نہیں۔" وہ پھپھک پھپھک رونے لگیں تو سجاد اور اس کی بیوی نے بیک وقت اشارہ کیا تھا کہ بڑھیا ڈراما کررہی ہے۔

"سجاد مجھے نرگس کی طرف لے چلو، اس کا بھائی ہے، رابطہ تو ہوگا اس کا۔"

"اماں بحریہ میں موٹر سائیکل نہیں جانے دیتے۔"

"تو ٹیکسی کروالو، بس لے چلو۔"

"ٹیکسی کروالو...... ہونہہ! میرے پاس کون سا دبئی کی کمائی ہے۔" سجاد کی بات آج کل دبئی تک محدود تھی۔ طوعاً کرہاً اماں نے پیسے دیے تھے۔

☆☆☆

تاحد نگاہ ریت کا سمندر، ریت کے پہاڑ اور ریت ہی کی سرزمین تھی، کسی ذی نفس کا کہیں گمان بھی نہ تھا، درخت تو درخت خار دار جھاڑی تک نہ تھی۔ بدر کو انگلش میں پڑھا ہوا۔ "The Sahara Desrnt" یاد آگیا اس نے عرب کے صحراؤں کا پڑھ رکھا تھا۔ اب آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ ہر طرف تپتی ہوئی کھلم کھلی ریت تھی، بھاگنے چھپنے کی جگہ نہ تھی، ہوتی بھی تو وہ اب اپنے فیصلے میں قید ہوچکی تھی۔ اس نے پاکستان میں موجود مہر جاں اور اپنے گھر والوں کو اس عذاب سے بچانے کے لیے خود کو قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ بالآخر لوڈر کا ویل تبدیل کرنے کے بعد وقاص نے ان چاروں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ پھر سے لوڈر کے نیچے خفیہ کیبن میں گھس گئیں۔ بیٹھنے کی جگہ نہ تھی، سو وہ لیٹ کر ہی تین دن سے سفر کررہی تھیں۔ حسب سابق بنگلہ دیشی لڑکی جگہ کی تنگی کے باعث جب بدر سے پیوست ہوئی تو بدر کو پھر سے متلی ہونے لگی۔ اس کو جب سے ان لڑکیوں کے پیشے کا معلوم ہوا تھا، تو کیبن میں چلتے طاقت ور اے سی کے باوجود لاوے ابلتے جہنم کی حرارت محسوس ہورہی تھی۔ گلے سڑے گوشت کی گندی بو اسے بے اختیار متلانے پر مجبور کردیتی، بدر کے نزدیک وہ گندا پیشہ رکھنے والی لڑکیاں گلی سڑی بدبو سے لبریز ہی تھیں، ایک بنگلہ دیشی تھی جو ہندی نما اردو جانتی تھی۔ جب کہ دوسری انڈین، تیسری سری لنکن تھی اور ان دونوں کو اپنی مادری زبان کے علاوہ صرف عربی ہی آتی تھی۔

"اور کتنا سفر رہتا ہے؟"

"مجھے لگتا ہے ہم یمن انٹری مارنے والا ہے۔ بارڈر ایریا لگ رہا ہے میرے کو۔"

"پھر اس کے بعد......"

"پھر شیخ کو پتا ہوگا کہ کیا کرے گا۔" وہ مسکرائی تو اس کے سانولے گال پر پڑنے والے گڑھے نے اسے نہایت دلکش دکھایا، لیکن بدر کو وہ ڈریکولا لگی، اندر سے سراند کی ماری۔

"دعا کرو، کوئی گڑبڑی نہ ہو۔" وہ ہندی نما اردو بولی، بدر کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا دعا کرے، نہ پکڑے جانے پر، گناہ و گندگی تھی۔ پکڑے جانے پر مہر جہاں، پاکستان، دبئی، انٹرپول اور ملکی و غیر ملکی میڈیا میں بدنامی تھی۔ رسوائی تھی، جگ ہنسائی تھی۔ وقاص نے صاف لفظوں میں بتایا تھا، "اگر خودکشی کرنی ہے، تب بھی سوچ کر کرنا تیرے بعد نامعلوم لوگ تیری اور تیری بہن کی سی ڈیز بمعہ اشتہارات سارے لاہور میں مفت بانٹ دیں گے، پھر خودکشی کی وجہ سب کو خود ہی معلوم ہوجائے گی اور شاید مسماۃ مہر جہاں عرف مہرو بھی تیرے پاس آنے میں زیادہ دیر نہ لگائے۔" وہ خباثت سے ہنستا، اسے بہت برا لگا تھا۔

☆☆☆

نرگس چلا چلا کر گند بک رہی تھی، جب کہ اماں اور سجاد حیران بیٹھے سمجھنے کی کوشش کررہے تھے۔

"اے بٹیا...... میرا دل ہول رہا ہے، مجھے

ڈھنگ سے کوئی بات بتا ہذیان کیوں بول رہی ہو۔ میری بدر کیسی ہے، وقاص کیسا ہے، بچوں کے فون بند ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا۔ پہلے تو دن میں چار، چار مرتبہ فون آتے تھے۔''

''آپ کو تو اب بھی فون آتے ہوں گے، بلکہ پیسے بھی آتے ہوں گے۔''

''کیا مطلب، تیرا بٹیا؟'' ساری مکالمہ بازی اماں کر رہی تھیں، سجاد رعب امارات سے چپ بیٹھا تھا۔

''بڑھیا ڈرامے نہ کر، سب تم لوگوں کے کہنے پر ہوا اپنی غربت ختم کرنے کے لیے تم نے بلکہ اس بے غیرت بھائی نے کہا ہوگا، بس ریال چاہیے، جاتے ہی کسی امیر شیخ کو پھنسا لینا اور مبارک ہو تمہاری بدکرتوت بیٹی نے ایسا ہی کیا ہماری عزت دو کوڑی کی کردی، ہمیں ہماری سوسائٹی میں بدنام کر دیا، وہ شیخ کے ساتھ کویت بھاگ گئی ہے، وقاص کے اپنے شیخ کے ساتھ، شیخ طبوق نے وقاص سے طلاق بھی لے لی اس کی۔'' اینڈ تک آتے آتے نرگس پھر بلند آواز سے واویلا کرنے لگی، بلند آواز سے آہ و بکا سے وہ اماں اور سجاد پر نفسیاتی دباؤ ڈالنا چاہ رہی تھی، اس بے خبر عورت کو معلوم نہ تھا۔ غریبوں کے پاس عزت کے علاوہ کوئی قیمتی چیز نہیں ہوتی، بنا نفسیاتی حربوں کے بھی وہ ڈائریکٹ مطلوبہ نتائج حاصل کر چکی تھی، پھر بھی وہ حجت تمام کر رہی تھی۔ اماں اور سجاد پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب سن رہے تھے۔

''کیا بکواس کر رہی ہو، میری بہن ایسی نہیں؟'' سجاد کو ہوش آ گیا تھا۔

''لو سنو میرے بھائی کے واٹس اپ وہ مجھ سے کیوں جھوٹ بولے گا، شیدائیوں جیسا حال ہو گیا اس کا۔'' وہ بڑی مہارت سے پتے پھینک رہی تھی۔ پھینٹ کر تو وہ پہلے سے رکھے ہوئے تھے، یہ خاندان تو پہلے تین سے بھی زیادہ بے وقوف ثابت ہو رہا تھا۔ پہلے تین کیس میں لڑکی کے گھر والوں کو کافی سمجھانا پڑا تھا۔ ثبوت بھی دینا پڑے تھے، جب کہ یہ لوگ ابھی سے لگ رہا تھا کہ مان گئے اور یقین کر بیٹھے ہیں کہ لڑکی بھاگ گئی۔

''آپی! جب بھی مجھے موقع ملا، میں بدر کو قتل کر دوں گا، پھر چاہے یہ لوگ میری گردن اڑا دیں، میں اس کے کھوج میں ہوں، آپی اس کے گھر والے شریف لوگ ہیں، آپ پلیز ان کو کچھ مت کہنا، ان کی بیٹی بدکردار تھی، وہ لوگ تو اچھے ہیں، پھر اس کے علاوہ ان کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی ہماری بدنامی ہو جائے گی، مجھے جب بھی موقع ملا میں بدر کو مار دوں گا، پھر تابوت آنے سے پاکستان والے سمجھ لیں گے حادثے میں مر گئی، دونوں خاندانوں کی عزت رہ جائے گی۔'' یہ کل کی تاریخ کے واٹس اپ تھے، تیس تیس سیکنڈ کی ریکارڈنگ بیچ بیچ میں نرگس کے روتے ہوئے بھی میسجز تھے۔ سجاد اور اماں نے بھی پاکستانی معاشرتی اصولوں کے مطابق غیرت کے معاملے میں کی گئی باتوں کو حرف آخر مان لیا۔

پتا نہیں ایسا کب ختم ہوگا، جب ہم اپنی بہنوں، بیٹیوں کے کردار کے فیصلے اپنے مطابق کریں گے، ہمیشہ عورت کے متعلق تیسرے فرد کی کہی گئی باتوں کو سنا جاتا ہے اور پھر سنی سنائی پر یقین کر لیا جاتا ہے، ایسا تو اسلام میں نہیں ہے۔ اماں بے یقینی میں ڈولتی رہیں، جب کہ سجاد یقین کر کے اٹھ گیا، نرگس نے پھر سے موبائل اٹھا لیا، کیا پتا وہ لوگ کسی ایسی جگہ ہوں جہاں نیٹ ورک موجود ہو، کل کی طرح، صورت حال سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔

☆☆☆

دادا کے انتقال کو آج چوتھا دن تھا۔ تعزیت کے لیے آنے والوں کی تعداد بھی کم ہونے لگی تھی۔ وہ خود بھی نارمل ہو گیا تھا۔ وہ ایسے ہی لوگ تھے۔ ان کی تربیت ہی ایسے کی جاتی تھی کہ کسی بھی پیارے کی موت ہو وہ تیسرے چوتھے دن تک بالکل پہلے جیسے ہو جاتے تھے۔ ''الحمدللہ'' وعدے کی تکمیل ہوئی کہہ کر پھر سے زندگی کی روانی میں رواں دواں، سالوں برسیاں نہیں مناتے عرب کے لوگ۔ وہ اب پھر سے دبئی جانے کے لیے تیار تھا۔ اس لڑکی کو ڈھونڈنا جیسے

نصب العین بن گیا تھا۔ پہلے بھی حسین اسے ایک اسکیچ بنانے کے ماہر انڈین کے پاس لے کر گیا تھا، لیکن جانے کیا ہوا کہ اس سے اس لڑکی کا ایک بھی نقش "ایک غیر" کے سامنے بتایا نہ جاسکا، جب کہ وہ حرف حرف یاد تھی، روز روشن کی طرح۔ پھر دادا کی بیماری کی کال پر وہ تینوں ایمرجنسی عمان پہنچ گئے تھے۔ ان کی تیمارداری اور پھر وفات میں وہ اتنا مصروف اور غم زدہ رہا کہ سب بھولا ہوا تھا، اب وہ پھر سے پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، وہ مزید تاخیر نہ چاہتا تھا۔

خریف سیزن (پاکستانی مون سون جیسا موسم لیکن یہاں کی بارش پاکستانی بارشوں کی طرح موسلا دھار نہیں ہوتی، بالکل خاموش پھوار) اپنے جوبن پر تھا، سارا عرب اس شہر خوشنما کی حسین ترین وادیاں دیکھنے صلالہ۔ میں اُمڈ پڑا تھا۔ جب کہ وہ واحد شیخ تھا جو یہاں مستقل سکونت رکھنے کے باوجود بنا کسی شادی و موت اور حکومتی کام کے محض ایک عورت کے عشق و کھوج میں جنت نظیر نظارے چھوڑ کر دبئی کا صحرا چھاننے ایرپورٹ میں انٹر ہو رہا تھا۔ وہ واقعی منفرد تھا۔ اپنے کھیل میں بھی اپنی زندگی میں بھی۔

"کرہ" (فٹ بال) عرب کی جان و شان ہے برصغیر میں جو اہمیت کرکٹ کی ہے عرب میں اسی طرح ہر گلی، ہر موڑ اور ہر گھر میں فٹ بال کھیلی جاتی ہے۔ شیخ سالم حداد اس لحاظ سے عرب کا ستارہ تھا۔ چنانچہ وہ جہاں جہاں اس سبز آنکھوں والی دودھیا رنگ لڑکی کو کھوجنے گیا، آٹوگراف اور کافی آفرز سے سر ٹکرا ٹکرا کر پلٹتا رہا، اس کے پرستاروں نے اس کی ایسی بدلحاظی کبھی دیکھی نہ تھی، جس سے اب ان کا واسطہ پڑ رہا تھا۔ وہ ہر اس بلڈنگ میں گیا جہاں ایک بھی خارجی آباد تھا۔ اپنے موبائل سے اس کا رنگین اسکیچ ہر پاکستانی، انڈین و بنگلا خاتون کو دکھایا جب کہ مرد کا خاکہ بلاتفریق ہر مرد کو دکھایا۔ رزلٹ صفر ہی رہا۔

مایوس ہو کر وہ نہایت صاف و سیاہ مگر تپتی سڑک پر نکل آیا، جو گزر کے اندر جرابیں پسینے سے تر تھیں۔

کہیں تارکول کی تھی سڑک
جہاں آگ بانٹتی دھوپ تھی

کسی نوعمر شیخ نے اپنی ڈبل ڈور کے سائلنسر نکال دیا تھا۔ کان پھاڑ آواز کے ساتھ سیاہ دھویں نے اس کے حلق پر دھاوا بول دیا۔

کبھی کچی راہ کی دھول میں
جہاں سانس لینا محال تھا

وہ نماز عشاء کے لیے مسجد میں داخل ہو رہا تھا۔

سر رزم جاں کبھی دل کے درد سے ہار کر
میں تو خانقاہوں پر مانگتا پھر امتیں
کبھی رات، رات بھر بسر دعاؤں میں ہو گئی

وہ آخری شخص تھا جو باوجود مسجد خالی ہونے کے اپنی داغ داغ شرٹ اتارے سینے پر احرام کی صورت عمانی رومال باندھے منبر کے سامنے بے حرکت بیٹھا تھا۔

میرا پیرہن تھا پھٹا ہوا کہیں گرد گرداتا ہوا
میں ادھورے پن کے سراب میں
تجھے ڈھونڈتا پھرا دربدر
کسی اجنبی کے دیار میں
مجھے کیا ملا تیرے پیار میں

"مشکلہ انت...... ؟ رید مساعدہ......؟"

(تمہیں کوئی مشکل ہے؟ مدد چاہیے؟) امام مسجد پوچھ رہا تھا۔ اپنے عجیب و غریب حلیہ میں وہ خود مسئلہ لگ رہا تھا، کیا ستم تھا کہ شیخ سالم حداد کو نہ پہچانا جا رہا تھا۔ وہ ہولے سے نفی میں سر ہلا کر باہر نکل آیا۔ دل بوجھل تھا یا شاید بند ہی ہو گیا تھا۔

مجھے کیا ملا تیرے پیار میں۔
میں کرہ میں باندھ کے حادثات......

اس نے کیب روک لی۔ "ہلٹن" کہنا چاہتا تھا زبان نے ایرپورٹ کہا نہایت دل گرفتہ دل دبئی رہنے سے انکاری ہو گیا۔ اس نے بھی دل کی مان کر صلالہ واپسی کا مقصد کر لیا۔ "صلالہ" جو اس کا شہر تھا جہاں وہ بھی موجود تھی، جس کے لیے وہ دبئی دھکے کھاتا پھرا تھا۔

☆☆☆

دل کا موسم اچھا ہوتا تو اتنے طویل سفر کے بعد یہ خوابوں جیسا خوش نما موسم رکھنے والا شہر بہت بھلا لگتا، مگر اب وہ موت سے پہلے مرگ میں مبتلا تھی۔ وہ رینج اوور میں بیٹھی روڈ کی دو رویہ لائٹوں کے ساتھ جلتی لاتعداد آرائشی لائٹوں کو خالی ذہن سے تکتی رہی، آج اسے پرانی بلڈنگ سے نکال کر کہیں اور لے جایا جا رہا تھا۔ دن بہ دن مرنے کی خواہش شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ خودکشی سے بھی پچھلوں کی عزت محفوظ نہ تھی۔ جب دو ہفتے پہلے وقاص نے گھر بات کروائی تو سجاد نے فقط اتنا ہی کہا تھا۔

"جس دن تو پاکستان آ گئی وہ تیری زندگی کا آخری دن ہوگا۔" اماں کے کوسنے اور بددعائیں لفظ بہ لفظ سینے میں گونج رہی تھیں۔

"بدر تجھے پیسے کا اتنا "ہوکا" ہو گیا کہ شوہر چھوڑ کر بھاگ گئی، میں تو تجھے ساری اولادوں سے سیانی سمجھتی رہ گئی۔"

"اماں، شیخ بہت امیر ہے، وقاص تو اس کے پاسنگ بھی نہیں، اماں اتنا پیسا ہے اس کے پاس کہ چار دن میں ہم اپنا ذاتی گھر خرید لیں گے۔ ہمارے حالات بدل جائیں گے۔"

"لعنت تجھ پر بے شمار لعنت، تو پیدا ہوتی مر جاتی، کاش میں کوئی پتھر پیدا کر لیتی میرے ربا۔" اماں بلند آواز سے روتی رہی تھیں۔

"اماں اس نے نکاح کیا ہے میرے ساتھ، کوئی برائی نہیں کر رہی میں۔ پھر یہ سب آپ لوگوں کے لیے ہی تو کیا ہے۔"

"آگ لگے تیرے نکاح کو اور تجھے، بے حیا بغیر عدت کے کون سا نکاح ہوتا ہے۔" اماں نے دور سمندر پار بیٹھ کر شاید سر پیٹا تھا، جب ہی تو بدر کے دماغ میں دھماکے ہونے لگے تھے۔

"اماں "رولیہ" آپ نے ڈالا تھا۔ (تحقیق آپ نے نہ کروائی تھی، اس کا دل رویا، لیکن زبان نے ماں کے سامنے شعلے ہی اگلے۔) سجاد بھائی کو ویزا چاہیے تھا، آپ کو اچھے رشتے جو جہیز نہ لیں اور "شریکے" میں آپ کو چوٹی پر بٹھا دیں، لاتعداد فرمائشیں وقاص نہیں پوری کر سکتا تھا، اس لیے میں نے شیخ کی حوصلہ افزائی کی۔" وہ ان کا غم غلط کرنے کو کند چھری سے ان کو ذبح کرتی گئی۔

"شادی شدہ ہو کر حوصلہ افزائی؟ بدر تجھے رب سے ذرا خوف نہ آیا۔" وہ دھاڑیں مارتی رہیں، جبکہ بدر خاموش رہ کر آتش فشاں بہاتی رہی۔ "تو باپ کی قبر کی لاج رکھ لیتی، وہ تو بڑے نیک تھے۔ میرا دودھ بھی اتنا گندا نہ تھا تو کس پر جا پڑی۔"

"خبردار جو دوبارہ ادھر فون کیا، کاش تو پاکستان ہوتی۔ میں تیرے ٹکڑے کر دیتا، قیمہ بنا دیتا۔" وقاص نے سجاد کی آواز سن کر فون اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر بند کر دیا تھا، اس نے اسپیکر پر فون رکھ کر بات کروائی تھی اور سارا حظ اٹھایا تھا، اس کی انٹرٹینمنٹ یہ ہی تھی۔

گاڑی رکنے پر وہ چونکی، اپنے خیالات سے باہر نکل کر اس نے دیکھا۔ گاڑی ایک عمارت کے سامنے رکی تھی۔

"بیچ ریزورٹ" بدر نے نیچے اتر کر جلتی بجتی روشنی والا نام زیر لب پڑھا تو نامعلوم شور کا بھی پتا چل گیا کہ لہروں کا شور ہے۔

"تین نمبر سوئٹ تمہارا ہے۔ کل شام بعد عصر شیخ طبوق نکاح کے لیے آئے گا۔"

"یا اللہ رحم کر، کوئی راستہ دکھا، ابھی تک کوئی ترکیب نہیں ملی، اگر صبح ہی نہ ہو تو کیا فرق پڑے گا میرے مولا۔" وہ تلخ سی تلخ تھی، سوچ کا عکس شاید چہرے پر تھا، جب ہی وہ بولا۔

"چپ چاپ سائن کر دینا، ویسے بھی انکار کی تو گنجائش ہی نہیں ہے تمہارے پاس۔"

"یہ جعلی نکاح کتنے دن کا ہوگا؟" وہ زہر خند ہوئی۔

"تم پر ڈی پینڈ کرتا ہے، چاہو تو مہینوں تک لے جانا۔" وہ بے باک سا بے باک تھا۔

"تمہیں دیکھ کر تو مردہ تن جاگ اٹھیں، مجھے ہی

پتا ہے کس طرح نیند کی گولیاں کھا کھا کر شیخ کی امانت کی حفاظت کی ہے۔" وہ جو گولیاں کھایا کرتا تھا، اس کا عقدہ اب خود ہی بدر کے سامنے کھول گیا، بدر کی آنکھ سے نمکین پانی ٹپکا اور بالکونی کے شفاف فرش پر گم ہو گیا۔

"دفع ہو جاؤ ادھر سے ابلیس، کسی کی آئی تمہیں آ جائے۔"

"جا رہا ہوں۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔ "دیکھو بدر، میں پھر کہہ رہا ہوں، کوئی بے وقوفی مت کرنا، شیخ تمہاری سوچ سے بڑھ کر مال دار ہے۔ ذرا نیچے جھانکو، ایسی پارٹی پاکستان کا پی ایم بھی نہیں دے سکتا ایسی جگہ پر، لاکھوں عمانی ریال لگائے ہیں، سمجھو پاکستان کے کروڑوں لٹا دیے۔ دنیا میں دوسرے نمبر پر عمانی کرنسی ہے، اتنا تو پتا ہی ہوگا۔ خود سوچو، تمہیں اور مجھے کیسے مالا مال کر دے گا۔" وہ سنہری ریلنگ کی طرف ہاتھ ہلاتا بڑھتا چلا گیا، جبکہ بدر بلا ارادہ نیچے جھانکنے لگی۔ رنگ و بو کا ایک سیلاب تھا، کھلے آسمان تلے لگی رنگین چھتریوں میں ایسی آرائش تھی کہ آنکھیں خیرہ رہ جائیں۔ عورتیں کم اور مرد حضرات زیادہ تھے مٹھی بھر عورتوں میں بھی زیادہ یورپین تھیں۔

بچے کے رونے کی آواز پر بدر پلٹی، وہ شاید چینی یا فلپائنی عورت تھی جو بچے کو پرام میں لٹا رہی تھی۔ بدر کے پلٹنے پر اس نے مسکا کر ہائے کہا اور پرام دھکیل کر بدر کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

"پارٹی انجوائے کر رہی ہو۔" ساتھ ہی وہ نیچے جھکی، پھر یکا یک چلانے لگی۔

"نوید، نوید، نوید، رکو، وقف، اسٹاپ" وہ ہر معلوم زبان میں چلاتی نیچے جا رہی تھی۔ بدر نے اس کی آنکھوں کے تعاقب سے جان لیا کہ وہ وقاص کے پیچھے جا رہی ہے۔ اس کے دیکھتے دیکھتے وہ سیڑھیوں سے رپٹی اور زمین پر جا پہنچی، بدر نے نیچے جا کر اسے اٹھایا تو وہ اٹھ کر بیٹھ کر سسکنے لگی، حیرت انگیز طور پر اسے کوئی شدید چوٹ نہ آئی تھی۔ جب کہ وقاص اسی اثنا میں رینج اوور میں بیٹھ کر جا چکا تھا۔

رات مکمل بھیگ چکی تھی، ان دونوں نے شاید آخری بار نیچے لان میں جھانکا، انڈین بیلے ڈانسرز کا گروپ ٹپ ٹپ برسا پانی پر حقیقی بارش کی بوندوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ بدر نے اس کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کیے اور اس کے سوئٹ میں لے آئی۔

"پلیز تمہیں خدا کا واسطہ مجھے وقاص کا بتاؤ اُسے کیسے جانتی ہو۔" اس کی آواز میں بلا کا کرب تھا راہ نجات ملنے کی کروڑوں دعائیں دل کی گہرائی میں تھیں

لیونا فلپائن سے تھی وہ میک اپ آرٹسٹ تھی ساری دنیا جانتی ہے کہ عرب خواتین میک اپ کی کس قدر دل دادہ ہیں لیونا نے سوچا تھا یہ ٹنوں کے حساب سے میک اپ استعمال کرنے والیاں اُسے سینکڑوں میں ریال تو دے ہی دیں گی لیکن عمان آ کر اندازہ ہوا تھا ریال کمانا کتنا مشکل تھا۔

"فر (پھر) میرے کو دوسری ورکرز نے بولا کسی مال دار کو پھنسا کر شادی بنا لو ایسے میں نوید میرے کو پارک میں ملا اس نے مجھ پر پیسا بھی خرچ کیا اور اپنے شیخ سے بول کر اچھے سیلون میں نوکری دلوایا۔ ہمارا ریلیشن اتنا بڑھا اس نے نکاح کا آفر کر دیا ہم نے روم میں نکاح بھی پڑھ لیا میں اس کو بولتا رہی ڈاکومنٹ پاکستان ایمبیسی کو بھرتی کرواؤ وہ ٹالتا رہا۔ میں اس شادی کو اب ہمیشہ رکھنا چاہتی تھی میرے کو پاکستان جانا۔ وہ بولتا پاکستان میں اُس کے پاس سب کچھ ہے میں بولتی میرے کو لے چلو وہاں مل کر کام کرے گا۔ بٹ وہ باسٹرڈ بعد خمسہ شہر (پانچ ماہ بعد) اپنی مدر کا سک (بیماری) بول کر بھاگ لیا۔"

لیونا مختلف زبانوں کی کھچڑی میں بتاتے بتاتے رو پڑی۔ وہ بلاشبہ حسین عورت تھی وقاص نے جونہی اُسے شادی نبھانے میں سریس دیکھا وہ اسے لوٹ کر فرار ہو گیا فلیٹ میں موجود بارہ سو عمانی ریال، جیولری، اور لیونا کا موبائل بھی وہ لے اُڑا تھا۔ وقاص کے نزدیک وہ مسلمان نہیں تھی۔ اس لیے اس کے ساتھ

کسی بھی سطح کے تعلقات رکھے جاسکتے تھے لیکن تعلقات کو مستقل سردرد بہر حال نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ سواس غریب عورت کے پائی پائی کر کے جوڑے گئے پیسے چوری کرتے اور موبائل میں تصاویر وغیرہ جیسے ثبوت ساتھ لے جاتے اُسے متعلق شرم محسوس نہ ہوئی تھی اُسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے لیونا کے حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ بچہ پیدا ہی کرنا پڑا اسپتال کے چارجز انڈین سیلون اونر نے چکا کر اسے چار سال کے لیے گروی رکھ لیا اب بھی عشوہ سیلون کی طرف سے اُسے ہائر کیا گیا تھا کہ قسمت نے پھر اس نوید کو اس کے سامنے کر دیا جسے ڈھونڈنے وہ متعدد بار پاکستان ایمبیسی مسقط جا چکی تھی وہ پاکستان کا ویزا لے کر اسے پاکستان تلاش کرنے بھی جانا چاہتی تھی۔ وہ اس کے جن دوستوں کو جانتی تھی وہ بھی صلالہ میں نہیں ملے۔ فون نمبر کسی کا بھی پاس نہ تھا نکاح بھی اُس کے دوست نے پڑھایا تھا۔ تصاویر و کانٹیکٹ، فون کے ساتھ ہی چلے گئے وہ پاکستانیوں سے اس کا حلیہ بتا کر پوچھا کرتی تو کوئی کہتا ایسا آدمی اوکاڑہ پاکستان سے تھا تو کوئی کہتا منڈی بہاؤالدین سے جبکہ لیونا نے اس کے منہ سے سیالکوٹ کا تذکرہ سن رکھا تھا۔ فلپائن واپسی کے لیے ڈاکومنٹ چاہیے تھے جبکہ پاکستان والے بچے کو کوئی ڈاکومنٹ ایشو کر کے نہیں دے رہے تھے۔ ''میرے بے بی کا کیا فیوچر ہے کوئی کنٹری اُسے قبولتا (قبول نہ کرنا) نہیں...... میں کس کے پاس بے بی چھوڑے گی عمان، پاکستان اور فلپائن تینوں کو ڈاکومنٹ چاہیے کہاں سے لاؤں ڈاکومنٹ۔''

وہ زبانوں کے مکسچر میں کرلاتی رہی اس کے آنسو بدر کے دل پر گرنے رہے۔ کیا ہم بحیثیت قوم اس قدر گر چکے ہیں کہ اپنی اولادوں تک کو یہاں وہاں چھوڑ آتے ہیں اس قلیل مدت میں اس نے بہت کم پاکستانیوں کی تعریف سنی ورنہ ہر دن کسی فراڈ آپس کا جھگڑا یا کسی اور غلط کام میں ملوث ہی سنا کہنے والے تو بنا تصدیق ہی کہہ دیتے اچھا یہ کام ہو گیا ضرور کسی پاکستانی نے کیا ہوگا۔ وقاص نے بتایا تھا انڈین دس انجینئر یا ڈاکٹر کے ساتھ بمشکل پانچ مزدور آتے ہیں جی سی (گلف ممالک) میں تو پاکستانی پندرہ مزدور کے ساتھ بمشکل ایک انجینئر یا ڈاکٹر تو کیا ہم تعلیم میں اتنا پیچھے رہ گئے وہ دلگرفتہ سی دلگرفتہ تھی۔ اخلاقی گراوٹ میں اتنا آگے بڑھ گئے۔

''میرے پر ایسا وقت بھی آیا میں نے بیگر بن کر (بھکاری) بے بی کا ملک (دودوھ) خریدا اس سے اچھا تھا میں شادی نہ بناتی اگر بنالی تھی تو بے بی نہ ہوتا۔''

بچہ سوتے میں قلقاری مار کر ہنسا تھا ماں کی باتوں سے بے نیاز۔ بدر یک ٹک اُسے دیکھے گئی

''میرے کو سب نے بولا پاکستانی لفر (آدمی) گندا ہوتا عیاشی کے لیے شادی بناتا پھر بھاگ جاتا تم بھی شادی مت بناؤ پیسے کھاؤ بٹ میں کسی کی بات نہ سنی اب پتا چلتا سارے ٹھیک بولتے تھے۔ تم کیا کرتی ہے ادھر'' دفعتاً اسے بدر کا خیال آ گیا۔

''نوید کیا لگتا تیرے کا۔''

''وہ میرا کچھ نہیں لگتا۔''

''پھر تم بھی ادھر پیشہ کرتی ہے کیا؟''

بدر کے پیروں کے ناخنوں تک سے پسینہ پھوٹ نکلا، مزاحمت کی لہر اٹھی تھی اندر، اس نے حالات سے ٹکرانے کا عزم سا محسوس کیا۔

''میرے کو لگتا تو شیخوں کی پراسٹیٹیوٹ اور وہ تیرا ڈیلر ہے۔ میرے کو معلوم پڑ گیا وہ صلالہ میں ہے اب صبح ہوتے ہی حرامی کو ڈھونڈ نکالے گی میں۔'' بدر اس کے پاس سے اٹھ کر چل دی۔

ایئرپورٹ سے خریدی گئی آسمانی شرٹ اور بلیک جینز میں پیچھے کو کنگھی کیے ہوئے لمبے بال اور ازلی بے نیاز ولاپروا نقوش والا شیخ سالم حداد بلا کا اسمارٹ لگ رہا تھا۔ کاؤنٹر کے مرد عورت اُسے دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے وہ اس کی حیثیت و مرتبے سے واقف تھے بلآخر خاتون نے زبان کھولی۔

''مرحبا! شیخ حداد!'' اس نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا وہ باہر سے بظاہر لش پش تھا مگر اندر

کا موسم بڑا ویران واجاڑ تھا۔ ''یا شیخ...... بزنس کلاس کی بورڈنگ کمپلیٹ ہے۔'' وہ شستہ عربی بول رہی تھی۔

''اور فی الحال ڈائریکٹ صلالہ کی فلائٹ یہی ہے۔'' مرد نے بھی رواں عربی میں احترام کے ساتھ مطلع کیا۔

''اکانومی۔۔۔؟''

وہ مشہور ترین فٹ بالر کے ساتھ ساتھ عرب کے دس امیر ترین خاندانوں میں سے ایک کا چشم و چراغ تھا وہ اچھی طرح ان کے پروٹوکول کو سمجھتے تھے۔ ''یا شیخ ہم کچھ کرتے ہیں'' مرد تھوک نگل کر بمشکل بولا تھا۔

''کسی کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں بس اکانومی کی بورڈنگ بنوادو۔''

صلالہ انٹر ہونے پر اس نے اپنا سیل آن کیا تو ان فارچونیلٹی یو مسڈ کال کے ڈھیروں مسیجز تھے۔ اس نے سب سے زیادہ معتصم کے مسیجز دیکھنے پر اس کو کال ملالی وہ انتہا کا دکھی تھا۔

''دھاریز (ساحل) پر بیٹھا لہریں گن رہا ہوں کوکو (بیوی) پارٹی میں ہے اور اللہ کے حکم سے سابقہ ریکارڈ برقرار رکھتے ہوئے فجر کے بعد ہی آئے گی۔''

''مجھے ایئرپورٹ سے پک کرلو پھر اکھٹے بیچ پر بیٹھتے ہیں۔'' معتصم اس کے واپس آنے پر کھل اٹھا تھا تنکوں کی چھتری کے نیچے وہ ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا جیسے دنوں کی تھکن اتار رہا ہو۔

معتصم نے گاڑی ساحل پر قدرے فاصلے پر پارک کی تھی اس کی چھتری سالم سر پر تان کر تنکوں کی چھتری تلے آلیٹا تھا سو قدرے بھیگا بھیگا معتصم آرام کرسی پر بیٹھا سمندر سے اُٹھتے دھندو بادلوں کے مرغولے دیکھتے ہوئے بول پڑا ''سالم اب کی بار تو مطر (بارش) پانچ منٹ کا وقفہ بھی نہیں دے رہی۔''

''سمندر کا غضب بتا رہا ہے دے گی بھی نہیں۔''

شیخ سالم نے چنگھاڑتے دھاڑتے، غضب ناک آوازیں نکالتے سمندر کو دیکھا۔

معتصم کا دل چاہا اس سے پاکستانی لڑکی بابت پوچھے مگر حوصلہ نہ ہو رہا تھا۔

''پرسوں سمندر نے ''حافہ'' (HAFA) کی ساری شاہراہیں توڑ ڈالیں صد شکر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔'' سالم کی خاموشی سے گھبرا کر وہ خود ہی اسے شہر کی صورت حال بتانے لگا

☆☆☆

''مادام کوئی کام ہے؟'' گارڈ شائستہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ ''نہیں...... تھوڑا موسم انجوائے کرنا چاہتی ہوں تم اپنا کام کرو'' وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ عجب اطوار کے سنکی امیروں سے بھی اس کا واسطہ پڑتا رہتا تھا کوئی پاس سے نہ اُٹھنے دیتا تھا یہ دور جانے کا کہہ رہی تھی اُسے بھی سنکی سمجھ کر وہ منظر سے ہٹ گیا۔

پتھر کی دیوار کی درزوں میں قدم پھنسا کر ساحل کی ریت پر جمپ بدر کے لیے نہایت آسان ثابت ہوا تھا۔

لیونا کی باتوں نے جلتے دل کو راکھ کر ڈالا تھا اور راکھ تو کہیں بھی پہنچ جایا کرتی ہے سو اس نے بھی فرار کا فیصلہ اپنا لیا دماغ بند کرکے۔ اُسے معلوم تھا وہ بھاگ نہ سکے گی پر ضمیر پر حجت تمام کرنا چاہتی تھی وہ سب کے سامنے سچا ہونا چاہتی تھی۔

بے تحاشا صاف ستھرے ساحل پر لائٹنگ کا بہترین انتظام، اُس پر جگہ جگہ نصب تنکوں کی چھتریاں اور لوہے اور ایلومینیم کے کیمپ (چھتریوں کی شیپ لیے ہوئے) میں بیٹھے باربی کیو کرتے لوگ اُسے اور ہی دنیا کا حصہ لگ رہے تھے۔ فقط ایک لمحے کو اُس کا دل ڈوبا۔

''مجھے تو ان کی زبان تک نہیں آتی''

اُس نے سب سے قریب نظر آنے والی چھتری کی طرف دوڑ لگادی جیسے جیسے چھتری قریب آرہی تھی اُسے چھتری تلے بیٹھے شخص کا حلیہ خوف زدہ کرنے لگا

دوسری نصب چھتری دو گنے فاصلے پر تھی

کوئلے جیسی سیاہ رنگت اور بے تحاشا گھنگھریالے سنہری ڈائی کیے بال بالشت بھر اوپر نیچے، دائیں بائیں

ایسے کھڑے تھے جیسے ان میں بم پھٹ گیا ہو۔ اس پر متضاد سیاہ ماتھے پر بندھا سیاہ ربن تھا۔

اس کے پاس پہنچ جانے پر آرام کرسی پر لیٹے شخص نے اپنا چہرہ اوپر اُٹھایا۔ پہلا شخص جتنا خوف ناک لگ رہا تھا دوسرا اتنا ہی دلکش چھتری کے عین وسط میں لگے گلوب سے سیاہ چھوٹی چھوٹی داڑھی سے مزین اس کی سرخ وسفید رنگت دمک رہی تھی۔

پھر فیصلہ ہو گیا بدر نے معقول حلیہ رکھنے والے خوب صورت شخص کی طرف دیکھا۔ ''پلیز ہیلپ می......'' آنسو دھار کی صورت ٹھوڑی تک بہہ کر ریت پر گرے۔

شیخ سالم حداد کو لگا وہ پھر سے خواب ہی دیکھ رہا ہے وہ جس کے لیے دبئی کا ذرہ ذرہ چھان آیا وہ صلالہ میں سامنے کھڑی آنسو بہاتے ہوئے مدد مانگ رہی تھی۔ سالم نے فوراً آنکھیں جھکا لیں۔

صلالہ کے بپھرے ہوئے سمندر کے مقابل اُسے پاکستانی سبز جھیلیں زیادہ زور آور لگیں ابھی وہ ڈوبنا نہیں چاہتا تھا۔

اُس نے ہیجانی انداز میں معتصم کو اس کا بتایا۔

اُس کے تیز تیز عربی بولنے پر وہ واضح طور پر گھبرائی لیکن معتصم کے سسٹر کہہ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر سلام کرنے پر وہ کچھ مطمئن سی ہوئی۔

''ریسپیکٹڈ لیڈی! (محترم خاتون) ہم کیسے آپ کی مدد کر سکتے ہیں؟ سالم بول رہا تھا معتصم کی نظریں جوگزر پر ایسے ٹکی تھیں جیسے گوند سے چپکا دی گئی ہوں۔

اُس کے ''اردو'' بولنے کی حیرانی سے نکل کر بدر نے تیزی سے کہا۔

''میں اس عمارت سے بھاگ کر آئی ہوں مجھے سب سے پہلے تو وقاص لوگوں کی پہنچ سے دور جانا ہے پھر سب بتا دیتی ہوں۔''

''اوہ......'' معتصم کے ہونٹ گول ہوئے

''آپ کے لیے یہاں بہت خطرہ ہے سسٹر آپ ہمارے ساتھ چلیں گھر چل کر بات کرتے ہیں و اللہ ہم بہت شریف لوگ ہیں'' وہ شستہ انگلش میں بولتے ہوئے لاشعوری طور پر اپنے بالشت بھر اوپر کھڑے بال نیچے لانے کی کوشش کرنے لگا۔

خطرہ لینے کے سوا چارہ نہ تھا سو بدر ان کے ساتھ اُس قیمتی گاڑی میں بیٹھ گئی جس پر بیٹھنے کی وہ دبئی میں وقاص سے خواہش بیان کر چکی تھی ——— وائے نصیب بیٹھی بھی تو کب؟

سالم کے چہرے پر بے پناہ ہیجان دیکھ کر معتصم نے اُسے ڈرائیونگ سیٹ سے فرنٹ پسنجر پر کھسکا دیا اور خود ڈرائیونگ سنبھالی۔ سالم پانی کی بوتل غٹا غٹ چڑھا کر خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''وقاص کون ہے؟؟''

بدر کو لیونا کے الفاظ یاد آئے ''دلال'' مگر اس نے سر جھٹک کر ان کو الف سے بے تک مختصراً سب بتا دیا تب تک حسین بھی معتصم کے گھر کی مجلس میں پہنچ چکا تھا۔ (عرب میں سٹنگ روم طرز کی جگہ کو مجلس کہتے ہیں آسانی کے لیے ڈرائنگ روم کہہ لیجیے)

سالم نے وہی باتیں عربی میں ان دونوں کے لیے دہرا ڈالیں ساری کہانی سننے کے بعد حسین تیزی سے لیپ ٹاپ پر بزی ہو گیا جبکہ معتصم کال پر، بدر کے عین سامنے بیٹھا شیخ سالم اُسے محسوس کرتا نظریں جھکاتے ہوئے بھی بے کل نظر آرہا تھا۔

بدر رب کو یاد کرتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی جانے کیوں اُس کا وجدان کہہ رہا تھا یہ غلط لوگ نہیں حسین نے لیپ ٹاپ اس کے آگے رکھا۔

''سسٹر دیکھو! کیا یہ شیخ تھا جو دبئی ادھر آپ کے پاس میرا مطلب وقاص کے ساتھ آیا تھا'' حسین بات کرتے ہوئے واضح طور پر جھجکا۔ ''بدر دیکھ کر کراہ اُٹھی۔ ''ہاں یہی وہ شیطان ہے۔''

لیپ ٹاپ کی اسکرین پر شیخ نجم کی مسکراتی تصویر تھی۔ ''ہمیں شرطہ خانہ (پولیس اسٹیشن) جانا فوراً ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے۔''

سالم حداد اب اُس کی دید سے سنبھل کر صورت حال کے مطابق فیصلہ کر رہا تھا۔ اُس کی سہولت کو

دیکھتے ہوئے وہ تینوں اب انگلش میں بات چیت کر رہے تھے۔
"مسٹر میر اقبیلہ آر او پی (رائل عمان پولیس) اور آرمی میں ہے جبکہ سالم اور حسین کے قبیلے انتظامیہ میں ہیں ہم سب مل کر اپنے سارے سورسز استعمال کریں گے اور آپ کے لیے وہی کریں گے جو آپ کے لیے خیر" (بھلائی) ہو ہم پر بھروسا رکھیں"
اپنے عجیب وغریب حلیے کے ساتھ سنجیدہ باتیں کرتا معتصم بدر کو نہایت عجیب لگا۔
"مسٹر: معتصم نہایت شریف آدمی ہے۔"
حسین نے جیسے بدر کی آنکھیں پڑھ لی تھیں اُسے جیسے ہی پتا چلا تھا کہ یہ سالم والی "لڑکی" ہے وہ حد سے زیادہ احساس ہو رہا تھا۔
"ہم سوڈانی نسل ہیں" معتصم نے بھی اضافہ کیا۔
ان دونوں کے برعکس حداد بالکل چپ تھا گاڑی شرطہ خانہ داخل ہو رہی تھی۔ رات آخری پہرہ میں داخل ہونے کو تھی بدر کو خوف سے کپکپی آ گئی۔
وقاص نے صاف لفظوں میں بتایا تھا چوری، جسم فروشی وغیر قانونی انٹری پر یہاں کے قوانین نہایت سخت ہیں فوراً سزائیں دی جاتی ہیں پاکستان کی طرح سالوں مقدمات نہیں چلتے، دادا کے کیے مقدمات کے فیصلے پوتا نہیں سنتا۔ اور بدر پر تو یہ سارے کے سارے الزام تھے ایک بھی ان میں سے کم نہ تھا وہ رو پڑی، دل رب سے فریاد کناں ہوا۔
اور یہ سب جان لیں مظلوم کی آہ سیدھی عرش تک جاتی ہے رسی ڈھیلی ضرور کی ہے لیکن ہاتھ سے چھوڑی قطعاً نہیں ہے۔

☆☆☆

"میں میڈیا و انٹرپول وغیرہ کسی کے بھی سامنے نہیں آنا چاہتی وہاں اخبار ٹی وی پر سب لوگ مجھے پہچان لیں گے میرے خاندان کے ساتھ ساتھ میرے ملک کی بھی بدنامی ہے۔"
وہ پاکستان کے مردان سینٹر سے تربیت یافتہ میجر طلال کے سامنے زار و زار رو کر اپنے مسائل بتا رہی تھی میجر طلال بہت ہی صاف شفاف اردو بولتا تھا
"وقاص نے اب تک تو تصویریں اور ویڈیوز اپلو کر دی ہوں گی"
"بیٹا آپ صبر تو کریں وقاص یا نوید یا جو بھی ہے وہ بس یہیں پہنچنے والا ہے۔ آپ کے گاڑی کا نمبر بتا دینے سے ٹریس کرنا بہت آسان ثابت ہوا ہے۔ بلاشبہ آپ بہادر ہیں۔" میجر کا انداز واضح طور پر پچکارنے والا تھا۔
"تو اس کو کیا کریں گے سارا مواد تو پاکستان میں ہے۔" وہ جیسے میجر کی کند ذہنی پر جھنجلا اٹھی۔
"آپ مجھ پر ٹرسٹ کریں گی بیٹی!" میجر نے اس کی سبز آنکھوں میں پھیلی سرخی پر اپنی روشن آنکھیں گاڑ دیں تو بدر کا سر بے ساختہ اثبات میں ہل گیا
"آپ شیخ سالم حداد سے نکاح کر لیں ابھی اور اسی وقت" وہ نہایت ٹھوس اور پر اعتماد انداز میں بولا۔
"بیٹا میں آپ سے کچھ نہیں چھپانا چاہتا، حقیقت یہ ہے کہ آپ بد قسمتی یا خوش قسمتی آپ جو بھی سمجھیں اسے کہ عرب کے ارب پتیوں میں پھنس گئی ہیں۔ ان شیخوں کی برائیوں کے بیچ ایک اچھائی یہ ہے کہ اپنے ہم منصب کی حرمت کی تقدیم کرتے ہیں۔ شیخ سالم حداد جادو کی وہ چھڑی ہے جو آپ کو سامنے لائے بغیر آپ کے سارے مسائل حل کر سکتی ہے سب سے اہم و بڑی بات شیخ طبوق سے بچنا اسی صورت ممکن ہے جب آپ کی ڈھال شیخ حداد ہو ورنہ وہ دنیا کی کسی بھی کونے سے آپ کو ڈھونڈ نکالے گا شیخ حداد کی "حرمہ" (عزت، عمانی بیوی کو حرمہ بھی بولتے ہیں۔) کے لیے بد ارادہ رکھنا ہرگز ہرگز آسان نہیں۔ میں پاکستان کو اپنا دوسرا گھر سمجھتا ہوں اور ہر پاکستان کی توقیر اپنی توقیر سمجھتا ہوں یہی مخلصانہ رائے ہے۔ اس میں میرا یا میرے ملک کا کوئی مفاد نہیں۔"
وہ چپ ہوا تو بدر بول پڑی۔
"میں جیل اور میڈیا کو فیس کیے بنا پاکستان پہنچ

جاؤں گی۔"

"بالکل کسی کو کان و کان خبر نہ ہوگی کہ آپ کن حالات سے لڑ کر پہنچی ہیں میں گارنٹی دیتا ہوں۔"

وہ ان چاروں کے جلو میں شرط خانہ کی مسجد پہنچی۔ پہلے انہوں نے میجر کی امامت میں فجر ادا کی پھر سات لوگوں کی موجودگی میں اس نے سالم کو قبول کر لیا۔

اُسے لاہور کے چھوٹے سے گھر میں ہونے والا نکاح یاد آیا۔ اُسے وہاں کے مکین یاد آئے دل ایک دم لہو بن کر پگھل گیا۔

"مجھے معاف کرنا میرے پیاروں ہم سب کی عزت بچانے کی خاطر میں اس مقام تک آ پہنچی ہوں لیکن میں ارب پتیوں کا کھلونا نہیں بنوں گی جیسی وہاں سے آئی تھی ویسی تمہیں ملوں گی خود پر کوئی آنچ نہ آنے دوں گی"وہ جو مار کھا کھا کر بے ہوش نہ ہوئی اب حواس کھو بیٹھی

سالم کے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے اور گال تھپتھپانے پر وہ حواس میں لوٹ آئی فق رنگت اور نقاہت زدہ سراپا کے ساتھ سالم کو وہ دل کے بہت قریب لگی اتنی قریب اور اتنی اپنی کہ دل چاہا اُسے دل کے ساتھ لگا کے دھڑکنوں کو قرار دلا دے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سہارا دینا چاہا تو بھی وہ نظر انداز کرتی خود اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چاہو تو میں ویل چیئر لے آتا ہوں مسجد میں موجود ہیں۔" وہ اردو میں بولا باوجود اس کہ میجر طلال سمجھ رہا تھا۔ بدر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ آج اعصاب کے ساتھ جسم بھی جواب دے رہا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھنے لگی

"ابھی تک لائے کیوں نہیں مجرم کو؟" حسین کے سوال پر میجر نے اپنا فون نکالا اس سے پہلے وہ نمبر ملاتا کال آگئی بات عربی میں ہوئی لیکن بدر کو پھر بھی اندازہ ہو گیا کہ کوئی قتل ہوا ہے۔

"وقاص کو قتل کر دیا شیخ طبوق نے......" بدر نے نہایت سکون سے پوچھا وہ اب شرط خانہ کے احاطہ میں داخل ہو رہے تھے۔

"نہیں وقاص نے لیونا اور اس کے بچے کو قتل کر دیا۔"

"کیا...... وہ انسان کہلانے کے لائق تو پہلے بھی نہ تھا مگر اتنا سفاک ہوگا مجھے اندازہ نہ تھا۔" بدر کو وہ کبھی روتا اور کبھی ہنستا بچہ یاد آیا جس کی بہت سی شباہت خود وقاص سے تھی۔ آنسو بے اختیار رواں ہوئے آنکھیں تو برسنے کا بہانہ چاہتی تھیں۔

"لیکن لیونا تو ریزورٹ میں تھی۔"

"ہاں اور وقاص شیخ طبوق کے ساتھ دوبارہ سوئٹ کی طرف گیا تھا وہیں اُسے لیونا نے پھر سے دیکھا اور یہ سب ہوا۔"

"اس کا مطلب میری گمشدگی کا اُن لوگوں کو پتا چل گیا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ ان فیکٹ تمہارے بارے میں ہی پوچھنے کے لیے اس نے لیونا والے ڈور کو ناک کیا تھا پھر ان میں ہاتھا پائی ہوئی لیونا نے بچے کی پرام اُس کے سامنے کی تو اس نے پرام کو بھی ہاتھ مار دیا پرام الٹ گئی بچہ سڑھیوں سے نیچے جا گرا۔ پرام بھی اس کے اوپر جا گری۔" بدر کے منہ سے سسکی نکل گئی ننھی سی جان اور ایسی موت وہ تینوں خاموش اس کی اور میجر کی گفتگو سن رہے تھے سمجھ یقیناً سالم رہا تھا۔

"اور لیونا کے ساتھ کیا کیا اس درندے نے"

"لیونا نے چھری کے ساتھ وقاص یا جو بھی وہ پلید انسان ہے اس پر حملہ کیا تو وقاص نے چھین کر اس کی شاہ رگ کاٹ ڈالی۔"

"تم پاکستانی اتنے شدت پسند کیوں ہوتے ہو؟" معتصم نے کچھ نہ سمجھ کر بھی بہت کچھ سمجھ لیا تھا اور اب سوال بھی کر ڈالا۔

"فرد واحد کے رویے و عمل کو قومیت پر لاگو کرنا سراسر نا انصافی ہے اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اس میں کسی ملک یا شہر کو برا کہنا درست نہیں، شیخ نجم طبوق تم ہی لوگوں میں سے ہے۔" باوجود منتشر ذہن کے اس نے اپنے وطن کا دفاع ضروری سمجھا مترجم

کے فرائض انجام دیتا میجر مسکرایا تھا۔

تب ہی آر او پی اہل کار وقاص کو ہتھکڑی سے پکڑے اندر داخل ہوا جوں ہی اس نے بدر کو دیکھا تو ہتھکڑی چھڑا کر ہذیانی انداز میں چیخ دھاڑا کرتا اس کی طرف لپکا صاف معلوم دے رہا تھا اس پر قتل کی وحشت سوار ہے۔

"میں تمہیں بھی مار ڈالوں گا تم نے سب کو برباد کر دیا مجھے اجاڑ دیا سب تباہ کر دیا۔" بدر دہشت سے چاندی کا مجسمہ بن گئی۔اس سے پہلے کہ وہ بدر تک پہنچتا شیخ سالم کا پنچ اس کی ناک خون آلود کر گیا۔

"میرے سامنے میری بیوی کو دھمکی......"

آر۔او۔پی آفیسر نے شیخ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید کارروائی سے روکا وقاص خون اگلتی ناک کے ساتھ جنونی کیفیت میں بولنے لگا

"اس کی گود میں بیٹھ کر اس سے بچ نہیں سکوگی آوارہ عورت! وہ تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ لے گا اس کی بھی منہ بولی بیوی بنی ہی ہو اس کی پہلے بن جاتی اس کا بڑھاپا دیکھ کر موت پڑ گئی تھی۔اس کی جوانی دیکھی تو......"

شیخ سالم کے الٹے ہاتھ کے تھپڑ کو آفیسر نے اپنے ہاتھ پر روک لیا۔

"انت مجنوں اوفی بیت۔" (کیا پاگل ہو گئے ہو، گھر جاؤ اپنے) میجر نے سر ہلا کر آفیسر کی تائید کی تو شیخ سالم نے سرخ چہرے کے ساتھ بدر کا ہاتھ پکڑ کر جارحانہ انداز میں کھڑا کیا وہ دہشت زدہ سی پیچھے پیچھے گھسٹنے لگی راہداری کے اختتام پر کھڑا شرطہ تنفر سے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"یہ پاکستانی جہاں بھی جاتے ہیں مصیبت ڈالتے ہیں۔

صلالہ

شہر میں اکھٹے دو قتل ظلم ہے۔ بہت بڑا ظلم ہے۔

☆☆☆

شرطہ خانہ سے شیخ سالم اسے سیدھا بائی روڈ دبئی لے کر گیا تھا۔ فضائی سفر میں ڈاکومنٹ چاہیے تھے، روڈ پر شیخ سالم حداد کے پروٹوکول کی وجہ سے کسی نے زیادہ غور و خوض نہ کیا۔ دبئی میں محض دو دن میں اسے لیگلی کلیئر کروانا اور ڈاکومنٹ بنوانا شیخ حداد ہی کا کام تھا کسی نے اس کی —— تفتیش کرنے کے بہانے نہیں ڈھونڈے، وہاں سے وہ صحار آئے، عمان حدادیوں کی سرزمین تھی، اسے لمحوں میں ریذیڈنشل کارڈ ایشو کر دیا گیا۔ بدر سب کچھ ہوتے دیکھتی ابھی اندازے لگاتی رہی کہ اپروچ سے سالوں کے کام لمحوں میں کیسے ہوتے ہیں۔ صحار سے بائی روڈ صلالہ اور پھر وادی جبال تک آتے آتے شیخ سالم نے سیکڑوں بار سیکڑوں چیزوں کی آفر کی، وہ شکریہ کہہ کر ٹھکراتی ابھی معتصم کی بیوی کا برقع اسے شیخ کی شاپنگ کی نسبت زیادہ بہتر لگ رہا تھا۔ بارہ گھنٹے کے طویل سفر میں اس نے نہایت ٹھوس اور آرام دہ لہجے میں کہا تھا۔

"بدر جہاں ہم بڑے سیدھے کھرے لوگ ہیں، جو دل میں ہوتا ہے۔ اسے بے جھجک کہتے ہیں۔ تم وہ پہلی لڑکی ہو جسے میں نے نظر بھر کر دیکھا، پھر اور کچھ دیکھنے کی حاجت ہی محسوس نہ ہوئی۔" وہ حیرت زدہ سی سارا قصہ سنتی رہی، مگر اب کسی مرد پر اعتبار کرنے والا دل سینے میں نہ رہا تھا۔

"پھر تو یہ نکاح بھی آپ کی صوابدید پر ہوا ہوگا۔" وہ مشکوک ہوگئی۔

"واللہ نہیں، یہ فیصلہ خالص میجر کا تھا، ہاں اسے معتصم نے بتا سب کچھ دیا تھا۔ طلال معتصم کا بہنوئی ہے، میں جانتا ہوں تمہارے لیے یہ نکاح پنجرے میں لگے تالے کی چابی ہے، مگر میرے لیے یہ میری تکمیل ہے۔ میں زبردستی کا قائل نہیں، اس لیے تمہیں پاکستان سے باقاعدہ تمہارے رسم و رواج کے مطابق لے آؤں گا۔ امید ہے تب تک تمہیں عرب اتنے ناپسند نہ رہیں گے۔" وہ واضح طور پر غیر سنجیدہ ہوا، جواباً بدر سنجیدہ ہی رہی۔

"وادی جبال گھر والوں سے مکمل علیحدہ رہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ شیخ نجم کے دماغی کیڑے جھڑ

جائیں، وہ قبیلہ طبوق کو حدادیوں کے پاس لے جانے سے پہلے سو بار سوچے، میرا خیال ہے کہ دو ہفتے اس مقصد کے لیے کافی ہوں گے۔ وہ شہہ سرخی سے مضمون بھانپ کر ہاتھوں پر نظر ٹکائے بیٹھی رہ گئی تھی۔ ان دو ڈھائی ہفتوں میں دو سو بار پاکستان فون کیا اور گالیاں کھائیں، وہ لوگ بات ہی نہیں سنتے تھے۔ پھر واٹس اپ میسج پر آپ بیتی بھی سنا ڈالی۔ امید تھی کہ اب معاملہ سمجھ لیں گے۔ سجاد پھر بھی کوا سفید ہی کہتا رہا۔

☆☆☆

دو ڈھائی ہفتے بعد جبل کے اونچے نیچے، خطرناک کھائیوں میں گرے پھسلن زدہ روڈ پر سفر کرتے وہ پھر سے اسی صلالہ میں داخل ہوئی جہاں سے وہ فرار ہوئی تھی۔ لیکن شیخ سالم ساتھ اسی شہر کے ایک طاقت ور اور قبیلے کا معتبر شخص اور وہ اس کی بیوی بھلے ہی وہ اس رشتے کو لے کر چلنے کے حق میں نہ تھی، پر تھی تو بیوی، وہ کوئی محل تھا شاید، اگر گھر تھا تو بے مثال تھا۔ عرب کے رواج کے مطابق بیرونی گیٹ پر کھجور کا درخت ایلومینیم سے کندہ کیا گیا تھا۔ معتصم کی بیوی والے قدرے لمبے برقعے کو اس نے ہاتھ سے پکڑ کر پیروں سے اوپر اٹھایا اور لینڈ کروزر سے باہر نکل آئی۔ لان میں لگے مختلف پھولوں اور ناریل کے درختوں کو پار کرتی وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوگئی۔ وہ ادھر ادھر کمرے میں کرہ کی پینٹنگز دیکھتی رہی، جب کہ دس منٹ بعد وہ ملحقہ ڈریسنگ روم سے نکلا تو نک سک سے تیار تھا۔ ان ڈھائی تین ہفتوں میں وہ پہلی بار اسے مکمل عربی لباس میں دیکھ رہی تھی۔ سفید بے داغ داشہ، سر پر ہلکے سبز پرنٹ کے عمانی رومال کی عمانی انداز میں بندھی پگڑی سے نکلے گردن پر پڑے لمبے بال، کمر میں بیلٹ کے ساتھ بندھا ہوا عمانی خنجر اور پیروں میں سفید عمانی چپل کلائی پر بندھی رولیکس وہ عمانی تہذیب وثقافت کا جیتا جاگتا ثبوت بنا کھڑا تھا۔ بدر کی نظروں کے ارتکاز پر اس نے پرفیوم اسپرے کرتے پلٹ کر اسے دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی۔ کچھ تو جو شیخ کے انداز میں الگ تھا، اس کی باڈی لینگویج بھی اضطراری تھی۔ بدر کا دل چاہا پوچھے، پھر جھجک سی آ گئی۔ پرفیوم بیڈ پر اچھال کر وہ مضبوط قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھا تو وہ بے اختیار بیڈ سے کھڑی ہوگئی۔ وہ عموداً کھڑا اسے دیکھتا رہا، وہ اس کی چپل میں مقید پیروں کو دیکھتی رہی۔ دل پسلیوں میں پڑا خون سپلائی کرنے سے انکار کرنے لگا تو خفیف سی لرزش بدن میں در آئی۔ شیخ نے اس سارے عرصے میں پہلی بار اس کی نظروں کی التجا سے روگردانی کی، شاید اپنی زبان سے بھی پھرا، اس نے دایاں ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر بایاں کمر میں ڈال کر قریب کر لیا۔

"مجھے نہیں پتا تمہارے طرف اس نکاح کو لے کر کیا صورت حال ہوتی ہے۔ میں بہر طور تمہارے ساتھ زندگی جینا چاہتا ہوں۔ چاہے جو بھی ہو۔

اگر میں صرف سالم حداد رہ گیا تو بھی مجھے قبول کر لوگی نا۔" وہ بولنے کی پوزیشن میں کہاں تھی۔ وہ خود ہی عربی لہجے میں اس کے کان کے پاس بولنے لگا۔ "سارے حدادی آئے ہیں، مجلس ہے یا حیات سالم، دعا کرنا سب ٹھیک ہوجائے، ہم آج ہی پاکستان چلے جائیں گے۔" اس نے اسکارف سے نکلے ہوئے بائیں کان کے موتی پر بوسا دیا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ بدر جہاں نے لمبے سانس لے کر خود کو کمپوز کیا، کچھ تو تھا جو بہت شدید تھا، پر نظروں سے اوجھل تھا۔ اسے شیخ نجم طبوق سے پھر خوف آیا، کہیں اس نے تو کچھ نہیں کر دیا۔ وقاص کے پاکستان میں موجود گینگ سے بلیک میلنگ کا سارا مواد برآمد ہو گیا تھا، اس لیے اس طرف تو ذہن جاتا ہی نہ تھا۔ وہ تجسس وخوف کے زیر اثر باہر نکل آئی، اسے معلوم تھا مجلس پنچایت یا جرگہ طرز کی چیز کو کہا جاتا تھا۔ مجلس یقیناً مجلس (ڈرائنگ روم) میں تھی۔

وہ بیرونی دیوار کے بعد اندرونی عمارت میں بہت بڑا سا ہال نما کمرہ تھا، وہ اندازے سے ادھر آئی تھی کہ پہلا کمرہ چیک کرتی ہوں۔ خوش قسمتی سے وہی نکلا، اس نے رم جھم ہوتی مطر میں ناک ایلومینیم کی

دیدہ زیب کھڑکی سے ٹکادی، گلاس ہٹا کر آگے صرف نیٹ تھا۔ یقیناً موسم کی خوب صورتی کے لیے گلاس ہٹایا گیا تھا۔ اندر ایک ہی طرز کے عربی داشتے پہنے کمر میں خنجر لٹکائے سر پر عمانی پگڑیاں باندھے بہت سے لوگ دیوار کے ساتھ بلیک ریگزین کے کشن ٹکا کر بیٹھے تھے۔ (عربی فرشی نشست پسند کرتے ہیں۔)

انتہائی کونے میں خواتین بھی منہ، سر لپیٹے موجود تھیں۔ وہ پانچ، چھ خواتین یقیناً بہت معتبر رہی ہوں گی۔ بدر کو اب ستر فیصد تک عربی آنے لگی تھی، سمجھ تو تقریباً ساری آنے لگی تھی۔ اس نے خود کو بچاتے ہوئے آنکھیں اور کان اندر متوجہ کر لیے، آواز اتنی بلند اور جارحانہ تھیں، کان متوجہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

''شیخ طبوق کون ہوتا ہے، میری حرمہ کے بارے میں بات کرنے والا۔ محترم بابا جان! میں اگر موجود ہوتا تو یقیناً اس کا سر کاٹ ڈالتا۔ آپ نے اتنی آسانی سے جانے دیا۔'' شیخ سالم کی آواز میں غضب کا طیش تھا۔ بدر کو لمحوں میں کہانی سمجھ آئی۔

''اچھا تو تم اب ہندی لڑکی کی وجہ سے محترم بابا حضور سے اس طرح گستاخی کرو گے۔'' دوسرا عربی تھا۔

''وہ ہندی نہیں، پاکستانی ہے اور الحمدللہ مسلم اور میری بیوی ہے۔''

''برخوردار! بیویاں نسلی اور خاندانی ہی اچھی لگتی ہیں، شوق جیسے مرضی پال لو۔'' تیسری آواز تھی۔

''ہمارا خیال ہے تین ہفتے کسی ''اس طرح'' کے شوق کے لیے کافی ہوتے ہیں۔'' ایک اور آواز...... باتیں تھیں یا مارٹر گولے، بدر کے پرخچے اڑتے گئے۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے چچا جان، شرم آنی چاہیے۔'' شیخ سالم حداد کا بلا کا طیش بھرا انداز تھا۔

''تم کو ایک غیر عرب کو بیوی بناتے شرم نہ آئی، ہمیں کہتے ہوئے شرم آئے...... واللہ تم تو قاضی بن گئے سالم حداد۔ اب ہماری نسلیں ایک غیر عرب کے بطن سے جنم لیں گی، مقام عبرت ہے کہ نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں ہماری نسلیں پروان چڑھیں، مقام فکر ہے۔''

''میں احترام سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نسلی برتری کا شکار ہیں، غرور مسلم کو زیب نہیں دیتا، نسلی امتیاز اسلام نے ختم کر دیا تھا۔ برتری کی بنیاد تقویٰ ہے۔''

''تقریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ طبوق قبیلے کو ناراض کرنا عقل مندی نہیں۔ وہ کہتا ہے محض طلال کے کہنے میں آکر تم نے جان بوجھ کر اس لڑکی کو اس کے قابل نہیں چھوڑا۔ وگرنہ تمہارا تو اس لڑکی سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔''

''بابا جان آپ میرے سامنے میری حرمہ کے لیے جو بول رہے ہیں، کوئی اور بولتا تو......'' اچانک ہی وہ لمبی تڑنگی خاتون نمودار ہوئی تھی، اس نے سختی سے بدر کا ہاتھ پکڑا اور قریبی کمرے میں گھس گئی۔

''میں سالم حداد کی دوسری ماں ہوں طوبیٰ حداد...... اچھی دکھتی ہو، پر تم سے زیادہ حسن تو یہاں عرب میں موجود ہے۔ پھر کیا، کیا ہے میرے شیخ کو جادوگرنی۔'' اس گوری چٹی اونچی لمبی حسین سی عربن کے الفاظ اتنے زہریلے ہوں گے بدر کو اندازہ نہ تھا۔

''یہ بلینک چیک ہے، لو اور میرے شیخ کی جان چھوڑ دو۔ تم نے شیخ سے شادی کی ہے، لیکن اگر وہ تمہیں رکھے گا تو فقیر بن جائے گا۔ وراثت سے عاق اور خاندان کے کسی فرد سے بھی نہ مل سکے گا۔ ایسا ظلم میں اپنے بیٹے کے ساتھ نہ ہونے دوں گی۔ دفع ہو جاؤ اب۔'' وہ بولتی جا رہی تھی۔ پاس کھڑی ملازمہ ہندی نما اردو میں ترجمہ کر رہی تھی، بدر کو اب ترجمے کی ضرورت نہ تھی۔

''شیخ طبوق کی طرف سے بے فکر رہو، وہ تم پر اب تھوکے گا بھی نہیں، وہ جھوٹا نہیں کھاتا۔ پھر بھی تمہارے تحفظ کے لیے سال دو سال طلاق نہیں بھجواؤں گی۔ تب تک ان پیسوں سے گزارا کر لینا۔ اب نکلو ادھر سے، اس سے پہلے کہ سالم لوگ باہر آجائیں۔'' بدر کے آنسو اپنے آپ بہے تھے، اسے

اندازا ہوا بچھڑنا کتنا ضروری تھا۔

''رو کر میرے گھر نحوست نہ ڈالو، کسی اور کے خواب دیکھو اب، شیخ کی تو میں اسی ہفتے شادی کروا تی ہوں، یاد آیا تمہارے ہاں تو شوہر کی دوسری شادی پر عورتیں خود کشی کرلیا کرتی ہیں...... ہیں نا۔'' تصدیق چاہتے لہجے میں حد درجہ تمسخر تھا۔ ''ہونہہ نام کے مسلم، عمل سارے الٹ اور شادیاں ہم عربوں میں کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو بھلا ہو حکومہ (حکومت) کا صحیح لگام ڈال رکھی ہے، اگر عرب مرد یہ غلطی کر بھی لے تو ساری زندگی عرب کا شہری نہیں بنا سکتا حرمہ کو۔ خارجی ہی رہے گی بطاقہ (ویزا) ہی لگوانا پڑا کرے گا دو سال بعد۔'' وہ دھب دھب کرتی باہر نکل گئی۔ بدر کوٹ ٹکٹ پاسپورٹ سمیت اس کا ہینڈ بیگ دے دیا گیا۔ ملازمہ نے ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آئی، باہر کھڑی بہت سی قیمتی گاڑیوں میں سے ایک جی ایم سی آگے آئی تو میڈ مطار (ایرپورٹ) بول کر خود بھی اس کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئی۔

☆☆☆

لاہور ایرپورٹ سے گھر تک کا سفر خوشی و غم اور یقین و بے یقینی کے درمیان طے ہوا، اس کی اچانک آمد جہاں ماں کے لیے بہنوں کے لیے خوشی کا باعث تھی، وہیں کچھ افراد کے لیے غصے خجالت وصدمے کا سبب بھی تھی۔ اماں نے ٹیکسی کا کرایہ بھی اپنے ہاتھ سے دیا۔ اس کے پاس تو ہینڈ بیگ میں کچھ بھی نہ تھا، چیک وہ طوبیٰ حداد کے منہ پر مار آئی تھی۔ ماں، بہنوں کے سوا اس کی آپ بیتی پر کسی نے خاص یقین نہ کیا، جب اس نے ثبوت دیے کہ وقاص اسے دبئی لے کر گیا تھا، دبئی وہ وزٹ پر تھا۔ جب کہ عمان کا اس کے پاس دو سال کا ویزا تھا، لوگوں کو اسی طرح ان کا گینگ بے وقوف بناتا تھا۔ اس نے مہرو سے کہا، وہ نمبر نکالے جس سے وہ دبئی سے کال کرتی تھی۔ وہ دبئی کے کنٹری کوڈ کے ساتھ سیو تھا۔ پھر اس نے موبائل سے وہ نمبر نکالنے کا کہا، جس سے وہ عمان کا کہہ کر بات کرتی رہی تھی۔ وہ شیخ سالم کا تھا۔ کویت کا نمبر و کنٹری کوڈ کہیں نہ تھا۔ سجاد نے یہ دلیل بھی رد کردی کہ ''نمبر تو رومنگ پر کروالیے جاتے ہیں۔''

اس نے قسم کھا کر یقین دلانا چاہا کہ اسے خود وقاص نے بیچ ڈالا تھا۔ بیس ہزار ریال کے عوض اور اگر وہ خود جاتی تو ایسے خالی ہاتھ تو نہ آتی۔ مہرو کا ذکر وہ سیرے سے گول کر گئی، اسے وہ ہر آگ سے بچانا چاہتی تھی۔

وہ بڑے خار خار دن تھے جو ہفتوں میں بدل رہے تھے اور ہفتے مہینوں میں۔ وہ جو کسی کی بدولت انٹرنیشنل رپورٹرز و فوٹو گرافرز سے بچ آئی تھی، گھر کے رپورٹر سے نہ بچ سکی۔ وہ مڈل کلاس سے بھی نچلے درجے کے لوگ تھے جہاں لڑکیوں کی شادیاں جہیز کی بدولت ویسے ہی مسئلہ بنی ہوئی ہیں، تو کہاں وہ بدر جہاں جو در، در شیخوں کے ہاتھ بکتی رہی تھی، وہ کتنی بار بار اور کہاں کہاں بیچی جاتی رہی، اس سے زیادہ اس کے رشتے داروں اور محلے والوں کو پتا تھا۔ خواتین اس سے ہمدردی کی آڑ لے کر وہ، وہ تیر برساتیں جو دو، دو مردوں سے نکاح کر کے بھی اس کے لیے خفت، خجالت اور آزار تھے۔ وہ کسی سے مل لیتی تو مصیبت اور نہ ملتی تو عذاب۔ وہ ہاٹ کیک بنی ہوئی تھی، گھبرا کر سوچا کرتی۔ ابھی تو میں سیدھی گھر آئی ہوں، اگر ٹی وی اور جیل سے ہو کر آتی تو کیا بنتا؟ اماں اس کی طرف دیکھتی تو بس روئے جایا کرتیں، پھر اسے ہی کوسنے دیتیں۔

''نی بدر، تو پیدا ہوتے مر جاتی، تیرا دبئی میں ایکسیڈنٹ ہو جاتا۔ تجھے گولی لگ جاتی، تو واپس بھی نہ آتی، مجھے صبر آ جاتا تو ادھر کیا لینے آگئی۔ جس سے نکاح کیا تھا اس کے پاس ہی رہ جاتی۔ نوکرانی بن جاتی ان کی، اری تو نے مجھے جیتے جی مار ڈالا۔'' وہ ماں کے پاؤں پڑ جاتی، اسے پتا تھا اماں اس کی محبت میں یہ کوسنے دیتی ہیں۔ اس کے دکھوں پر کرلاتی ہیں۔ ورنہ طعنے تو ان کو بھی ملتے تھے، اونچے سمدھی ڈھونڈنے کے، مشورہ نہ ماننے کے، رشتے داروں کو شوخیاں دکھانے کے اور مہر جہاں کی اس سے بھی زیادہ اچھی جگہ شادی کرنے کے، ان کے بڑے بول

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ان کو پھوپھیاں، ممانیاں آتے جاتے یاد کروا کے جاتی تھیں۔ اس ساری صورت حال نے ان کو بیمار کر ڈالا، جب کہ بدر جہاں کو ان کی بیماری نے پھر سے زندگی کی دوڑ میں شامل کر ڈالا۔ وہ پڑھا کر آتی تو اماں کا سایہ بن جاتی، وہ جو دس ہزار لے کر آتی اس نے بھابھی کا بھی منہ بند کر ڈالا تھا۔ (وقتی طور پر) بلا کی گرمی میں آگ برساتے سورج تلے جب اسے روڈ کراس کرنے کے لیے انتظار کرنا پڑتا تو اسے وہ عمان و دبئی یاد آ جاتے، جہاں جانوروں، بچوں اور عورتوں کو دیکھ کر معروف ترین شاہراہ پر بھی ٹریفک رک جاتی۔ ''احتراماً'' کہ پہلے یہ کراس کر لیں۔ بھابھی ان کو دیکھ کر کھانے پینے کی اشیاء الماریوں، تکیوں کے نیچے چھپاتی تو اسے اجنبیوں کی وہ سخاوت یاد آتی جو وہ پاس سے گزرتے ہوئے ہر اجنبی کے ساتھ کیا کرتے۔ وہاں کوئی ایک برا ٹکرایا تو تین، چار اچھے بھی ملے تھے۔

☆☆☆

اماں کا گزرنا اس کے لیے جو صدمہ تھا سو تھا، لیکن مہر جہاں اور طیبہ کے لیے تو گویا زندگی تنگ پڑنے لگی تھی۔ ایسے میں اماں کے بعد اماں کی زبان آپا اور مہرو کے منہ میں آ گئی۔

''بدر تو سالم کو کال کر تو سہی، کیا پتا کچھ بہتر ہو گیا ہو وہاں۔''

''آپا کیا بہتر ہو گا؟'' وہ بظاہر لاپروا ہو کر کہہ دیتی۔

چل دفع ہو، باقی تو سالم کا نمبر بتا۔ میں کہتی ہوں وہ تجھے بلائے وہاں۔ ایک بار تو چلی گئی تو کیا پتا سب اچھا ہو جائے۔'' وہ شیخ سالم کا نام اس بے تکلفی سے لیتیں جیسے بچپن کی جان پہچان ہو۔

''آپا اس نے نیکی کی تو میں اس کے گلے پڑ جاؤں، خود غرض بن کر سب چھوڑنے کا کہہ دوں، ویسے کون کسی کے لیے دھن، دولت و مرتبہ چھوڑتا ہے بھلا۔'' وہ ایسا کہتی اور بائیں کان کا موتی جلنے لگتا، اتنا جلتا کہ آنچ بائیں پہلو تک پہنچ جاتی۔ اسے لگتا ابھی دل پھٹا کہ تب......

''آپی! آپ کو یاد ہے شادی سے پہلے آپ کہا کرتی تھیں، محبت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، تو اب......'' مہرو پوچھتی، وہ کتابوں کی باتیں تھیں، یہ حقیقت کے دکھڑے ہیں۔ بدر محبت زندگی سے ہوتی ہوئی کتابوں تک پہنچی ہے۔ وہ سر جھٹک کر اٹھ جاتی۔

''نہیں کرتا مجھ سے کوئی شادی تو نہ کرے، میں بس اب مہرو اور طیبہ کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں، یہ سال تو ضائع ہو گیا، اگلے سال کالج میں ایڈمیشن کرواؤں گی اس کا۔ مگر بھابھی اور سجاد نے اگلے سال تک نوبت جانے نہ دی اور سترہ سالہ مہرو کا رشتہ بھابھی کے چچا سے طے کر دیا، جس کے سات بچے تھے اور حال ہی میں آٹھویں کی دفعہ بیگم گزری تھیں۔ بدر کو اندازہ تھا کہ اس کی کہانی کے بعد اس کی بہنوں کے رشتے ذرا مشکل ہوں گے، لیکن اتنے بھی نہیں کہ سترہ سالہ لڑکی کو سات بچے پالنے کو دے دیے جائیں۔

اسے معلوم تھا پیسا واحد شے ہے جو سجاد اور بھابھی کے ہر ارادے کو بدل سکتا ہے۔ اسے پلاٹینم کور والا فون یاد آیا جو شیخ سالم نے اسے دیا ہوا تھا، وہ بھی وہ طوبی حداد کے کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔ تاکہ وہ اس کی خودداری کا اندازہ کرے۔ کاش وہ ہوتا تو اسے ہی بیچ ڈالتی، پلاٹینم تو خاصی مہنگی ہوتی ہے۔

''آہ...... کسی کے پاس اتنی دولت کہ فون اور جوتے بھی پلاٹینم اور گولڈ کے رکھیں، ایک ہم ہیں کہ ضرورتوں کو ترسے ہوئے۔'' اس گلف میں بہت سارے لوگوں کے فون و جوتے قیمتی دھات کے دیکھے تھے، گولڈ کے جوتے انڈین تاجروں کے پیروں میں اور پلاٹینم کے فون عربوں کے ہاتھوں میں۔

''پیسا بھی فساد کی جڑ ہے اور پیسا ہی تمام مسائل کا حل۔'' وہ مہرو اور طیبہ کو مسلسل روتے دیکھ کر سوچنے لگی۔ اس نے پرس سے سو کا مڑا تڑا نوٹ نکال کے مانی کے ہاتھ پر رکھا، کالنگ کارڈ لا کر دو۔ اس نے تیرہ سو کے موبائل پر تیرہ ہی ہندسے ڈائل کیے،

بیل جانے سے پہلے کی خاموشی روح کی خاموشی سے تال ملا کر دھڑکنوں کو نچانے لگی۔ بے قراری اتنی شدید تھی کہ وہ ٹھنڈے پسینے میں نہا گئی۔ وہ جس کو محبت کا دعوا تھا، اس نے سوا سال سے خبر تک نہ لی اور میں اپنی انا، عزت اور خودی داؤ پر کیوں لگاؤں، فقط اتنا ہی تو لکھا تھا۔ ''خدا کے لیے میرے پیچھے مت آنا۔'' اور اس نے واقعی مان لیا۔ سچ میں نہ آیا۔

کانپتے ہاتھوں سے اس نے سرخ بٹن دبا دیا، دل کو سرزنش بھی کر ڈالی کہ واسطہ دے کر خود اسے گنوا کر آئی ہو۔ اب کوئی حق نہیں اس کی زندگی ڈسٹرب کرنے کا۔ اب تک تو اس کا بے بی بھی ہو گیا ہوگا، کوئی چھوٹا شیخ یا شیخانی وہ بہتی آنکھوں سے مسکرا دی۔ بیل پتا نہیں گئی تھی یا نہیں، اس نے اس خیال کو بھی جھٹک دیا۔ مانی کی فٹ بال آ کر اس کے پیروں میں گری تو اس نے کسی انجان جذبے کے تحت بازوؤں میں بھینچ ڈالی، اسے یاد آیا وہ اب بچوں کو فٹ بال کا بھی تحفہ دیا کرتی ہے۔

☆☆☆

سرما کی پہلی بارش تھی۔ گھر کی فضا ویسی ہی سوگوار تھی جیسی کل۔ اسے بارش سے شدید الجھن ہوئی۔ ابا کے بعد اس گھر میں موسموں کے رنگ ویسے نہ رہے تھے، لیکن اماں کے بعد تو موسم بھی نہ رہے۔ اتوار کا دن تو ویسے بھی اس کا گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف گزرتا تھا، تو تھکاوٹ ہوا کرتی تھی، آج کے اتوار تو اس نے اور مہرو نے تنکا نہ توڑا تھا، پھر بھی تھکاوٹ تھی کہ جان لینے کے درپے تھی۔ ساری رات کے رت جگے اور سوچ و بچار کے بعد اس نے تیرہ ہندسے صبح ڈائل کر ڈالے تھے۔ اب تو نو بجنے لگے ہیں، عشاء ہوئے بھی دو، گھنٹے ہو گئے اسے بیل گئی ہوتی تو اب تک تو کال کر بھی لیتا۔ بیل گئی بھی نہیں، چلو شکر ہے نہیں گئی، مزید بھرم ٹوٹنے سے بچ گیا، وہ پھوڑے جیسے دکھتے دل کے ساتھ مہرو کو دیکھتے ہوئے وضو کرنے چل دی، جاءنماز اور دعا سے اچھی پناہ گاہ کوئی نہیں۔ ہاتھ اٹھے تو آنسوؤں سے بھر گئے۔ وہ روئے گئی اور روئے ہی گئی۔ مانی کے اوپر رضائی سیدھی کرتے اسے لگا دروازہ بجا ہے۔ موبائل دیکھا تو پونے بارہ۔

''وہم ہوا ہے شاید۔'' اب کے دستک واضح تھی۔ ''اس خراب موسم میں خدا خیر کرے۔'' بادل پھر سے برسنے کو تیار کھڑے تھے، پھر دستک، موسم کی بدولت چھوٹی سی گلی میں لوگ نکاسی نالیاں چیک کرتے باتیں کیے جا رہے تھے۔ اس نے بلا جھجک دروازہ کھول لیا۔ اس نے پڑھا تھا، پیچھے مڑ کر دیکھنے والے پتھر کے ہو جاتے تھے۔ وہ پہلی ہستی تھی جو سامنے دیکھ کر پتھر ہوئی۔

سجن باجھوں ساہ نئیں آوندا
عشق علاوہ راہ نئیں آوندا
ہجرا ساڈے گلروں لھہ جا
تینوں کدھرے پھاہ نئیں آوندا

(محبوب کے بنا نہ سانس آتی ہے، نہ عشق کے علاوہ کوئی راستہ، اے ہجر تو ہمارا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتا، تجھے پھانسی کیوں نہیں آ جاتی۔)

''میں ساری زندگی اینتھے کھڑا رہ سکدا شرط اے وے تو اسی طراں میرے سامنے رووِیں......'' وہ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ وہ پتھر تھی، اس نے ہولے سے گال چھو کر جان دار بنا ڈالی، پہلے اردو اور اب پنجابی...... برستی بارش، من محرم کا ساتھ، روم روم میں ترنگ بھر گئی۔

☆☆☆

''آپ کیسے...... یہاں......'' بدر کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

''تم نے خود ہی تو فون کیا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے ہاتھ واپس جیکٹ کی جیب میں ڈال رہا تھا۔ چھوٹے سے گھر کے مکین پل کے پل میں اٹھ گئے۔ وہ ان سب میں کھڑا سب سے جدا تھا۔ سب سے پہلے مہر جہاں پاس آئی۔

''سالم بھائی......'' وہ روتی رہی، وہ سر پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیتا رہا۔ (مطلب باخبر تھا۔) دفعتاً واپڈا

کی مہربانی سے تاریکی چھا گئی۔

''بھائی یہ پاکستان کی پہچان ہے۔'' مہرو کھلکھلائی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے گھر آنے کی؟'' سجاد اب حیرت اور اس کی شخصیت کے رعب داب سے نکلا تھا۔

''اپنی حرمہ کو لینے آیا ہوں۔'' مضبوط لہجہ۔

''تو پہلے بیوی نہیں تھی جب گھر سے نکالا تھا۔''

''غلطی اس کی ہے، یہ مجھے بتا کر کب آئی۔''

اب کے بھی لہجہ ہموار ہی تھا۔ سجاد کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، جب کہ درجہ حرارت منفی سے گرا ہوا لگنے لگا تھا۔

''دوسروں کی بیٹیوں کو خرید کر نکاح کو کھیل بناتے تم لوگوں کو شرم نہیں آتی۔'' سجاد نے گریبان پکڑ لیا۔ بجلی کی کڑک اور بھی سہمائے دیتی تھی۔

''جب بیچنے والوں کو نہیں آتی تو خریدنے والوں کو کیوں آئے۔'' اس نے نرمی سے جیکٹ کا کالر چھڑوالیا۔ ''اچھے برے لوگ ہر جگہ موجود ہیں۔'' مہرو اور بدر سجاد کو پکڑ کے رونے لگیں۔ ''میرے بنا وہاں سے آنے کا فیصلہ بدر کا اپنا تھا۔ یہ میری حرمت ہے، برائے مہربانی اب کوئی ایسا لفظ نہ کہیے گا جو میری برداشت سے زیادہ ہو۔

بدر مجھے فریش ہونا ہے، تین گھنٹے بعد ہماری فلائٹ ہے، وقت بہت قلیل ہے۔'' وہ اب بدر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ چارپائی پر بیٹھا، جھک کر جوتے کے لیس باندھ رہا تھا، جب بدر عمانی عبایا پہنے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی وہ پیسے مانگنا چاہتی تھی۔ مہرو اور طیبہ کے لیے۔ ان کے بیچ جانے کیسی دوری آئی تھی، جس نے سارے تکلف مٹا ڈالے تھے۔ دونوں کو ایسے لگ رہا تھا۔ جیسے صدیوں سے میاں، بیوی ہوں۔ وہ پاس ہی آئی تھی کہ اس نے پاکٹ سے پرس نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔ بدر کو لگا محبت شیخ سالم حداد جیسی ہو گی۔

اگر جو مجسم ہوتو۔ اس نے عمانی کرنسی کے سب سے بڑے نوٹ نکالنے چاہے، تو وہ سیدھا ہوتے بولا۔

''زوجہ یہ پرس تمہارا بھی ہے، تمہارا نان ونفقہ جو میری ذمہ داری ہے میرے ہوتے تمہیں اس کی ضرورت تو نہیں ہوگی۔'' وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی اور ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''یہ آنکھیں مجھے دے دو۔''

''کب کی دے ڈالیں۔'' وہ بلاجھجک بولی۔

''مائی آنر۔'' جواباً اس نے سینے پر ہاتھ رکھ ڈالا۔''

''سجاد بھائی مہرو کا ہوسٹل سمیت اچھے سے کالج میں داخلہ کروا دینا، سارا خرچا میں بھیجا کروں گی، آپ نے بس ان کا سرپرست بن کر ان کو پڑھانا ہے اور ہاں ان دونوں کی شادی کی فکر بالکل چھوڑ دیں، ان کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے دیں پھر ہم سب مل کر شادیاں بھی کروا دیں گے۔ ابھی آپ بس اپنی بیوی، بچوں پر بھی توجہ دیں، کسی کو بھی آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔'' وہ بھائی کو پرس پکڑا رہی تھی۔

''عمانی کرنسی ہے، تبدیل کروالینا۔'' وہ باتیں کیے جارہی تھی، روئے جارہی تھی۔ سجاد بھائی کو بھی جانے کیا ہوا، وہ پھولا ہوا پرس لینے سے مسلسل انکاری تھا۔ شیخ سالم سب سے بے نیاز صحن میں پڑی فٹ بال کو پیر سے چھو کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے پاکستان کے فٹ بال سے ہی کھیلنے کی ابتدا کی تھی۔

بدر نے مہر کے ہاتھ میں پرس دیا اور روتے ہوئے باہر نکل آئی۔ اسے یقین تھا، اب روتے ہوئے جارہی ہے، تو ہنستے ہوئے آیا کرے گی، جب ہنستی ہوئی گئی تھی تو روتے لوٹنا پڑا تھا۔ ٹیک آف کے بعد سالم نے سیٹ اسٹریچ کرلی، اپنی بھی اور اس کی بھی۔

''ہم سعودیہ کیوں جارہے ہیں۔'' وہ بولی۔

''عمان میں فی الحال ہماری جگہ نہیں ہے، اس لیے۔''

بدر کے آنسو دل پر گرے۔ ''بن تو جائے گی نہ۔''

''ان شاء اللہ۔'' وہ پریقین تھا، وہ مطمئن ہوگئی۔

''سعودیہ میں ہم کیا کریں گے؟'' وہ پھر سے اس کے لیے افسردہ ہوئی تھی۔

''بچے پیدا کریں گے، تم ان کو پالنا'' وہ ٹپٹائی۔

''میرا مطلب کام سے تھا۔ میں اکیلی سعودیہ اور آپ تو اپنی ٹیم کے ساتھ عمان میں ہوں گے نا۔''

''کون سی ٹیم؟''

کرہ کی۔''

عمان نہیں تو کرہ بھی نہیں مہندس (انجینئر) ہوں میں۔''

''پاکستان کا ایڈریس کیسے ملا؟''

''پاسپورٹ کی کاپی تھی میرے پاس، باقی کام میجر طلال نے کیا۔''

جب پہلے سے ایڈریس تھا تو آئے کیوں نہیں۔'' خود ہی شکوہ ہوگیا۔

''تم نے پہلے کیوں نہیں بلایا، اے میرے ظالم چاند۔ میڈ سے وہ سلپ لیتے ہوئے مجھ پر کیا گزری، چاہوں بھی تو نہ بتا سکوں۔''

''میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ نسلی و لسانی تعصب کی زد میں آکر اپنا سب گنوا دیں۔'' بدر کی آنکھ سے نامراد آنسو ٹپک کر بامراد ہوا تھا۔ سالم نے اس کے مرمریں ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''چار سو ستاسی دن تمہارے فون کے انتظار میں سوتے جاگتے گزارے ہیں، ابھی سونے دو حیات سالم، باقی کی زندگی تمہاری اجازت سے نیند آئے گی، یہ سالم حداد کا وعدہ ہے، تاریخ گواہ ہے، سالم اپنے لفظوں سے کبھی نہیں پھرا۔'' وہ مسکرایا تو بدر جہاں بھی مسکرا دی۔ تشکر و محبت میں ڈوبی دائمی مسکراہٹ۔

☆☆



منعم ملک

کہو اک دن

فروری کی ہلکی ہلکی دھند نے پورے چاند کی چاندنی کو مدھم کر دیا تھا۔ ٹھٹھرتی دھند دھواں بن کر درختوں کے گرد گھومتی تھی۔ فلک کی مانگ میں تاروں کی افشاں بکھری تھی اور اوپر سے نیچے تک چاندنی میں دُھلے سفید ٹھنڈے پردے سے گرے تھے۔ کہر میں ڈوبی رات پر ہو کا عالم طاری تھا۔ اور اس سکوت میں جھینگروں کی آواز بھی کہیں تنکوں میں دبی تھی۔ ایسے میں وہ صحن میں پڑے تخت پر بیٹھی ٹھنڈ سے مکمل طور پر بے نیاز لگتی تھی سرما کی سرد یخ بستہ راتیں اور کچنار کے پیکے پھولوں جیسی صبحیں۔ دودھیا چاندنی اس

کی کمزوری تھیں اور یوں بھی یہ پرسکون پھوار جیسی رات اور پریوں کے لباس جیسی چاندنی اس کے احساس کی ترجمانی کرتی تھی پورا ماحول وہ احساس جو یقین تھا وہ یقین جس کا احساس تراوٹ آمیز تھا۔

وہ چاندنی میں لپٹی دھند کو دیکھے گئی۔ سفید ڈوپٹا نماز والے انداز میں چہرے کے گرد ہالہ بنائے تھا۔ اس کی معصوم چہرے پر بھی مسکان تھی' آنکھوں میں پاکیزہ سوچیں' دھیان کے پردے پر ایک شخص کا خیال تھا وہ شخص جس کی ہر بات ہر نصیحت دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر قیمتی تھی۔ وہ شخص جو اس کے روم روم بستا تھا جو دور ہو کے بھی قریب تھا۔ دل میں ہو کر بھی زبان پر رہتا تھا۔ وہ شاید افسانوی لڑکی تھی۔ اُس کی ہر امید برہان تھا' ہر خواب برہان سے تھا وہ پریمی تھی تو پریم پجارن کے جیسی شدت رکھتی تھی۔ دھیرے دھیر پاؤں جھلاتے ہوئے وہ سوچوں میں گھری تھی بستی کا اکلوتا ٹیوب ویل چلتا تھا وہ گاؤں کی لڑکیوں کے ساتھ کپڑے دھونے جاتی تھی ایک دن برہان اس کی تلاش میں وہاں تک چلا آیا جینز میں ایک ہاتھ اڑسے آہستگی سے منہ چلاتا ہوا جھکی جھکی نگاہیں اور بے نیاز سا انداز۔۔ دوشیزاؤں نے بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کو آنچل کے کونے دانتوں میں داب لیے۔ صوفیہ پہ سرخ رنگ پڑ گئے صوفی آؤ بات سن لو۔ یہ کل کر لینا۔'' اس نے انگلی گھما کر اشارہ کیا وہ فرماں برداری سے گیلے کپڑے ڈینگریوں پر ڈال کر سر جھکائے چل دی۔ آگے پیچھے قدم قدم ساتھ چلتے خاموش رہ کر بھی سب کہتے وہ اتنے پیارے لگ رہے تھے کہ دیکھنے والیوں کو منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اپنی نظریں واپس لینی پڑیں (نظر اُتارنے کا طریقہ)

''میرے لیے دعا کرنا صوفیہ! تمہارے اُٹھے ہاتھ میری کٹھنائیاں دور کرتے ہیں' وہ ہمیشہ کہتا تھا اور وہ ہمیشہ ہی نہیں بھولتی تھی۔ ایک دن وہ بے حد خوش تھا اُس نے جاب حاصل کر لی تھی۔ وہ صوفیہ کو تفصیل بتا رہا تھا۔ ''میں انٹرویو کے لیے جا رہا تھا، اور میرے دوست بے یقین تھے کہ مجھے یہ سیٹ مل جائے گی کچھ نروس خیر میں بھی تھا۔'' صوفیہ ہنسی اور کہے بنا رہ نہیں پائی۔

''اور تم نے کہا ہوگا کہ وہ دعا کریں''، برہان نے سنا اور بے ساختہ کہا ''دعا کے لیے ہر کسی سے نہیں کہتا میں''۔ صوفیہ کی اہمیت بلند اونچے مینار کی طرح بلند ترین ہوگئی وہ برہان کے حوالے سے خواب بنتی تھی برہان سے محبت پانا چاہتی تھی ایک ذرا سی لاپروائی بہت کھلتی تھی اسے۔

دور کہیں سے رات کے اندھیرے میں کتے کی آواز آئی تو اس کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔ پرانی یادیں جو ہمیشہ تازہ رہتی ہیں وہ سوچ کر مسکرائی۔ کل برہان نے آنا تھا اور وہ شدت سے منتظر تھی دُھند میں تخت چھوڑ کر وہ اندر جانے لگی تو نیند آنکھوں سے روٹھی لگتی تھی۔ وہاں برہان کی صورت روشنی تھی۔ صوفیہ اُسے اتنا یاد کرنے لگی تھی کہ ایک لمحہ صدیوں لمبی عمر پا کر جنم لینے لگا تھا دن تو بہت نخرے سے ڈھلنے لگے تھے۔

اور صوفیہ کا چین سکون...... برہان سیف ایک شاندار عمارت میں بیٹھا گلابی سی ہنسی ہنس رہا تھا۔ عین سر پر روشن فانوس نے اس کی رنگت کو راج ہنس سا بنا دیا تھا۔ اس کے کسی کولیگ نے اسے چھیڑنے کے لیے کوئی چٹکلا چھوڑا تھا اس کی محبت کم پڑھی لکھی اور وہ شہزادوں جیسا۔۔۔ شہزادوں جیسے نے لاجواب کر دینے کے لیے جواب دیا تھا۔

''کسی کو خود سے محض اس لیے کمتر سمجھ لینے سے وہ سکون بھی چھین جاتا ہے جو میسر ہوتا ہے محبت دل سے کی جاتی ہے نفع نقصان دماغ کے کھیل ہیں اس سے صرف سودا بازی ہوتی ہے مجھے میری وائف سے اس قدر محبت ہے کہ مجھے اپنے سامنے اس کا درجہ کہیں زیادہ بلند نظر آتا ہے اور بلند ہے بھی...... میں جو ہوں، فقط اُسی کی وجہ سے ہوں۔''

☆☆☆

''صوفیہ۔۔ چودہ فروری قریب آرہا ہے'' صوفیہ نیم کی لمبی عریاں ٹہنیوں کو دیکھ رہی تھی۔۔ جھومر کی بات پر چونکی۔ دل میں عجیب سا ارتعاش پیدا

ہو گیا تھا۔

''آں ۔۔۔ چودہ فروری ۔۔ نو ۔ تیرہ ۔ اُنیس'' مراقبے میں جا کر اُس نے ذرا سی امید ڈھونڈھنی چاہی تھی مراقبے نے اُسے مایوس کر دیا اس بار بھی مایوس۔

''کیا سوچنے لگیں ؟''

''کچھ نہیں۔تمہیں یاد آ گیا چودہ فروری'' وہ مسکرا کر بولی جھومر اس کی دوست تھی صوفیہ جھومر کے مہمانوں سے ملنے اس کے گھر آئی تھی۔ ''میں یاد کرتی نہ کرتی وہ کہاں بھولنے دیتا ہے ۔جھومر شرمگیں مسکراہٹ چھپانے لگی تو صوفیہ بھی بے ساختہ مسکرا دی ۔محبت کا دن ۔۔محبت والوں کو مبارک۔

''تمہیں پتا ہے حمیرا بھی کسی کا ذکر کر رہی تھی وہیں شہر میں کسی کو پسند کرتی ہے،، جھومر نے راز داری سے اپنی مہمان کا نام لیا وہ شہر کی رہائشی تھی اور جھومر کی رشتے دار تھی جوان سے ملاقات کرنے آئی ہوئی تھی ۔صوفیہ کے دل میں ہلکی سی ہلچل مچ گئی تھی ۔چودہ فروری ہر سال اس کے لیے حسرت بن کر گزر جاتا تھا ۔اب بھی گزر رہا تھا وہ دل مسوس کر رہ گئی دل میں اداسی پاؤں جمانے لگی تھی۔

''اس نے تمہیں بتایا؟'' وہ خیالوں کو جھٹک کر دل چسپی سے پوچھنے لگی۔

''ہاں وہ مجھ سے چھپا کر کیا کرتی ...... میں جب کالج پڑھنے جاتی تھی مجھے تو تب بھی شک تھا۔''

''جھومر ! قسمت والی ہے وہ۔''

''اچھا!'' جھومر بلاوجہ ہنسنے لگی' تم قسمت والی نہیں ہو کیا؟''

''میں ۔۔ پتا نہیں شاید لیکن جھومر کتنا اچھا لگتا ہے نا محبت کا دن منانا ،محبت کی علامت سرخ پھول دینا اور اپنے ہونے کا اظہار کرنا ۔۔میرے نزدیک وہ لوگ بہت خوش نصیب ہیں جن کے حصے میں ہر سال پھول آتے ہیں اور وہ اس پھول کو اگلے سال کے انتظار میں سنبھال کر رکھ لیتے ہیں۔'' وہ مدھم فسوں خیز انداز میں چمک کر بول رہی تھی بے رونق چہرے بھی بہار کھلنے لگی تھی جھومر کو حیران ہونے کی ضرورت نہیں تھی وہ صوفیہ کے خیالات سے آگاہ تھی بلکہ ہم خیال تھی۔

''کس کا انتظار ہو رہا ہے بھئی ......'' یہ حمیرا کی آواز تھی وہ غالباً ان کی گفتگو کے چند الفاظ سن چکی تھی۔اس لیے پیچھے کھڑی دریافت کر رہی تھی۔

''ہم ویلنٹائن ڈے کی بات کر رہے ہیں'' جھومر نے اُسے بھی شامل کرنا چاہا وہ معمول کے مطابق مسکرا کر قریب بیٹھ گئی کم از کم اس کے لیے ویلنٹائن ڈے کوئی بہت بڑا جادوئی دن نہیں تھا۔اتنا بڑا یعنی صوفیہ جتنا۔

''میں بھی اسی دن کا انتظار کر رہی ہوں ۔۔میرے فیانسی نے مجھے سرپرائز دینا ہے۔'' حمیرا کے کہنے پر صوفیہ دلچسپی سے اُسے دیکھنے لگی۔پھر اس کی آنکھوں میں رشک اُتر آیا'' وہ تمہارے فیانسی بھی ہیں؟ آپ لوگ مناتے ہیں یہ دن۔'' اس کے معصومانہ انداز میں اشتیاق کی جھلک تھی حمیرا نزاکت سے مسکراتی رہی۔

''بالکل ۔۔۔اس دن کا بھی اپنا ہی مزا ہوتا۔اس دن ہم باہر جا کر چاکلیٹ کھاتے ہیں' کافی پیتے ہیں ،سڑکوں پر چل کر پھولوں کی سجاوٹ کے نظارے کرتے ہیں ۔اور پھر لنچ ۔تمہیں معلوم ہے صوفیہ زندگی کی تمام الجھنیں پریشانیاں بھول کر چند پل ایسے گزارنا کتنا سکون دیتا ہے میرے پاس اُس کے دیے گفٹ اتنے ہو گئے ہیں کہ جگہ کم پڑنے لگی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے عام سے لہجے میں بتا رہی تھی ،لیکن صوفیہ سحر زدہ سی تھی ،یہ لڑکی وہ کرتی تھی جو صوفیہ کبھی کر نہیں پائی تھی۔

''واقعی ہمارا تو گاؤں ہے شہر میں تو رونق لگ جاتی ہوگی؟'' جھومر نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے صوفیہ کے دل کی بات کہہ دی ،فروری کی دھند آج بھی پھیلی ہوئی تھی۔

''صرف رونق......!'' وہ دھیما سا ہنس پڑی ۔۔''وہاں تو فروری شروع ہوتے ہی تیاریاں شروع ہونے لگتی ہیں ۔۔ ہر رنگ اور ہر قسم کے پھول ایسے خوب صورت انداز میں تراشیدہ کہ دل چاہتا ہے یہ منظر کبھی ختم نہ ہوا اور ہم وہیں کھڑے دیکھتے ہی رہ جائیں تب ہی احساس ہوتا ہے کہ پھول کس حد تک

خوب صورت نظر آسکتے ہیں۔"

حمیرا کہہ کر چپ ہوئی تو اُسے ہمہ تن گوش پایا۔ "تم اپنے بارے میں بھی کچھ بتاؤ؟ وہ اس کا اشتیاق محسوس کرکے بولی تھی۔

"میں کیا بتاؤں۔ !" وہ پھیکا سا مسکرائی جھومر کو بولنا پڑا۔

"محترمہ خود بھی منگیتر شدہ ہیں۔۔ ان قریب شادی ہے اس کی۔"

"گڈ نیوز۔۔ مبارک ہو، کیا کرتے ہیں وہ؟"

جاب۔۔ شہر میں ہوتا ہے۔۔ ہیرو ہے ہیرو۔"

جھومر کے جواب پر دونوں بے ساختہ مسکرائیں۔

"واؤ۔۔ پھر تو اُن کے لیے بھی خاص ہوتا ہوگا یہ دن جو اپنوں سے دور ہوں ان کے لیے چھوٹے چھوٹے موقع بہت معنی رکھتے ہیں۔۔ مجھے لگ رہا ہے صوفیہ کو محبت ہے ان سے" حمیرا مگن انداز میں بولتی گئی۔۔ صوفیہ مسکرائی نہیں تھی دل میں شکوے سر اُٹھانے لگے تھے شکایاتیں سر اُٹھانے لگی تھیں۔ فضا کی دھند اس کی آنکھوں میں اترنے لگی۔

"صرف صوفیہ؟ برہان بھی بڑی محبت کرتا ہے اس سے، وہ جتاتا نہیں مگر صاف نظر آتا ہے۔ ماں باپ کی کمی نے گہرا بنا دیا ہے اسے کچھ۔۔"

"میں ابھی آئی۔۔" وہ بدقت کہہ پائی۔۔ پھر کھڑی ہو پائی، اداسی دبیز ہوئی اور دل سے لپٹ گئی۔ بوجھل پن نے اس کے پاؤں منوں بھاری کردیے تھے۔ وہ دور رہتا تھا پھر بھی ایسے موقع اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔" ماں باپ کی کمی تھی تو صوفیہ میں کہاں کمی نظر آتی تھی۔ لیکن وہ محسوس کرتی تھی بہت کرتی تھی۔ برہان کی محبت فروری کی دھند جیسی تھی ارگرد گھومتی تھی تو ہاتھ نہیں آتی تھی۔۔ وہ بھی فروری کی دھند۔۔ اس کی محبت کوئی دھوکا تھی، دھند کی طرح اتر کر غائب بھی ہوجاتی تھی۔ وہ کتنے فروری بیتا چکی تھی۔ فروری اس کے لیے" انتظار بے فائدہ" تھی انتظار جو بے کار تھا۔ لاحاصل تھا وہ آشنا راستوں پر چل کر گھر کو جارہی تھی لیکن تاحد نگاہ بیرن دُھند چھائی تھی حمیرا اور جھومر کی باتیں د یان کے پردے پر دستک دیتی تھیں اور شعور یاد دلاتا تھا۔ آج نو فروری تھی' اس نے آنا ضرور تھا۔ لیکن صوفیہ کے لیے امید جگانا بے معنی رہ جاتا تھا۔۔ وہ اُنیس کو دیدار کراتا تب جب محبت کے دن موصول کیے گئے پھولوں کے پتے وجود سے جدا ہوچکے ہوتے۔ پنکھڑیوں کی خوشبو باسی ہوچکی ہوتی۔

☆☆☆

اس دن آنگن میں پرورش پاتا گلاب کا واحد پھول گویا صوفیہ کا مذاق اڑانے کے لیے کھلا تھا۔۔ اتنے عرصہ میں وہ تب کھلا جب صوفیہ اسے بانجھ مان چکی تھی' وہ حیران رہ گئی۔ حیرت سے وہ پھول دیکھتی رہی وہ کچھ پژمردہ سا تھا۔ فلک سفید تھا اور دھرتی روشن۔۔ گلابی خوشبو آوارہ اُڑرہی تھی وہ دن "ویلنٹائن ڈے" تھا۔

ابا کے موبائل پر گھنٹی بجی صوفیہ کی دھڑکنوں نے چوٹ کھائی تھی۔ وہ حسبِ عادت والہانہ پن سے برہان کا حال دریافت کرتے نما' نما مسکرارہے تھے۔

"خوش رہ پتر۔۔ تیری خیر خبر ملتی ہے تو طبیعت میں سکون آجاتا ہے۔۔ تو ہماری فکریں مت پالا کر۔" وہ محبت و فکر کے ملے جلے تاثرات سے بول رہے تھے ایسی محبت اب اماں جتاتیں۔۔ صوفیہ لاج کھاتے ہوئے' بات کرنے سے شرماتی تھی۔ برہان مارے شرم کے بات کرنے کا نہیں کہتا تھا۔

وہ کچھ دیر وہیں بیٹھی اُن کی آسودگی دیکھتی رہی وہ سوچتی رہی کہ برہان کیسی باتیں کر کے اُنہیں ہنسا رہا ہوگا' دل بہلانے کے خیال سے وہ ٹی وی سیٹ کرنے لگی ابا کی آواز وہ خراب تصویر دکھاتے ٹی وی کے شور میں سن سکتی تھی۔

"جھلا۔۔ ڈھکے لفظوں میں کہنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اب وہ پیروں پہ کھڑا ہو گیا ہے۔ اتنے سالوں کی محبت بھی اس کی جھجک کم نہیں کر پائی۔" صوفی کے ابا چاہے برسوں کی محبت ہو پھر بھی ہم صوفیہ کے والدین ہیں وہ کبھی ہم سے صاف لفظوں میں اپنے بیاہ کا نہیں کہے گا۔ ایسے موقع پر ہم نے خیال رکھنا ہے کہ اسے اپنے ماں پیو کی ضرورت محسوس نہ ہو۔" اماں کا لہجہ شریں تھا۔ ابا کا محبت پاش صوفیہ کے سامنے سے سارے شور پیچھے چھپ گئے تھے

اسیتیں والی (نصیبوں والی) ہم ہی اس کے پیو ماں ہیں اب واقعی اس فرض کی ادائیگی کا ویلا آ گیا ہے۔" سارے شور اب گنگ ہوئے تھے۔ گلابی خوشبوؤں نے اُس کے رخساروں کو گلال سے رنگ دیا۔ ٹی وی سیٹ ہو گیا تھا اور وہاں مارننگ شو چل رہا تھا اسکرین صاف تھی۔ اور ہمیشہ کی طرح اُس دن اُس واحد چینل پر چلنے والے مارننگ شو کا موضوع "ویلنٹائن ڈے" ہی تھا جو جھومر اور وہ شوق سے دیکھتی تھیں۔ مہمانوں میں کچھ شادی شدہ جوڑے تھے۔ کچھ بغیر شادی شدہ۔ ان کی ہوسٹ چمکتے چہرے' اشتیاق بھری آنکھوں اور پرجوش نظر آتے ہوئے "آپ محبت کا یہ دن کیسے مناتے ہیں" ہلا گلا کرتے پوچھ رہی تھی اُن کے جواب ناظرین و حاضرین کو خوش کرتے تھے۔ صوفیہ اس دن کا مارننگ شو کبھی مس نہیں کرتی تھی اسی دن اسی پروگرام میں دیے گئے ایک جواب نے اُسے مسحور کر دیا۔ وہ ایک شادی شدہ خاتون نے جواب دیا تھا اس عورت کے جواب نے صوفیہ کا دل خوشی سے بھر دیا تھا۔

"شادی سے پہلے تو "یہ" (ان کا شوہر) سب کچھ بے کار سمجھتے تھے مجھے نہیں یاد کہ انہوں نے کبھی اس دن گفٹ دینا تو دور مجھے وش بھی کیا ہو۔"

"او مائی گاڈ! ریئلی آپ برا نہیں مانتی تھیں؟"

ہوسٹ کے بے حد حیرانی سے آنکھیں پھیلا کر پوچھنے پر خاتون ہنستے ہوئے کہا۔ سچ بتاؤں تو تب بڑے ہی ان رومانٹک لگتے تھے اور میں خفگی جتایا بھی کرتی تھی لیکن پھر مجھے اندازہ ہو گیا کہ ہر شخص کا اپنا ایک الگ مزاج ہوتا ہے وہ اس چیز کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ہاں شادی کے بعد انہوں نے یہ شکایت بھی دور کر دی وہ کہتے ہیں کہ یہ دن منانے کا اصلی مزا تو شادی کے بعد آتا ہے' وائف بھی خوش۔۔ اور واقعی مجھے لگتا ہے کہ وہ صحیح کہتے ہیں۔" خاتون کی مسکراہٹ لبوں سے جدا نہیں ہوتی تھی ۔ ہوسٹ متاثر نظر آنے والے انداز میں تائید چاہنے کو زور شور سے بولنے لگی تھی۔

"یعنی۔۔ یعنی آپ مانتی ہیں کہ جن لڑکیوں کے فیانسی یا ان کے چاہنے والے اس معاملے میں ڈنڈی مارتے ہیں وہ شادی کے بعد ان کو یہ خوشی دیں گے۔" "ہو بھی سکتا ہے"

ٹی وی پر بریک چلنے لگا اور صوفیہ کا دل۔۔ وہ اتنا پیارا مسکرائی کہ بس،، ساری حسرت، اداسی ہوا کے سپرد ہوئی وہ جانتی تھی برہان اُسے چاہتا تھا اور بے حد چاہتا تھا اس دن واحد گلاب کا پھول اس کے لیے نہیں کھلا تھا اس لیے کسی کے توڑنے سے پہلے خود ہی ٹوٹ کر بکھر گیا۔ وہ اپنی شادی کی بات چلنے سے لے کر شادی ہونے تک کے دن خوش نما امیدوں اور سندر سپنوں کے سنگ جیتی رہی۔

☆☆☆

گرمیوں کی دھرتی کو صحرا کرتی دہکتی دھوپ میں وہ "صوفیہ برہان" ہوئی۔ رخصت ہو کر وہ اسی گھر میں رہی۔ برہان کے والدین، صوفیہ کے تایا اور تائی بچپن میں برہان کو زندگی کی شاہراہ پر تنہا چھوڑ کر ابدی نیند سو چکے تھے۔ پہلے وہ ابا کا ہونے والا داماد تھا پھر بیٹا بن گیا۔ وہ کم گو اور سنجیدہ ہو گیا تھا لیکن آنکھوں میں نرمی کا تاثر اُسے اپنائیت محسوس کراتا تھا صوفیہ پہلے برہان کا کمرا صاف کرتی تھی اب اپنا کمرا سجاتی تھی

وہ شہر میں رہتا آیا تھا اور اس سے اُس کی شخصیت میں ایک خاص نکھار تھا اس کی ہم عمر لڑکیوں نے اس پر رشک کیا اس نے بھی خود کو اسی قابل جانا۔ برہان اس قدر پیارا شخص۔۔ بے حد چاہنے والا شوہر۔۔ وہ تو خود پر ناز کرنے کے قابل تھی برہان کے سنگ اس نے گرم موسم برسات کے پھوار تلے گزارا۔ وہ بہت مصروف رہتا تھا اور صوفیہ انگلیوں پر دن گنتی تھی۔

ابا کا فون زیادہ تر اس کے پاس رہتا تھا' برہان کی کال وہ کبھی مس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جھومر' صوفیہ کو مستقبل کے نظارے کرواتی تھی شادی کے بعد سے وہ بہت کم دن گاؤں رک پاتا تھا۔ صوفیہ کئی کئی دن اداس رہتی تھی اور یہ اس کی شادی کے بعد نیا سال لگا تھا وہ انتظار کرتی رہی کہ برہان اُسے کال کرے گا لیکن وہ شاید جلدی میں تھا ابا سے بات کر کے فون بند کر دیا۔

جنوری گزر گیا وہ واقعی مصروف ہو گیا تھا کہ نہیں آسکا۔ صوفیہ کا بہت دل تھا کہ وہ فروری میں ضرور آئے اور صوفیہ کو اس دن کا تحفہ دے جس کی وہ کب سے منتظر ہے۔ اس کی چاہ کی شدت نے برہان کو شاید بے چین کر دیا تھا کہ تیرہ فروری کی شام فون پر اُس نے صوفیہ سے کہا۔

''میں کل آؤں گا صوفیہ! میرا انتظار کرنا، میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔'' برہان نے محبت سے بتایا اور صوفیہ کو سن کر کیسا لگا ہوگا اس کی کیفیت الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہوں گے۔

اس رات فروری کی ہلکی ہلکی دھند نے پورے چاند کی چاندنی کو مدہم کر دیا تھا وہ اس مدہم چاندنی کے پار اپنے شفاف سپنوں کو تکتی رہی۔ چودہ فروری۔ چمکیلے سورج کی انگلی تھام کر آیا صوفیہ نے سرخ لباس زیب تن کیا۔ آدھا دن وہ گنگناتی رہی یہ احساس ہی فرحت بخش تھا کہ جو کچھ وہ پڑھتی اور سنتی آئی تھی آج وہی سب اس کے ساتھ ہوگا وہ خوش ہو گی اور بے حد، بے حد خوشی نے اُسے چونکایا دن بوڑھا ہو چلا تھا۔

''ہیلو برہان۔۔ خیریت تو ہے آپ دیر لگا رہے ہیں کب آئیں گے۔'' وہ دوچند پریشانی کے ساتھ پوچھ رہی تھی برہان کو کچھ ندامت محسوس ہوئی۔

''صوفی مجھے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑ گیا۔ میں آج نہیں آ رہا۔'' خوشی شکستہ ہوئی اور دل چکنا چور۔ اپنی ساری تیاری اُسے مسخرے پن سے ہنستی نظر آئی تھی۔ ویلنٹائن نے جیسے تالی بجا کر قہقہہ لگا دیا۔ یہ چھوٹی بات نہیں تھی اس کے لیے اوندھے منہ گری وہ بے آواز پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆☆☆

پندرہ فروری سرد دن تھا برہان کی آمد پر اُس کے سپاٹ چہرے پر کوئی مسرت نہیں دوڑی وہ خود صوفیہ کو مرجھایا دیکھ کر حیران رہ گیا تھا متورم آنکھیں' سرخ ناک' بے رونق چہرہ اور بے ترتیب بال وہ فوراً اس کے پیچھے چلا آیا۔

''صوفی کیا حال بنا رکھا ہے اپنا طبیعت خراب ہے کیا؟''

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' وہ سنجیدہ تھی وہ بھی سنجیدہ تھا۔

''سچ بتاؤ تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔'' وہ اس کا کترانا بھانپ گیا تھا۔

''میں سچ بول رہی ہوں آپ کی طرح جھوٹ نہیں بولتی۔ اور اتنی فکر کر کے جتانے کی کوشش مت کرو کہ میری بہت پروا ہے تمہیں۔'' اُس کے ضبط کھونے پر وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''مجھے واقعی پروا ہے تمہاری۔'' اسے صدمہ پہنچا

''تم ایسے کیوں بات کر رہی ہو، مجھ سے ناراض ہو؟'' صدمے کی جگہ پریشانی نے لی اس کی جان پر بن آئی تھی بے قصور ہو کر۔

''مجھے ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں۔'' وہ رونا ضبط کرنے لگی۔

''بلاوجہ ناراض ہونے کا۔'' برہان نے تصیح کرنے کی حماقت کی صوفیہ کو آگ لگ گئی تھی۔

''بلاوجہ...... میں بلاوجہ کر رہی ہوں یہ سب؟'' برہان نے بوکھلا کر آتے طوفان کو روکنا چاہا لیکن اس کے ایک دم

رونے پر دم بخود رہ گیا اُسے یکایک کچھ ہونے کا احساس ہوا تھا۔

"سب مرد ہوتے ہی ایک جیسے ہیں پہلے دل توڑتے ہیں پھر معصوم بنتے ہیں' بے وقوفی تو میری ہے کہ میں نے تم سے توقع وابستہ کی سارا دن انتظار کیا اور.....ہچکیوں نے اسے بولنے سے روک دیا برہان اضطراری کیفیت میں اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"صوفی ایم سوری...... مجھے واقعی مجبوری میں جانا پڑ گیا' وہاں سے آتے ہی میں سیدھا ادھر چلا آیا۔ تم کل کے لیے ناراض ہو ناں، یار ایک دن سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ایک دن سے......! کل ویلنٹائن ڈے تھا۔" شکوہ کناں نگاہوں سے یاد دلاتے ہوئے اس نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ کچھ پل وہ بول نہیں سکا ساری بات جو سمجھ میں آ گئی تھی۔

"تم اس لیے رو رہی ہو۔" اُسے افسوس ہوا۔ وہ صاف یہ کہہ کر کہ اسے اس دن کو منانے میں کوئی دلچسپی نہیں صوفیہ کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ وہ ہنوز ہچکیاں لیتی رہی۔ "یہ بڑی بات تو نہیں صوفیہ......"

اب کے وہ چپ نہیں رہی۔

"خوشیاں چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہی ملتی ہیں برہان میرے لیے یہ بات بہت معنی رکھتی ہے کہ تم محبت کا دن میرے ساتھ مناؤ اور ہزاروں لوگوں کی طرح مجھے گفٹ یا پھولوں کے ساتھ محبت کا اظہار دو۔ لیکن تم مجھ سے محبت کرتے تو ایسا کرتے ناں۔۔ اس دن کی اہمیت محبت کرنے والے ہی سمجھتے ہیں۔" وہ آنسو صاف کرتی بہت معصوم لگ رہی تھی۔ برہان اس کے شکوے اور طنز پر بے ساختہ مسکرا دیا۔

"اچھا محبت کے لیے کوئی ایک دن مقرر ہو سکتا ہے؟" وہ سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا صوفیہ متاثر ہوئے بغیر خاموش بیٹھی رہی۔ "جواب دو صوفیہ۔۔ کیا تم جانتی ہو کہ جتنا اس بات کو تم خود پر اس حد تک طاری کر رہی ہوں اس دن کی اہمیت دو کوڑی کی بھی نہیں۔"

"مجھے باتوں سے مت بہلاؤ۔" وہ شدید

خفا تھی۔ ''میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں یہ ہمارا کلچر ہی نہیں ہے صوفیہ! تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ اس دن کے پیچھے کتنی برائیاں جنم لیتی ہیں میں منفی اثرات کی طرف نہیں جاتا تاکہ تم یہ نہ سمجھو میں اپنی کوتاہی چھپا رہا ہوں۔ مجھ سے کوئی بھول نہیں ہوئی محبت کا کوئی ایک دن ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا گھر میں بیٹھ کر پیار جتانے سے اور باہر جا کر یا لازمی اسی دن پھول دے کر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ کوئی آپ سے کتنا پیار کرتا ہے؟''

''ہاں.... اس دن اس لیے پھول کے تبادلے ہوتے ہیں کہ کوئی آپ کی کتنی قدر کرتا ہے اور اس سے آپ کو کتنی محبت ہے؟'' وہ ابھی بھی مصر تھی۔ برہان کو پھر ہنسنا پڑا۔

''اچھا.... اور پھول دیتے کیوں ہیں؟''

''تاکہ ان کی محبت اس پھول کی طرح خوشبودار اور تروتازہ رہے۔'' اسے سب پتا تھا۔

''تاکہ ان کی محبت اس پھول کی طرح مرجھا کر سوکھ جائے، مطلب یہ بھی تو لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ پھول تو چند دن میں ہی بےکار ہوجاتا ہے تو کیا محبت کو چند دن زندہ رکھنے کے لیے پھول دیتے ہیں؟''

وہ اس بات سے اسے لاجواب کر گیا، گہرا سانس بھر کر وہ مزید گویا ہوا۔

''مجھے اختلاف ضرور ہے ان سے، لیکن وہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں صرف تمہیں سمجھانے کے لیے یہ گفتگو کر رہا ہوں کہ کسی معمولی سی بات کو لے کر اپنے قیمتی آنسو کو یوں ضائع مت کرو، کیوں کہ تمہارے شوہر کو یہ تکلیف دیتے ہیں۔ ویلنٹائن جیسی خرافات اب یہاں اتنی پھیل چکی ہے کہ یہ تاریخ بچے بچے کو ازبر ہوگئی اور اسی دن کپل کو باہر نکلا دیکھ کر جو کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کے منفی اثرات سے بھی کوئی انجان نہیں.... یہ سوچیں کہ ہم بھی کسی برائی میں ملوث ہیں یا ایسی ہی کوئی غلیظ سوچ کیا تمہیں برداشت ہوگا۔ مجھے تو ہرگز نہیں ہوگا۔ تم مجھے کہہ کر تو دیکھو میں تمہیں ہر روز پھول دے سکتا ہوں۔'' صوفیہ کچھ دیر نظریں چراتی رہی، پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔

''لیکن تم ہی نے کسی سرپرائز کی بات کی تھی۔''

''اور وہ سرپرائز تم نے ویلنٹائن ڈے کا پھول سمجھ لیا۔'' وہ اس کی بےوقوفی پر ہنس کر اسے شرمندہ کر گیا۔

''تو اور کیا؟'' وہ جھینپ کر بولی۔

''وہ سرپرائز اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ میں اب تم لوگوں کے بغیر نہیں رہ سکتا، تمہاری یاد تو کام میں بھی دل نہیں لگانے دیتی۔ اسی لیے میں نے تمہارے لیے وہیں گھر خرید لیا ہے۔'' وہ کہہ کر محبت سے صوفیہ کو دیکھنے لگا۔ جس کی آنکھیں پھیل کر جھیل ہوگئی تھیں۔

''گھر....؟'' وہ بدقت کہہ پائی۔

''ہاں گھر.... ہمارا چھوٹا سا آشیانہ.... ہماری جنت۔'' وہ جذب کے عالم میں کہتا ہوا صوفیہ کے سارے شکوے دور کر رہا تھا۔ صوفیہ نے آنکھوں سے دھند اترتی دیکھی۔

''اسے میں تحفہ سمجھوں۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولی۔ برہان جاں نثار ہوا۔

''ہماری شادی کا تحفہ۔'' وہ اس کی آنکھیں خشک کر کے بولا۔

''لیکن پھر بھی.... پھول اگر....'' وہ کہتے کہتے جھجک کر رک گئی۔ برہان نے ماتھا پیٹ لیا۔

''میں تمہیں ہر روز پھول دیا کروں گا، ٹھیک.... اتنی تو محبت کرتا ہوں تم سے۔ اگر پھول لے کر ہی میری قدر آنی ہے تو یوں ہی سہی۔'' اس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ وہ خوشی سے کھلکھلاتی چلی گئی۔

اس کا شوہر اس کی کتنی قدر کرتا تھا، وہ جان گئی تھی، تب ہی تو.... وقت اور محبت قید نہیں ہوتے تو محبت کا بھی کوئی ایک دن قید کر لینا فضول ہے۔ محبت کرنے والے اظہار کے لیے کسی ایک دن کے محتاج نہیں ہوتے، نہ ہی کسی ایک دن کو منانے کی ضرورت ہے۔ یہ صوفیہ برہان بہت جلد مان لینے والی تھی۔ سچی محبت کرنے والوں کا کوئی بھی دن، ویلنٹائن! ☆☆

خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مقبول ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	500/-
ٹکے دا تماشا	شازیہ چوہدری	250/-
ہم سفر	فرحت اشتیاق	400/-
بن روئے آنسو	فرحت اشتیاق	250/-
متاع جاں ہے تو	فرحت اشتیاق	500/-
دل دا دیس	ثمرہ بخاری	350/-
ہستی کا آہنگ	ثمرہ بخاری	300/-
وہ پگلی سی دیوانی سی	آسیہ سلیم قریشی	400/-
آرزو نگر آئی	آسیہ سلیم قریشی	400/-
ایمان، امید اور محبت	عمیرہ احمد	200/-
لاحاصل	عمیرہ احمد	180/-
امربیل	عمیرہ احمد	450/-
اک دیا جلائے رکھنا	ماہا ملک	300/-
جو چلے تو جاں سے گزر گئے	ماہا ملک	120/-
میرے خواب ریزہ ریزہ	ماہا ملک	300/-
موسم تھا بے قرار	فریدہ اشفاق	300/-
دل اسے ڈھونڈ لایا ہے	آسیہ رزاقی	300/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
میرے سانس کے بیچ سفر	زہرہ ممتاز	180/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-
میری جنت	نور بانو نجیب	250/-
بھنور	شوکت رانا الطاف	150/-
اے وقت گواہی دے	راحت جبیں	350/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	300/-
رنگ، خوشبو، ہوا، بادل	افشاں آفریدی	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	300/-
میرے خواب لوٹا دو	نگہت عبداللہ	400/-

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	180/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	300/-
مجھے روٹھنے نہ دینا	نگہت عبداللہ	200/-
انتظار فصل گل	نگہت عبداللہ	120/-
دل پھولوں کی بستی	نگہت عبداللہ	300/-
کوئی لمحہ گلاب ہو	نگہت عبداللہ	400/-
تو شریک سفر رہا	نسیم سحر قریشی	300/-
میرے دل، میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	250/-
ستاروں کا آنگن	نسیم سحر قریشی	400/-
ڈھلے چاند دل کے پار	ثمرہ بخاری	300/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	400/-
تیری راہ میں رل گئی وے	میمونہ خورشید علی	150/-
وہ جو قرض رکھتے تھے	فرحت اشتیاق	150/-
دل سے نکلے ہیں جو الفاظ	فرحت اشتیاق	150/-
میرے ہمدم، میرے دوست	فرحت اشتیاق	250/-
گیت، گلاب اور تم	عفت عزمی	150/-
کسی راستے کی تلاش میں	میمونہ خورشید علی	350/-
تم آخری جزیرہ ہو	آمنہ ریاض	150/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	150/-
شب گزیدہ	سمیرا حمید	150/-
ریگزار تمنا	ماہا ملک	500/-
بکھر نہ جائے خواب	آسیہ رزاقی	150/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	150/-
شکست آرزو	حمیدہ کاشمیری	75/-
بساط دل	آمنہ ریاض	750/-
ستارہ شام	آمنہ ریاض	500/-
برگ گل	ایم سلطانہ فخر	400/-
زرد موسموں کا سویرا	نبیلہ ابر راجہ	150/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32735021

مصباح علی سید

مُہر آشتیں

ازمیر اور مریم آسٹریلیا کے شہر وکٹوریہ میں رہتے ہیں۔ ان کی اکلوتی بیٹی روائیبہ شادی کے گیارہ سال بعد پیدا ہوئی۔ غیر معمولی خوب صورت اور معصوم روائیبہ کی سالگرہ جندب نے وہاں کے مشہور نیشنل گرین فورسٹ میں ارینج کی۔ جندب ازمیر کے پرانے دوست رضا حیات کا بیٹا ہے۔ جو آسٹریلیا میں پڑھ رہا ہے' جندب اور روائیبہ کی پر خلوص دوستی ہے۔ جندب اسے پسند بھی کرتا ہے' مگر اظہار نہیں کرتا۔

میرزکا فیصل آباد کے نواحی گاؤں میں مانے ہوئے زمیندار اور اہم سیاسی شخصیت ہیں۔ بیوی وفات پا چکی ہے۔ ان کے دو بیٹے خیام زکا' حنبل زکا ہیں۔ خیام کی دو بچے اعشال اور ازلان ہیں۔ ان کی بیوی آئمہ روایتی زمیندارنی اور حویلی پر حکمران ہیں۔ میرزکا کی والدہ ماں جان فالج کی مریضہ ہیں۔

زینب حویلی میں جدی پشتی خدمت گزار ہے' لیکن حنبل کی پر کشش شخصیت کے سحر میں بری طرح جکڑی ہے اسی لیے اپنے ہر آنے والے رشتے کو ٹھکراتی رہتی ہے۔

شہروز کمال ایک اکھڑ دماغ شخص ہے۔ دولت مند ہونے کے ساتھ رنگین مزاج بھی ہے۔ سبرینہ سے پسند کی شادی کرنے کے باوجود اس سے اکتایا رہتا ہے۔ وجہ چار بیٹیوں کی اوپر تلے پیدائش ہے اور وہ بیٹے کا تمنائی ہے۔



اماں جان کی طبیعت شدید خراب ہوتی ہے وہ اپنے بیٹے ازمیر سے ملنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ جب کہ میرزکا کی ان سے ناراضی چل رہی ہے کیوں کہ ازمیر نے ان کی سالی کو طلاق دے کر آسٹریلین کرسچن لڑکی مریم سے شادی کی تھی، لیکن اب ماں کے اصرار پر حنبل ذکا ازمیر کو پاکستان بلانے کے لیے قائل کرلیتا ہے۔

رضا حیات کی بیٹی ماہم کی منگنی ہے انہیں پتا چلتا ہے ازمیر پاکستان آرہا ہے وہ شرکت کی دعوت دے دیتے ہیں۔

ازمیر مریم دونوں پاکستان آتے ہیں۔ کچھ ناراضی کے اظہار کے بعد میرزکا نے انہیں معاف کردیا روائیبہ کو نہ لانے پر خفگی کا اظہار بھی کیا۔

گیارہویں قسط

مکمل ناول



وہ ہذیانی کیفیت میں بہت زور سے چلائی تھی۔
''چلے جاؤ یہاں سے؟ جندب ان سے کہو یہ چلے جائیں۔''

روائیبہ کو لگ رہا تھا اس کی کن پٹی کی رگوں میں بہتا خون پیپ میں تبدیل ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے بے حد ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ سبرینہ زمین سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہوئی، اس نے روائیبہ کے کندھے نرمی سے پکڑ کر اسے کچھ سمجھانا چاہا تھا، لیکن روائیبہ نے ایک ہی جھٹکے سے اس کے ہاتھ جھٹک دیے اور نخوت سے اسے گھورتے کہا تھا۔

''خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' اس نے زور سے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے تھے۔ ''معاف کر دو مجھے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔'' کسی کے ٹس سے مس نہ ہونے پر اس کی گھبراہٹ بڑھنے لگی، اسے لگا اس کے سر پر بڑی بڑی خون آشام چمگادڑیں اتر رہی ہیں، جو اس کا، اس کی بیٹی کا خون چوس لیں گی، بات اگر اس کے اپنے خون کی ہوتی، شاید وہ اس قدر مزاحمت نہ کرتی، لیکن اب بات رابی کی تھی، وہ رابی جس میں اس کی جان تھی، جس کے لیے وہ کسی حد تک بھی جا سکتی تھی، کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سبرینہ کو دھکا دیا تھا۔ اس کے دھکے سے وہ گرتے گرتے سنبھلی۔ اس کی ہذیانی کیفیت دیکھ کر حنبل نے قدم اٹھایا تھا، تاکہ اسے قابو کر سکے۔ اسے حوصلہ دے، لیکن وہ دھاڑ کر انگشت اٹھا کر تنبیہ کر رہی تھی۔

''خبردار جو میرے قریب آئے۔ میں وہ ہی بدکردار عورت ہوں، جس نے تمہاری جگہ کسی اور کو دی، مجھے اپنے کردار پر لگے دھبوں سے پیار ہے، کچھ نہیں سننا کسی سے، چلے جاؤ یہاں سے...... جاؤ۔'' اسے خود اپنی دھاڑ کھوکھلی لگی تھی اور بے بسی سے قدم الٹی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے جا رہی تھی اور سر مسلسل نفی کر رہا تھا، پھر وہ جھٹکے سے مڑی، تیزی سے لاؤنج کی جانب بھاگی اور دماغ اس سے کہیں زیادہ تیز پانچ سال پیچھے بھاگ رہا تھا۔

کس کی بیٹی ہے یہ...... اس کا ڈی این اے مجھ سے میچ نہیں کر رہا۔'' زمین پر بکھری رپورٹس چلا چلا کر کہہ رہی تھیں۔

''کس کی؟ کس کی؟ کس کی؟ قدم اور تیز ہو گئے، چھلانگوں کی صورت کیسی لگی تمہیں ڈاکٹر لبنیٰ؟ مجھے تو بہت اچھی لگی؟ نرسری بہت جدید ہے...... اور پھر اللہ کے حکم کا انتظار کر رہی ہے۔ مہینہ، بیس دن تو آرام سے گزر جائیں گے۔ بتانا ہے، بتا دو حنبل کو......

حنبل سن کر پریشان ہی ہوگا۔ مرضی ہے...... سلوئی سے کہتی ہوں وہ ساتھ چلی جائے گی۔ ''شادی سے پہلے کون تھا، کہاں تھا، مجھے کوئی غرض نہیں، لیکن اب میں یہ چاہتا ہوں، تم پوری طرح مجھ سے سنسیئر (مخلص) رہو۔ میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں...... زندگی میں بہت کچھ ہو جاتا ہے...... میرڈ ہو...... خود میں حوصلہ پیدا کرو...... کس کی بیٹی ہے...... میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں روائیبہ...... کس کی بیٹی......

چند قدموں کے فاصلے میں جملوں کی اتنی بازگشت گڈمڈ ہو رہی تھی، اسے خود پر قابو رکھنا دشوار ہو گیا، کانوں پر اپنی ہتھیلیاں جمائے وہ اضطراری کیفیت میں بھاگے جا رہی تھی۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ دھاڑ سے بند کیا، چٹخنیاں چڑھا کر لاک لگا دیا، پھر وہ ایک ایک کھڑکی کو پاگلوں کی طرح چیک کر رہی تھی، خوف اس کے ایک ایک مسام سے بہہ رہا تھا۔

''مما...... کیا ہوا؟'' اسکریبل سیٹ کرتی رابی ماں کی اس کیفیت پر چونک گئی تھی۔ اس کی آواز پر لمحہ بھر کو روائیبہ کے ہاتھ تھمے، پھر بھاگ کر اسے دبوچ لیا تھا۔

''رابی...... رابی تم میری بیٹی ہونا۔ تمہیں میں نے جنم دیا تھا، مجھے بہت درد ہوا تھا رابی، تم بہت تکلیف سے پیدا ہوئی تھیں۔'' رابی کا معصوم سا چہرا

اس کے دونوں ہاتھوں میں بھرا تھا، روائبہ اس کی وحشت سے پھیلی سیاہ آنکھوں کی پروا کیے بغیر ہذیانی انداز میں مسلسل بولے جارہی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھ سے باہر کی جانب اشارہ کیا تھا۔

''وہ...... وہ جھوٹ بول رہی ہے، یہاں کے لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ سب مجھے اذیت دینا چاہتے ہیں، اب یہ تمہیں مجھ سے چھیننے کے لیے جھوٹ بول رہے ہیں۔'' رابی کی آنکھوں میں آنسو آگئے، خوف سے اس کے گلے لگ گئی اور زور، زور سے کہنے لگی۔

''مما! آپ کو کیا ہوا...... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ باہر کون ہے؟''

''مجھے کچھ نہیں ہوا رابی...... میری جان، میں ٹھیک ہوں۔'' اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اپنے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یقین دہانی کروائی۔ ''دیکھو میں ٹھیک ہوں اب...... لیکن تب مجھے بہت زیادہ درد ہوا تھا۔ تم ایک ہفتے کی تھیں، تم پھر بیمار ہوگئی تھیں، اسپتال چلی گئی تھیں۔ گرمی لگ گئی تھی تمہیں۔ رابی میرے اسٹیچز (ٹانکے) خراب ہوگئے تھے۔'' وہ بولتے بولتے زور، زور سے رونے لگی۔ آنسو رخساروں سے پھسل پھسل کر گردن اور قمیص کا سینہ بھگو رہے تھے۔

''رابی مجھے تب بہت درد تھا، مجھے آج پھر وہی درد ہو رہا ہے، میرا پیٹ پھٹ جائے گا رابی...... رابی میں تب بھی اکیلی تھی، میں آج بھی اکیلی ہوں۔ مجھے چھوڑ کر مت جانا۔ یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں، بکواس ہے سب...... تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا نا...... کچھ دن پہلے...... میں نے تمہیں خون دیا تھا۔ میں نے تمہیں سنبھالا تھا۔ میں نے تمہیں اتنا بڑا کیا ہے۔ تم میری بیٹی ہو۔ رابی مجھے چھوڑ کر مت جانا، میں مر جاؤں گی۔'' اس نے کانپتے ہوئے اسے اپنے ساتھ پھر دبوچ لیا۔

☆☆☆

لاؤنج کا لاکڈ دروازہ زور، زور سے دھڑ دھڑا رہا تھا۔ سبرینہ نے جب اسے لاؤنج کی جانب بھاگتے دیکھا، کچھ ہی دیر بعد وہ بھی اس کے پیچھے ویسے ہی بھاگی تھی اور بند دروازے کو دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہی تھی۔

''خدا کے واسطے روائبہ دروزاہ کھولو...... مجھے ایک بار اس کی شکل دیکھنے دو۔ صرف ایک بار، تمہیں اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ...... میری پوری بات تو سنو...... خدا کے لیے......'' سبرینہ کی بہتی آنکھوں میں تمام مناظر کسی فلم کی طرح چل رہے تھے۔ سلویٰ اس کے گھر خاص طور پر اس سے ملنے آئی تھی اور جب یہ پتا چلا تھا اس بار پھر سے وہ لڑکی کو جنم دینے والی ہے، بے حد اداس ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ دیر وہاں رکا نہیں گیا تھا اور چند دن بعد ہی وہ آئمہ کے ساتھ اس سے ملنے آئی تھی اور جو کچھ اس نے کہا تھا، سبرینہ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟''

''ہونے کو کیا نہیں ہوسکتا۔'' آئمہ نے بیٹھے بیٹھے پہلو بدلا تھا۔ ''دیکھو لو...... ایک رسکی چانس ہے، اگر لے سکتی ہو تو لے لو۔''

''اگر شہروز کو پتا چل گیا، وہ میری جان لے لیں گے۔''

''جان تو وہ تمہاری ویسے ہی لینے کے در پے ہے۔'' سلویٰ فوراً بولی تھی۔ ''کم از کم اس طرح شاید تمہاری اور بچیوں کی عزت اس کی نظر میں بڑھ جائے، اور ویسے بھی میری بات سنو۔'' سلویٰ اس کے قریب ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اسی کے باپ نے تمہاری ماں کو داغ لگایا تھا نا۔ کچھ نہ کچھ تو کفارہ بنتا ہی ہے، ویسے بھی ماں، باپ کی کرنیاں اولاد ہی بھگتی ہے...... اور تم کون سا غریب غربا ہو، جو اس کا بیٹا یہاں فاقوں سے مر جائے گا۔ بلکہ شہروز بھائی زیادہ قدر سے پالیں گے اور تمہاری بیٹی ایسا نہیں ہے کسی فقیر فقٹے کو دے رہی ہو، بلکہ وہ دوسری بچیوں سے زیادہ عزت و احترام سے پلے گی۔''

''لیکن سلویٰ ٹائم کا بہت فرق ہے، ایک ڈیڑھ

ماہ۔“

”اوہو......“ سلویٰ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

”سائنس نے اب اتنی ترقی کر لی ہے، بڑے انتظام ہو چکے ہیں بچانے کے، آگے تمہاری مرضی ہے، میں نے پہلے ہی بڑی مشکل سے آپا کو راضی کیا ہے۔ بچی حویلی میں ہی ہوگی، جب دل کیا آ کر دیکھ لینا۔ باقی تم سوچ لو، روز، روز کا تمہارا رونا سنا نہیں جاتا۔ سہیلی ہوں، بہت دل دکھتا ہے، تمہاری بے بسی پر۔“

کتنی آسانی سے کہہ دیا تھا جب دل کیا آ کر دیکھ لینا اور اب پانچ سال بیت چکے تھے اور ان پانچ سالوں میں وہ اپنی بچی کی ایک بار بھی شکل نہیں دیکھ پائی تھی۔

سلویٰ اور آئمہ کو جب سے ڈاکٹر لبنیٰ کے نئے بنے اسپتال کا پتا چلا تھا تو ذہن نے مزید تیزی سے کام کیا تھا۔ وہ اس کا نیا اسپتال دیکھنے کے بہانے گئیں اور اگلی ہی ملاقات پر بہت ملتجی و مجبور انداز میں لبنیٰ کو سارا مدعا سنایا تھا۔ پہلے تو وہ حیرانی سے سنتی رہی، لیکن جب اس کی مدد مانگی، اس کی حیرت سوا ہوگئی۔

”میں ڈاکٹر ہوں سلویٰ، کوئی ایکسچینج تاجر نہیں کہ ایسے کروں۔“

”تم ڈاکٹر ہو، مرہم رکھتی ہو، اسی لیے تمہیں کہا ہے۔“ سلویٰ کے لہجے میں سارا درد اتر آیا۔ ”لبنیٰ پانچ زندہ افراد کی زندگیوں کا سوال ہے، اس کا میاں تو ٹلی پاگل ہے، اب بچی کی پیدائش پر وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ جان سے مار دینے تک کی دھمکیاں تو دے رکھی ہیں اور یہ بچی جو دنیا میں آنے والی ہے، اگر یہ کہیں اور پلے گی، اس کی زندگی بچ جائے گی، تم یہ کر سکتی ہو پلیز۔“ ماتھے پر ناگواریت کا احساس ڈاکٹر لبنیٰ کے انداز پر چھا گیا۔ اکتاہٹ سے پوچھا تھا۔

”دونوں خواتین کا آپس میں رشتہ کیا ہے۔“

سلویٰ یہاں تھوڑا سا گڑبڑا گئی، آئمہ نے مستحکم انداز میں جھوٹ کی آمیزش کی۔

”نند، بھاوج ہیں...... لیکن ایک ہی گھر میں رہتی ہیں۔ آپ یقین کریں ایک ہی جیسے حالات میں پلیں گے بچے، ایک ہی جگہ، ہمارا بھائی تو بہت اچھا ہے، اسے اعتراض نہیں ہوگا، بس پاکستان آ جائے، ہم اسے بتا دیں گے۔ بھابھی ذرا ایسے مزاج کی ہے، وہ نہیں مانے گی۔ اگر آپ ساتھ دیں، مطلب اسے پتا نہ چلے......تو......“ آئمہ کا ملتجی انداز ڈاکٹر کو سوچنے پر مجبور کر رہا تھا، اس نے ایک اور نقطہ اٹھایا۔

”اسے کیسے پتا نہیں چلے گا...... دونوں کی ڈیٹس میں فرق ہے، روائیبہ نہیں کہے گی، اس کا بچہ پری میچور کیوں۔“

”اسے یہ بتانا ضروری ہے کیا؟ یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں بچی کو یرقان ہے، آکسیجن کی کمی ہے، نمونیہ ہے، اس لیے انکوبیٹر میں رکھا ہے۔“ آئمہ کی پوری کوشش تھی؟ اذلان کے مقابل کوئی وارث کھڑا نہ ہی ہو۔ اپنی کوشش میں بہت حد تک کامیاب ہوئیں۔ جب ڈاکٹر لبنیٰ نے ٹھوس انداز میں کہا تھا۔

”یہ بہت رسکی کام ہے، بلکہ جرم...... کسی بھی بدمزگی یا نقصان کی صورت میں اسپتال یا انتظامیہ ذمہ دار نہیں ہوگی، کبھی بھی......“

”ہاں...... ہاں...... بالکل۔“ وہ دونوں یک آواز بولیں۔

”اور دوسری ڈلیوری کہاں ہوگی۔“

”آپ کے پاس ہی......لیکن وہ کہہ رہی ہے، میں جلد اسپتال بدل لوں گی۔“

”چلیں ٹھیک ہے۔ ویسے بہت امتحان میں ڈال رہے ہیں آپ لوگ مجھے۔“ بہت دوستانہ ماحول میں انہوں نے چائے پی، ڈاکٹر لبنیٰ کو ڈاکٹر بنے بھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا، اس لیے کچھ گھبرائی ہوئی تھی، مگر ان دونوں نے خاصی تسلی کر دی تھی، تب ہی آئمہ نے اسے خوش کرنے کے لیے ایک بات پوچھی تھی۔

”کیا بنا اس زمین کا۔ جو تمہارے اسپتال کے پیچھے ہے۔ سنا تھا تم لے رہی ہو۔“

''ہاں آپی! لینا تو ہم چاہ رہے تھے، اسپتال تھوڑا وسیع کرنا ہے، مگر اس پراپرٹی کا بڑا گھپلا ہے۔ کاغذات وغیرہ کا۔''

''لو...... تم نے ہمیں بتانا تھا۔ میں بابا جان سے کہتی پٹواری سے مل کر تمام کاغذ صحیح کروا دیتے ہیں، میں بات کروں گی ان سے...... ریٹ بھی مناسب کروادوں گی...... ایسے کام ہوں زمین وغیرہ کے بتادیا کرو۔ کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ مسکرادی۔

اس کا کام جانے ہوا تھا یا نہیں، البتہ انہوں نے اپنا کام نکلوالیا تھا۔ ڈاکٹر لبنیٰ نے اتنا ضرور کیا تھا، عملہ کم سے کم رکھا تھا۔ ڈلیوری کے وقت سرجن وہ دوسرے ہاسپٹل سے بلواتی تھی۔ جو انتہائی قلیل وقت میں اپنا کام کرکے جاچکا تھا۔ روائیہ کے فوراً بعد سبرینہ کا آپریشن ہوا تھا۔ سوائے دو نرسوں اور خالہ گلزاری کے کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلا تھا۔ کون سا بچہ کس کا ہے اور نرسوں کو آئمہ نے خاموش رہنے کی اچھی خاصی قیمت دے دی تھی اور وہ اگلے دن ہی کچھ دن کی چھٹی پر چلی گئی تھیں۔ جب کہ نئی نرسوں نے جو بچے کی فائلز پر دیکھا، ویسے ہی سب سے بات کی تھی، رابی کی فائل پر پری میچور ڈاٹر آف حنبل (حنبل کی بیٹی) لکھا ہوا تھا۔

سبرینہ بعد میں کچھ دن اسپتال رکنا چاہ رہی تھی، تاکہ رابی کی کنڈیشن کا پتا چلتا رہے، لیکن شہروز کمال بیٹے کا سنتے ہی بھاگتا آیا تھا اور انتہائی چھوٹا سا اسپتال دیکھ کے مایوس ہوا۔ وہ جگہ اس کے بیٹے کی پیدائش کے شایان شان نہیں ہوسکتی تھی۔ اس نے ڈاکٹر سے لڑ جھگڑ کر بیس گھنٹے گزارے اور سبرینہ کو گھر لے گیا تھا۔ دوائیں اور ڈریس اس نے خصوصی نرس رکھ کر پوری کرلی تھیں۔ اس دن سے آج تک سبرینہ اپنی بچی کی شکل نہیں دیکھ سکی تھی۔ ہر بار پوچھنے پر آئمہ بتادیتیں۔

''ابھی حنبل اسے اپنے ساتھ جرمنی لے گیا ہے۔ آئے گی تو مل لینا۔'' پھر وہ خود دبئی چلی گئی۔ اتنے برسوں بعد پتا چلا تھا۔ روائیہ جرمنی نہیں، گھر سے نکال دی گئی تھی۔

پچھتاوے، دکھ سبرینہ کے چہرے پر بہتے بہتے قمیص کا دامن گیلا ہوگیا، وہ زور، زور سے دروازہ بجاتی فریاد کررہی تھی۔

''خدا کے لیے مجھے صرف شکل تو دکھادو۔''

اندر روائیہ اسے خود میں بھینچے، نفی میں سر ہلاتے بیٹھی تھی، ایک باہر روتی بلکتی ماں، ایک اندر خوف، وسوسوں میں گھری ماں...... وہ رابی کو گود میں اٹھائے اندر کمرے میں لے گئی اور کمرے کی تمام چٹخنیاں چڑھالیں اور اسے کمبل میں دبکا کر اس کے ساتھ لیٹ گئی۔

حنبل قدم قدم آگے بڑھتا سبرینہ کے پاس آرکا اور دروازے پر اس کے بار بار پڑتے ہاتھ روک دیے تھے۔

''یہ سب کرکے آپ کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہیں۔ بچی کے پیدا ہونے کے بعد محبت نہیں ابھری تھی اسے دیکھنے کی؟ اسے لپٹانے کی؟ جواب ایسے چلا رہی ہیں آپ......'' سبرینہ نے ملتجی نگاہ اٹھائی۔ آنسو ٹپ ٹپ گرے۔

''صرف ایک بار...... میں نے بھی تو عدن دے دیا۔''

''آپ کے لیے عدن سے دست برداری کوئی کمال نہیں ہے، آپ کو تو پتا تھا، وہ آپ کا کچھ لگتا ہی نہیں، ممتا نہیں، ضرورت تھا آپ کی۔ جو، اب نہیں، رہی سو بات ختم...... روائیہ نے اولاد پالی ہے، ضرورت نہیں۔ ہمارے یوں کہہ دینے پر کیسے یقین کرلے۔ پانچ سال کی ممتا ہے اس کی...... خدا کے لیے اسے مزید تکلیف مت دیں۔ مت اس سے اور امتحان لیں۔'' کہتے، کہتے حنبل کی آواز رندھی، بہت برداشت کے باوجود آج اتنے لوگوں میں اس کی آنکھوں سے بہت سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں اور بہت قطعیت سے کہا تھا۔

"اگر آپ عدن کو لینا چاہتی ہیں۔ بے شک لے جائیں۔ مگر خدا کے لیے روائیہ کو مزید تنگ مت کریں، ہم پہلے ہی بہت بڑی غلطی کر چکے ہیں اسے یہ حقیقت بتا کر۔" وہ یک لخت چلا کر بولا۔ "اس تکلیف سے وہ مر جائے گی۔ خدا کے لیے آپا آپ جائیں یہاں سے۔" مایوس سبرینہ اٹھی، دوپٹے سے منہ پونچھتی گیٹ سے باہر نکل گئی تھی، جاتے جاتے جندب کی گود میں بیٹھے عدن کے سر پر بس ایک ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ ماں کی جانب بڑھنے کے لیے کسمسایا، مگر وہ آگے بڑھ گئی۔

حنبل، عدن کو اپنے ساتھ لے کر وہاں کے ایک ریسٹ ہاؤس میں جا چکا تھا۔ جندب بہت دیر لان میں اکیلا بیٹھا رہا، دروازے، کھڑکیاں کسی خاموش قبر کی طرح بند تھے، سناٹا ہی سناٹا، سرد رات پہاڑوں سے دھند اتارتی پورے شہر پر برسانے لگی، تب وہ اٹھ کر گھر چلا گیا۔

اس سرد رات کی بے کلی کیا، اس میں ساری زندگی کی بے چینی آج وہ بھر گئے تھے۔ وہ رابی کو اپنے ساتھ دبکائے بار بار اس کا چہرا دیکھتی اس کے ننھے ہاتھ اپنے ہاتھ پر پھیلا کر شباہت جانچتی اس کا دل کسی صورت یہ سب ماننے کو تیار نہ تھا، خوف اس کے اندر بے طرح دھڑک رہا تھا اور دل ایک ہی بات پورے زور و شور سے کہہ رہا تھا۔

"وہ سب جھوٹے ہیں، پہلے کہا میں نے ناجائز تعلقات رکھے اور اب یہ کہ بچی کسی اور کی ہے...... یہ سب پرانی رنجشوں کے بدلے ہیں۔ جھوٹ ہے سب، رابی میری بیٹی ہے۔" وہ سوتی ہوئی رابی کو بار بار چومتی وہ کسمسا جاتی۔ کئی بار آنکھ کھل جانے پر خوف زدہ ہو کر رونے لگ جاتی۔

"رابی ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ جندب بھی ان سب کے ساتھ ملا ہوا ہے، ہمارے ساتھ کوئی نہیں ہے، میں اللہ سے کہوں گی، وہ ہمارے لیے راستہ بنائے۔"

اس کے کانوں میں بہت دیر تک دروازہ دھڑ دھڑانے اور سبرینہ کے رونے کی آوازیں آتی رہیں۔ اسے لگ رہا تھا وہ لوگ ابھی بھی باہر ہیں، تقریباً آدھی رات سے زیادہ بیت چکی تھی، تب اس کے دماغ نے کام کیا اور اس نے اپنا فون اٹھا کر آسٹریلین ایمبیسی کال ملائی تھی۔

☆☆☆

رضا حیات سر پکڑے لاؤنج میں بیٹھے رہے۔ عائشہ نے جتنی حویلی والوں، سبرینہ اور حنبل کو کوسنے، بددعائیں دینی تھیں، سب دے چکنے کے بعد رضا حیات سے بولی تھیں۔

"بس تم میاں سر پکڑے بیٹھے رہو۔ بڑا بیٹی، بیٹی الاپتے تھے، بیٹی کے پاس جاؤ، اس کا درد سنو...... حوصلہ دو اسے...... اسے سمجھاؤ...... یوں سر پکڑ لینے سے مسئلہ حل ہو تو ڈنڈے مار مار کر حویلی والوں کے سر نہ توڑ دیتی۔ سب سر پکڑ کر بیٹھ جاتے۔" رضا حیات نے تندی سے انہیں دیکھا، پھر ناگواری سے دوسری جانب دیکھنے لگے۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں رضا! بچی کے پاس چلتے ہیں، پوچھتے ہیں، اب وہ کیا کرے گی۔ میرا تو دل پھٹا جا رہا ہے اس کا سوچ سوچ کر...... اگر ازمیر اور مریم ہوتے، اس کا دکھ دیکھ کر آج واقعی مر جاتے۔"

"ازمیر اور مریم ہوتے تو یہ سب ہوتا ہی کیوں...... وہ ہی تو نہیں ہیں۔" رضا کے لہجے میں درد اگ آیا تھا۔ "ازمیر یہ رشتہ کسی صورت نہ کرتا، عمروں میں فرق دیکھا کتنا ہے اور پھر روائیہ کو عقل ہی کتنی تھی جب شادی ہوئی، اور اگر اس کی تعلیم اور عمر پوری کرتا تو حنبل کی عمر کتنی ہو جاتی تھی۔ ایک خواہ مخواہ میں جوڑا گیا رشتہ، بہت عقل مند نظر آتا تھا حنبل...... کس آسانی سے عورتوں نے بے وقوف بنا لیا اسے...... صحیح کہتے ہیں عورت کا پھیلایا شر بہت دور تک جاتا ہے۔ پناہ مانگنی چاہیے اس وقت سے جو عورت کو سرکشی پر لے آئے۔" آخری جملے پر عائشہ کی آنکھیں غصے سے ابلیں، لہجہ برہم تھا۔

"یہ آپ مجھے سنا رہے ہیں؟ کون سا شر پھیلایا

میں نے؟"

"اف......" رضا حیات نے تھکی ہوئی گرم ہوا منہ سے نکالی۔ "ایک تو ہر بات تم خود پر لے جایا کرو اور چائے بنا کر لاؤ، میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔" وہ انگلی کی پوروں سے اپنی کن پٹیاں سہلا رہے تھے۔ عائشہ چائے بنانے کے لیے اٹھتے ہوئے مشورہ دینے لگیں۔

"چائے پی لیں......دوا بھی دے دیتی ہوں۔ پھر کچھ دیر میں چلتے ہیں بچی کے پاس، دیکھیں تو سہی وہ کر کیا رہی ہے۔"

رضا حیات نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں...... ویسے بھی تین بج رہے ہیں، کیا کر رہی ہوگی، رو دھو کر سو چکی ہوگی، اور میرا تو خیال ہے اسے سوچنے سمجھنے کا وقت دینا چاہیے، جب چیزیں بری طرح سے بکھر جائیں تو انہیں سمیٹنے اور ان کی درست جگہ پر رکھنے میں مناسب وقت لگتا ہے۔ اگر ایسے ہی دونوں ہاتھوں سے جلدی جلدی سمیٹ دو، تو ڈھیر بن جاتا ہے۔ ایک بھی مناسب سی دکھائی نہیں دیتی۔ بس تم معمول کا رویہ رکھو اس سے...... وقت دو...... خود فیصلہ کرنے دو اسے...... حل نکل آئے گا۔" جنرب اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ عائشہ، رضا حیات کی بات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی پاس سے ہٹ گئی تھیں اور نوافل پڑھ کر روائیبہ کے نصیب کی ڈھیروں دعائیں مانگی تھیں اور آج تو انہیں پہلے سے بھی زیادہ اپنی بات پر شرمندگی ہو رہی تھی۔ جب انہوں نے حنبل ذکا سے شادی کرنے پر روائیبہ کو مناسب لفظوں اور مریم کا حوالہ دے کر قائل کیا تھا، ان کے اختیار میں نہیں تھا، وقت کو کیسے گھمائیں، روائیبہ کو حویلی سے اٹھا کر اپنے پاس لے آئیں۔ بس اب تو آنسوؤں پر اختیار تھا، جو ٹوٹ ٹوٹ کر دامن بھگو رہے تھے۔

☆☆☆

ایمبیسی میں اس کی بات بہت غور سے سنی گئی تھی۔ اس کے مدعا پر وہ مزید تحقیقی سوال کر رہے تھے۔

"کب سے آپ ادھر ہیں؟"

"چھ سال سے......"

"اتنا عرصہ...... اب خیال کیوں آیا، خاص وجہ۔"

"بہت خاص وجہ میری؟ میری بیٹی کی جان کو خطرہ ہے۔"

"کس سے؟"

"بچی کے باپ سے۔"

"کیا وہ پاکستانی ہے؟"

"ہاں......"

"لو میرج تھی آپ کی؟"

"نہیں......زبردستی کی گئی۔ پھر بچی پیدا ہوئی۔ اب بچی پانچ سال کی ہے، وہ مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ وہ اسے مار دے گا۔ یہاں کے لوگ ایسے ہی ذہنی مریض ہیں، اپنی مرضی سے فیصلے کرتے ہیں۔ بے سروپا باتیں کرتے ہیں۔ اگر میری بچی کو کچھ ہوا تو یاد رکھنا یہ کال ریکارڈ ہو رہی ہے، میں انٹرنیشنل کورٹ میں جاؤں گی۔ میں یہاں کی گورنمنٹ کو ہلا کر رکھ دوں گی۔ میں پاکستانی نہیں ہوں، جو ڈر جاؤں۔ میں آسٹریلین ماں کی بیٹی ہوں۔"

اگر آج کوئی روائیبہ کا مضبوط قطعی لہجہ اور اٹل انداز سنتا تو اسے ماں کی طاقت کا اندازہ ہو جاتا کہ یہ طاقت کس طرح لمحے میں ایک عام عورت کو مضبوط بنا دیتی ہے۔ بیٹی کے چھن جانے کے خطرے نے اس کنفیوژ لڑکی کو اتنا ٹھوس کر دیا تھا، اگر کوئی پہاڑ بھی اس سے ٹکر لینے آتا، تو وہ اسے ریت میں بدل دیتی۔ اس کے ارادے ہر گزرتے پل کے ساتھ خطرناک ہو رہے تھے اور فون پر وہ باقاعدہ عزم سے کہہ رہی تھی۔

"اگر مجھے دو، تین دن میں ویزا ایشو نہ ہوا، میں یہ کال نیٹ پر ڈال دوں گی۔ آسٹریلین گورنمنٹ تک آپ کی ہٹ دھرمی کی کمپلین جائے گی۔"

"میم بات سنیں۔ آپ کی بات سن لی گئی ہے۔"

ہم ابھی تحقیق کرتے ہیں اور یہ کہ آسٹریلیا کے چند ویزے آئے ہوئے ہیں۔ ایسا ہے آپ صبح اپنے ڈاکومنٹس لے کر آئیں، پہلی فرصت میں آپ کا کام ہوگا۔"

"میں نے آپ سے کہا نا...... مجھے اور میری بیٹی کی جان کو خطرہ ہے، میں گھر سے نہیں نکل سکتی، ہمیں اغوا کرلیا جائے گا۔ میں اپنے اور بیٹی کے تمام ڈاکومنٹس آپ کو ای میل کررہی ہوں۔ اور میں ایمبیسی صرف اس وقت آؤں گی جب سو فیصد ہماری ٹکٹس، فلائٹ کا بندوبست ہوگا، مجھے سیکورٹی پرابلم ہے۔ سیکورٹی کی ذمہ داری لیں۔"

"اوکے...... اوکے میم...... ایمبیسی آپ کے ساتھ ہے۔ بےفکر رہیں۔"

ان کے بےفکر کہہ دینے سے وہ بےفکر تھوڑا ہوئی تھی۔ رات کے سناٹے صبح کی ہوا نے دھند گرا کر توڑنے شروع کردیے تھے۔ چاروں جانب موسم کی وجہ سے دھند ضرور تھی، لیکن صبح کی سفیدی پھر بھی اپنے ہونے کا یقین دلانے کی سرتوڑ کوشش کررہی تھی۔ دن نکلا، شہر اسلام آباد جاگ گیا۔ سرد سڑکوں پر گرم دھواں چھوڑتی گاڑیاں...... لوگوں کے ناک، منہ سے نکلتی بھاپ کے دھوئیں آوازیں شور، چہل قدمی شہر کے زندہ ہونے کا پتا دے رہی تھی۔ البتہ اسی شہر میں کچھ کمرے ایسے تھے جہاں موت کا سناٹا در و دیوار پر صور پھونک چکا تھا۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے۔ رابی کا سر گود میں رکھے۔ جوں کی توں بیٹھی تھی۔ اسے یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہے، اس سے آگے اس کا ذہن کچھ بھی سوچنے پر آمادہ نہیں ہورہا تھا۔ گل شیر گیٹ پر جاگ چکا تھا۔ اس کی بیوی سرونٹ کوارٹر سے نکل کر لان کے کام بھگتا چکی تھی۔ اس نے کئی بار لاؤنج کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے روائیہ کے سیل فون پر کال ملائی، جو بہت دیر بعد روائیہ نے ریسیو کی اور اسے سختی سے کہا تھا۔

"صرف باہر کے کام کرکے تم جاؤ، آرام کرو، اور شیر گل سے کہہ دو کسی کو گیٹ سے اندر آنے نہ دے۔ جندب کو بھی...... کوئی بھی خواہ رضا حیات ہی کیوں نہیں ہوں...... کہہ دو طبیعت خراب ہے، میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

آؤٹ لیٹ پر دیر ہوجانے کے سبب عینی کی کال آئی تھی۔ اس نے بنا تجسس پیدا کیے بہت عام سے انداز میں کہا تھا۔ "عینی میں چند دن کے لیے دبئی ایک کنٹریکٹ کے سلسلے میں جارہی ہوں۔ تم کام دیکھتی رہنا۔ اور میرا کسی کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں، اوکے۔"

☆☆☆

صبح ہوتے ہی عائشہ کو وہاں جانے کی لگ گئی تھی، ماں تھیں، ماں کا درد جانتی تھیں۔ رضا حیات نے بہت منع کیا، مگر عورت منع صرف مرد کے سامنے ہوتی ہے، جیسے ہی وہ اپنے آفس کے لیے نکلے وہ خاموشی سے اس کی جانب نکلیں۔ گل شیر کو بےشک اس نے سختی سے منع کیا تھا، مگر وہ روائیہ سے پہلے عائشہ کا ملازم تھا اور بہت بچپن سے ان کے ساتھ رہتا آیا تھا۔ اس نے فوراً انہیں آنے کے لیے راستہ دیا تھا۔ عائشہ ماں تھیں، انہیں پتا تھا ماں کی نفسیات کیا ہے، اسے کیسے دروازہ کھولنے پر قائل کرنا ہے۔ جس میں وہ کامیاب ہوگئی تھیں۔ روائیہ ان کے سامنے خود کو بہت مضبوط ظاہر کررہی تھی، جیسے ایک معمول کا دن ہو، جیسے کل کا دن اس کی زندگی میں آیا ہی نہ ہو، یا اسے اس دن کی بھیانکی سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ وہ بھی اس سے معمول کی بات چیت کرتی رہیں، جب انہیں پورا یقین ہوگیا، روائیہ واقعی حادثے سے سنبھل چکی ہے، تب انہوں نے بہت لگاوٹ سے پوچھا تھا۔

"پھر کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

"کس بارے میں۔" وہ بالکل انجان لہجے میں بولی تھی، تو عائشہ کو قدرے حیرانی بھی ہوئی۔

"رابی...... رابی کے بارے میں......" روائیہ چند پل ان کی بوڑھی آنکھوں میں دیکھتی رہی، پھر

پھیکا سا مسکرا کر ان کے بالکل قریب روبرو بیٹھ گئی، اس کا انداز جتلاتا سا تھا، لہجہ حقیقت آشنا۔

''آنٹی...... اگر میں آپ کو ایک اور سچ بتاؤں...... تو کیا یقین کریں گی۔''

''کیا......'' عائشہ کو اچنبھا ہوا تھا کہ اب اور کون سی حقیقت رہ گئی ہے۔ ''اللہ اس بچی پر رحم کر۔'' آن واحد میں ان کے دل سے پکار نکلی تھی۔

''میری ممی نے مجھے بہت پہلے بتایا تھا، میں بھی پیدائش کے وقت ایکسچینج ہوگئی تھی، آپ کی بیٹی ماہم ہے......'' وہ کہہ کر لحہ بھر کے لیے چپ ہوئی۔ اب ان کا ابھرنے والا رویہ جانچ رہی تھی۔ عائشہ احمقانہ بات پر آنکھیں سکیڑے بس اسے دیکھے گئیں۔ پھر آہستگی سے بولیں۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟''

''نہیں ہوسکتا نا؟'' روائیہ نے تمسخر میں قہقہہ لگایا تھا۔

''ظاہر ہے۔'' عائشہ اب کے ڈپٹ کر بولی تھیں۔ ''ماہم تم سے کئی سال بڑی ہے۔''

''اچھا! پھر جندب سے کرلیں۔''

''کیا فضول بول رہی ہو۔''

''نہیں یقین آرہا نا آپ کو...... اس لیے نہیں آرہا، آپ نے انہیں اپنے جسم میں محسوس کیا ہے۔ کئی مہینے ان کا وجود آپ کے ساتھ دھڑکا ہے، ان کی پیدائش کی تکلیف آپ نے برداشت کی ہے، کسی اور نے نہیں، اس تکلیف کے بعد وہ آپ کی گود میں دیے گئے آپ نے انہیں کھلایا، پلایا، کھیلیں ان سے، ان کے جسم کی حرارت کو آپ نے محسوس کیا، انہوں نے آپ کو کیا کہا۔ ان کی تکلیف پر جاگیں۔ ان کے ساتھ ہنسی، ان کے ساتھ روئیں، پھر کیسے یقین کرلیں گی۔ مجھے بتائیں، میں کیسے یقین کرلوں، اتنا وقت میرا اس کے ساتھ گزرا، میں تنہا تھی، شوہر کے بغیر سارا پریڈ میں نے اسے اکیلے اپنے ساتھ محسوس کیا۔ وہ تکلیف میں کبھی نہیں بھول سکتی، جو دو دن میں نے اس کے لیے برداشت کی۔ ان سب صعوبتوں کے بعد رابی مجھے گود میں دی گئی۔ آپ کو یاد ہوگا، یہ کتنی جلدی جلدی بیمار ہوتی تھی، کتنا روتی تھی۔ اس کے ہونٹ سوکھ جاتے تھے۔ ساری ساری رات جگائی تھی یہ۔ اسے چوٹ لگ جاتی تھی، کتنا مشکل وقت گزارا ہے، اب کسی کے ایک جملہ کہہ دینے سے کہ وہ تمہاری بیٹی نہیں، میں کیسے یقین کرلوں، میں اپنی زندگی کے پانچ سال کیسے بھلا دوں، میں ان دو دنوں کی تکلیف کو کیسے بھلا دوں اور پھر ان لوگوں کہ کہنے پر جو پہلے ہی جھوٹے ہیں۔'' روائیہ کی ناک گال سرخ ہوتے ہی آنکھوں سے پانی ابل ابل کر گرنے لگا، کئی قطرے اس کے منہ میں بھی جارہے تھے، مگر وہ مسلسل روتے بولے جارہی تھی۔

''حنبل نے تو مجھ سے محبت کے دعوے بھی کیے تھے۔ کی اس نے محبت؟ اس نے تحفظ دینے کا کہا تھا، دیا اس نے؟ اس نے کہا تھا محبت میں پوزیٹو (مثبت) رہو۔ رہا وہ؟ پھر اس نے کہا، یہ بچی میرا گناہ ہے، بتائیں میں نے گناہ کیا تھا؟ اب وہ کہہ رہا ہے یہ بچی میں نے پیدا ہی نہیں کی۔ اتنے بہت سے جھوٹ کے بعد، کیا اب اس کی بات کا اعتبار کرلوں، کیا مجھے اعتبار کرنا چاہیے؟ پیدائش کے درد کے عوض جو بچہ گود میں آجائے، چند سال بعد کوئی اٹھ کر کہہ دے یہ تمہارا نہیں، کیا کوئی ماں یقین کرے گی؟ بھلے کوئی سچے سے سچا شخص، اپنی سگی ماں بھی کیوں نہ کہہ دے، کوئی عورت یقین کرے گی۔ ہاں اتنا ہوگا، وہ بے اعتباری کی سولی پر تمام عمر لٹکی رہے گی۔ جو میں لٹک گئی ہوں۔ کبھی کسی ماں نے نوزائیدہ بچے کے ٹیسٹ کروائے؟ کہ اس کے بطن سے وہ پیدا ہوا کہ نہیں، خود ہی محبت ہوجاتی ہے، وہ روتے روتے دہری ہوگئی، بہت دیر رونے سے ہچکیاں، سسکیوں میں بدل گئیں۔ عائشہ خود بھی رو رہی تھیں، ساتھ اس کی پشت سہلاتی رہیں۔ کچھ دیر بعد وہ ناک زور سے چڑھاتے جھٹکے سے اٹھی، آنسو صاف کیے اور اٹل انداز میں کہا تھا۔

''آپ ان کی بات کا یقین مت کریں، وہ جھوٹ بول رہے ہیں، بالکل جھوٹ۔''

"روائیہ میں مان لیتی، بیٹا بے شک رابی کہیں سے بھی تم پر نہیں...... میں مان لیتی، اگر میں عدن کو نہ دیکھتی۔ تم نے اس بچے کی آنکھیں دیکھی تھیں!"

"نہیں دیکھا میں نے اسے۔" اس نے ناگواری سے آنکھیں بند کرتے چہرے کا رخ دوسری جانب کرلیا تھا۔ بالکل ایسے جیسے اس بچے کا نام بھی اسے اذیت دے رہا ہو اور وہ بچے کو نہ دیکھنے کا سب سے بڑا جھوٹ بول رہی تھی۔ اس نے ایک اچٹتی نگاہ میں بھی اس بچے کی آنکھیں، ان کا بھولپن دیکھ لیا تھا، مگر وہ لحہ بھر بھی انہیں محسوس کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ خود کو، اپنے دل کو جھٹلا رہی تھی کہ اس نے تو اس بچے کو دیکھا تک نہیں اور اگر اس نے دیکھ ہی لیا تھا تو وہ بالکل بھی اپنے جیسا نہیں لگا۔ بس رابی اپنے جیسی لگتی ہے، بھلے اس کے بال، آنکھیں کالی ہیں، رنگت سانولی ہے، مگر ہے تو میری بیٹی، پھر مجھ پر ہی ہوئی نا...... اسی لیے اس نے وہاں سے اٹھتے ہوئے صاف کہا تھا۔

"پلیز آنٹی! آئندہ اس ٹاپک پر بات نہیں ہونی چاہیے، میں نہیں چاہتی میری رابی کی شخصیت کوئی توڑے۔"

"بھلے تمہارے اپنے بچے کی ٹوٹ جائے۔"

"بس کر جائیں۔" اس کے اندر سے ایک درد بھری دھاڑ نکلی تھی، جیسے کسی تیز بھالے نے اسے اندر باہر سے چیر دیا ہو۔

اس کی آواز پر ہی رابی سہمی ہوئی باہر نکلی، دروازے میں کھڑی آنکھیں منکتی ماں کی جانب بازو پھیلا رہی تھی۔ روائیہ بھاگ کر لپٹ گئی، اسے خود میں بھینچتے ہوئے زور، زور سے روئی تھی۔ اسے اپنے تڑپنے کا واضح نہیں ہو رہا تھا، وہ رابی کے چھن جانے سے خوف زدہ تھی یا عدن کو کھو دینے سے۔ بس اسے یہ تھا، اسے صرف اور صرف فرار چاہیے، اسے رابی کو کسی محفوظ مقام پر پہنچانا ہے، جہاں سے سبرینہ اسے چھین نہ سکے۔ شاید اس کا دل کہیں سے یقین کر چکا تھا، رابی اس کی بیٹی نہیں ہے۔ اسے کوئی چھین لے گا۔ اس مخفی یقین کا اسے خود یقین نہیں آ رہا تھا۔ بس آنسو تھے اور بہت تھے، بے تحاشا تھے۔

☆☆☆

اس واقعے کے بعد سبرینہ اسلام آباد ایک دن ہی رکی تھی، پھر لٹی پٹی خالی گود واپس فیصل آباد آ گئی۔ حنبل، عدن کے کاغذ تیار کروانے کے سلسلے میں ابھی رکا ہوا تھا۔ جندب نے دو، تین بار فون پر رابطہ کیا، ملنے بھی گیا۔ اسے ایک، دو کوشش اور کرنے کا کہا تھا۔ مگر حنبل نے اب اسے صاف انکار کر دیا تھا۔

"اور کتنی تکلیف دوں اسے...... میں انسان ہوں یار...... چھری نہیں ہوں، بار بار اس کے دل پر چلتا رہوں۔ اسے حقیقت بتا دی ہے، اگر یقین آ گیا تو وہ ضرور عدن سے ملنے آئے گی۔ نہیں تو......" اس نے اذیت سے سانس نکالی۔ "نہیں تو وہ نہیں آئے گی۔ اللہ کرے اسے سکون مل جائے۔"

ان کی سیٹس کنفرم ہو چکی تھیں۔ ان چند دن میں اس نے عدن کو خوب اسلام آباد گھمایا، پھرایا، بجھی بجھی شخصیت کے مالک عدن کو کسی حد تک اپنے ساتھ اٹیچ کر لیا تھا۔ میرز کا مسلسل حنبل کی منتیں کرتے رہے تھے، کسی طرح وہ واپس نہ جائے اور آج وہ اسلام آباد پھر اسے منانے کے لیے آئے بیٹھے تھے۔ عدن بیڈ پر سویا ہوا تھا، کتنی دیر تو اس کے بالوں کو سہلاتے اس کا ماتھا چومتے رہے، انہیں اس میں کبھی ازلان کی شباہت آتی، کبھی ازمیر کی، کبھی وہ چھوٹا سا خیام بن جاتا، کبھی بے فکر ماں جان کے ساتھ لیٹا حنبل، بے قرار ہو کر حنبل کے آگے ہاتھ جوڑ دیے میرز کا نے۔ "خدا کے واسطے نہ جا۔"

"پلیز ایسے مت کریں۔" اس نے ان کے ہاتھ کھول دیے تھے۔ "بابا مجھے یہاں سے جانے دیں، اگر میں مزید یہاں رہا، تو میں پاگل ہو جاؤں گا، یا میرا دم گھٹ جائے گا۔ ہر آنے والا لمحہ میری سانس کھینچ رہا ہے۔"

"میں روائیہ کی منتیں کروں گا۔ حنبل وہ میری بات مان لے گی۔ وہ بہت فرماں بردار بچی ہے۔"

"آپ ہی کی منتیں آج میں بھگت رہا ہوں۔"

وہ یک لخت پھٹ پڑا تھا۔ "آپ نے ہی اسے فورس کر کے شادی کے لیے راضی کیا تھا، آپ نے ہی میری منتیں کی تھیں، یہ ایک بے جوڑ شادی تھی، میں اس کے قابل ہی نہیں تھا۔ آپ کا بیٹا حنبل ذکا، روائیہ ازمیر کے قابل ہی نہیں تھا...... آپ کا بیٹا اس کی حفاظت کر ہی نہیں سکا۔" صدمے سے حنبل کی آواز بھاری ہوئی، اس میں نمی کی آمیزش واضح جھلکنے لگی۔ "میں تو اتنا غیر ذمہ دار نکلا، اپنے پہلے بچے کی حفاظت نہیں کر سکا۔ میرے بچے کی شخصیت تباہ ہو گئی ہے، وہ عجیب و غریب سوال کرتا ہے، اسے اپنے ماں، باپ ہی کلیئر نہیں ہیں، کبھی شہروز کمال کا پوچھتا ہے، کبھی سبرینہ آپا کا۔ کبھی روائیہ کا پوچھتا ہے، وہ آنٹی کون تھیں، مجھے آپ کیوں لے آئے، بتائیں میں اسے کیا جواب دوں۔ جواب ہے میرے پاس؟"

بولنے کے دوران حنبل کو محسوس بھی نہیں ہوا، اس کی آنکھوں سے کتنا پانی بہہ رہا ہے، اس کا چہرا اور شرٹ کا اگلا حصہ بہت بھیگ چکا تھا۔ "میں نے کیا بگاڑا تھا کسی کا...... میں سوچ بھی نہیں سکتا، بھرجائی میرے ساتھ یہ کچھ کر سکتی ہیں۔ جن رشتوں پر میں خود سے زیادہ اعتماد کرتا تھا، کیا، کیا انہوں نے میرے ساتھ، ابھی تو آپ جانتے ہی نہیں کس کس رشتے نے کہاں کہاں مجھے نقب لگائی۔" زینب کی زبانی ازلان کا بتایا واقعہ کوندے کی طرح لپکتے ہی دماغ سوئیوں سے چھلنی ہو گیا تھا۔ اسے ماں جان کا جملہ پوری حقیقت سے یاد آیا۔ جب وہ انہیں کہہ رہا تھا۔

"آپ ویسے ہی پریشان ہیں، آئمہ بھرجائی بہت اچھی ہیں۔"

"سب اچھے ہوتے ہیں حنبل، لیکن بدلے کی آگ سگے رشتوں کو جھلسا کر راکھ کر دیتی ہے۔" اور واقعی ہی سب رشتے بدلے کی آگ میں جھلس کر راکھ ہو گئے تھے، اب اس راکھ پر حنبل کے آنسو برسنے لگے۔ میر ذکا گم صم کیفیت میں اس کا سرخ گیلا چہرا دیکھے جا رہے تھے، انہیں یاد نہیں پڑتا تھا حنبل کبھی بچپن میں بھی ایسے رویا ہو۔ وہ تو کبھی اپنی ماں کے مر جانے پر اس طرح تڑپ تڑپ کر نہیں رویا تھا، جس طرح آج اس کی ہچکیوں سے یک دم جسم کانپتا تھا۔ کتنی دیر وہ اس کو گلے لگائے کھڑے رہے۔

☆☆☆

بے نظیر انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر معمول کے مطابق بہت گہما گہمی تھی۔ اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک بہت سی فلائٹس آنے جانے کے سبب مسافروں کا بہت رش تھا۔ وہ بہت دیر پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔ ویٹنگ لاؤنج کے دائیں جانب بنی لابی میں وہ ایک بینچ پر بیٹھا تھا، عدن اس کے ساتھ سر ٹکائے بیٹھا لوگوں کو آتے جاتے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اپنا سر اٹھا کر کرے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اس سے پوچھ لیتا۔

"ہم جہاں جا رہے ہیں، وہاں دعا آپی ہوں گی؟"

"ہوں۔" حنبل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور مما...... مجھے ملنے آئیں گی؟ جب آئی؟"

"سب آئیں گے۔" وہ اس کے سلکی ہلکے بھورے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا، کچھ لمحوں بعد اس نے پھر پوچھا تھا۔

"شہروز پاپا...... مجھے ان کی یاد لگ رہی ہے۔ (یاد آ رہی کی جگہ وہ لگ رہی بولتا تھا۔) وہ مجھے ملنے آئیں گے۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔"

"یار عدن ایسے مت کہا کرو۔" حنبل نے اس کے گرد بازو پھیلاتے اسے اور اپنے قریب کر لیا۔

"آپ جلدی جلدی بڑے ہو جاؤ، اچھا، اچھا پڑھو گے تو میں شہروز سے بات کروں گا، کہ وہ آپ سے ملنے آئیں۔"

"کیسے آئیں گے...... مما نے ان کے اوپر بہت زیادہ مٹی ڈالی ہوئی ہے، آپ جا کر وہ ہٹا آئیں۔"

"اچھا......" حنبل نے بات ختم کرنا چاہی، مگر

عدن کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"میری میم کہہ رہی تھیں، اللہ میاں کے پاس جا کر واپس نہیں آسکتے۔ پھر وہ کیسے آئیں گے؟" حنبل کے ہونٹ آپس میں پیوست تھے، وہ بس اسے دیکھے گیا۔

"بتائیں نا...... اچھا وہاں جاتے کیسے ہیں، مجھے جانا ہے۔"

"عدن پلیز یار...... چپ کر جاؤ۔" حنبل کا دل بہت بری طرح کٹا تھا، عدن نے بھی نروٹھے پن سے دوسری جانب رخ پھیرتے کہا۔

"پھر مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ آپ کے ساتھ نہیں جانا، بورڈنگ میں۔"

"آئس کریم کھاؤ گے۔" سردی کے باعث اس کی آئس کریم کئی دنوں سے بند تھی اسے بہت جلد کھانسی ہو جاتی تھی۔ اب یوں اچانک پوچھنے پر اس کا روٹھا ہوا چہرہ آہستہ آہستہ اقرار کی خوشی میں بدلا اور منہ پھلاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"چلو آؤ......" اسے گود میں اٹھا کر سائڈ پر بنی ٹک شاپ پر آ گیا اور اس کی مرضی کا فلیور لے کر اسے تھمایا تھا۔

☆☆☆

سفید تنگ ٹراؤزر کے ساتھ گھٹنوں تک آتی رائل بلو شرٹ تھی جس کے فرنٹ اور بیک پر سرخ دھاریوں کا جھمکٹا اور چھوٹے بڑے سفید چھ ستارے بنے تھے قمیص کا ڈیزائن مکمل طور پر آسٹریلیا کے جھنڈے کی بھرپور نمائندگی کر رہا تھا۔ اس کے ایک بازو پر ہڈ والا سرخ لونگ کوٹ تھا، اسی کہنی پر ایک بڑا سا بیگ لٹکا رکھا تھا۔ گلے میں ایک گرم مفلر تھا سرخ رنگ کا، نہ زیادہ چوڑا تھا نہ بالکل ہی معمولی۔ کھول کر کندھوں کے گرد ایسے لپیٹ رکھا تھا جو بمشکل کندھوں سے نیچے آتا تھا۔ اسٹیپس میں کٹے سرخی مائل بھورے بال آج اس نے باندھے نہیں تھے بلکہ مفلر کے اوپر پھیلا کر کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ میک اپ کے نام پر دھلے صاف چہرے پر سرخ لپ اسٹک لگی تھی۔ اونچی ہیل کی ٹک ٹک کے ساتھ متوازی چال چلتی۔

آج وہ مکمل مریم ہی لگ رہی تھی جیسے وہ بے خوف و خطر چلتی تھی۔ اور دیکھنے والے کو پشت سے ہی آسٹریلین محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر سائفر مشین پر اپنا سوٹ کیس اور ہینڈ کیری رکھا۔ رابی کا ہاتھ تھامے پچھلی دیوار پر لگی بڑی سی ایل ای ڈی پر اپنی فلائٹ کی ٹائمنگ چیک کرنے لگی۔

رضا حیات اور عائشہ کئی بار اس سے ملنے گھر آئے تھے' جندب نے فون پر اس کی خیر خیریت پوچھی۔ ارادوں کی ایسی پکی ہو گئی تھی کسی کو کچھ بھنک پڑنے نہیں دی تھی یہاں تک کہ شیر گل اور اس کی بیوی سے بھی چوری چھپے اپنا سامان پیک کیا۔ جب اس کے جانے کے تمام انتظامات ہو گئے تو باہر نکلتے ہوئے شیر گل سے کہا تھا۔

"میں اپنی ایک فرینڈ سے ملنے جا رہی ہوں۔ ایک دو دن تک آ جاؤں گی۔ اگر کوئی ملنے آئے یا فون کرے تو بتا دینا گھر پر نہیں ہوں۔" پھر ٹیکسی لے کر آرام سے ایئر پورٹ آ گئی۔ اپنے موبائل کے تمام کانٹیکٹ کی لسٹ بنا کر یو ایس بی میں سیو کر لی تھی اور اپنی سم گھر پر ہی توڑ کر پھینک دی تھی۔ وہ کشتیاں جلانے کے عزم سے نکلی تھی۔ اسے اب پلٹ کر کسی کو نہیں دیکھنا۔

اور اب پورے اعتماد سے اسکرین دیکھ رہی تھی۔ تب ہی اس کی فلائٹ کی اناؤنسمنٹ پورے لاؤنج میں گونجنے لگی۔

رابی کے ننھے ہاتھ پر اپنی گرفت پوری طرح کرتے ہوئے وہ پلٹی تھی اچانک اس کی نظر دائیں جانب بنی لابی کے ایک بینچ پر گئی۔ آئس کریم کھاتے بھولے بھالے سے خوب صورت بچے کو وہ گود میں بٹھائے کسی اور جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کا بائیں رخسار بچے کے بھورے بالوں پر لگا تھا اور بچہ پوری طرح آئس کریم کھانے میں محو تھا۔ روائیہ نے صرف ایک نگاہ انہیں دیکھا تھا اور کرنٹ کھانے کے انداز میں اپنی گردن دوسری جانب پھیر لی۔ اسے اپنے دل

سے نکلتا خون کا ایک ایک قطرہ اٹکتا ہوا محسوس ہوا اس کی چال تیز ہوگئی رابی کے ہاتھ پر گرفت خود بخود بڑھ گئی۔

نک شاپ کے پاس بنے فلاورز اسٹال کے سامنے سے گزرتے خود بخود ہی اس کے قدم رک گئے۔ کاؤنٹر پر ایک چھوٹا سا تیار سفید گارڈینا کے پھولوں کا بکے رکھا تھا۔ اس نے وہ فوراً خرید لیا۔ ایک کارڈ لے کر اس پر ایک عبارت درج کی۔ کارڈ اس میں لگایا اور فرش کی صفائی کرتے ایک ملازم کو مخاطب کر کے اسے تھمایا اور ایک جانب اشارہ کرتے کہا تھا۔

"یہ ان صاحب کو دے دیں۔" اور خود تیزی سے برقی سیڑھی کی طرف بڑھی تھی۔

"ایکسکیوزمی سر...... یہ آپ کے لیے۔" نیلی ڈانگری پہنے عملے کا یہ شخص ڈھلتی عمر کا ضرور لگتا تھا۔ مگر دیکھنے میں ذہنی شک وشبے کی گنجائش لگتی تو نا تھی۔ پھر وہ پھول کیوں پیش کر رہا ہے بوکے پکڑتے جندب کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"کیا ہے یہ ......اور کیوں؟" اس نے فوراً سرخ مفلر پر بھورے بال گرائے لڑکی کی جانب اشارہ کیا جو برقی سیڑھی پر چڑھی تیزی سے اوپر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ لمحے سے بھی کم وقت لگا تھا جندب کو اسے اس کی پشت سے پہچاننے میں اور دل کی دھڑکن تھم سی گئی تھی۔ وہ بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھے جا رہا تھا اس کا جی چاہا ایک چھلانگ مارے اور اسے تھام لے، اسے روکے، اس کی منتیں کرے، لیکن اس کا اٹھا قدم اٹھا رہ گیا۔ اب وہ برقی سیڑھی سے اتر کر ڈیپارچر کی جانب بڑھتی جا رہی تھی رابی کا ہاتھ اس نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ پتھر ہوتے وجود کے ساتھ نگاہیں پھولوں میں اٹکے کارڈ پر گئیں اس نے کھینچ کر باہر نکالا۔ کھول کر دیکھا تھا۔

"ان لو آلویز بی پازیٹو۔ (محبت میں ہمیشہ مثبت رہو)"

لفظوں سے ان دیکھے تیر سے نکلے جو وجود میں پیوست ہو گئے تھی کارڈ کے بالکل نیچے بریکٹ میں اس نے لکھا تھا۔

"پھولوں سے رنگ اور خوشبو اب اڑ چکی ہے، پانے کی خواہش مت کرنا۔"

زخم زخم رستی سانس بمشکل پھر سے بدن میں تیرنے لگی تھی۔ لوگ اپنے معمول کے مطابق چل پھر رہے تھے۔ کوئی بہت جلدی میں تھا، کوئی ضرورت سے جلدی آ گیا تھا سو میلہ لگا تھا۔ آوازوں کا، شور کا، رنگوں کا......ان آوازوں، شور، رنگوں میں وہ گنگ ہوا بے جان بدرنگ ہو گیا تھا۔ بدرنگ مجسمہ جسے ابھی کتنی ہی دیر اس آوازوں کی رنگین دنیا کا حصہ بنے رہنا تھا۔ اپنے اندر کی ہلچل، اپنے تاثرات چھپانے میں پوری کوشش کے باوجود وہ خود کو ہارتا محسوس کر رہا تھا۔

سنگلاخ پہاڑوں، خاردار جھاڑوں کی حدود سے اوپر بہت اوپر بادلوں سے دو جہاز چنگاڑتے، چلاتے ہوا کا سینہ چیرتے اپنی اپنی منزل کی سمت محو پرواز تھے۔ ان میں بیٹھے دو مسافروں کو کبھی ہاتھ تھما کر ایک رستے پر ڈالا گیا تھا۔ لیکن دونوں کی منزل الگ تھی سو خود ہی اپنے اپنے رستے پر ہو لیے۔

☆☆☆

محسوس کرنے میں وہ دن معمول کی طرح ہی طلوع ہوا تھا فرق صرف اتنا تھا اس دن دھند عام دنوں سے خاصی کم تھی۔ لیکن مسلسل ہوا چلنے سے فضا کی خنکی ٹھٹھرنے کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ ہڈیوں میں گھستی سخت سردی میں شہر اسلام آباد پوری طرح جاگ چکا تھا۔ جندب اپنے چھوٹے سے لان میں ویسے ہی آ بیٹھا۔ گیٹ کے نیچے سے پھینکا گیا اخبار اٹھایا اور سامنے پھیلا لیا۔ عائشہ کچن میں ناشتا بنانے کے لیے مصروف تھیں کھڑکی سے اسے لان میں بیٹھے دیکھا حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ سر پر اونی ٹوپی لینے کے ساتھ شال اپنے گرد لپیٹے کچن میں کام کر رہی تھیں اور وہ یخ پاگل ہوئی ہوا میں ایسے ہی رات کے لباس میں بیٹھا تھا۔ جیسے تیز دھوپ چمک رہی ہو، جس میں وہ اپنی ہڈیاں سینک رہا ہو۔ آملیٹ کے آمیزے کو پھینٹتے

ہاتھ تھمے اور جلدی سے باہر نکلیں۔

"جندب...... کیا آسمان پر سورج نظر آ رہا ہے، جو اتنی ٹھنڈ میں آ کر بیٹھ گئے۔" اس نے گردن پھیر کر پیچھے دیکھا اور پھیکا سا مسکرایا۔

"دل نہیں لگ رہا تھا...... تب ادھر آ گیا۔"

"اور یہاں تمہاری ساری جان لگ جائے گی، پسپے ہسپتال میں ...... ہوا دیکھی ہے تم نے کتنی تیز چل رہی ہے، چلو اندر چلو۔" وہ کچھ نہیں بولا اخبار کی تہ لگاتا ان کے پیچھے چل پڑا۔ رضا حیات اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوئے ہی تھے چہرے پر تازہ جاگنے کے آثار تھے۔ ٹھنڈی سی جماہی روکتے عائشہ سے کہا تھا۔

"بھئی چائے ہی بنا دو۔" عائشہ اپنی سوچوں میں غلطاں صحیح سے سن نہیں پائیں۔ اسی لیے پوچھا تھا۔

"کیا بنا دوں......؟" وہ پھر لطف لے کر بولے۔

"بے وقوف......" عائشہ نے انہیں سر سے پاؤں تک ایک نگاہ دیکھا تھا۔ اور تجاہل عارفانہ سے کہہ کر چلنے لگیں۔

"اللہ کی بنائی چیزوں کو مزید نہیں چھیڑتی؟ میری کیا اوقات۔" رضا حیات خفیف ہوئے جندب ہونٹ بند کرتے ان کی برجستگی سے محظوظ ہوا تھا۔ جب رضا نے بیٹے سے پوچھا۔

"یہ اتنی برہم کیوں ہو رہی ہیں......" اس نے ماہم کے کمرے کے بند دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

"آپ کو پتا ہونا چاہیے، ماہم آئی ہوئی ہے۔"

ماہم کے خوش خبری تھی اور تیسرا ماہ شروع ہوتے ہی وہ ادھر آ گئی تھی۔ دو مس کیرج نے اسے اتنا خوف زدہ کر دیا تھا، قدم اٹھانے، اچانک سے ہچکی آ جانے سے بھی وہ ڈرتی تھی۔ اپنے گھر میں ملازماؤں کی سہولت ہونے کے باوجود اسے وہم ہو چکا تھا کچھ ہو نہ جائے، آخر چھوٹے موٹے میاں کے کام تو کرنے پڑتے ہی ہیں اور یہاں آ کر عائشہ کے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ یہ نہیں کھانا، وہ نہیں کھانا، اس وقت نہ جگاؤ...... کھڑکا نہ کرو شروع میں تو عائشہ نے بہت خیال رکھا۔ ایک تو مس کیرج کے بعد پھر پانچ سال گزر جانے کے بعد انہوں نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا کام تک تو وہ خود بھی اسے حق بجانب سمجھتیں تھیں لیکن شور نہیں کرو۔ دروازہ آہستہ بند کرو، پر وہ اکتا جاتیں۔

"ماہم میرا خیال ہے، اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لو۔" اب جب وہ کئی دنوں سے آئی ہوئی تھی اور معمولی معمولی بات پر زچ ہوتی کتنی بار تو عائشہ نے اسے کہہ سنایا تھا۔

"اتنا میرے گھر میں شور نہیں، جتنا تم نے آ کر ڈال دیا۔"

وہ خفگی سے ماں کو دیکھتے رہ جاتی ایسے میں رضا حیات آنکھوں آنکھوں میں عائشہ کو چپ رہنے کی تنبیہ کرتے تھے۔ آخر وہ ان کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی۔ وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر ادھر ہی آ بیٹھی جہاں سب بیٹھے تھے۔ عائشہ نے ناشتا لا کر ٹیبل پر لگایا۔ ساتھ ہی جماہی پر جماہی روکتی اکتاہٹ سے بھری ماہم کو دیکھا تھا۔

"اٹھ گئیں......" اس نے خفگی بھری نگاہ ماں کی جانب اٹھائی۔

"کیسے سوتی، صبح ہی صبح اتنا شور ڈال دیتے ہیں، جیسے سبزی بک رہی ہو۔" عائشہ نے جھنجھناہٹ سے ماتھے پر ہاتھ مارا، جندب نے منہ پر انگلی رکھ کر بیبا بچہ بننے کی اداکاری کی۔

"بھئی کل سے شور نہیں ہونا چاہیے، میری گڑیا ڈسٹرب ہوتی ہے۔" رضا حیات کی حمایت پر وہ محبت سے ان کے قریب کھسکی اور کندھے پر مان سے سر رکھ لیا۔

"میرا بچہ......" رضا حیات نے اس کا سر تھپتھپایا، عائشہ نے مصنوعی خفگی سے رضا حیات کو کہا تھا۔

"اب اپنے بچے سے پوچھ کر بتا دیں، جوس

پیئے گا، یا دودھ لاؤں؟" ماہم نے یک لخت کندھے سے سر اٹھایا اور شکایتی انداز میں رضا حیات سے کہا تھا۔

"دیکھا آپ نے ...... کیسا سلوک کرتی ہیں میرے ساتھ، سوتیلی ماؤں والا۔" اس سے پہلے کہ عائشہ کوئی جواب دیتیں۔ جندب کو بہت دنوں بعد مذاق سوجھا تھا۔

"واٹ ...... ممی! کیا یہ بھی ہاسپٹل میں چینج ہو گئی تھی؟"

"اللہ نہ کرے۔" عائشہ کے سینے پر ہاتھ پڑا تھا۔ تینوں نے اسے گھر کا وہ کھسیانا ہو کر کندھے اچکانے لگا۔

"یہ خود ہی کہہ رہی ہے سوتیلی ماں۔"

"بدتمیز ......" عائشہ مزید کچھ کہنے کے بجائے سیدھی کچن میں گئیں اور ماہم کے لیے سیب کا جوس نکال لائی تھیں۔ جندب کی بات سے سب کو روائیبہ یاد آ گئی تھی۔ ماہم نے استفسار کیا تھا۔

"تم روائیبہ کی طرف گئے؟ کتنے دن ہو گئے رابی نہیں آئی، مجھے بہت یاد آ رہی ہے، انسیت سی ہو گئی ہے ناں، اس سے ممی۔" عائشہ ٹرانس کی صورت اسے دیکھتے کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

"میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔" ماہم جواب نہ پا کر جھنجلائی، عائشہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا سادے لہجے میں اداسی نکل آئی تھی۔

"ماہم، رابی ہمارے لیے ایک بولنے، شرارتیں کرنے والی گڑیا ہے، ہمیں اس سے کھیلنے سے ہی اتنی انسیت ہو گئی، چند دن وہ نہیں آئی اس کی کمی محسوس کر رہے ہیں، روائیبہ کا سوچو اس نے اسے اپنی اولاد سمجھ کر پالا ہے، اس کے دکھ درد کو، اس کی راحت سکون کو محسوس کیا ہے اسے کتنی انسیت ہوگی اس سے ...... وہ کیسے یقین کرے وہ اس کی کچھ نہیں لگتی، یا اس سے دست بردار ہو جائے، اس کا ردعمل بہت فطری ہے رضا۔"

رضا حیات نے دکھ بھری تائید کی، جندب یہ بھی نہ کر سکا بس چپ رہا البتہ ماہم پھر سے بولی۔

"خیر اب ایسی بات بھی نہیں ہے ممی۔ جب سب بات واضح پتا چل چکی ہے، جنہوں نے سب کیا، وہ اپنے منہ سے اقرار کر رہے ہیں، غنبل اپنے کیے پر نادم ہے، سبرینہ معافی مانگ رہی ہے، اسے یقین کرنا چاہیے ...... اب فرشتے تو آ کر گواہی نہیں دیں گے ناں۔"

"ماہم ...... وہ یقین کر چکی ہے۔" رضا حیات کا انداز ہمدردانہ سا تھا "اس کا خاموش ہو جانا، اس معاملے کی تفتیش میں نہ پڑنا اس بات کا ثبوت ہے، وہ یقین کر رہی ہے لیکن اس کا دماغ اس یقین کو ابھی قبول نہیں کر رہا۔ ممتا کے معاملے بہت حساس ہوتے ہیں میری جان۔"

"میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں۔" ماہم خفگی سے بولی تھی۔ "اپنی اولاد کو سامنے دیکھ کر بھی ماننے سے انکار کر رہی ہے ...... دوسرے کی اولاد کو چپکائے بیٹھی ہے۔ اس کے دل کو کچھ نہیں ہوا عدن کو دیکھ کر۔"

"ماہم پلیز اب ایک لفظ مت بولنا۔" عائشہ نے اسے سختی سے ڈپٹا تھا "جو لوگ بددعائیں نہیں دیتے، ان کی آہیں عرش ہلا دیتی ہیں ...... بددعاؤں سے زیادہ آہوں سے بچنا چاہیے۔" انہوں نے ٹھنڈا ہوکا بھرا تھا "وہ لڑکی کسی کو بددعا نہیں دیتی، میں نے اس کی آہوں کی طاقت دیکھ لی ہے ...... انجانے میں، میں نے اگر اس کے ساتھ کوئی زیادتی کر لی، اللہ مجھے معاف کر دے، مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔"

جندب نے چونک کر ماں کی جانب دیکھا تھا لمحے کے سترہویں حصے میں جانے کیوں اسے لگا، جب اس کا رشتہ طے پا رہا تھا یک لخت روائیبہ چڑچڑی ہو کر اس سے جھگڑنے لگی تھی، پھر یہ گھر چھوڑنے پر کس طرح اصرار کر رہی تھی۔ تو کیا اس سب میں ہمارے گھر کی جانب سے بھی کوئی پریشر تھا وہ بہت چاہنے کے باوجود بھی نہ پوچھ سکا، اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں تھا، جو بیت چکا وہ ماضی تھا اور مستقبل کسی صورت واضح نہیں تھا۔ فی الوقت

عائشہ تمام تر ہمدردی سموئے کہہ رہی تھیں۔

"جتنی تکلیف میں وہ اس وقت ہے لفظوں میں اس کا بیان نہیں ہے، تب ہی تو دو تین دن ہو گئے میں اس کی جانب گئی نہیں، مجھ سے دیکھا نہیں جا رہا، وہ منہ سے کچھ نہیں کہہ رہی مگر ایک ایک عضو سے اس کا درد جھلک رہا ہے، جب ممتا ہی بے اعتبار ہو جائے پیچھے کیا بچتا ہے ماں کے پاس۔" عائشہ دوپٹا آنکھوں پر رکھے پھپک پھپک کر رونے لگی تھیں۔

جندب ایک لفظ نہیں بولا آنکھیں سختی سے بند کیے چپ بیٹھا تھا۔ جیسے اسے بھی وہ درد محسوس ہو رہا ہو جو اپنوں نے روائیہ کو دیے تھے۔ ماہم کھسیانی سی ہو کر اٹھی پانی کا گلاس لے کر عائشہ کے قریب ہو گئی۔

"یہ پئیں...... اب آپ ایسے تو نہ روئیں، بلکہ اسے سمجھائیں...... کسی کی تو اس کی سمجھ میں آئے گی ناں۔" انہوں نے دوپٹے سے سختی سے ناک رگڑتے اثبات میں سر ہلایا اور پانی پی لیا۔

☆☆☆

وہ اپنے آفس جانے کے ارادے سے نکلا تھا۔ گاڑی ٹرن کرتے ہوئے خود بخود ہی اس کے گیٹ کے آگے بریک لگ گئیں۔ عموماً اس وقت اس کی گاڑی گیٹ سے یا تو باہر کھڑی ہوتی تھی یا نکل رہی ہوتی تھی۔ اس کے آؤٹ لیٹ جانے کا یہی وقت تھا مگر اس وقت گیٹ معمول کی طرح سختی سے بند تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس نے دو تین بار دستک دی تھی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا اس وقت تو پہلی دستک پر ہی گل شیر حاضر جناب کی طرح اٹھ آتا تھا۔ پھر اس نے ڈور بیل بجائی تھی تقریباً چوتھی بیل پر گل شیر نے گیٹ کھولا تھا اس کا لباس ملگجا، آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں، جیسے ابھی بیدار ہوا ہو۔

"کہاں تھے تم...... میں کب سے گیٹ بجا رہا ہوں۔" جندب کی برہمی پر وہ الٹے ہاتھ سے جمائی روکتے بھاری آواز میں بولا تھا۔

"صاحب جی ابھی آنکھ لگی تھی...... خیریت۔"

"ہاں خیریت ہے۔" اسے گیٹ میں کھڑا دیکھ کر وہ کوفت زدہ سا ہوا۔ "کہاں ہے تمہاری میڈم...... راستہ چھوڑو۔" وہ قدرے سائڈ پر ہٹتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"وہ تو پرسوں شام سے اپنی سہیلی کے گھر گیا ہے۔"

"سہیلی کے گھر......!" جندب نے اچنبھے سے کہا تھا وہ زور زور سے جی میں سر ہلانے لگا۔

"کس سہیلی کے...... اور وہ بھی پرسوں سے...... جاتے ہوئے کچھ بتایا نہیں۔"

"بس جی یہی کہا تھا کہ سہیلی کے یہاں جا رہا ہے...... دو تین دن تک آ جائے گا۔ گھر کا دھیان رکھنا۔" گل شیر کی بات پر اس کی حیرانی سوا تھی یک لخت ایسی کون سی سہیلی پیدا ہو گئی جس کے گھر دو دن سے گئی ہوئی ہے، بنا بتائے تو وہ کبھی کہیں نہیں گئی...... کہاں جا سکتی ہے۔" سوچوں کے گھوڑے دوڑاتے وہ سر کے خم سے اچھا کہہ کر پلٹا تھا۔ پھر واپس اس کی جانب گھوما۔

"جب آ جائیں مجھے فوراً کال کرنا۔" کہہ کر وہ گاڑی میں آ بیٹھا ایک بار پھر کلائی پر بندھی گھڑی پر اس نے وقت دیکھا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ پھر اسے آؤٹ لیٹ کا خیال آیا اور فوراً ہی عینی کو کال ملائی تھی۔ اسے پورا یقین تھا وہ عینی کو تو ضرور بتا کر گئی ہو گی۔ لیکن اس نے فون اٹھاتے ہی بتایا۔

"نہیں سر...... میم تو کئی دن سے ادھر نہیں آ رہی...... طبیعت خرابی کا بتایا تھا، پھر کہا کنٹریکٹ کے سلسلے میں دبئی جانا ہے، بلکہ مجھے تو خود ان سے کام تھا، کچھ مشورے کرنے تھے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" جندب نے اس کی بات کاٹی۔ "آپ انہیں فون کریں، پتا کریں کب آ رہی ہیں۔" آفس پہنچنے تک اس کا تمام تر دھیان اسی کی جانب تھا۔ کتنی بار اس کا نمبر ملایا مگر ایک ہی جواب مسلسل آ رہا تھا۔

"مطلوبہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں۔" فون بند رکھنے پر اس کا تحیر غصے میں بدل چکا تھا۔ سارا وقت

وہ کوفت میں مبتلا رہا۔شام میں واپسی پر وہ سب سے پہلے ادھر ہی گیا تھا۔گیٹ کھلتے ہی شیر گل سے پوچھا تھا۔

"آ گئیں میڈم۔"

"نہیں صاحب۔"

"کوئی فون......؟" اب اس نے نہیں بھی نہ کہا صرف سر نفی میں ہلا دیا۔

☆☆☆

گاڑی سے نکل کر وہ لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ وہاں سب لوگ تقریباً ان ہی جگہوں پر بیٹھے تھے جہاں صبح وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ٹیبل پر رکھی چائے کی پیالیوں سے پتا چلتا تھا کافی دیر پہلے چائے بنا کر رکھی گئی ہے، جس پر جمی کتھی تہ سلوٹوں میں بٹ کر کنارے چھوڑ کر چکی تھی۔ٹیبل پر چابیاں موبائل رکھتے اس نے حیرت سے عائشہ کو دیکھا تھا۔

"کیا ہوا......صبح سے یہیں بیٹھے ہیں۔"

"صبح سے کیوں......ابھی کچھ دیر پہلے یہ آئے ہیں۔" انہوں نے بھنوؤں سے رضا حیات کی جانب اشارہ کیا۔ ان کے ماتھے پر پریشانی کا جال تھا۔ انہوں نے جندب کی جانب نگاہ اٹھاتے گہرے انداز میں پوچھا تھا۔

"روائیہ کا پتا ہے، کہاں ہے؟" لمحہ بھر تو وہ ساکت رہ گیا کہ یقیناً کوئی گڑبڑ ہے، وہ متاسف سا صوفے پر بیٹھا تھا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا وہ گھر پر نہیں۔"

"گیا تھا ادھر......پتا نہیں کہاں گئی۔"

"مجھے پورا یقین ہے، وہ سبرینہ کی طرف گئی ہوگی، عدن کو لینے......آخر ماں ہے اس کی۔" ماہم کے اٹل انداز پر رضا حیات نے جندب سے سبرینہ کے نمبر کا پوچھا تھا۔اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ان کا تو نہیں ہے، حنبل کے پاس ہوگا، ایک منٹ۔" اس نے ٹیبل سے موبائل اٹھا کر ایک نمبر ملاتے کہا تھا۔

"حویلی کا ہے......ان سے پتا چل سکتا ہے۔"

☆☆☆

آئمہ کی پل پل بگڑتی حالت نے اسے اندر تک بھگو رکھا تھا۔زندگی میں پہلی بار اسے بہن کی کمی کا احساس ہوا تھا۔کوئی کندھا تو ہوتا جس پر وہ سر رکھ کر رو ہی لیتی۔ازلان کا دکھ اپنی جگہ آئمہ جو حرکتیں کرتی تھیں، انہیں قابو کرنا بے حد دشوار تھا۔خیام ذکا نے تو آئمہ سے ایسے منہ پھیر لیا تھا، جیسے کبھی ان سے تعلق رہا ہی نہ ہو۔طبیعت تک پوچھنا گوارا نہیں تھی۔ابھی کچھ دیر پہلے آئمہ کچن سے دودھ سے بھرا چھوٹا سا فیڈر ہلاتیں باہر نکلی تھیں۔ٹیبل پر رکھے گلدان سے سارے پھول نکال کر باہر پھینکے، اس کے سوراخ میں فیڈر کا نپل گھسا دیا۔

"یہ، یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" اعشال انہیں دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھی تھی۔آئمہ نے خفگی سے اعشال کو گھورا، گلدان کو خود سے لپٹاتے دوسری جانب منہ موڑ لیا۔

"کب سے بھوکا ہے ازلان......دودھ دے رہی ہوں۔" ازلان کے بچپن کی چیزیں جانے کہاں سنبھال کر رکھیں ہوئی تھیں۔کبھی کوئی، کبھی کوئی نکال لاتیں، جس چیز کو دیکھتی اس پر چڑھانا شروع کر دیتیں، منع کرنے پر جو وہ اپنا اور سامنے والے کا حشر کر دیتی تھیں، وہ بیان کے قابل نہیں تھا۔اس وقت بھی اعشال ان سے فیڈر پکڑنے کو آگے بڑھی، انہوں نے غصے میں اسے گلدان دے مارا تھا۔

"کتنی بار تجھے منع کیا ہے، شور نہ کیا کر......سمجھ میں نہیں آتا......میرا بچہ اٹھ جائے گا۔" بروقت اعشال سر پیچھے نہ کرتی، یقیناً اس کا سر پھٹ جاتا۔وہ آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گئی اور زار زار رونے لگی تھی۔

"امی ازلان اب نہیں رہا، آپ کو یقین کیوں نہیں آتا۔اسے ہم نے کھو دیا ہے۔وہ اب نہیں آئے گا امی......اللہ کے واسطے خود کو سنبھالیں۔"

"چل دفع ہو۔" انہوں نے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا۔"میرا بیٹا گم نہیں ہو سکتا۔وہ گم

نہیں ہوا اعشال...... وہ تو اس منحوس کی نحوست میرے گھر پر پڑ گئی، پہلے اپنے ماں، باپ نگل گئی، یہاں آئی تو حویلی میں تباہی مچادی۔اس کی وجہ سے ہوا ہے، اس کی وجہ سے......" وہ زور، زور سے چیخے جاتیں، روئے جاتیں، پھر آنسو پونچھ کہ اعشال کو جھنجوڑنے لگ گئیں۔

"تجھے پتا ہے، وہ جاتے وقت کہہ کر گئی تھی، کیا میرا کوئی خدا نہیں، اعشال میں اس کے یقین کی پکڑ میں آ گئی۔ تو اسے بلا کر لا۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ پاؤں پکڑلوں گی۔ میں اذلان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اسے کہہ میرا اذلان مجھے دے دے۔"

وہ روتے ہوئے بچوں جیسی ضد کر رہی تھیں۔ بہت مشکل سے اس نے انہیں قابو کیا۔ دوا دے کر سلایا تھا۔ ان کی ہذیانی کیفیت سے گھر کی ملازمہ بھی قریب آتے ڈرتی تھی، کئی بار اس کے بال اور منہ نوچ لیتی تھیں۔ ایک اعشال ہی تھی جو بری طرح چکی میں پس رہی تھی۔ رونے کے لیے اندر سے ابال اٹھتے تھے۔ آنسو آنکھوں کے کناروں پر آ کر پتھر کی مانند سخت برف کی طرح سرد ہو جاتے تھے۔ اس وقت بھی وہ ایسی کیفیت میں تھی، جب لینڈ لائن نے لاؤنج کے سکوت کو توڑا۔ اس سے پہلے کہ آئمہ کی آنکھ کھل جائے وہ تیزی سے فون کی جانب بڑھی تھی۔

"جی......؟"

"میں جندب بات کر رہا ہوں، اسلام آباد سے۔" اس گھر کے مکینوں کے لیے یہ نام غیر معروف نہیں رہا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی اعشال کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئیں۔

نہ یہ پاکستان ہوتا، نہ دلیلوں پر دلیلیں اکٹھی ہوتیں۔ اس سوچ نے اس کے لہجے میں اک تلخی سی بھر دی۔ "جی فرمائیں۔"

"میرذ کا انکل سے بات کرنا تھی، پلیز......"

"وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے، کسی اور وقت کر لیجیے گا۔"

حالانکہ میرذ کا گھر پر ہی موجود تھے، مگر اپنے کمرے میں قید، حنبل کے چلے جانے سے انہیں بالکل چپ لگ گئی تھی۔ گھر سے کیا نکلنا، گھر میں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اعشال کو پتا تھا وہ بات نہیں کریں گے۔ اسی خیال سے اس نے کہا اور فون بند کرنے لگی، مگر جندب جلدی میں بولا تھا۔

"ایکچوئلی! مجھے سبرینہ صاحبہ کا نمبر چاہیے...... آپ دے سکتی ہیں؟"

"نہیں مجھے زبانی تو نہیں یاد...... میں ڈھونڈتی ہوں۔ آپ بعد میں کال کر لیجیے گا۔" اس نے فون کھٹ سے بند کیا تھا اور بعد میں بہت دیر پچھتائی بھی تھی۔ اس سب میں اس کی کیا غلطی، لیکن ہم بشر ہیں۔ بجتی مٹی سے بنے خاکی، غلطی کو کوسنے یا سدھارنے کے بجائے، غلطی کے سبب کو پیٹنے لگ جاتے ہیں اور ان سب غلطیوں میں ایک سبب جندب بھی بنا دیا گیا تھا۔

☆☆☆

سبرینہ سے رابطہ کرنے کے دو ہی ذریعے تھے یا تو فیصل آباد اس کے گھر جایا جائے، یا پھر حنبل سے پتا کر لیا جائے۔ کچھ دیر بعد اس نے کال حنبل کو ہی ملائی تھی۔ جو دوسری ٹون پر ریسیو بھی ہو گئی۔

"ہاں جندب، خیریت، اس وقت کال......"

اس نے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا، تقریباً نو بج رہے تھے اور اس وقت پاکستان میں رات کے بارہ بجنے والے تھے۔

"جی خیریت ہی ہے۔ دراصل مجھے سبرینہ صاحبہ کا نمبر چاہیے۔"

"سبرینہ آپا کا نمبر۔" اس کے اچنبھے سے دہرانے پر کارن فلیکس کھاتے عدن کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ چمچہ باؤل میں چھوڑ کر تیزی سے پاس آیا۔

"مما کا فون ہے؟" حنبل نے اشارے سے انکار میں سر ہلایا تھا، مگر عدن کو یقین نہیں آیا، وہ چپک کر ساتھ ہی بیٹھ گیا اور لجلجائی نظروں سے حنبل کو

دیکھنے لگا۔ اس کی معصوم گری آنکھوں میں کچھ ایسی التجا تھی، حنبل کا دل اندر تک زخمی ہو گیا تھا۔ وہ تقریباً دوسرے دن اس کی سبرینہ سے بات کروا تا تھا اور ہر کال پر وہ اسے صاف لفظوں میں سمجھاتی تھی۔

"دیکھو عدن، آپ نے اب حنبل بابا کے ساتھ ہی رہنا ہے، میں آپ کی مما نہیں ہوں۔ آپ کی مما، روائیبہ ہے۔"

"نہیں...... آپ میری مما ہیں۔" عدن کے دل سے سسکیاں نکلتیں۔ "مجھے دعا آپی کے پاس آنا ہے۔ عشا آپی کہاں ہیں۔"

"یہاں اب کوئی آپی نہیں رہتی، سب اپنے اپنے مما، بابا کے پاس چلے گئے ہیں۔ جیسے آپ گئے ہو۔ وہاں خوش خوش رہو، پھر شہروز پاپا آپ سے ملنے آئیں گے۔ اگر تنگ کرو گے تو نہیں آئیں گے۔"

سبرینہ اسے بہلاتے پھسلانے کے لیے کتنے جھوٹ کے سہارے لیتی۔ وہ معصوم بچہ تھا کسی وقت بہل جاتا، کبھی اداس ہوتا، کبھی رونے لگتا۔ عمر اس قدر کم تھی، اس کی سمجھ میں سارا قصہ آنا اتنا آسان نہیں تھا، بس اس کی ذات میں عدم تحفظ بھرتا جا رہا تھا۔ اس وقت بھی ملتجی وحشت زدہ نگاہوں سے حنبل کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا بازو اس کے کندھے پر پھیلا کر اسے اپنے مزید تقریب کر لیا۔

"میں نمبر سینڈ کر دیتا ہوں، مگر تم نے کرنا کیا ہے، کوئی کام ہے؟"

"ہوں......" جندب نے تفکر سے کہا تھا۔

"روائیبہ پرسوں سے کہیں گئی ہوئی ہے، کسی فرینڈ کا بتا کر۔ میرا خیال ہے شاید سبرینہ......" حنبل اس کی بات میں مدخل ہوا تھا۔

"تمہیں واقعی نہیں پتا وہ کہاں ہے؟" جندب کی حیرت سے بھنوئیں سمٹ گئیں۔

"جی...... وہ بتا کر نہیں گئی۔ ہم سب بہت پریشان ہو رہے ہیں۔"

"پھر پریشان مت ہوں۔" حنبل نے کچھ اس طرح کہا، جیسے اسے معلوم ہو وہ کہاں ہے...... تب ہی جندب نے پوچھا تھا۔

"کیا مطلب...... آپ جانتے ہیں وہ کہاں ہے۔" حنبل اب چپ تھا، تو وہ استفسار کرنے لگا۔

"کہیں آپ...... میرا مطلب ہے وہ آپ کے ساتھ جرمنی......" رک رک کر پوچھتے اسے خود حیرت ہو رہی تھی، وہ کیسے یک دم اتنا بڑا فیصلہ کر سکتی ہے۔

"پلیز حنبل بھائی بتائیں وہ کہاں ہے۔ کیا واقعی وہ آپ کے ساتھ ہے؟"

"میرے ساتھ......" وہ پھیکا سا ہنسا۔ "جتنا میں اپنے معیار سے گر چکا ہوں، کیا وہ میرے ساتھ آ سکتی ہے؟" اسے اپنے کہے جملے سے خود تکلیف محسوس ہوئی۔ "آپ لوگ اسے تلاش مت کریں، وہ آپ کو وہاں نہیں ملے گی۔" حنبل کی نگاہوں کے سامنے سفید پھولوں میں اٹکے کارڈ پر درج تحریر گھوم گئی۔ "ان پھولوں سے رنگ اور خوشبو اڑ چکی ہے، سو پانے کی خواہش مت کرنا۔"

"میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔" حنبل کی سوچ کا ارتکاز جندب کی آواز نے توڑا تھا۔ "آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔"

"جندب میں صحیح کہہ رہا ہوں، وہ پاکستان میں نہیں ہے، وہ آسٹریلیا جا چکی ہے۔" جندب کی بھنوؤں کے سرے آہستہ آہستہ سمٹے اور پھر پھیلتے پھیلتے اس کی پوری آنکھیں کھل گئیں۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے، وہ بنا بتائے اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتی۔" یہ صرف جندب ہی کی نہیں باقی تمام اہل خانہ کی بھی سوچ تھی۔ فیصلے انسان کے اختیار میں ہوتے کب ہیں۔ یہ تو طے ہوتے ہیں اور بے اختیاری میں پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ ہر انسان کی یہی سوچ ہے۔ حالانکہ سب سے ممتاز چیز عقل انسان کو دے کر فیصلوں کی کسوٹی تھما دی گئی ہے۔ پرکھو اور بڑھتے جاؤ اس کی عقل کی کسوٹی پر یہی اترا تھا رابی کو بچانے کے لیے جلد از جلد یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ بہت سے لوگوں کے بیچ سے وہ یوں آسانی سے چلی گئی تھی جیسے کبھی یہاں وہاں۔ رہی نہ

ہو...... ماہم سنتے ہی بول پڑی تھی۔

"میں کہہ رہی تھی نا، وہ ڈھیٹ اور ضدی ہے، اپنے اس عمل سے بھی اس نے ثابت کر دیا۔ یاد ہوگا اپنی شادی پر کس طرح ضد باندھ لی تھی۔ پھر میری شادی پر رات کے اندھیرے کی پروا کیے بغیر کیسے چلی گئی۔ اپنا...... اپنے باپ کا گھر منٹوں میں چھوڑ آئی اور اب تو حد ہی کر دی اس نے، یوں بھی ملک چھوڑا جاتا ہے۔ کیا اس کے اندر عدن کے لیے کچھ نہیں ہوا۔ کیسی بے حس ماں ہے وہ۔"

"چپ کر جاؤ ماہم......!" رضا حیات اتنی زور سے دھاڑے ماہم کی پوری آنکھیں کھل گئی تھیں۔ وہ جتنے بھی غصے میں ہوں مگر ماہم کو آج سے پہلے کبھی نہیں جھڑکا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھے اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب چلے گئے۔

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا، جو اتنے خفا ہو کر گئے ہیں۔" ماہم روہانسے لہجے میں بولی تھی۔ جندب نے کچھ سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتے کہا تھا۔

"انہیں دکھ ہے ماہم ......وہ ان کے بہت گہرے دوست کی بیٹی ہے، اتنا سب کچھ کر لینے کے باوجود آج ہم بھی روائیہ کی بے اعتباری کی لسٹ میں شامل ہو گئے۔ میں نے قبل، سبرینہ کو اس کے گھر کا رستہ دکھایا تھا شاید وہ ہم سے بھی خوف زدہ ہو کر چلی گئی ہے۔ جانے اب کیا کرے گی...... غصے میں دماغ کام چھوڑ دیتا ہے۔"

"میرا تو قصور نہیں ہے ناں...... مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہیں۔"

"تم بھی تو چپ نہیں کر رہیں...... بولے جا رہی ہو۔" عائشہ نے اسے نرمی سے گھرکا تھا۔ "اور جو تم سمجھ رہی ہونا...... عدن کا اسے یقین نہیں آ رہا...... اس کا رابی کے لیے خوف زدہ ہونا اور پھر چھپ جانا ہی اس بات کی دلیل ہے اسے یقین آ چکا ہے، وہ رابی کو دینے سے ڈر رہی ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ خود اس فیز سے نکلے گی۔ عدن کی تڑپ اسے کھینچ لائے گی۔"

جندب انگوٹھوں کی پوروں پر پیشانی ٹیکے بہت دیر کچھ سوچتا رہا۔

☆☆☆

سرزمین وکٹوریہ اس کے لیے کوئی اجنبی نہیں تھی۔ پانچ سال بعد بھی اسے اپنے قدموں کے نشانات جا بجا دکھائی دے رہے تھے۔ تمام مناظر کسی فلش بیک کی طرح اس کی نگاہوں میں چلنے لگتے اس چلتی تیز فلم کو اگر کوئی بریک ملتی تھی تو وہ صرف دو معصوم گرے آنکھوں کی تھی۔ سوالوں سے پر، الجھن سے بھری اس کی جانب اٹھیں...... وہ آنکھیں بہتی سانسوں میں سوئی کی طرح چبھتیں۔ شدت تکلیف سے پل بھر کے لیے آنکھیں بند ہوتیں اور کھلنے پر دھیان بٹا لیا جاتا۔ وہ ایئرپورٹ سے سیدھی اپنے فلیٹ پر گئی تھی۔ دنوں، مہینوں کا حساب اس کے دماغ میں محو ہو گیا تھا۔ وہ یہ تک بھول گئی تھی۔ ان کا کرائے کا فلیٹ تھا اور پانچ سال گزرنے پر وہ اس کے انتظار میں بند نہیں رہ سکتا تھا۔

ڈور بیل دینے پر دروازہ ایک اجنبی عورت نے کھولا تھا اور جب اس نے اپنا تعارف اس فلیٹ کی موجودہ مالکن ہونے کے ناطے سے کروایا پل بھر کے لیے روائیہ ٹھٹک سی گئی پھر اس کی یادداشت لوٹنے لگی اور پھیکی سی ہنسی ہنس کر اپنا تعارف کروایا تھا۔ وہ سوڈانی عورت بہت خوش اخلاق تھی۔ اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ اب یہ ایک بچوں والا گھر تھا۔ جنہوں نے گھر میں خوب ہلچل مچا رکھی تھی۔ اس نے رابی کو ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے کہا مگر رابی کو سیاہ رنگت کے بھاری بھاری بچے پسند نہیں آئے تھے وہ ماں کے ساتھ چپکی بیٹھی رہی۔ روائیہ سٹنگ روم میں بیٹھی ایک ایک چیز کو ایسے تک رہی تھی جیسے سب آج ہی آ کر لگی ہوں۔ در و دیوار فرنیچر، پینٹنگ، کارپٹ، سب وہی تھے صرف مکین بدل گئے تھے۔ دروازے کے ساتھ ہی چھوٹی سی سلیب پر جہاں کبھی اس کی نیل پالش اور لپ اسٹک رکھی ہوتی تھی اب وہاں صرف ڈیکوریشن تھے۔ اسے اپنے کانوں میں ازمیر،

مریم کی آوازیں گونجتی محسوس ہوئیں۔

اسے لگا کچن میں کھڑ پڑ کرتی مریم بہت دیر سے اسے آوازیں دے رہی ہیں۔ "روائیہ، روائیہ۔" بے دھیانی میں اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"لیس مما۔" پھر اپنے ہی کہنے پر کھسیانی سی ہو گئی۔ وہ خوش اخلاق عورت اسے کھانے پر روکنے لگی مگر یہاں اس کا دل یک لخت اتنا بوجھل ہو گیا تھا مزید رکنا دشوار لگ رہا تھا۔ اسے اپنے مستقبل قیام کا بندوبست کرنا تھا۔ وہ وہاں سے لینا فیڈرک کی طرف آئی تھی۔ وہ اس پوری عمارت کی لینڈ لیڈی تھیں۔ کوئی نہ کوئی فلیٹ ضرور خالی ہوگا۔ اور اگر نہیں بھی ہوا تو بھی اسے یوں بے سروسامان رہنے نہیں دیں گی۔ کچھ دن کے لیے ہی سہی مگر وہ اپنے گھر رکھ لیں گی۔ اتنے دنوں میں اس کی رہائش کا بندوبست ہو جائے گا۔ اس کا چہرہ تو تپتا اور یقیناً اسے ہلکا سا چکر بھی آیا تھا جب لینا فیڈرک کی جگہ اس کا دروازہ لینا کی بھتیجی نے کھولا تھا۔ وہ روائیہ کو بہت اچھی طرح جانتی تھی اور بہت محبت سے ملی بھی تھی لیکن جب اس نے لینا کا بتایا۔

"انہیں تو فوت ہوئے تین سال کا عرصہ بیت گیا۔" روائیہ ساکت سی ہو گئی تھی۔ پاکستان سے وکٹوریہ تک کا سفر، اور پھر اپنے گھر کو کسی کی آماجگاہ بنا دیکھ کر دل پر لگتے تھپڑوں سے روکے آنسو ایسے امڈے تھے جیسے بحرالکاہل اس کے چہرے پر الٹ گیا ہو وہ ہچکیوں لے کر اونچی آواز سے روئی تھی۔ زڈنی (لینا کی بھتیجی) کو اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ رابی الگ پریشان تھی۔ ماں سے لپٹتی۔

"روائیہ ...... اتنا تو میں نہیں روئی آنٹی کو یاد کر کے ...... تمہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"انہیں چند دنوں سے ایسے ہی کچھ ہو گیا ہے۔" رابی کے نروٹھے لہجے پر اس نے آنسوؤں سے تربتر چہرہ اوپر کو اٹھایا چہرہ دیکھنے میں ایسے لگتا تھا سفید روئی پانی سے خوب بھری ہو اور کنارے بوجھل ہو کر ٹپ ٹپ قطرے چھلکتے ہوں۔

"زڈنی مجھے ہی تو کچھ نہیں ہوا، دیکھو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے اپنا چہرہ، گردن، شانے، تمام بدن تھپتھپا کر یقین دہانی کروائی "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہوتا، مجھے کچھ بھی تو نہیں ہوتا، میرے ماں باپ ختم ہو گئے، گھر ختم ہو گیا، میری شادی تباہ ہو گئی، میرا بچہ۔" اس کے وجود میں ایک بھالا گڑھا تھا "سب ...... سب زڈنی تباہ ہو گیا ...... لیکن میں ٹھیک ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کچھ بھی تو نہیں پڑا اور اب لینا بھی نہیں رہیں۔"

اس کی آواز میں درد کی اتنی آمیزش تھی زڈنی کا دل چیر گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے کانپتے شانے تھام لیے۔

"روائیہ کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ ...... تم ایسی تو نہیں تھیں۔" وہ اس کے ساتھ لپٹ کر بہت سا رو لینے کے بعد کھسیاہٹ سے الگ ہوئی ہاتھوں کی پشت سے چہرہ صاف کرتے ہنسنے لگی۔ پلکوں سے ٹوٹتے آخری آخری قطرے اور گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ آہ۔

"کچھ نہیں ڈیئر۔" اس نے اپنا چہرہ بالکل پونچھ لیا تھا اب صرف مسکراہٹ تھی، کھسیانی مسکراہٹ۔ "بس ایسے ہی دل بھر آیا۔"

وہ اس کے پاس سے اٹھی اور لینا کے بیڈروم کی جانب رخ کرتے کہا تھا "مجھے اب آرام کرنا ہے، میں لینا کے روم میں جانا چاہوں گی۔"

"ہاں ہاں ضرور ...... پہلے کھانا کھالو ...... پھر جتنا مرضی آرام کرنا ...... ہم کل ٹھیک سے بات کریں گے۔" وہ دھیما سا مسکرائی تھی۔ کھانے کے دوران بس ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ البتہ زڈنی نے کھانے کے دوران ایک بات ضرور کہی تھی۔

"بے شک تمہاری بیٹی تم سے بالکل نہیں ملتی، مگر ہے بڑی پٹاخا ...... تم تو جب چھوٹی تھیں بہت بونگی تھیں۔" پٹ پٹ بولتی رابی اپنی تعریف پر مزید پھیل گئی اور روائیہ کے چہرے پر گہرا تاثر پھیل گیا

تھا۔

وہ تقریباً تین چار دن زڈنی کے ساتھ رہی تھی۔ اس کے بار بار استفسار پر صرف اتنا بتایا تھا۔

''میاں سے معمولی رنجش پر علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ سو واپس آ گئی۔''

''لیکن تم روتے ہوئے بچے کیا ذکر کر رہی تھیں۔'' زڈنی کو بہت اچھے سے یاد تھا اور روائیہ کو اب بات بنانے میں کمال ہونے لگا تھا۔

''ہاں تو رابی کی بات کر رہی تھی نا......وہ اسے مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے، بس اس سے بچتے بچاتے آ گئی۔''

''یہاں کیا کرو گی؟'' اگلا سوال پہلے سے زیادہ مشکل تھا۔

''جاب......کوئی جاب دیکھوں گی......اپنی بیٹی کی پرورش کروں گی اور بس۔'' اس نے ایسے کندھے اچکائے جیسے یہ سب بے حد آسان ہے۔''

''دوسری شادی کا نہیں سوچا......میرا مطلب ہے بہت ینگ ہو تم......ڈیوارس لو......اور......''

''ایک تجربہ کم ہے کیا؟'' لہجہ چاقو کی طرح تیز ہو گیا تھا۔ زڈنی نے مزید کوئی بات نہیں کی اچھی تمناؤں کے ساتھ اسے رخصت کر دیا تھا۔

☆☆☆

اس کے سامنے وکٹوریہ شہر کا ازدہام پھیلا تھا۔ موسم اور مسائل سے بے فکر قوم اپنے چہرے پر روز مرہ کا تاثر پھیلائے بکھری ہوئی تھی۔ اپنی بلڈنگ سے نکل کر وہ بھی ان سب کا حصہ بن گئی۔ اسے یہاں سے بس وے کی جانب جانا تھا پھر وہاں سے ریلوے اس کی رات فلوریہ سے بات ہوئی تھی۔ بہت اچانک اس کا فون فلوریہ کے لیے حیرت اور خوشی کا باعث تھا اور جب اس نے کہا۔ ''آپ کہاں ہیں، مجھے آپ سے ملنا ہے۔''

''میں برسبن میں ہوتی ہوں......مگر تم کہاں ہو۔''

''وکٹوریہ......میں وکٹوریہ آ گئی ہوں۔''

''گڈ......'' فلوریہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ ''کس کے ساتھ؟''

''اپنی بیٹی کے ساتھ۔''

''ویری گڈ......یعنی میاں کو چھوڑ آئیں......زبردست۔'' روائیہ اب چپ تھی اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا البتہ فلوریہ خوشی کے باعث بولے جا رہی تھی۔

''کاش یہ خبر تمہارے منہ کے بجائے، میر تجل کے منہ سے سنتی، بڑی تمنا تھی وہ میاں کو چھوڑ کر میرے پاس آتی، مگر ایسا نہیں ہوا، تمہارے باپ نے میری بہن مجھ سے چھین لی تھی۔ میں یہ کبھی نہیں بھولوں گی۔'' اپنے باپ کے لیے ایک لفظ بھی سننا اس کی برداشت سے باہر تھا لیکن جتنی وہ اس وقت مجبور ہو چکی تھی اسے سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ کوفت زدہ آواز میں پھر سے گویا ہوئی۔

''آپ نے کہا تھا آپ میرا انتظار کریں گی، سو اس وقت مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ بتائیں کریں گی۔''

''ہاں بالکل کہا تھا اور میر تجل سے بھی کہا تھا، مگر وہ لوٹ کر نہیں آئی......پراپرٹی کے شیئرز لینے سے انکار پر میں نے اسے کہا تھا۔ اگر تمہیں اس کی ضرورت نہ پڑی مگر تمہاری اولاد کو ضرور پڑے گی، وہ یہ لینے ضرور آئے گی......اور دیکھو تم آ گئی ہو......مجھے خوشی ہے، میری بات ضائع نہیں رہی۔''

''اوہ تو یہ آپ کی بددعائیں تھیں، جو یہاں تک لے آئیں مجھے۔''

''نہیں ڈارلنگ یہ میری محبت تھی......خیر چھوڑو تم نہیں سمجھو گی......میں ایڈریس میل کرتی ہوں، تم آ جاؤ......میں تمہاری منتظر ہوں۔'' فلوریہ کے پاس جانے کا فیصلہ اس نے جذبات سے نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ بے شک وہ ازمیر کو برا ضرور سمجھتی تھی لیکن میر تجل کی وجہ سے روائیہ سے بہت محبت بھی کرتی تھی۔ اور اسے اس وقت ایسے مخلص شخص کی ضرورت تھی جو یقیناً اسے تحفظ دے۔

صبح ہوتے ہی وہ مطلوبہ ایڈریس کے لیے نکلی تھی۔ بس وے کی جانب بڑھتے ہوئے وہ چوڑی سڑک کراس کر رہی تھی صرف لمحے کا کھیل تھا اس کی پل بھر کی غلطی رابی کو اس سے ہمیشہ کے لیے چھین لیتی' اس رابی کو جس کے لیے وہ اب دنیا سے ٹکرانے کو تیار تھی۔ جس کے لیے وہ اپنے اندر سے لڑ رہی تھی۔ اپنی سوچوں میں مگن رابی کا ہاتھ تھامے سڑک کے درمیان میں پہنچی ہی تھی جب اچانک سامنے سے تیز رفتار گاڑی آئی خوف سے اس کی آنکھیں منہ پھٹ گیا۔

آن واحد میں اس نے رابی کا بازو تیزی سے اپنی جانب کھینچا اور گود میں اٹھا لیا تھا۔ زن سے گزرتی گاڑی کو وہ نخوت سے گھورتی رہ گئی۔ رابی اس کی گردن میں منہ چھپائے تقریباً کانپ رہی تھی۔ روائیہ نے بھاگتے ہوئے سڑک کراس کی اور دوسری جانب پہنچ کر اسے پیار سے سمجھایا تھا۔

''یہاں سڑک کراس کرنا اتنا آسان نہیں ہے رابی...... یہاں کے لوگ تیز ڈرائیو کے عادی ہیں۔''

رابی کے خوف پر قابو پانے کے لیے وہ اسے سامنے بنے سپر اسٹور پر لے گئی۔ وہاں اس کی پسند کی چیزیں لے کر دینے لگی۔ چیزیں خریدنے کے دوران اس کا دھیان بار بار اس معصوم بھولی سی صورت کی جانب جا رہا تھا۔

''کیا سبرینہ نے اسے گود میں اٹھا کر سڑک پار کروائی ہوگی۔'' اس نے سر جھٹک کر خود ہی تردید کی ''ہاں بالکل...... وہ اس کا بیٹا ہے، وہ اسے بچاتی ہوگی۔''

رابی سکون سے چاکلیٹ اور جوس اٹھا اٹھا کر باسکٹ میں رکھ رہی تھی۔

''وہ خوف کے وقت کس کی گردن میں منہ چھپاتا ہوگا۔ اپنی ماں کی...... اور کس کی......''

ایک، دو، تین...... تین حروف سے بنا لفظ ماں تین گولیوں کی طرح اس کے دل کو چھلنی کر گیا تھا۔

''کون سی ماں...... کون ہے اس کی ماں۔ اسے ممتا کا لمس ملتا ہوگا سبرینہ سے۔'' ہزار کوشش کے باوجود ذہن بار بار پلٹتا تھا ''اللہ'' اس کے اندر سے اک ہوک سی تھی۔

☆☆☆

خوش تو وہ کئی دنوں سے تھی اسے لگتا تھا اس کے قدم زمین کے بجائے، اسمتھ کے دل میں اتر چکے ہیں اور اب وہ پوری طرح اس میں دھنستی جا رہی ہے۔ مگر جو خوشی آج تھی اس کا لطف بہت الگ تھا۔ آج اسمتھ اسے شاپنگ کروانے لایا تھا۔ شادی کی شاپنگ اس کے فیورٹ مالز سے، اس کی پسندیدہ چیزیں اور اس سب میں زیادہ مزے کی بات یہ تھی اسمتھ اسے بالکل بھی منع نہیں کر رہا تھا بلکہ محبت برساتی نگاہوں سے اسے دیکھتا مزید لینے کی آفر کر رہا تھا۔

اس نے چند سوٹ پیک کرواتے ہوئے بہت جوش سے کہا تھا۔

''تمہیں پتا ہے اسمتھ میں آج بہت خوش ہوں۔''

''ہونا بھی چاہیے۔'' اسمتھ نے مسکرا کر کہا تھا۔

''لیکن کیوں......؟'' میرڈین چاہ رہی تھی وہ اس کی خوشی کی وجہ پوچھے مگر وہ پوچھنے کے بجائے خود بتانے لگا۔

''کیوں کہ اسمتھ پیزا ہٹ کا آنر، تمہیں اپنی ذاتی کمائی سے شاپنگ کروا رہا ہے۔''

''جی نہیں۔'' میرڈین نے ناک چڑھائی اور کاؤنٹر سے کپڑوں کے پیکٹ اٹھا کر دوسرے کاؤنٹر کی جانب بڑھی اسمتھ بل ادا کر کے اس کے ساتھ تھا۔

''بلکہ اس لیے خوش ہوں، میری اسمتھ سے ہونے والی شادی کی شاپنگ کنجوس اسمتھ بخوشی کروا رہا ہے۔''

''ہاہاہا......'' جنک فوڈ کارنر پر رکتے ہوئے اسمتھ نے اونچا قہقہہ لگایا۔ ''اپنی ہونے والی پرسنل میڈ کو ذاتی خرچ سے شاپنگ کروانا مجھے اچھا لگ رہا ہے۔''

''واٹ......'' اچانک سے آجانے والے غصے

سے میرڈین کی آواز چھٹی "مجھے پرسنل میڈ سمجھ کر شاپنگ کروار ہے ہو۔" اسمتھ نے پوری معصومیت سے اقرار کیا۔ اسے معلوم نہیں تھا یہ اقرار اسے کتنا مہنگا پڑنے والا ہے۔

"آئینے میں بھی شکل دیکھی ہے اپنی......"

"تڑتڑتڑ......" ہاتھ میں پکڑے پیکٹس کے شاپرز اس کے سر پر بجانے شروع کر دیے تھے۔ "تم شکل سے ہی میرے میڈ لگتے ہو، بلکہ جوتے صاف کرنے والے، لانڈری مین......واشر مین۔"

وہ بولے جارہی تھی اور وہ زور زور سے ہنسے جا رہا تھا۔ کاؤنٹر پر بل ادا کرتی روائیہ ان کی مانوس ہنسی پر چونکی تھی گردن پھیر کر دیکھا تھا۔ ہاتھوں سے اپنے چہرے کا دفاع کرتا اسمتھ ہنسنے کے ساتھ کاؤنٹر کی جانب ہی بڑھ رہا تھا انگلیوں کی جھری سے اس نے روائیہ کو دیکھا نگاہ ملنے پر اچھا خاصا چونک گیا تھا۔ اس کے چونکنے پر میرڈین نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں دیکھا اک خوش گوار سی حیرت سارے چہرے پر پھیل گئی آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں۔ روائیہ بہت خواہش کے باوجود ان سے بچ کر نہیں بھاگ سکتی تھی کیوں کہ وہ دونوں بہت تیزی سے اس کی جانب لپکے تھے اور یک آواز میں کہا تھا۔

"تم، تم کب آئیں......" روائیہ اپنی حیرت پر قابو پا چکی تھی اور ان ہی کی طرح گرم جوشی دکھاتے ہوئے ملی تھی۔

"بتایا نہیں کب آئی ہو، جندب بھی آیا ہے؟ اور تمہارا ہزبینڈ۔" میرڈین تفصیل جاننا چاہ رہی تھی۔

اسمتھ نے جھک کر رابی کو گود میں اٹھالیا۔

"یہ تمہاری بیٹی ہے۔"

"ہاں۔" اس نے صرف اتنا کہا تھا۔ سیاہ فام اسمتھ سے جھجھکتی رابی روائیہ کو مدد طلب نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اسے لینے کے لیے بازو پھیلائے مگر اسمتھ نے "اونہوں" کہتے رخ پھیر لیا اور اسے وہاں لگے ریکس سے کھلونے پسند کروانے لگا۔

شادی کے بعد اس کے جو بھی حالات رہے تھے وہ کبھی کسی سے بھی ڈسکس نہیں کیے تھے۔ وہ پانچ سال سے تنہا رہ رہی تھی۔ ان پانچ سالوں میں کئی بار میرڈین اور اسمتھ سے چھوٹی موٹی ٹیلیفونک گفتگو ہوتی رہی تھی لیکن اس گفتگو میں کبھی بھی اس نے اپنی پرسنل لائف کو ڈسکس کیا ہی نہیں صرف اتنا پتا تھا کہ ایک بیٹی ہے اور ایک بوتیک کی آنر بن چکی ہے، جب روائیہ نے نہیں بتایا تو جندب نے بھی بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اب آمنے سامنے ہونے پر بھی اس نے کچھ خاص نہیں بتایا تھا۔ بس روٹین کا ایک وزٹ کہا تھا۔

"ٹھہری کہاں ہو......؟"

"وہیں اپنی پرانی بلڈنگ میں......"

"اوہ زبردست......تمہیں پتا ہے میں اور اسمتھ شادی پلان کر چکے ہیں......کیا خیال ہے اسمتھ اس کے فلیٹ پر چلیں......اس کے ہزبینڈ کو انوائٹ کرنے۔" آنکھوں اور چہرے سے بے پناہ خوشی چھلکاتی میرڈین نے دوسرا جملہ ہاتھوں میں کھلونے اٹھائے اپنی جانب بڑھتے اسمتھ سے تائید چاہی۔ لیکن اس کے جواب دینے سے پہلے ہی روائیہ بول پڑی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں......لیکن اس وقت وہ گھر پر نہیں ہے، تم کل شام میں آجانا۔"

اسمتھ میرڈین نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر کچھ سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ دونوں اسے کافی کی آفر کرتے رہے مگر وہ بزی ہونے کا بہانہ کر کے وہاں سے نکلنے کی جلدی میں تھی۔

"ہم کل آئیں گے، ہمارا انتظار کرنا......"

مال سے باہر نکلتے ہوئے اسے میرڈین کی ہانک سنائی دی اس نے مڑ کر انگلیوں سے "اوکے" کا اشارہ کیا اور تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ بس وے کی جانب اس کے اٹھتے قدم اب پہلے سے کہیں زیادہ تیز ہو چکے تھے۔

☆☆☆

آج اسے معمول سے کہیں زیادہ تھکن کا

احساس تھا۔ چہرے پر نادیدہ سی بے زاریت جابجا تھی۔ بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ کر بوٹوں کی قید سے پاؤں آزاد کرتے اسے گمان گزرا تھا اس کے پاؤں پر ورم آج بہت بڑھ چکا تھا۔ بوٹوں کے کنارے ٹخنوں کی جلد میں گڑھے ہوئے تھے۔ جن دنوں کام کا پریشر بڑھ جاتا یا مینوفیکچرنگ یونٹ میں زیادہ چکر لگتے تھے زیادہ چلنے اور کھڑے رہنے کے سبب ٹانگوں اور پاؤں پر ہلکا ورم آجاتا تھا۔

خود پر توجہ تو اس کی بہت عرصے سے نہیں رہی تھی لیکن اب یہ ورم بڑھ رہا تھا۔ پاکستان میں اچھے خاصے دن لگ گئے تھے۔ آفس کا بہت سا کام التوا میں پڑا تھا۔ پھر عدن بھی تھا۔ چند دن تو وہ اسے اپنے ساتھ آفس لے جاتا رہا تھا پھر اسے ایسے اسکول میں داخل کروایا جہاں شام تک کی بورڈنگ دی جاتی تھی۔ صبح جاتے ہوئے اسے اسکول ڈراپ کر دیتا شام کو واپسی پر لے آتا۔ بورڈنگ آفس سے بہت فاصلے پر تو نہیں تھی لیکن روزانہ کی پک این ڈراپ میں بہرحال اس کا اپنا سفر کچھ بڑھ گیا تھا۔

سارا دن کی بھاگ دوڑ میں ہلکا پھلکا ورم تھکاوٹ کوئی تشویش ناک بات نہیں تھی لیکن اب چند دن سے وہ محسوس کر رہا تھا روز پہلے سے زیادہ ورم بڑھتا جا رہا تھا اور آج تو حد ہو گئی تھی ٹخنوں کی ہڈی مکمل چھپی ہوئی تھی چلنے میں ایسے گمان ہو رہا تھا جیسے قدم زمین کے بجائے کسی نرم اسفنج پر ہوں۔ پاؤں پر سے جرابیں اس نے کھینچ کر اتاریں پاؤں کی انگلیاں انگوٹھا پھیلا سکڑا کر بغور دیکھ رہا تھا اسے اپنے پاؤں بے حد عجیب لگ رہے تھے۔ پینٹ کا پائنچہ کچھ اوپر کو اٹھا کر دیکھا پنڈلیوں تک اس کی ٹانگ بے حد گول اور پھولی ہوئی تھی۔ عدن اپنے کپڑے تبدیل کر کے اس کے پاس آ بیٹھا تھا اور حنبل کے پاؤں کی جانب دیکھتے ہوئے اسے بھی حیرانی ہوئی۔

''انکل...... آپ کے پاؤں اتنے بڑے کیسے ہو گئے۔'' اس کے سوال پر حنبل پھیکا سا مسکرایا تھا۔

''یار میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں...... تمہیں کچھ اندازہ ہے، کیسے ہو سکتے ہیں۔'' حنبل نے تائید کا اسے دیکھا وہ پلکیں پٹپٹاتے بھولے لہجے میں بولا تھا۔

''یہ تو ڈاکٹر کو پتا ہوتا ہے، مجھے کیسے پتا......''

''واہ میرے بیٹے کو تو یہ بھی پتا ہے، ایسی باتیں ڈاکٹر کو پتا ہوتی ہیں۔'' اس نے عدن کو اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور اپنے دونوں بازو اس کے گرد لپیٹ دیے تھے۔

''اور آپ مجھے انکل کیوں کہتے ہو...... بابا کہا کرو، ناں یار...... میں فادر ہوں آپ کا۔'' حنبل کے بازوؤں کے حلقے میں ہی اس نے گردن اٹھا کر اسے استعجابیہ دیکھا تھا۔ جب جب حنبل نے اسے یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ وہ اس کا انکل نہیں باپ ہے۔ عدن کی آنکھیں تعجب سے بھر جاتی تھیں۔

''فادر تو شہروز پاپا ہیں، آپ تو نہیں ہیں۔''

جملے کی کاٹ سے عدن کے وجود پر بازوؤں کی گرفت لحہ بھر کے لیے بڑھ گئی تھی۔ حنبل نے اس کے سر پر اپنی ٹھوڑی ٹیک لی۔

''نہیں میری جان آپ کو غلط بتایا گیا ہے، شہروز آپ کے فادر نہیں ہیں، ایکچوئلی جب آپ بہت چھوٹے تھے اس وقت میں گم ہو گیا تھا، میں اپنے گھر کا رستہ بھول گیا تھا یار...... آپ تک نہیں پہنچ سکا...... اس لیے شہروز آپ کو اپنے گھر لے گئے تھے، اگر وہ آپ کا خیال نہ کرتے، چھوڑ کر چلے جاتے، پھر آپ اتنے بڑے کیسے ہوتے...... اب مجھے پتا چلا، میں اپنے بیٹے کو لے آیا۔'' اس نے بے ساختہ اس کے سلکی بالوں پر بوسہ لیا۔

''آپ راستہ کیسے بھول گئے تھے، میم کہتیں تھیں بچے گم ہوتے ہیں، بڑے نہیں۔''

''ہو جاتے ہیں یار...... بڑے بڑے گم ہو جاتے ہیں۔ جب جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لو، تو ہر رستہ گم ہو جاتا ہے۔'' حنبل کی بات کا ایک حرف اس کے پلے نہیں پڑا تھا۔ وہ اس کی گرفت میں بے چین سا ہو کر کسمسانے لگا۔ اسی لیے اس نے موضوع بدل دیا۔

''آپ ڈاکٹر کے پاس کب جائیں گے۔''

''ہاں ڈاکٹر کے.....ان شاء اللہ پہلی فرصت میں۔''

پہلی فرصت میں کہتے ہوئے اسے اپنے لفظ اپنے ارادے کا مذاق اڑانے لگے تھے۔ پہلی فرصت میں تو اسے پاکستان بھی جانا تھا، پہلی فرصت میں اسے روائیہ کو اپنے پاس جرمنی لانا تھا، اپنی پہلی ویڈنگ انورسری کے لیے اس نے پہلی فرصت نکالی تھی، کیا وہ نکال پایا پہلی فرصت، یہاں تک کہ زندگی سے زندگی نکل گئی بس پہلی فرصت نہ نکلی۔ فرصت کبھی خود نہیں نکلتی اسے نکالا جاتا ہے کسی بھی طریقے سے، کہیں سے بھی۔

☆☆☆

شام کو وہ اپنے تمام کاموں سے فارغ ہو کر اس کے فلیٹ پر جانے کی تیاری کر رہی تھی اور اسی غرض سے فون اٹھایا کہ اسمتھ کو بھی چلنے کا کہے مگر فون ہاتھ میں لیتے ہی رومانٹک دھن کے ساتھ بجنے لگا۔ اسکرین پر لکھا جانے والا ''اسمتھ کالنگ'' اس کے وجود میں خوشی کے سارے رنگ بھر دیتا تھا۔ امڈ کے آنے والی خوشی کو نچلا لب دانتوں میں دبا کر بہت اتراتے ہوئے کہا تھا۔

''ہیلو ڈیئر، کیا بہت یاد آ رہی تھی میری.....ایکچوئلی میں ہوں ہی اتنی خوب صورت ہر پل یاد کیا جائے۔''

''بی سیریس میرڈین.....ایک پرابلم ہے۔''

''کیا.....'' وہ چونکی تھی۔

''میں تمہاری طرف آؤں، یا تم آ رہی ہو۔''

اسمتھ کے لہجے پر وہ قدرے حیران تھی وہ بہت کم کم سنجیدہ ہوا کرتا تھا۔

''کچھ بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے، یا صرف آنے جانے کا ہی پرابلم ہے۔''

''روائیہ.....اپنے ہزبینڈ کے ساتھ یہاں نہیں آئی، بلکہ پاکستان چھوڑ آئی ہے۔'' میرڈین کے حظ اٹھاتے لہجے پر جب اسمتھ نے کہا تو میرڈین کی آنکھیں ایک بار پھر سکڑیں۔

''مطلب.....؟'' وہ ابھی بھی نہیں سمجھی تھی۔

''ویٹ.....میں آ کر بتاتا ہوں۔''

الجھے ذہن کے ساتھ اس نے اپنا کمرہ سمیٹا اور دروازہ لاک کر کے باہر ٹیرس پر اسمتھ کا وہ انتظار کر رہی تھی۔ اسے اسمتھ کے جملے سمجھ میں نہیں آ رہے تھے بار بار ذہن الجھ رہا تھا وہ پاکستان چھوڑ آئی، ہزبینڈ ساتھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس نے چھپایا کیوں، ہم اس کے پرخلوص دوست ہیں، کم از کم ہمیں تو بتانا چاہیے۔ اس دن مال میں اس کا سرد رویہ آج سمجھ میں آ رہا تھا۔ اسمتھ کے پہنچتے ہی وہ ٹیرس کے اسٹیپس پھلانگتی تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی بنا کسی ہیلو، ہائے کے اس نے فوراً سے پوچھا تھا۔

''کیا کہہ رہے تھے تم.....کس نے کہا ہے تم سے.....'' اسمتھ اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیرس کے آخری اسٹیپ پر بیٹھ گیا اور جندب کے کچھ دیر پہلے موصول ہونے والے فون کی ساری تفصیل سنائی تھی۔ روائیہ کے یوں آسٹریلیا آ جانے پر جندب خاصا پریشان تھا اور صرف کنفرم کرنے کے لیے اس نے اسمتھ کو کال کی تھی۔ اسمتھ کے بے حد اصرار۔

''کیا وجہ ہے، کیوں وہ ایسے سب چھوڑ چھاڑ چوری چھپے آ گئی۔'' پر جندب نے سب بتا دیا سنتے ہوئے اسمتھ کی آنکھیں بالکل ویسے ہی پھیلی تھیں جیسے اس وقت میرڈین کی پھیلتی جا رہی تھیں فرق صرف اتنا تھا اسمتھ کی آنکھوں میں دکھ تھا جب کہ میرڈین کی آنکھوں میں کرب کا پانی جو کناروں سے پھسل کر چہرے پر بہے جا رہا تھا۔ بات ختم ہونے پر جب اسمتھ نے میرڈین کی جانب گردن گھمائی چہرے پر پھیکا سا تاثر تھا۔

''تم رو رہی ہو.....؟''

''پتا نہیں.....'' اس نے ہتھیلی کے کونے سے رخسار صاف کیے ''اتنا سب کچھ ہو گیا روائیہ کے ساتھ اور اس نے ہمیں اپنا سمجھا ہی نہیں۔'' اسمتھ نے کچھ سوچتے ہوئے تائیداً سر ہلایا۔

''شاید اب وہ کسی کو اپنا نہیں سمجھتی۔'' وہ کہہ کر

اٹھ کھڑا ہوا میرڈین نے اسے پھر سے بٹھانے کے لیے اس کی کلائی پکڑ کر کھینچی تھی۔ مگر وہ کھڑا رہا تو وہ بھی برابر کھڑی ہو گئی انداز اٹل' لہجہ تشویش سے بھرا تھا۔

''اسمتھ ......''

''ہوں ......'' اس نے میرڈین کی جانب گردن پھیری اس کے چہرے پر الجھنوں کا جال سا تھا۔

''کیا مرد اتنی جلدی بے اعتبار ہو جاتا ہے، ایک منٹ میں سب ختم ہو جاتا ہے۔ سب کچھ شادی تک۔''

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھنے لگا میرڈین تیزی سے اس کے آگے آ کر کھڑی ہو گئی راستہ روکنے کے انداز میں بازو سامنے پھیلا لیا تھا۔

''کیوں نہیں پتا، تم ایک مرد ہو، تمہیں پتا ہونا چاہیے، مرد کیوں، کب اور کیسے کیسے بے اعتبار ہوتا ہے۔''

''پلیز میرڈین میں پہلے ہی پریشان ہوں، مزید مت کرو...... ہمیں کہیں جانا تھا، چلو۔'' وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر تیز تیز آگے چلنے لگا وہ چند پل پیچھے رکی اسے دیکھتی رہی پھر تیزی سے اسی کی جانب بھاگی تھی۔

''اسمتھ ہماری شادی ہونے والی ہے، مجھے اس بارے میں تمہاری رائے چاہیے بتاؤ مجھے۔'' وہ بنا جواب دیے تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا وہ برابر ساتھ چلتی پوچھ رہی تھی۔

''شادی کے بعد کوئی میرے بوائے فرینڈ کے بارے میں غلط اطلاع دے گا۔ تم کیا کرو گے۔'' وہ چلتا چلتا یک لخت رکا وہ بھی رک گئی اس نے رک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا میرڈین کی نیلی آنکھوں میں بہت سی بے چینی بھری تھی۔ اسمتھ کا شدت سے دل چاہا بہت سے خوب صورت جملے کہہ کر ان خوب صورت آنکھوں سے ہر پریشانی، ہر وسوسہ دھو دے۔ لیکن پھر وہ اسمتھ تو نہ ہوا جو میرڈین کو چڑا دینے کی حد تک زچ نہ کرے۔ وہ اس کے چہرے پر تھوڑا سا جھکا اور نہایت سنجیدگی سے کہا تھا۔

''میں خوش ہو جاؤں گا، کیوں کہ پھر مجھے اپنی دس بارہ گرل فرینڈز تم سے چھپانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''واٹ......؟''

میرڈین کی نخوت سے آنکھیں پھیلیں اگلے دانت جم گئے۔ اسمتھ اس کے عتاب سے بچنے کے لیے تیزی سے آگے کو بھاگا تھا وہ چند پل غصے سے متلاشی نگاہ دوڑاتی رہی اسے کہیں کوئی چیز گری نہیں ملی تھی جو اٹھا کر اسمتھ کا سر پھاڑ دیتی پھر اچانک اپنے ہاتھ میں پکڑے چابیوں کے گچھے کا خیال آیا۔ اور پھر کیا تھا چند سیکنڈز بعد اسمتھ اپنے سر پکڑے کراہ رہا تھا۔ اور وہ لڑاکا عورتوں کی طرح گردن اور ہاتھ نچاتی اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

''دس بارہ گرل فرینڈز سے پٹی کروالو......''

☆☆☆

وہ دونوں لینا فیڈرک کے فلیٹ پر اس امید سے گئے تھے وہ ادھر ہی بلڈنگ کے کسی فلیٹ پر ہو گی۔ کیوں کہ اس نے یہی بتایا تھا۔ مگر جب زڈنی نے بتایا وہ اپنی کسی آنٹی کے پاس جا چکی ہے اسمتھ اور میرڈین کو بے حد حیرت ہوئی تھی۔ اس کی آنٹی کا کوئی اتا پتا نہ تو زڈنی کے پاس تھا اور نہ ہی جندب کے پاس بلکہ وہ سن کر مزید حیرت میں آ گیا تھا آخر وہ چاہتی کیا ہے اور کہاں تک چھپ سکے گی۔ بہرحال اسمتھ اور میرڈین نے پھر بھی ذمہ داری لی تھی وہ اسے تلاش کرنے کی پوری کوشش کریں گے...... اور قائل کرنے کی بھی...... اگر وہ مان گئی تو......

☆☆☆

وہ بہت تیز ڈرائیو کرتے ہوئے الزبتھ اسٹریٹ انگلش کوئین کی جانب مڑی تھی۔ اسے فلوریہ کے کوئین فیشن مال پہنچنا تھا۔ پہنچتے ہوئے اسے اب اکثر دیر ہونے لگی تھی۔ کچھ عرصہ تو فلوریہ نے برداشت کیا مگر اب ایک تواتر کی دیر پر وہ اسے اچھا خاصا جھڑک دیتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ برسبن پہنچ کر وہ سست ہو گئی تھی بلکہ ہر طرح کی جلد بازی کے

باوجود اس کے اندر ایسا کچھ ہو جاتا تھا وہ یک لخت ڈھیلی پڑ جاتی تھی۔ خاص کر جب تیز تیز کام بھگتاتے دو گرے بھولی سی آنکھیں اس کے دل میں کھل جاتیں اس کے کام، ہاتھ یہاں تک کہ سانسیں تک تھم سی جاتی تھیں۔ بمشکل سانس کھینچ کر منجمند ہوتے وجود کو متحرک کرنے کی کوشش کرتی کبھی کامیاب ہو جاتی تو کبھی بے طرح ناکام۔

رابی کو اسکول ڈراپ کر کے وہ تیزی سے مال کی جانب بڑھ رہی تھی مگر اس سے الزبتھ اسٹریٹ ہی پار کرنا دشوار ہو گیا تھا وہی آنکھیں جن سے پیچھا چھڑانے کے لیے وہ بھاگ رہی تھی وہ ونڈ واسکرین پر چسپاں ہو گئیں۔ اس کے پاؤں کا دباؤ یک لخت بریک پر بڑھا جھٹکے سے گاڑی رکی تھی۔ کچھ دیر وہ گاڑی میں بیٹھی رہی پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اسٹریٹ کے ساتھ بنی اونچی سی فٹ پاتھ پر چڑھ کر...... وہ لوہے کی بنی گرل پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

دریائے برسبن دنیا کے ان طویل دریاؤں میں شامل ہے جس کا پانی شہر کے ہر حصے سے دیکھا جا سکے۔ سانپ کی طرح زگ زیگ میں بل کھاتا دریائے برسبن الزبتھ اسٹریٹ کے دونوں جانب اچھل اچھل اپنے ہونے کا احساس جگا رہا تھا۔ پل نما الزبتھ اسٹریٹ کی گرل پر اس نے کہنیاں ٹیک دیں اور نگاہیں چمکتے نیلے پانی پر تھی۔ اسے لگا پانی کی سطح پر دو گرے آنکھیں بہے چلی آ رہی ہیں۔ دریا کے پانی سے زیادہ ان آنکھوں میں سوال اچھل رہے تھے۔

''آپ مجھے اپنے سامنے دیکھ کر کیسے میرے وجود سے انکار کر سکتی ہیں۔ میری آنکھوں کو دیکھیں، میرے چہرے کو پڑھیں، میرے بال میرے انداز، مانا سب کچھ آپ سے دور رہا، دور کر دیا گیا لیکن کیا میرے خون سے آپ کے وجود کی خوشبو بھی چھین لی گئی جو آپ کو محسوس نہیں ہوئی، اک نگاہ کے بعد پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ آپ کے پاس تو پہلے دن سے ہی اولاد تھی مکمل یقین کے ساتھ اور میرے حصے...... میرے حصے تو کھوکھلی ممتا آئی میرے اس سے ہزار لپٹنے کے باوجود اس میں سے ممتا کی گرمائش نکلی ہی نہیں، انہوں نے تو مجھے چھوڑ دیا۔ آپ نے بھی نہیں اپنایا...... مجھے بتائیں میرے حصے میں کیا آیا ہے، کس غلطی کے جرم میں میرا وجود بے مول ہو گیا، ایک بھی ماں اپنانے کو راضی نہیں۔'' تکلیف کے احساس سے اس کی آنکھیں بند ہوئیں منہ کچھ وا ہو گیا۔

''کسی ماں ہو سبرینہ تم، کس آسانی سے دست بردار ہو گئیں۔ اس طرح تو کوئی جانور کو پال کر بھی لمحے میں الگ نہیں کرتا کچھ تو احتجاج کرتا ہے...... عدن صرف تمہیں گھر میں سجانے کے لیے چاہیے تھا اور بس...... میں تو رابی کے بنا ایک لمحے کا تصور نہیں کر سکتی اور تم...... آہ۔'' دائیں ہاتھ کی بند مٹھی الجھن سے بار بار لبوں پر بج رہی تھی۔ ''کیا کبھی میں عدن کو دیکھ پاؤں گی...... کیا وہ ملے گا...... اور رابی۔'' نمی نے اس کے وجود میں مرچیں سی بھر دیں۔

گرل سے کہنیاں ہٹا کر وہ فٹ پاتھ پر آ بیٹھی۔ اپنی نرم ہتھیلی پر چہرہ ٹکائے آتے جاتے لوگوں کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے اس سے ضروری اس کی زندگی میں کوئی دوسرا کام نہ ہو۔ یونہی بے مقصد بیٹھے اسے کتنی ساعتیں بیت گئی تھیں جب یک لخت کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ گئی...... ''اوہو...... آج تو آنٹی نہیں چھوڑنے والی۔'' اپنی شرٹ کو جھاڑتے ہوئے وہ تیزی سے اٹھی اور گاڑی کی جانب بڑھی تھی۔

☆☆☆

اسے فلوریہ کے پاس آئے تقریباً ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ جس دن وہ اس کے بتائے پتے پر برسبن پہنچی فلوریہ نے اس کا بہت گرم جوشی سے استقبال کیا تھا۔ وہ اس کا چہرہ ایسے چوم رہی تھی جیسے میر تجمل زندہ ہو کر سامنے آ گئی ہو۔ فلوریہ نے اس سے زیادہ تفتیش نہیں کی تھی رابی کو دیکھ کر صرف اتنا ضرور کہا تھا۔

''جب اس کے باپ کو چھوڑ دیا، تو اسے بھی چھوڑ کر آ تیں، ایک ذرا سی بچی کے لیے تم اپنی زندگی

تباہ کرو گی۔" روائبہ چپ رہی تھی بتانے کو تھا بھی کیا۔ وہ تو سب چھوڑ کر ہی اس بچی کے لیے آئی تھی۔ اپنا ٹھکانا، اپنا بزنس، رشتے تعلق اور ......اور وہ دو بھولی آنکھیں۔ چند دن کی مہمان نوازی کے بعد روائبہ نے خود فلوریہ سے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہے، تا کہ اپنی زندگی آگے بڑھا سکے۔ فلوریہ کو قطعاً اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ خوش ہوئی تھی اس کی اپنی بیٹی سسی نے اس کے کام میں ذرا دلچسپی نہیں لی۔ مہمان نوازی، تعلق محبت ایک طرف۔ کاروبار کے معاملے میں وہ بالکل غیر جانبدار ہو جاتی تھی اس نے پہلے دن ہی اسے ذہن نشین کروادیا تھا۔

"یہ بزنس لیڈی ہیلہ کا ہے، یعنی تمہاری نانی...... لیکن اسے ترقی میں نے دی ہے پوری توجہ محنت اور وقت سے۔ مجھے اچھا لگے گا اگر تم اسے مزید آگے لے جاؤ لیکن اس سے کوتاہی میں ہرگز برداشت نہیں کروں گی۔ اس بزنس کو میں نے بچوں سے زیادہ توجہ سے پالا ہے...... ٹھیک۔" اس نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی تسلی کی تھی۔

"یقیناً آپ کو ناراضی کا موقع نہیں ملے گا۔"

کہہ دینا بہت آسان تھا اور وہ کار بند ہونے کی پوری کوشش بھی کر رہی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا تھا جو فلوریہ کا مزاج برہم کر دیتا۔ کئی دن رابی کے ایڈمیشن کے سلسلے میں وہ وقت بے وقت بزی ہوئی۔ پھر گھر سے نکلتے دیر ہو جاتی جس پر فلوریہ نے صاف دوٹوک الفاظ میں کہا تھا۔

"تم اگر میرے ساتھ کام نہیں کرو گی، مجھے اعتراض نہیں ہو گا لیکن اگر کام صحیح نہیں کرو گی تو اعتراض نہیں، بہت اعتراض ہو گا...... سو احتیاط کرو۔"

ابھی چند دن پہلے فلوریہ نے یہ سب اسے کہا تھا اور ان چند دنوں میں اس کی روٹین کافی بہتر رہی تھی لیکن آج اسے بیٹھے بیٹھے خیال ہی نہ رہا کتنا وقت گزر گیا ہے۔ کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ پڑتے ہی وہ جھٹکے سے اٹھی تھی اور اندھا دھند گاڑی چلاتے کو ئین مال پہنچ چکی تھی۔

جدید طرز کی بنی بڑی سی عمارت میں وہ تیز قدموں سے اپنے کیبن کی جانب بڑھ رہی تھی اسے اپنے پیچھے اونچی ہیل کی ٹک ٹک واضح سنائی دے رہی تھی۔ اسے پورا یقین تھا وہ فلوریہ ہے اس کی فرش سے ٹکراتی ہیل کی آواز اس کے غصے کا واضح پتا دے رہی تھی۔ روائبہ اپنے کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی فلوریہ پہنچ چکی تھی اور درشتی سے بولی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ......" اس کے کرسی پر بیٹھنے سے پہلے ہی وہ اس کی جگہ پر بیٹھ گئی۔ کرسی گھماتے ہوئے مسلسل اس پر نگاہیں گاڑھے تھی۔

"سوری آنٹی، ویری سوری......"

"مسئلہ سوری کا نہیں ہے، مسئلہ تمہاری غائب دماغی ہے روائبہ...... کل جو تم نے شرٹس کے پرنٹ بنائے ہیں میرا دل کیا وہ پھاڑ دوں۔" فلوریہ کرسی روک کر اٹھی اور اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"کام کرنے والے کے پہلے دن کے کام سے پتا چل جاتا ہے وہ کام سے کتنا مخلص ہے، تم کام سے مخلص ہو۔" اس نے اپنی انگشت اس کے سینے پر آہستگی سے بجاتے کہا "مگر بٹی ہوئی ہو۔ اگر شوہر کو چھوڑ کر پچھتا رہی ہو تو واپس چلی جاؤ......اور اگر واقعی ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی ہو تو دل دماغ ہر جگہ سے نکال پھینکو اسے...... سمجھی۔"

وہ کہہ کر ادا سے باہر نکل گئی گم صم کھڑی روائبہ اپنی نشست کے بجائے وزٹر سیٹ پر دھپ سے بیٹھ گئی چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا سردیوں کی بارش کی طرح تو اتر آنکھیں برسنے لگیں۔

"میرے اللہ مجھے انسان کی جگہ روبوٹ بنا دے، جس کے ساتھ احساسات، جذبات، سوچ کچھ بھی نہ جڑا ہو...... دل دماغ کی جگہ سل فٹ ہوں، فوراً سے بدلوں...... ورنہ میرے بس میں نہیں ہے اتنی جلدی جلدی حالات کو قابو کرنا...... حادثات کو

سمجھنا۔"

☆☆☆

دن کے دس بجے بھی سارا گھر سناٹے میں ڈوبا تھا۔ ملازمائیں سختی نہ ہونے کے سبب اپنی مرضی کرتی تھیں۔ آئمہ بہت خاموشی سے دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکلیں۔ لاؤنج میں انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ انہوں نے دل میں ہزار شکر کیے تھے اور فوراً سے کچن میں چلی گئیں۔ انہیں اپنے اطراف اذلان اور حنبل دکھائی دے رہے تھے جن سے باتیں کرتیں دو تین دیگچیاں چولہے پر چڑھا دیں۔ خالی برتن آنچ پر رکھنے سے چبھتا دھواں چھوڑنے لگے۔ آئمہ بیگم انگلی سے اس دھوئیں کے مرغولے سے کھیلنے لگیں۔

ان کی شال کے کناروں نے شعلہ پکڑ لیا جوان کے لیے بے حد دلچسپی کا باعث بنا۔ چمکتی چیزیں بچوں یا احمقوں کو سونے کی لگتی ہیں۔ حکمرانی ہو، جاگیر ہو یا آگ ...... آئمہ بچی تو تھی نہیں اور نہ ہی کسی میں جرات تھی انہیں کوئی احمق کہہ سکے۔ پھر بھی وہ آگ سے کھیلی تھیں۔ بالکل ویسے جیسے اس وقت اپنی چلتی شال کو لہرا لہرا کر خوش ہو رہی تھیں۔ خالہ گلزاری دھوئیں کی بو سے بھاگ کر کچن کی جانب بڑھی تھیں اور بھی دو چار لڑکیاں ادھر کو لپکیں۔ گھر میں چیخ پکار مچ گئی تھی۔ آئمہ کے کپڑوں، بالوں تک کو آگ لگ گئی تھی بہت مشکل سے آگ بجھائی گئی۔ مگر آئمہ کی حالت بہت خراب تھی اعشال کی بازوؤں میں نڈھال ہو کر ڈولتی آئمہ جلتی شال کو دیکھ کر چلا رہی تھیں۔

"اذلان کی گاڑی جل گئی ہے۔ میں اس میں سے اسے نکال رہی ہوں۔ میرے بچے کو نکالنے دو، حنبل سے کہو اذلان کو نکالنے دے۔ اذلان کو نکالو...... نکالو اسے۔" یہاں تک کہ وہ چلا چلا کر بے دم ہونے لگیں۔

آئمہ کو ایمرجنسی کے اندر ہاسپٹل پہنچایا گیا۔ ان کے زخم مندمل ہونے میں تقریباً آٹھ دن لگ گئے تھے۔ یہ آٹھ دن اعشال پر جتنے بھاری گزرے یہ وہی جانتی تھی۔ سلوٰی بہن کا سنتے ہی ہاسپٹل آئی۔ اسے دیکھتے ہی اعشال بے طرح بھڑک گئی وہ اس کے مقابل کھڑی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی تھی۔

"سارا تماشا لگا کر اب کیا داد لینے آئی ہیں؟"

"یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم مجھ سے۔" سلوٰی کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"میں اس لہجے میں بات کر رہی ہوں۔ جو لہجہ آپ کو ڈیزرو کرتا ہے۔"

"اعشال......" سلوٰی کی سرزنش پر وہ تو بہ تو بولی تھی۔

"چلائیں مت ...... میں آپ سے زیادہ اونچا بول سکتی ہوں ...... میری ماں کو اس حال تک پہنچانے کی ذمہ دار آپ ہیں، میرے بھائی کی موت کا سبب آپ بنیں ...... میرے خاندان کی پیٹھ پر چھرے گھونپ کر آپ چاہتی ہیں میں آپ سے آرام سے بات کروں ...... جو کچھ میری ماں کے ساتھ ہو رہا ہے، ہونا تو وہ آپ کے ساتھ چاہیے تھا ...... کیوں کہ پلانر تو آپ تھیں نا ...... یہ بھول گئی تھیں آسمانوں کے اوپر بھی تو پلانر بیٹھا ہے جس کے پلان آپ کے جال کی طرح بودے نہیں ہوتے ...... کسی کی کود اور کوکھ کا فیصلہ آپ کیسے کر سکتی ہیں بھلا۔ روائیبہ چاچی کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے آپ نے، مجھے آج بھی یاد ہے چاچی روتے ہوئے گھر سے نکلی تھیں۔ ان کے آنسوؤں کی لپیٹ میں میرا خاندان بہہ گیا ہے اور آپ چاہتی ہیں میں خاموش رہوں۔ اللہ آپ کو بھی چھوڑے گا نہیں سلوٰی میڈم ...... وہ اپنے کھاتے بہت کلیئر رکھتا ہے۔"

"بکواس بند کرو تم اپنی......" سلوٰی وہاں مزید ایک منٹ نہیں رکی تھی۔ "ہونہہ" میں گردن جھٹک کر باہر نکل گئی۔ اعشال ان کی گم ہوتی پشت کو بہت دیر تک نخوت سے گھورتی رہی......

☆☆☆

حنبل کی وہ رات بہت تکلیف میں گزری تھی۔

کسی کروٹ اسے سکون نہیں مل رہا تھا۔ سینے سے چند انچ نیچے دائیں بائیں پسلیوں کے دونوں اطراف درد کی ایسی لہریں اٹھتیں جو پھیلتے ہوئے پشت کی دوسری جانب کو چیرتے ہوئے جاتیں۔ حنبل کو ایسے محسوس ہو رہا تھا۔ درد زدہ حصے کو کوئی دونوں ہاتھوں میں دبوچ کر بے طرح سے نچوڑ رہا ہے جس سے اس کے قدم اس قدر بھاری ہو گئے پاؤں اٹھانا تک دشوار ہے۔ آج کا درد بھلے شدت میں بہت زیادہ تھا مگر یہ درد اسے پہلی بار محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کے اس حصے میں ہلکی سی چبھن، تھکاوٹ تقریباً ہر وقت ہی رہتی تھی جو بہت حد تک قابل برداشت تھی۔ چند ماہ پہلے یا شاید ایک سال پہلے اسے اس وقت ٹھیک سے یاد نہیں آ رہا تھا جب اسی طرح تھکاوٹ بڑھتے ہوئے اسے درد محسوس ہوا تھا۔ اور اس درد کی وجہ سے ہی وہ اپنی کرسی دھکیل کر اٹھا تھا۔ کوٹ اٹھا کر پہننے لگا تھا اسے ہلکا سا چکر آیا تھا۔ پیون نے اسے پانی لا کر پلایا۔ اور بیٹھنے میں مدد دی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے مروتاً پیون سے کہا مگر وہ فکر مندی سے بولا تھا۔

''لیکن آپ لگ نہیں رہے...... آپ کا رنگ بالکل زرد ہو رہا ہے، آپ کو ابھی ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔'' حنبل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اگر آپ کہیں تو کیب منگوا دیتا ہوں...... آپ کو اس حالت میں ڈرائیو نہیں کرنا چاہیے۔'' حنبل نے استہزا میں نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا...... اور پھر پھیکا سا ہنسا۔

''میں اب بہتر محسوس کر رہا ہوں...... میں ڈرائیو کر سکتا ہوں۔'' وہ لمبا سا سانس اپنے اندر اتار کر خود کو بہتر کمپوز کرتے ہوئے وہاں سے اٹھا اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ بے شک اس نے معمول سے ہٹ کر آہستہ چلائی تھی مگر خود ڈاکٹر کے پاس گیا تھا۔ ڈاکٹر نے چیک کرتے ہوئے وقتی طور پر درد کنٹرول کی ادویات لکھی تھیں اور اسے چند ٹیسٹ جلد کروانے کو کہا تھا۔ ادویات سے درد بہت حد تک کنٹرول ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر کے لکھے کے مطابق اس نے پانی کی مقدار مناسب بڑھائی تھی اور ٹیسٹ آج کل پر ٹلتے رہے۔ جب جب اس جگہ چبھن محسوس ہوئی وہی دوا پھر استعمال کر لی۔ درد کے ساتھ دوا کی مقدار بڑھتی رہی اور آج درد اس نوعیت پر آ چکا تھا دوا بالکل کام نہیں کر رہی تھی۔ اسے صبح ہونے کا انتظار تھا کہ وہ ڈاکٹر کے جائے گا اور ٹیسٹ بھی کل ہی کروا لے گا۔ مگر کل ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کمرے میں یک لخت اسے بہت سی گھٹن کا گمان گزرا اس کے شیشے کی دیوار گیر کھڑکی سے سلائیڈنگ بار کھسکائے اور ایک پٹ کھول دیا۔ رات کی خنکی میں بھیگا ٹھنڈا جھونکا حنبل کے چہرے سے آ کر لپٹا۔ اس کے لپٹنے میں اس قدر سناٹا تھا جو اسے اپنی پور پور میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ اداس رات میں ڈوبا جرمنی، شدید درد اور سیاہ سرد تنہائی دور بہت دور افق پر ایک ننھا تارا

ٹمٹمار ہا تھا اس کی روشنی کی کپکپاہٹ سے واضح محسوس ہوتا تھا تارا اب ڈوبنے کو ہے...... تارے کا ابھرا بھر کر ڈوبنا اسے خود کو بہت تکلیف دے رہا تھا۔ اس نے کھڑکی بند کردی۔ وہ چلتا ہوا گرنے کے انداز میں بیڈ پر آ بیٹھا اس کے درد میں آہستہ آہستہ کمی آرہی تھی یقیناً دوا نے اب اپنا اثر کرنا شروع کیا تھا۔ سیدھے ہو کر بستر پر لیٹنے تک وہ درد بھول چکا تھا البتہ اسے اپنا جسم ہلکا ہلکا گرم پڑتا محسوس ہوا کچھ ہی دیر میں اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح جلتے محسوس ہوئے اس نے اپنا گرم ہاتھ قریب لیٹے عدن کی جانب بڑھایا اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کرتے کہا تھا۔

"عدن...... عدن یار مجھے پانی پلاؤ۔"

چھوٹا سا عدن بے خبر سو رہا تھا۔ حنبل کے حلق میں سوکھ کر کانٹے پڑ گئے اس وقت اسے اپنا حلق تنور کی مانند لگ رہا تھا، جس میں بہت سی لکڑیاں جل جل کر اتنی گرمائش ہو جائے کہ اس کی دیواریں تڑخ کر پھٹنے کو ہوں۔ لیٹے لیٹے اس کا ذہن جانے کہاں پہنچ گیا تھا۔ اسے ایسے محسوس ہوا روائبہ اس کے پاس بیٹھی ہے۔ حنبل کا پٹی میں جکڑا ہاتھ اس کی گود میں ہے۔

پٹی پر سرکتی اس کی پوریں دل میں اندر تک محسوس ہو رہی تھیں۔ تب اس نے آہستگی سے پوچھا "بہت درد ہو رہا ہے۔"

"نہیں، اب نہیں ہو رہا۔" اقرار کرتے ہی اس کے اندر سکون اترنے لگا اور وہ نیند میں جانے لگا تھا۔

☆☆☆

گزشتہ رات اسے نیند نہیں آئی تھی۔ بے وجہ خواہ مخواہ ہی اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس رکھی کرسی پر جھولتی رہی، کھڑکی سے باہر برسبن لمبی نیند لیٹے سو رہا تھا، جس کی سڑکوں پر روشنیوں میں بہتی ٹریفک میں بھی اسے زندگی کی حرکت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا یہ شور، ہنگامہ آپس میں ٹکرا کر گہرے سے سناٹے میں بدل جائے گا۔ اس نے وہاں کرسی پر بیٹھے بیٹھے الیکٹرک کیتلی سے تین بار کافی بنا کر پی تھی۔ اتنا دیر تلک جاگنے کی ایک وجہ ویک اینڈ تھا۔

آفس جانے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ نہ ہی رابی نے صبح اسکول جانا تھا۔ البتہ آج اس نے آفس میں بہت دل لگا کر کام کیا تھا، جس کی وجہ سے بہت تھکی ہوئی تھی۔ پھر اپنا روم بھی بہت اچھے سے سیٹ کیا تھا۔ ہر چیز اس کی جگہ پر رکھی۔ اتنی تھکاوٹ کے بعد اس کا ارادہ تھا وہ آج بہت دیر سوئے گی، لیکن بستر پر جانے کے بجائے وہ کرسی پر آ بیٹھی اور بس وقت گزرے جا رہا تھا۔ آسٹریلیا میں صبح تقریباً اترنے کو تھی، جب وہ بے نام تھکاوٹ کے ساتھ بیڈ پر آ گری اور آہستہ آہستہ نیند میں جانے لگی۔ اسے ٹھیک سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا، وہ کتنی دیر سوئی ہے، لمحے، منٹ یا گھنٹے، لیکن اس بے چین نیند میں اس کی آنکھ گھبرا کر کھلی تھی۔ اسے ایسے آواز آئی تھی جیسے کسی نے اس سے پانی مانگا ہو۔

"ماں پانی پینا ہے۔" اس نے سر اونچا کر کے مندی آنکھوں سے رابی کی جانب دیکھا اور فوراً گلاس بھر کر اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"یہ لو...... اب اٹھو پی لو...... رابی...... رابی۔"

روائبہ نے جمائی روکتے اس کی جانب ذرا جھکتے ہوئے غور سے دیکھا تھا۔ وہ ننھے ننھے سے خراٹے لیتی گہری نیند سو رہی تھی، اس کے ہلانے پر کسمائی اور کروٹ بدل کر دوسری جانب ہو گئی۔

"ہیں...... پھر پانی کس نے مانگا تھا۔" روائبہ کو حیرت ہوئی تھی۔ "شاید خواب ہو۔"

اس نے پانی کا گلاس اپنے ہونٹوں کو لگایا، ایک گھونٹ بھر کر ہی گلاس واپس رکھ دیا، اسے پانی تلخ محسوس ہوا تھا، جیسے حلق میں بخار کا ذائقہ ہو یا تلخی میں سارا بحرالکاہل امڈ آیا ہو۔

☆☆

(آخری قسط باقی آئندہ ان شاء اللہ)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

عائشہ تنویر

ناولٹ

تیری چاہ میں



''زارون کی پسندیدہ چاکلیٹ''

ملیحہ نے چاکلیٹ کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے بے اختیار تبصرہ کیا تھا۔ اگلے لمحے احساس ہوتے ہی ادا سجاول کی طرف دیکھا تھا۔ وہ لاپروائی سے ریموٹ تھامے ٹی وی کی طرف متوجہ تھے۔ چینل پر چینل بدلتے انہوں نے سرسری جواب دیا تھا۔

''بھجوا دینا اسے بھی، بے چارے کے پاس اب کہاں پیسے ہوں گے ان چونچلوں کے'' عام سے لہجے میں کہی تلخ بات نے ملیحہ کے منہ کا ذائقہ ایک دم کڑوا کر دیا تھا۔ منہ میں گھلی چاکلیٹ کو نگلنا مشکل ہو گیا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ باتھ روم میں جا کر وہ چاکلیٹ تھوکتے اچھی طرح کلی کر رہی تھی لیکن جب رویوں کے زہر احساسات میں گھل جائیں تو زبان کیسے شیریں رہتی۔ وہ منہ پونچھتی باہر آئی تھی جب میراں چاکلیٹ کے ڈبے اٹھائے چلی آئی۔

''بی بی سجاول سائیں نے بھجوائی ہے۔ یہاں رکھ دوں فریج میں'' اس نے روم فریج کی طرف اشارہ کرتے مودبانہ پوچھا تھا۔ اثبات میں گردن ہلاتے اس نے تولیہ بیڈ پر پھینکا اور کھڑکی کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ کھلی کھڑکی سے نظر آتا وسیع باغ، طرح طرح کے پھول، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کچھ بھی دل کو نہیں بہلا رہا تھا۔ ایک لمحے کو تو دل چاہا کہ ساری چاکلیٹ میراں کو ہی دے دے لیکن جانتی تھی کہ ادا سجاول کو علم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔ وہ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس کی ہر خواہش کا خیال رکھتے۔ اس کی پسندیدہ اشیاء کا ڈھیر لگا دیتے بس اس کے احساسات کا خیال نہیں رکھ پاتے۔ شاید انہیں اس کا دل پڑھنا نہیں آتا تھا یا وہ جان کر نہیں پڑھنا چاہتے تھے۔ زارون کے لیے ان کا انداز ہمیشہ ایسا ہی ہوتا اور وہ چاہ کر بھی کچھ کہہ نہیں پاتی۔ ان کی محبت اپنی جگہ لیکن جو رعب بچپن سے دل میں بیٹھا تھا۔ وہ کچھ کہنے نہیں دیتا تھا۔ ہوا کا ایک معطر جھونکا پرانی یاد لیے اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا۔

''ملی بابا تم سے ضرور پوچھیں گے۔ تم نے انہیں یہی بتانا ہے کہ سعد کی دادی کا انتقال ہوگیا ہے، وہ بہت پریشان تھا۔ اس لیے میں ساتھ جا رہا ہوں۔'' زارون سامنے بیٹھا اسے سبق پڑھا رہا تھا جبکہ وہ بے فکری سے فالسے کھاتی رہی۔

''شرم نہیں آتی ایسا جھوٹ بولتے''۔ ملیحہ نے خشمگیں نگاہوں سے زارون کو گھورا تھا۔

''اس میں کیا جھوٹ ہے، انتقال تو ان کا ہو ہی چکا ہے۔ اچھا ہے بابا تو فوراً فاتحہ پڑھیں گے بلکہ میں بھی ساتھ پڑھوں گا۔ دادی بھی اگلی دنیا میں میری شکر گزار ہی ہوں گی۔'' اس نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''لیکن تمہیں سعد کے ساتھ گاؤں جانے کی ضرورت کیا ہے'' وہ الجھی تھی۔

''یار گلگت کی طرف ہے اس کا گاؤں، اتنا حسین پر فضا مقام۔ تمہیں تو پتا ہے مجھے سیاحت کا کتنا شوق ہے۔ پھر ہو سکتا کوئی پہاڑی حسینہ مجھ جیسے ہینڈسم شہری بابو کے عشق میں بھی گرفتار ہو جائے۔'' وہ بولتے ہوئے حسب عادت پٹڑی سے اترا اور آنکھ ماری۔ اس کے آنکھ مارنے سے ملیحہ کو چڑ تھی۔ وہ تپ گئی۔

''اچھا! اس لیے جا رہے ہو تم، بتاتی ہوں بابا کو بھی۔''

''تم بھی نا ملی! مذاق نہیں سمجھتیں۔ سعد کی بہن تمہاری دوست نہ ہوتی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اب تک جا کر آ بھی جاتا، یہاں گھٹنے سے دماغ کھپا رہا ہوں۔'' وہ بھی خفا ہوا۔

''اچھا مجھے کیا ملے گا، وہاں کے موسم اور حسیناؤں کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ اچھا ہے، ہینڈی کرافٹ، بیگز، شال، میوے'' ملیحہ موڈ بدلتے شروع ہوئی تو اس کی لسٹ سے گھبرا کر زارون نے بات کاٹی۔

''اللہ کو مانو، بس کوئی ایک چیز لے آؤں گا، غریب آدمی ہوں میں، رحم کرلو کچھ......''

ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں نمی لیے ملیحہ سوچ رہی تھی۔ جن سے محبت ہو ان پر رحم نہیں کیا جاتا بلکہ ان کی تکلیف سوچ کر خود ہماری حالت قابل رحم ہو جاتی ہے۔ ادا سجاول کیوں نہیں سمجھتے۔ کیوں وہ مجھے تکلیف دیتے ہیں۔

☆☆☆

عینی کے انتظار میں بور ہوتی وہ رجسٹر کھولے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے اہتمام سے بیل بوٹے بنا رہی تھی۔ نیم کے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں دھوپ کی تمازت روکے ہوئے تھی۔ کلاسز میں وقفہ پا کر زیادہ تر طلبہ کینٹین کا رخ کر چکے تھے۔ جب اچانک مردانہ آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

''السلام علیکم۔''

عمر احمد سامنے کھڑا بہت توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''وعلیکم السلام''۔ ناسمجھی سے اسے جواب دیتے اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سندھ کے کسی گاؤں کا یہ امیر وڈیرا اس کا کلاس فیلو ضرور تھا لیکن آج سے پہلے بات کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ عینی اور وہ ایک دوسرے کے لیے کافی تھیں۔ آج اس کا یوں مخاطب کرنا اسے حیران ہی نہیں بلکہ اندر ہی اندر سراسیمہ بھی کر گیا تھا۔

عینی اکثر اسے کہتی کہ عمر احمد بہت دھیان دیتا ہے تم پر، جو کسی کے لیے راستہ نہیں چھوڑتا تمہارے لیے سیٹ چھوڑ دیتا ہے۔ اس نے کبھی اس کے ایسے فضول مذاق پر توجہ نہیں دی تھی۔ اب اس کے سلام پر وہ جس طرح پوری آنکھیں کھولے متوجہ ہوئی تھی تو عمر حسن ایک لمحے کو اگلی بات بھول گیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟ آ نہیں رہی تھیں، خیریت؟''

فوراً خود کو سنبھال کر اس نے شائستگی سے پوچھا تھا۔

''جی الحمدللہ، مصروفیات تھیں کچھ، بہن کی شادی تھی میری۔'' سرسری جواب دینے کا ارادہ کرتے اس نے بلاآخر تفصیل بتا دی۔

''مبارک ہو بہت، آپ نے تو کسی کو بتایا، بلایا ہی نہیں۔ کتنے بہن، بھائی ہیں آپ؟'' جو اس کے لیے تفصیل تھی، وہ عمر حسن کے لیے تشفی بخش نہیں تھی۔ گرم جوشی سے جواب دیتے اس نے یوں شکوہ کیا جیسے پرانی دوستی ہو۔

''جی، بس ایک بہن ہے۔ سادگی سے شادی تھی تو اس لیے کسی کو نہیں بلایا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے جواب دیا تھا۔ وہ کسی سے جلدی دوستی نہیں کرتی تھی۔ عمر حسن کے امیرانہ پس منظر کے باعث اس سے تو بالخصوص کتراتی کہ طاقت ور کی دوستی ہو یا دشمنی نقصان ہی دیتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں مچلتے جذبے وہ نظر انداز کر دینا چاہتی تھی۔ مگر یوں اتنے مہذب انداز کے جواب میں بدتمیزی کرنا بھی اپنا ہی تماشا بنوانا تھا۔

''سادگی سے شادی کے لیے آپ نے ایک ہفتہ چھٹی کر لی، دھوم دھام سے ہوتی تو کیا کرتیں۔ میں پریشان ہو گیا کہ شاید طبیعت خراب ہے۔''

وہ ہلکے سے ہنس کر بولا تو ایک نظر اس پر ڈال کر وہ دوبارہ پین سنبھال کر اپنے بنائے پھولوں میں رنگ بھرنے لگی۔ جتنے رنگ عمر کی مسکراہٹ سے جھلک رہے تھے، اس کے چہرے پر بکھرے تھے، انہیں نظر انداز کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ اس کا گریز بھانپ کر وہ بھی مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ عمر کے جانے کے بعد اس نے کھل کر سانس لی تھی۔ تب ہی عینی آ گئی۔

''کہاں رہ گئی تھیں تم، فوٹو اسٹیٹ کرا رہی تھی یا خود لکھنے بیٹھ گئی تھی۔''

عینی کو دیکھ کر مریم بلاوجہ بگڑی۔

''دھیرج محترمہ، یہ میری اپنی فائل ہے جس میں تمام لیکچرز موجود ہیں اور میں آپ کے لیے کاپی کرانے گئی تھی۔ ورنہ مجھے ان کی چنداں ضرورت نہیں۔'' عینی نے ہاتھ میں تھامی فائل بمع فوٹو اسٹیٹ کے انبار اس کی گود میں پھینکی۔

اور چبا چبا کر کہتی بیٹھ گئی۔ مریم مسکرا کر لیکچر دیکھنے لگی۔

''کون سا لطیفہ سنانے آیا تھا عمر احمد'' عینی نے کڑے لہجے میں پوچھا وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ ان کے درمیان کوئی ذاتیات نہ تھی۔

''طبیعت پوچھنے آیا تھا، چھٹیاں جو کی ہیں۔'' مریم نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''میرے پاس بھی آیا تھا کہ آپ کی سہیلی کیوں نہیں آرہیں، میں نے کہا مجھے کیا پتا، میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں، میں خود بہت پریشان ہوں۔''

عینی نے ہنستے ہوئے بتایا تو مریم بھی بے اختیار ہنس دی۔ وہ اس کے پڑوس میں رہتی تھی۔ دن کا بیشتر وقت عینی مریم کے گھر ہی گزارتی بلکہ موڈ ہوتا تو رات بھی رک جاتی۔ اس پر ایسی لاعلمی کا اظہار اگر عمر احمد جان جاتا تو اپنا سر پیٹ لیتا۔

''ویسے آپ آ کیوں نہیں رہی تھیں، خیریت تو تھی نا'' مصنوعی تشویش چہرے پر طاری کرتے عینی نے پوچھا تھا۔

''اوہ سو سوری میں آپ کو آگاہ نہیں کر سکی، میری بہن کی شادی تھی نا''

مریم نے بھی بن کر جواب دیا اور دونوں زور سے ہنس دیں۔

☆☆☆

''اماں آج کراچی چلیں'' ملیحہ نے تسبیح پڑھتیں اماں کے پاس بیٹھ کر لاڈ سے فرمائش کی۔

''خیریت میری چندا، یہ اچانک کیسا پروگرام؟''

انہوں نے پیار سے پوچھا تھا۔ ماؤں کو اپنے بچوں سے پیار ہوتا ہی ہے لیکن انہوں نے تو اس سے اتنی طویل دوری کاٹی تھی کہ اب بس نہیں چلتا، کیسے واری صدقے جائیں۔

''آج مما، بابا کی شادی کی سالگرہ ہے نا، ہم تو ضرور مناتے تھے گھر میں۔ زارون آج اکیلا پن محسوس نہ کرے۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''کتنی بار زارون کو کہا ہے کہ آجایا کرے، وہ آتا ہی نہیں تو اب کیا کروں۔ ہم جائیں بھی تو کیا فائدہ۔ گھر میں لڑ کے رہتے ہیں اس کے ساتھ۔ وہاں جا نہیں سکتے۔ کسی مال کے فوڈ کورٹ میں تھوڑی دیر ملنے سے بہتر تم اس سے فون پر بات کر لو۔'' انہوں نے اسے مشورہ دیا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔ وہ دوبارہ کہتی تو اماں مان جاتیں لیکن اس نے نہیں کہا۔ وہ ضد صرف اپنے مما، بابا سے کرتی تھی۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں تھے تو اس کی ضد بھی ختم ہو گئی تھی۔ زارون کو فون کیا تو اس نے جلدی جلدی بات کی۔

''آج مما، بابا کی ویڈنگ اینورسری ہے'' ملیحہ نے یاد دلایا۔

''مجھے یاد ہے ملی، میں فاتحہ پڑھنے گیا تھا صبح۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا، یہ وہ زارون تو نہ تھا جس کے ساتھ اس کا بچپن گزرا تھا۔

''اسکائپ پر آؤ، کیک کاٹتے ہیں'' ملیحہ نے دانستہ لہجے میں بشاشت بھرتے فرمائش کی۔

''اماں کہتی تھیں، زارون تم اپنی عادتیں سدھار لو گے تو یہی میرا تحفہ ہے۔

میں سدھر رہا ہوں۔ مجھے کام سے جانا ہے۔ تم بھی یہ کیک ویک چھوڑو اور کچھ پڑھ کر بخشوا نہیں'' اس نے بات ختم کی تھی۔ فون رکھتے ملیحہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ زندہ دل، بے فکرا زارون کہیں کھو گیا تھا۔ وقت بہت بے رحم استاد ہے۔ جو باتیں والدین اپنے لاڈلوں کو سالوں میں نہیں سمجھا پاتے زندگی دنوں میں سکھا دیتی ہے۔

موبائل پر سجی ہنستی تصویر دیکھتے اس کی آنکھوں میں پرانا منظر تازہ ہو گیا۔

''جیتی رہو میری بٹیا، خوش رہو۔'' کیک اور چائے کا سامان میز پر سجا تھا۔ وہ زبردستی مما، بابا کو لے آئی تھی۔ یہ ایک جانا بوجھا سرپرائز تھا جو انہیں ہر سال ملتا اور وہ اس کی خوشی میں خوش رہتے ورنہ انہیں سالگرہ وغیرہ فضولیات لگتی تھیں۔ بابا اب اسے بہت پیار سے دعا دے رہے تھے کہ زارون نے جل کر کہا تھا۔

''اس نے کیا کیا ہے؟ سب کچھ میں بازار

سے لایا ہوں۔"

"آپ کا تو الگ سے تحریری طور پر شکریہ ادا کرنا ہے مجھے، آپ نے ہمیں اس قابل سمجھا کہ شام ہمارے ساتھ گزاریں۔" بابا نے بھگو کر ماری تھی، زارون کھسیانا ہو گیا۔

"گھر پر ہی تو ہوتا ہوں بابا۔" وہ کان کھجاتا آہستہ سے بولا۔

"جی نظر پڑ جاتی ہے بعض اوقات، کھاتے، سوتے یا موبائل، کمپیوٹر پر وقت ضائع کرتے۔" بابا نے سر ہلا کر تائیدی بیان جس انداز میں جاری کیا تھا، ملیحہ سے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔ مما بھی مسکراہٹ دبائے سنجیدگی سے بیٹھی تھیں اور زارون دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا، بلاوجہ بابا کی دعاؤں کے سیشن میں رخنہ ڈالا۔

"جی، پی دیکھی ہے اپنی اس سمسٹر کی" بالآخر بابا نے تھیلے سے بلی نکالی، یہ وجہ تھی ان کے اس انداز کی۔

"بابا وہ دراصل نا۔۔۔ طبیعت کچھ خراب تھی پیپرز میں۔" اسے بہانہ بھی بمشکل ملا، کیا کہتا کہ عین پیپرز میں دوست کی شادی آ گئی تھی۔ اب سمسٹر تو دوبارہ دے سکتے ہیں لیکن شادی تو بار بار نہیں ہوتی نا۔

"جی، جی طبیعت کی خرابی میں ہی آپ کا سر ڈول رہا تھا جو جنید کی بارات پر بھنگڑے ڈالتے پھر رہے تھے۔ ہوش کے ناخن لو زارون۔ جنید کی طرح خاندانی کاروبار نہیں ہے تمہارا۔ یہ ڈگری تمہارا رزق بھی لائے گی۔ آج لاپروائی کرو گے تو کل پچھتاؤ گے۔"

اپنے مزاج کے برخلاف بابا کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ مما بھی سنجیدہ ہو چکی تھیں۔ ماحول کی کشیدگی دیکھ کر ملیحہ میدان میں آئی۔

"چھوڑیں نا بابا، اس کی کلاس بعد میں لیں گے پہلے کیک تو کاٹیں، زارون تم ایک تصویر تو لو ہماری۔" چھری مما، بابا کی طرف بڑھاتی وہ بولی۔ تو زارون سیل فون اٹھا کر فوراً سیلفی بنانے سامنے آیا۔

ان چاروں کی یادگار تصویر جو ذہن کے ساتھ موبائل کی اسکرین پر بھی نقش ہو گئی تھی۔

جیسے ہی بابا اٹھ کر گئے، زارون آرام سے میز کے سامنے چوکڑی مار کر بیٹھا۔ اور پلیٹ بھرتے مما کو مخاطب کیا

"دیکھا آپ نے، ساری زندگی کردار و تربیت پر دھیان دیا۔ علم حاصل کرو، ڈگری کی خیر ہے اور اب خود بیان بدل لیا بابا نے......"

"زارون!" مما اور ملیحہ نے اسے ایک ساتھ گھور کر کہا تھا اور وہ ہنس پڑا تھا۔

ملیحہ تصویر دیکھتی اکیلے بیٹھی رو رہی تھی۔ کوئی دیکھتا تو پریشان ہو جاتا۔ یہاں سب اس کے بہت اپنے تھے، اسے پیار کرتے تھے لیکن وہ جن کی اپنی تھی، جن سے پیار کرتی تھی وہ اب اس دنیا میں نہیں تھے۔ یہاں رہتے ہر لمحے میں اسے اپنے گزرے دن ہی یاد آتے تھے، وہ بیتے لمحے جن میں کوئی غم نہ تھا۔

☆☆☆

"سر زیدی کا لیکچر دکھا دیں پلیز!" عمر احمد منتظر کھڑا تھا۔ عینی نے خاموشی سے اپنا رجسٹر اسے پکڑا دیا، مریم سر جھکائے چاٹ کی پلیٹ میں چمچہ گھماتی رہی۔ وہ رجسٹر لے گیا تو ناگواری سے بولی۔

"یہ کلاس میں کیا کرتا ہے جو ہر دوسرے دن ہمارے سر پہ لینے کھڑا ہوتا ہے۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ عمر احمد کلاس کے ذہین طلبہ میں سے ایک اور اساتذہ کی آنکھوں کا نور ہے۔ لیکن ہمارے پاس وہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے آتا ہے۔"

عینی نے خبرنامہ پڑھنے سا انداز اپنایا۔

"چپ ہو جاؤ، کیا فضول زبان استعمال کرتی ہو۔ پتا ہے مجھے کہ وہ بہت ذہین ہے" مریم بھنا گئی تھی۔

عمر احمد نے زبردستی ان سے راہ و رسم بڑھائی تھی۔ راستے میں دیکھتا تو مسکرا کر سلام کر دیتا۔ کبھی

خیریت دریافت کر لی۔ کسی اسائنمنٹ کا پوچھنے، لیکچر لینے، کسی نہ کسی بہانے وہ ان کے پاس آجاتا۔

عینی کے بہت اصرار پر بھی مریم یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ وہ اس کے لیے آتا ہے لیکن اسے نظر انداز کرنا دن بہ دن مشکل ہوتا جارہا تھا۔

''کیا لڑکی ہو تم، قدر کرو کیسا شاندار لڑکا تم پر فریفتہ ہے۔ بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ ایک ہم ہیں اپنا ذاتی شوہر بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ خود بات کرلو تو یوں منہ پھیر لیتے ہیں جیسے نامحرم ہیں۔''

عینی نے بھی جل کر جواب دیا تھا۔ اس کا نکاح بچپن میں ہی چچا کے بیٹے سے ہو چکا تھا۔ اس کی بھابھی اس کی نند بھی تھیں۔ ہزار دفعہ اشعر سے ملاقات سے ہوتی لیکن وہ تو اسے ایسے ان دیکھا کر دیتا یا اتنا نارمل بات کرتا کہ اس کے دل میں مچلتے تمام ارمان وہیں بے موت مر جاتے۔

''ارے یار وہ اپنے چھوٹے، چھوٹے بھانجے بھانجیوں کے سامنے تم سے رومانس جھاڑنے سے رہے۔ رخصتی ہونے دو، ایسا دیکھیں گے کہ دیکھتے رہ جائیں گے۔'' مریم نے اپنے انداز سے عینی کی تسلی کرنی چاہی۔ اس سے پہلے کہ عینی کچھ جواب دیتی عمر رجسٹر واپس کرنے آگیا۔ وہ دانستہ مریم کے سامنے کھڑا ہو کر اسے لوٹا رہا تھا۔

''بہت شکریہ'' عمر کی محبت لٹاتی نظریں مریم پر جمی تھیں۔ اس نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے مریم کی ہتھیلیاں پسیج گئیں۔ مضبوط بنتے اس نے رجسٹر پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن روشن آنکھوں سے ایک لمحے کا تصادم اس پر قیامت ڈھا گیا۔ بمشکل اس نے رجسٹر پکڑا اور وہ گہری نظر اس پر ڈالتا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ وہ آگے بڑھا تو عینی بولی۔

''اسے شرم نہیں آتی کہ میں سامنے بیٹھی ہوں جو سب سمجھ سکتی ہوں۔''

کوئی اور وقت ہوتا تو عینی کی بات پر مریم زور سے ہنستی لیکن ابھی وہ جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ چمکتی آنکھوں سے نکلتی محبت نے اس کے گرد جال بن دیا تھا۔ وہ قید ہونے جارہی تھی۔ اسے معلوم ہوتا کہ قید محبت اسے تا زندگی اسیر کر کے کن مشکلات میں ڈالنے والی ہے تو وہ کبھی اس کی آنکھوں میں نہ دیکھتی۔

☆☆☆

ناول ملیحہ کی گود میں کھلا رکھا تھا۔ وہ اسے پڑھنے کے بجائے اپنے ہاتھ میں پکڑے گلاب کے پھول کی پتی پتی الگ کرنے میں مصروف تھی۔ عصر کے بعد سورج ڈھلنے کا وقت تھا۔ باغ کا حسین موسم بھی اس کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام تھا۔ کوئی بھی اسے دیکھ کر اس کے ذہنی انتشار کا جان سکتا تھا۔ مغرب کی اذان سے پہلے ہی اماں اسے پھولوں، پودوں کے پاس سے اور کھلے آسمان کے نیچے سے بلا لیتیں۔ ابھی بھی ایک ملازمہ اسے ڈھونڈتے یہاں آ چکی تھی لیکن اس کا اندر جانے کو کوئی ارادہ نہ تھا۔ کہنے کو یہ اس کے باپ کا گھر تھا لیکن وہ آج بھی یہاں اجنبی تھی۔ بچپن سے وہ اپنی خالہ کے گھر رہی تھی اور خالہ، خالو کو ہی مما، بابا کہنے کی عادی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد اسے یہاں مجبوری میں آنا پڑا۔ ادا سجاول اور ادا سانول اس کے باپ کی خاندانی بیوی کے بچے یعنی اس کے سوتیلے بھائی تھے۔ ادا سانول اسے ادا سجاول کی طرح پیار تو نہیں کرتے لیکن کوئی نفرت کا اظہار بھی نہیں کرتے۔ بس ان کے وجود سے سرد مہری اور لاتعلقی جھلکتی تھی۔ لیکن ان کی بیوی شازیہ بھابھی اسے واضح طور پر غاصب سمجھتی تھیں۔ شاید اس لیے کہ اس کی ماں ان کی پھپھو کا حق بانٹنے آ گئی تھی۔ وجہ کچھ بھی ہوتی لیکن ان کے انداز اسے بے اطمینان کر دیتے۔

ابھی بھی وہ ان کی وجہ سے ہی اندر نہیں جانا چاہتی تھی۔

وہ اپنی شہر والی رہائش گاہ سے چند دن کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ ہر چیز پر حاکیت جتاتی وہ اللہ جانے اسے کیا بتانا چاہ رہی تھیں۔ اسے تو خود اس حویلی اور اس کے مکینوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

وہ اپنی سوچوں میں محو تھی جب سیاہ جیپ سے اترتے حارث نے اسے بے زاری سے ملازمہ کو واپس کرتے دیکھا۔ وہ اندر جانے کے بجائے اس کی طرف چلا آیا۔

''یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہیں؟'' حارث نے آتے ہی دوستانہ انداز میں سوال کیا، ملیحہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ شازیہ بھابھی کا بھائی تھا۔ اس کا سلجھا ہوا انداز، مسکراتا چہرہ سب ملیحہ کے برے موڈ کی نذر ہوا اور وہ تنک کر بولی۔

''کیوں، اب یہاں بیٹھنے پر بھی پابندی ہے۔'' اس کے انداز پر حارث نے آنکھیں سکیڑ کر حیرت سے اسے دیکھا، سادہ سے سوال کا یہ جواب غیر متوقع تھا، پھر ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

''غصہ نکالنے کے لیے آپ ہمیشہ ہی بے گناہوں کا انتخاب کرتی ہیں، بخدا مجھے یقین ہے کہ یہ پھول بھی اتنا ہی معصوم ہوگا جتنا میں۔'' اس کے بے ساختہ انداز پر ملیحہ نے اپنی گود میں بکھری پتیوں کو دیکھا پھر بمشکل معتدل لہجے میں جواب دیا ورنہ اس زبردستی کی بے تکلفی پر تو کھری کھری سنانے کا دل چاہ رہا تھا۔

''نہیں، میں آپ پر غصہ نہیں نکال رہی۔ آپ کو ایسا لگا تو معذرت۔ بھابھی اندر ہیں۔''

اس کے صاف ٹہلانے والے انداز پر حارث بے اختیار مسکرا دیا۔

''آپ بور ہوتی ہیں نا یہاں، آپ نے آگے ایڈمیشن کیوں نہیں لیا یونیورسٹی میں؟'' ملیحہ کتاب لے کر اندر جانے کے لیے اٹھ رہی تھی جب اس کی بات پر ایک دم رک گئی، واقعی یہ خیال اسے کیوں نہیں آیا۔ اسے تو بہت پڑھنا تھا۔

''ابھی ہو رہے ہوں گے ایڈمیشن یونیورسٹی میں؟'' اس نے بے اختیار اس سے ہی پوچھا۔

''آپ جس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، وہاں ایک کال پر سال کے درمیان میں داخلہ ہو جاتا ہے، یہ اور بات کہ لڑکیوں کو زیادہ پڑھانے کا رواج نہیں۔''

وہ ہنس کر بولا تھا۔

''میں جس خاندان سے ہوں وہاں لڑکے، لڑکیاں سب اعلا تعلیم حاصل کرتے ہیں حارث صاحب لیکن میرٹ پر۔'' وہ جواب دے کر سائڈ سے نکلتی اندر چلی گئی تھی۔

''ہونہہ! بڑا آیا اپنے اونچے خاندان کے گن گانے والا'' آگے بڑھتے اس نے بلاوجہ دل میں حارث کو سنایا تھا۔

حارث سے اسے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ وہ یہاں کے ان چند لوگوں میں سے تھا جن سے اسے جانے کیوں اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ شازیہ بھابھی کا بھائی ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں میں اس کے لیے تنفر نہ ہوتا، جب دیکھتا ایک دوستانہ مسکراہٹ اچھال دیتا۔ حارث نے اس سے بابا اور مما کی باقاعدہ تعزیت کی تھی۔

شازیہ بھابھی نے تو یہ تکلف بھی نہیں کیا تھا۔ ادا سجاول کے ساتھ حارث بھی اس کے بابا کا اسٹوڈنٹ رہ چکا تھا۔ یہ جان کر اسے بہت خوشی ہوئی تھی۔ ادا سجاول تو بابا کی زندگی میں بھی کبھی اس سے یا بابا سے ملنے آجایا کرتے تھے لیکن حارث سے تعارف بابا کے انتقال کے بعد ہوا تھا۔ اس کے منہ سے بابا کی تعریف اسے بہت اچھی لگی تھی۔ یہ فطری رویہ ہے جو ہمیں پسند ہو، ہم سب سے اس کی تعریف ہی سننا چاہتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اس سے ربط بڑھا کر کوئی مسئلہ نہیں بنانا چاہتی تھی۔ تھا تو شازیہ بھابھی کا بھائی ہی نا۔

☆☆☆

مریم کتابیں بکھرائے بیٹھی تھی۔ رات زیادہ نہیں ہوئی تھی لیکن گھر میں سناٹا طاری تھا۔ جب سے امی کا انتقال ہوا تھا، ابو بہت خاموش ہو گئے تھے۔ زیادہ وقت عبادات میں ہی گزار دیتے۔ مریم کا دل چاہتا کہ ان سے باتیں کرے، انہیں بولنے پر مجبور کرے مگر وہ اس کے لمبے لمبے قصے مسکرا کر سنتے رہتے۔ انہیں اپنی دونوں بیٹیوں کی بہت فکر رہتی۔

تب ہی مناسب جاب کا انتظار کیے بنا ہی زینب کی حسن سے شادی کردی۔ یوں بھی گھر کی بات تھی۔ حسن ان کا بھتیجا تھا۔اور باپ کی وفات کے بعد انہوں نے ہی پالا تھا۔ابو کا بس چلتا تو مریم کی بھی فوراً شادی کردیتے بس مناسب رشتہ ملنے کی دیر تھی۔

''چائے پیو گی مریم!'' دروازہ کھول کر زینب آپی نے جھانکا۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ'' وہ مسکرائی۔ابھی انہوں نے چائے کی کیتلی چولہے پر چڑھائی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی، آپی دروازے کی طرف چلی گئیں، سامنے عینی کھڑی تھی۔ جوش سے تمتماتے چہرے کے ساتھ سلام کرتی وہ اندر آئی، آپی کچن کی طرف گئیں اور وہ مریم کے کمرے میں گھسی۔

''شادی کی ڈیٹ طے ہوگئی۔'' اندر آتے ہی اس نے بلاتمہید بم پھوڑا۔

''کس کی؟'' مریم نے اس اچانک دھماکے پر سر اٹھا کر بے وقوفی سے پوچھا تھا۔

''میری اور کس کی۔'' وہ جھلا کر بولتی زور سے بیڈ پر بیٹھی۔ مریم اچھل کر رہ گئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے تمیز و تہذیب پر لمبا سا لیکچر دیتی لیکن ابھی تو اتنی غیر متوقع خبر نے غصہ ہی نہیں آنے دیا۔

''مبارک ہو، اتنی اچانک کیسے؟'' بے تابی سے پوچھا۔

''پتا نہیں کیسے، مجھے تو خود اچانک پتا چلا۔ چچا، چچی آئے تھے۔ چچی امی کو کہہ رہی تھیں، بھابھی بس آپ تاریخ دے دیں اب۔ میں نے گزرتے گزرتے تھوڑا سا سنا تو ایسے ہی بول دیا۔ کیا چاہیے چچی میں لادیتی ہوں۔ امی نے گھورا جاؤ چائے لے آؤ۔ میں چائے کے ساتھ گلاب جامن بھی لے گئی۔ معدے کے راستے دل میں اترنے کے لیے چچی کو خوب اصرار کیا یہ مٹھائی تو کھائیں۔ چچی ہنس کر بولیں۔ ''بھابھی منہ تو عینی نے میٹھا کرا دیا، اب فائنل کرلیں۔'' بھابھی نے باہر لا کر بتایا کہ اپنی شادی کی تاریخ طے کرانے بیٹھی ہو، بولیں کچھ تو شرم کرو عینی۔

میں نے کہا، مجھے کچھ بتاتے تو میں شرماتی نا'' مزے لے کر اس نے ایسے تفصیل بتائی کہ چائے لاتی زینب آپی بھی ہنس دیں، مریم تو ویسے بھی بے بات ہنستی تھی۔

''پہلی بار کسی لڑکی کو یوں اپنی شادی کی تاریخ طے ہونے کی خوشی مناتے دیکھا ہے، واقعی شرم نہیں تمہیں۔'' آپی نے کہا، پھر خیال آنے پر پوچھا۔ ''پڑھائی کا کیا ہوگا تمہاری''

''چھٹی ہوگی، چچی تو کہہ رہی تھیں جتنا چاہے پڑھو لیکن میرا کوئی ارادہ نہیں، میں تو بس اب دوپٹے کا پلو انگلی پر لپیٹتے شرمانے کی کوشش کروں گی۔'' عینی نے شاہانہ انداز اعلان کیا تھا۔

''بدتمیز، پھر میں اکیلی کیا کروں گی یونیورسٹی میں'' مریم چیخی تھی۔

''تو تمہیں کیا کرنا پڑھ کر؟ تم بھی شادی کروالو۔'' عینی نے تسلی سے حل پیش کیا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ تب ہی موڈ خوش گوار تھا۔ اس کے ابو کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس رشتے میں اشعر کی عدم دلچسپی اکثر اسے متفکر کردیتی لیکن اب تمام فکروں کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

عینی کی شادی ایک ماہ بعد تھی اور مہینہ گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ کبھی عینی اسے اپنے ساتھ بازاروں میں گھسیٹ کر اس کی یونیورسٹی کی چھٹی کرواتی اور کبھی وہ اسے زبردستی یونیورسٹی لاتی کہ جب تک شادی نہیں ہوتی میرا ساتھ دو۔ کبھی عینی آجاتی کبھی قابو نہ آتی۔ اسے اپنے رنگ کی بہت فکر تھی، آ بھی جاتی تو دھوپ سے بچتی سارا دن گزار دیتی۔

مریم کو امتحانات کی فکر بھی تھی۔ لیکچر پورے نہیں ہوتے تو پیپرز میں تیاری کیسے ہوتی۔ عمر احمد اس معاملے میں ان کے بہت کام آیا۔ یوں تو کلاس کی چند لڑکیوں سے بھی ان کی ہیلو ہائے تھی لیکن عمر جیسے نوٹس سب کے پاس نہیں ہوتے تھے۔ ویسے بھی مریم کی مدد کو تو جیسے وہ دل و جان سے حاضر تھا کوئی نہ ہوتا۔ وہ پہلے سے نوٹس فوٹو اسٹیٹ کروا کر رکھتا اور

فری پیریڈ میں پورا موضوع اچھی طرح سمجھا دیتا۔عینی کی شادی کے بعد ساتھ پڑھتے باتیں کرتے مریم کی عمر سے دوستی ہوگئی تھی۔شاید مریم بھی دل کو سمجھا سمجھا کر تنگ آگئی تو خود دل کے پیچھے چل دی۔

آج بھی وہ عمر کے ساتھ بیٹھی تھی۔ پڑھتے پڑھتے تھک گئے تو وہ اسے اپنے گاؤں کے قصے سنانے لگا۔اشتیاق سے اس کی باتیں سنتی ، پلکیں جھپکاتی حیرت کا اظہار کرتی وہ عمر کو دل میں اترتی محسوس ہورہی تھی۔جانے کتنی دیر سے وہ بیٹھے تھے کہ سامنے سے عینی آتے دکھائی دی۔عینی کو دیکھ کر جہاں مریم خوشی سے اس کی طرف لپکی، وہیں عمر کا ارتکاز ٹوٹا تھا۔اردگرد چھایا محبت کا فسوں لمحوں میں ہوا میں تحلیل ہوا تھا۔

''چاٹ کھانے آئی ہو کینٹین سے''مریم نے گلے ملتے اسے چھیڑا تھا۔شادی کے دوسرے ہی ہفتے اس کا یونیورسٹی آنا اسے اچنبھے میں ڈال گیا تھا۔اس کا مزید پڑھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

''بس یار، گھر میں بور ہوتی ہوں تو میں نے سوچا یونیورسٹی میں لیکچر سن کر بور ہوجاؤں۔''

اس نے خوش دلی سے کہا تھا۔تھوڑی دیر بعد جب عمر چلا گیا تو وہ مریم کی طرف مڑی۔

''کیا بات ہے آپ کی، عمر احمد سے دوستی ہوگئی!''

''یہ واحد بندہ ہے کلاس کا جو تمہاری طرح میرا ہر کام خود کردیتا ہے تو دوستی تو ہونی تھی۔'' مریم نے جواب دیا۔

''میں تو تمہاری بچپن کی دوست ہوں ، تم سے محبت کرتی ہوں۔اسے کیوں فکر رہتی ہے تمہاری۔اسے کہو سیدھے راستے آئے۔ یہ درست طریقہ نہیں۔'' عینی نے گویا وارن کیا تھا۔

''کیا ہے یار، پہلے خود ہی تو اس کی آنکھیں پڑھ کر سنائی تھی۔اب اچھے برے طریقے لے کر بیٹھ گئی ہو'' مریم بدمزا ہوگئی۔

''احمق تھی پہلے میں، بلکہ ابھی بھی ہوں'' عینی نے چیخ کر کہا تھا۔مریم چونکی

''خیریت تو ہے یار، کیا مسئلہ ہے؟'' عینی کی آنکھوں کے کنارے بھیگے۔

''گھر آؤں گی تو بات کریں گے''اس نے بات ختم کی تو مریم نے بھی کریدنا مناسب نہ سمجھا۔

☆☆☆

''اماں جان میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں کراچی جا کر''ملیحہ نے ان کی گود میں منہ چھپائے کہا تھا۔اماں جی پریشان ہوگئیں۔

''کراچی جانے کی کیا ضرورت ، روز آنا جانا ممکن نہیں ، تم سندھ یونیورسٹی میں داخلہ لے لو'' انہوں نے حل پیش کیا۔

''میں ہاسٹل میں رہوں گی روز کیوں آؤں گی یہاں''اس نے بےزاری دکھائی۔

''ہاسٹل میں کیا فائدہ خوار ہونے کا، یہاں گھر میں میرے پاس رہو چندا!''انہوں نے پیار سے سمجھانا چاہا۔جانتی تھیں جب تک وہ یہاں نہیں تھی، کسی کو یاد بھی نہیں تھی لیکن اب اس کے ہاسٹل جانے پر بہت اعتراض اٹھتے۔

''پہلے کب میں آپ کے پاس رہتی تھی، مجھے کراچی ہی جانا ہے اماں!'' اس نے قطعیت سے کہا تھا۔تعلیم تو وہ یہاں بھی حاصل کرلیتی لیکن کراچی جا کر کم از کم زارون سے رابطہ تو رہتا۔وہ اس کے لیے ایک کزن نہیں بلکہ زندگی میں بچنے والا قیمتی رشتہ تھا۔ایک ٹریفک حادثے نے اس سے جان نچھاور کرنے والے بابا، مما چھین لیے تھے۔فکر معاش نے اس سے اس کا گھر اور زارون بھی چھین لیا تھا۔بابا، مما کے انتقال کے بعد اماں بہت دن وہیں اس کے پاس رہی تھیں۔

اس نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا، ادا سجاول زارون سے کہہ رہے تھے۔''تمہاری پڑھائی کے لیے بہت فکر مند رہتے تھے پروفیسر صاحب ، اب کوئی ذریعہ آمدن نہیں تو کیسے پڑھو گے؟ فیس کے پیسے تو میں دے دوں لیکن جتنے لاڈ میں تم رہے ہو مجھے نہیں

لگتا کہ تم کچھ خود بھی کما سکتے ہو۔ وہیں گاؤں آ جاؤ یا میں کسی سے کہہ کر کوئی کام دلوا دوں۔" ان کا انداز اتنا ہتک آمیز تھا کہ ایک لمحہ کو ملیحہ ڈر گئی۔ زارون یہ انداز برداشت نہیں کر سکتا۔ اب وہ غصے میں آ جائے گا۔ مگر کچھ نہیں ہوا۔ والدین کی چھاؤں ہٹتے ہی کڑوے لہجوں کی دھوپ برداشت کرنا آ جاتا ہے۔

زارون نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"شکریہ، میں خود مینیج کر لوں گا"

وہ گاؤں آ گئی، زارون نے گھر میں لڑکوں کو پے انگ گیسٹ کے طور پر رکھ لیا اور کرائے اور ٹیوشن پڑھا کر اپنے اخراجات پورے کرنے لگا۔

اس دوران وہ ایک بار بھی گاؤں نہیں آیا، صرف ایک بار ملیحہ گئی تھی تو اس سے مختصر ملاقات ہوئی تھی۔

☆☆☆

دروازے کے سامنے بائیک روک کر مضمحل انداز میں وہ تالا کھولنے بڑھا تھا۔ سارے دن کی تھکاوٹ اپنی جگہ لیکن گھر میں بکھری یادیں ہر احساس پر حاوی تھیں۔ یہ وہی دروازہ تھا، جہاں وہ بیل دینے کی زحمت نہیں کرتا تھا۔ ہارن بجا بجا کر ملیحہ کو دروازہ کھولنے پر مجبور کرتا۔ یہ وہی دروازہ تھا جس سے رات گئے۔ خاموشی سے اندر جانے کے لیے وہ بائیک کا انجن پیچھے ہی بند کر دیتا تا کہ بابا کو اس کی آمد کے درست وقت کا اندازہ نہ ہو۔

چابی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی گہری خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ رہنے والا ایک لڑکا چھٹیاں گزارنے آبائی گھر گیا تھا۔ دوسرا شاید نائٹ شفٹ پر تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر بیڈ پر بیٹھتے ہی اس نے بے دلی سے بازار سے لیا بن کباب کھایا تھا۔ شدید سر درد نے اس کا حشر کر دیا تھا۔ آخری سمسٹر تھا، پروجیکٹ کی مصروفیت، پھر ٹیوشن پڑھانے جانا۔ فرصت کا لمحہ بھی میسر نہیں تھا۔ چائے کی طلب اسے بے چین کر رہی تھی لیکن اٹھ کر بنانے کی ہمت نہ تھی۔ وہ یوں ہی سونے لیٹ گیا۔ صبح جلدی اٹھنا تھا۔ ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ کے ساتھ وہ اعصابی طور پر بھی نڈھال تھا۔ زارون حسن نے ہمیشہ سب کو اپنے لیے فکر مند دیکھا تھا۔ آج شدید تکلیف میں یوں تنہا، لاوارثوں کی طرح لیٹے بے اختیار اس کی آنکھیں بھیگی تھیں۔

"آپ لوگ کیوں چلے گئے مما، بابا۔ ملی تم کہتی تھی نا، میں نہ ہوں تو تمہیں میری قدر ہو۔ سچ کہتی تھیں۔"

اسے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب وہ کتابیں کھول کر مما سے فرمائشیں کرتا رہتا۔ کبھی زیادہ دیر لگاتار پڑھتا تو ہر آدھے گھنٹے بعد گرما گرم تازہ چائے کا کپ سامنے ہوتا۔

"کتنا تنگ کرتے ہو زارون، جب اتنی چائے پینی ہے تو ایک بار بنوا کر تھرماس میں رکھ لو۔" ملیحہ چڑ جاتی۔

"اطلاعاً عرض ہے میں باسی چائے نہیں پیتا۔" وہ جلانے والی مسکراہٹ لبوں پر سجاتا۔

"ہونہہ! باسی چائے۔" ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پر سجائے، چائے کی طلب دباتے وہ سو گیا تھا۔ اس نے اسے کبھی فون نہیں کیا تھا جو چائے نہیں پیتی تھی۔ پھر بھی رات کے اس پہر بھاپ اڑاتی چائے کا کپ سامنے رکھے بیٹھی تھی۔

وقت اچھا نہ ہو تو اچھی، بری سب یادیں دکھ ہی دیتی ہیں۔ یادیں اتنا دکھ کیوں دیتی ہیں۔

☆☆☆

عینی روزانہ یونیورسٹی آ رہی تھی اور پہلے سے زیادہ محنت سے پڑھ رہی تھی۔ اس کا لاابالی پن ختم ہو گیا تھا۔ وہ کیریئر بنانا چاہتی تھی۔ کبھی عمر سے کچھ سمجھ رہی ہوتی تو کبھی لائبریری سے کتابوں کا ڈھیر اٹھائے آ جاتی۔ اس کی حالت دیکھ کر مریم کڑھتی اور دل ہی دل میں اشعر کو ہزار صلواتیں سناتی۔

اشعر عینی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بچپن کا

نکاح اور وٹہ سٹہ اسے براہ راست کچھ کہنے سے روکے ہوئے تھا۔ دو، چار بار ماں، بہن کو کچھ کہنا بھی چاہا تو انہوں نے ٹال دیا۔ آخر ایک سال پہلے اس نے چھپ کر اپنی پسند سے شادی کر لی۔ چچی جان کو جیسے ہی علم ہوا انہیں اپنی بیٹی کے گھر کی فکر ہوئی۔ وہ ماں تھیں، ان کے پاس جذباتی کرنے کو 'دودھ نہیں بخشوں گی' کا حربہ ہی کافی تھا۔ چچی جان نے اشعر کو مجبور کر کے خاموشی سے فوراً عینی سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا لیکن اس سے زیادہ مجبور نہ کر سکیں۔ اشعر نے عینی کو تمام تفصیل بتا دی تھی۔ اس کا عینی کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن جس طرح وہ اپنی پہلی بیوی پر فدا تھا، وہ عینی کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ دونوں کے درمیان انصاف کرنے سے قاصر تھا۔ اس پر چچی جان کی جذباتی بلیک میلنگ، وہ چاہتی تھیں کہ عینی اپنے گھر والوں کو کچھ نہ بتائے۔ عینی فی الحال بالکل خاموشی سے اپنی تعلیم میں مشغول ہو چکی تھی۔ مریم کی توجہ تعلیم سے ہٹ چکی تھی۔ اس کا دھیان عمر احمد میں ہی اٹکا رہتا۔ ابھی بھی عینی لائبریری گئی ہوئی تھی اور وہ اکیلی کلاس روم میں بیٹھی تھی کہ عمر آ گیا۔

''کیا ہوا، اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟ عینی کہاں ہے ''عمر نے مسکراتے ہوئے اس کے سامنے نشست سنبھالی اور نظریں اس کے چاند سے چہرے پر جما دیں جو اس وقت کچھ بجھا بجھا لگ رہا تھا۔

''لائبریری تک گئی ہے عینی، آتی ہو گی ابھی۔ میرا موڈ نہیں تھا اتنا چلنے کا۔'' مریم نے تھکے تھکے انداز میں کہا تھا۔

''کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ ''

وہ اس کے انداز پر پریشان ہوا۔

''ٹھیک ہوں۔ بس عینی کی ٹینشن ہے۔ کتنی بدل گئی ہے۔ اللہ پوچھے اشعر بھائی سے میری دوست کی زندگی برباد کر دی۔''

وہ عینی کے لیے واقعی بہت فکر مند تھی اس لیے غصے سے اشعر کے بارے میں کہا۔

''یوں نہیں کہتے یار، کسی کی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔ زندگی کیوں برباد ہو۔'' عمر نے محتاط انداز میں کہا تھا۔

''کیسی مجبوری، انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا نکاح ہو چکا ہے۔ ادھر ادھر تاک جھانک نہ کریں۔ ورنہ اتنے جی دار تھے تو رخصتی سے پہلے بتاتے تاکہ عینی اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوتی۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔ عمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور یکلخت موضوع بدل دیا۔

''مریم مجھے تم سے بہت محبت ہے۔'' مریم بھونچکا رہ گئی۔ عمر کی نظروں کے پیغام تو اس نے عرصہ پہلے وصول کر لیے تھے۔ اس اظہار کا انتظار وہ کب سے کر رہی تھی لیکن یہ یوں اتنا اچانک اور بلا تمہید ہو گا، اسے اندازہ نہیں تھا۔ اس کی حیرانی سے قطع نظر عمر بولتا جا رہا تھا۔

''میں نے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا، تم میرے دل میں اتر گئیں۔ لیکن میں خود کو جھٹلاتا رہا کہ یہ محبت وغیرہ کچھ نہیں ہوتی۔ پھر بھی تم ہر وقت میرے حواسوں پر سوار رہتیں۔ تمہیں دیکھتا تو نظریں ہٹانے کا دل نہیں چاہتا۔ آخر میں نے خود سے ہار مانی اور تمہاری محبت کا اقرار اپنے آپ سے کر لیا۔ تم سے میں کبھی بھی یہ اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا، آج پہلی بار اس کی نظر مریم کے چہرے پر نہیں تھی۔ مریم بہت توجہ سے سن رہی تھی۔ ''تم پورا ایک ہفتہ غائب رہیں۔ میں بوکھلایا ہوا پھرتا رہا۔ کبھی تمہاری خیریت کے لیے پریشان ہوتا تو کبھی یہ خیال آتا کہ شاید تم یونیورسٹی چھوڑ چکی ہو۔ تمہیں دوبارہ نہ دیکھنے کا خیال میری سانسیں بند کر دیتا۔ پھر میں خود غرض ہو گیا۔ میں نے تمہیں پانے کا سوچ لیا۔ میں نے تمہاری طرف قدم بڑھایا، یہ جانتے بوجھتے کہ میری شادی ہو چکی ہے۔''

اس نے مریم کے سر پر دھماکا کیا تھا۔ زمین کی گردش ایک دم مریم کو محسوس ہوئی تھی۔ اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنے لبوں پر آ ٹکا تھا وہ نفی میں گردن ہلا

رہی تھی۔ ''میری خاندانی بیوی سے دو بچے ہیں۔ وہ بہت بیمار ہے، اسے میری دوسری شادی پر کوئی اعتراض نہیں، تم مجھ سے شادی کرو گی مریم، میں تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا مگر تم پلیز فیصلہ کرتے ہوئے میری محبت ضرورت یاد رکھنا۔'' وہ سوال چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

مریم خالی کلاس میں لب پر ہاتھ رکھے ساکت بیٹھی تھی۔ اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ پھر ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلا، دوسرا، تیسرا اور وہ بے اختیار چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تھی۔

جب عینی آئی تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ہاتھوں پر سر ڈالے، چہرہ چھپائے وہ اس انکشاف کو سہنے کی اذیت سے گزر رہی تھی۔

''مریم کیا ہوا، طبیعت ٹھیک ہے'' عینی بے حد پریشان ہو گئی تھی۔

''گھر جا رہی ہوں'' اس نے بمشکل جواب دیتے چہرہ رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش کی۔ عینی کو آدھے گھنٹے بعد ہونے والی کلاس یاد آئی لیکن کچھ بھی مریم سے اہم نہیں تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی نکلی تھی۔ راستے میں اس نے مریم سے پوچھنے کی کوشش کی لیکن اس نے بھرائی ہوئی آواز میں منع کر دیا۔

''سب کچھ تمہیں ہی بتاؤں گی، ابھی مت پوچھو۔'' اس کا جواب عینی کو خاموش کروا گیا۔ وہ اس کے ساتھ گھر آئی تھی۔ زینب آپی کو اس کے شدید سر درد کا بتا کر خود شام میں آنے کا کہہ کر چلی گئی۔ شام میں جب وہ آئی تو مریم بخار میں پھنک رہی تھی۔ ٹھنڈا پانی لے کر اس کے سر پر پٹیاں رکھتے عینی مسلسل اس اچانک بخار کی وجہ سوچ رہی تھی۔ جب وہ لائبریری سے آئی تو اسے عمر جاتا دکھائی دیا تھا۔ وہ مریم سے ملا یا نہیں، اسے معلوم نہیں تھا۔

آخر ایسا کیا ہوا تھا۔ اگر صرف طبیعت خراب ہوتی تو مریم یوں بری طرح نہ روتی۔ بہت دن بعد عینی اپنے غم سے نکل کر کچھ سوچ رہی تھی۔

رات وہ اس کے پاس ہی رہی تھی۔ اگلے دن اس کا بخار اتر چکا تھا لیکن وہ بالکل خاموش تھی۔ نہ کچھ بول رہی تھی، نہ کھا رہی تھی۔ ویران سوجی ہوئی آنکھیں لیے جامد تاثرات کے ساتھ وہ ایک ہی دن میں زرد لگنے لگی تھی۔ گھر میں سب پریشان ہو گئے تھے۔

زینب آپی کچن میں گئیں تو عینی مریم کے سر ہو گئی۔

''یہ کس چیز کا بخار ہے۔'' عینی نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ مریم نے خالی نظروں سے اسے دیکھا اور بس۔

''مریم بس کر دو۔ خدا کے لیے، میری زندگی میں پہلے ہی بہت مشکلات ہیں، تم تو یوں مت کرو۔'' عینی رو دی تھی۔

''ہماری قسمت ایک جیسی ہے، محروم اور بنجر'' مریم نے آہستگی سے کہا تھا۔ عینی نے چونک کر سر اٹھایا تھا، وہ اسے ٹوکنا چاہتی تھی مگر کل سے اکیلے سوچ سوچ کر اور رو رو کر مریم کا سر پھٹ رہا تھا، وہ دل کا غبار نکالنا چاہتی تھی۔

عینی سے نظریں ملائے بغیر اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے وہ بولتی گئی۔

''عمر شادی شدہ ہے۔ وہ اشعر بھائی کی طرح مجھے دھوکا نہیں دینا چاہتا اس لیے پہلے بتا دیا۔'' وہ استہزائیہ ہنسی اور شاکڈ بیٹھی عینی کو دیکھا۔

''سنا تم نے، دھوکا نہیں دینا چاہتا، دو بچے ہیں اس کے، مجھے پہلے سے بتا رہا ہے۔ شادی سے پہلے، محبت کی ڈور سے باندھ کر۔''

''تم۔۔۔ کیا کرو گی''

عینی کو سمجھ نہ آیا، کیا بولے۔

''میں اس سے شادی نہیں کر سکتی لیکن میں اس کے بنا کیسے رہوں گی۔'' وہ پھر رونے لگی تھی۔ عینی نے اسے چپ نہیں کروایا تھا۔ وہ بے آواز بہتے آنسوؤں کے ساتھ اپنے ہاتھ کی لکیریں کھوج رہی تھی۔ کوئی کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو، درد تب ہی ہوتا ہے جب چوٹ اپنے دل پر محسوس ہو۔

☆☆☆

مریم نے یونیورسٹی جانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر گھر میں بھی کسی نے اصرار نہیں کیا۔ عینی یونیورسٹی آتی تو عمر کو بالکل نظرانداز کر دیتی۔ اس کے انداز نے عمر کو باور کروا دیا کہ وہ لاعلم نہیں سو وہ خود بھی اس سے مخاطب نہیں ہوا لیکن آج بھی عینی کو تنہا دیکھا تو رہ نہ سکا اور اس کے پاس آ گیا۔

''مریم کیوں نہیں آ رہی؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ عینی نے سر اٹھایا اور غصے سے اسے دیکھا، چوری اور سینہ زوری والا معاملہ تھا۔ وہ چیخ کر بولی۔

''مر گئی ہے مریم۔''

''شٹ اپ عینی، ڈھنگ سے جواب نہیں دے سکتی تو چپ رہو۔'' عمر ایک دم برہم ہوا، ناگواری سے اس کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

''کیوں چپ رہوں، کیا سمجھتے ہو تم ہمیں، اپنی رعایا، کمی کمین؟ مجھے اس طرح ہی بات کرنی آتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم مجھ سے بات مت کرو۔''

اس نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھ دیا۔ غصے سے عمر نے لب بھینچ لیے۔ اس کی کنپٹی کی رگ پھڑپھڑانے لگی۔ ایک لمحے کو تو دل چاہا کہ وہیں سے پلٹ جائے لیکن مریم کی کھلی آنکھیں، لب پر رکھے ہاتھ اور نفی میں ہلتی گردن اس کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ انکشاف ان سب کے لیے بہت بڑا ہے۔ اس کے اثرات زائل ہونے میں وقت لگے گا۔ مریم سے رابطے کا عینی کے علاوہ کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا۔

''عینی پلیز، تم تو تسلی سے بات سنو۔'' اس نے خود پر قابو پا کر کہا تھا۔

''کیا رہ گیا سننے کو، بس اپنی حماقت کا ماتم رہ گیا ہے، وہ کر رہے ہیں۔'' عینی نے بے رخی سے جواب دیا۔ اس سے زیادہ برداشت کرنا عمر کے لیے ممکن نہیں تھا۔

''احمق تو ہو ہی تم لوگ، خوش فہمیوں میں جینے والے، دوسروں سے امیدوں کے پہاڑ کھڑے کرنے والے کب عقل مند ہوتے ہیں۔ میں نے کب مریم سے شادی کے وعدے کیے تھے، میں مکر جاتا اس تعلق کو محض دوستی کا نام دے کر یا بنا بتائے شادی کر لیتا تو کیا کر لیتے تم لوگ لیکن میں مرد ہوں۔ دل کے ہاتھوں مجبور ضرور ہوا ہوں مگر کسی کو فریب نہیں دے رہا۔ میرے گھر میں، میری پہلی بیوی کو، میرے باپ کو سب کو مریم کا علم ہے۔ عزت سے شادی کر کے میں اسے بھی حویلی میں ہی رکھوں گا۔ تم اپنے شوہر کے آئینے میں سارے مردوں کو مت دیکھو جو اپنی محبت کو عزت سے بیاہ نہ سکا اور اپنی عزت کو محبت نہ دے سکا۔''

اس کے تلخ لہجے کا عمر نے خوب بدلہ لیا تھا۔ حسب عادت وہ اپنی سنا کر چلا گیا تھا اور عینی پیچ و تاب کھاتی رہ گئی۔ تماشا بننے کا ڈر نہ ہوتا تو وہ اس کا منہ نوچ لیتی۔ وہ کون ہوتا ہے اس کے ذاتی معاملات میں بولنے والا۔ خود کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے وہ سب کو غلط کہہ گیا تھا۔

☆☆☆

بابا جان پرسکون بیٹھے عمر کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ اضطراب، بے چینی، بے سکونی کتنے دن سے رتجگا کرتی سرخ آنکھیں، اس کا انگ انگ اپنی محبت کے حق میں گواہی دے رہا تھا۔

''یہ بہرحال تم نے اچھا کام کیا۔ ہم کبھی دھوکا دہی کے قائل نہیں رہے۔ زہرہ ہمارے بھائی کی بیٹی ہے۔ ہمیں بے حد عزیز بھی لیکن دوسری شادی گناہ نہیں۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کر اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔

''جی بابا جان، مریم میری محبت ہے تو زہرہ میرے بچوں کی ماں۔ مجھے دونوں عزیز ہیں۔ لیکن جس دن سے اسے معلوم ہوا وہ دوبارہ یونیورسٹی نہیں آئی۔'' وہ ان سے سب باتیں کر لیتا تھا۔

''تو فون، وون کر لو بابا، گھر چلے جاؤ۔ بات کرنے سے ہی بات بنتی ہے۔ اپنی خواہش پوری

کرنے کے لیے نخرے تو اٹھانے ہوں گے تمہیں۔ ورنہ لڑکیوں کی کیا کمی۔'' وہ شاہانہ انداز میں مشورے دے رہے تھے۔ ان کا اکلوتا' لاڈلا پریشان ہو، وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔

''ٹھیک ہے، میں کچھ سوچتا ہوں۔ پھر میں رشتے کی بات کرنے آپ کو بلواؤں گا۔ پہلے میں زہرہ کا علاج مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر اس صورت حال میں اس شادی کو ٹالنا درست نہیں۔''

اس نے قطعی لہجے میں کہا تھا۔ جس رشتے پر مریم اور اس کے گھر والے سوچ بھی نہیں رہے تھے۔ وہ انہوں نے اپنے تئیں پکا کر دیا تھا۔ وہ جتنا مرضی غیر روایتی، روشن خیال بن جاتے، رگوں میں لہو کی طرح دوڑتی حاکمیت اپنا اصل دکھا ہی جاتی تھی۔

☆☆☆

گھر میں سب کو مریم کے یونیورسٹی چھوڑنے کی وجہ معلوم ہو گئی تھی۔ عمر احمد ان کے لیے قابل قبول ہوتا یا نہیں۔ اس سے قطع نظر مریم نے خود ہی اس سے لاتعلق ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ صرف عمر سے لاتعلق نہیں ہوئی تھی بلکہ زندگی سے ہو گئی تھی۔ گھنٹوں خاموش بیٹھی رہتی۔ عینی کی قصداً کی گئی شوخیاں، آپی کی باتیں، زونی کی شرارتیں کچھ بھی اسے نہیں بھاتا تھا۔ وہ چپ چاپ اندر ہی اندر گھل رہی تھی۔ اس کی حالت ان سب کے لیے پریشان کن تھی۔

''مریم خدا کے لیے، یوں مت کرو۔ دیکھو انکل بھی کتنا پریشان ہیں تمہارے لیے۔''

زینب آپی کے کہنے پر عینی اس سے پھر بات کر رہی تھی۔

''میں نے کیا کیا؟ بابا کیوں پریشان ہیں؟ ''

اس نے چونک کر پوچھا تھا۔

''خود کو دیکھا ہے؟ نہ بولتی ہو نہ کھاتی ہو۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں۔ کون خوش ہو گا تمہیں دیکھ کر۔'' عینی پھٹ پڑی تھی۔

''میں کیا کروں عینی، میں کیا کروں۔ میں آنکھیں بند کروں تو وہ سامنے نظر آتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے ایک بار اسے دیکھ لوں، اس سے مل لوں۔ پھر سوچتی ہوں کہ مجھ سے یہ چند دن نہیں گزر رہے تو پوری زندگی کیسے کٹے گی اس کے بن۔'' وہ سسک رہی تھی۔ عینی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر دیکھا تو آنسو ابھی بھی اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

''مریم، عمر تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تم اس سے شادی کر لو۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''دوسری شادی، کسی کا حق مار کر؟'' اس نے آنسو بھری آنکھیں اٹھائیں۔

''پہلی، دوسری شادی سے کچھ نہیں ہوتا، جس نے انصاف کرنا ہوتا ہے۔ وہ کرتا ہے۔ تم اپنے ذہن سے سوچو۔ عمر جس بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتا ہے وہاں دوسری شادی معیوب نہیں۔''

وہ آرام سے سمجھا رہی تھی۔ شاید عمر کے الفاظ ہی دل کو لگے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی بے رنگ زندگی کا تجربہ مریم کی زندگی میں بھی اندھیرے بھر دے۔ وہ اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے یوں دن بہ دن گھلتے دیکھنا عینی کے لیے امتحان سے کم نہ تھا۔

''تم عمر کو بھول جاؤ یا اس سے شادی کر لو۔ یوں اسے چھوڑ کر خود کو بھی تنہا کر لینا مسئلے کا حل نہیں۔ زینب آپی تمہارے لیے رشتہ دیکھ رہی ہیں۔''

اس نے صاف صاف بات کی۔

''نہیں، عمر نہیں تو کوئی نہیں۔ میں ساری زندگی اس کی یاد کے ساتھ گزار سکتی ہوں لیکن اس کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتی۔''

وہ بے ساختہ بولی تو عینی گہری سانس بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

عمر نے سوچا تھا کہ وہ اس کے گھر جا کر اس کی بہن یا والد سے بات کرے گا، انہیں سمجھانے کی کوشش کرے گا لیکن اس سے پہلے ہی ایک دن عینی اس کے پاس آ گئی۔

"آپ اگر مریم کے لیے سنجیدہ ہیں تو رشتہ بھیج دیں۔اس کے گھر والے اس کی شادی کررہے ہیں۔"

اس کا انداز سپاٹ تھا مگر الفاظ عمر کو نہال کر گئے تھے۔ برے دل سے ہی صحیح لیکن مریم نے حقیقت قبول کرلی۔ وہ شادی پر مان گئی تھی۔ اب وہ ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کہیں اس کا ارادہ نہ بدل جائے۔ اس کے گھر والے مسئلہ پیدا نہ کریں۔ کتنے ہی خدشات تھے جن کے زیر اثر دنوں میں ان کی شادی ہوگئی تھی۔

عمر کی پہلی بیوی زہرہ اس سے عمر میں بڑی اور کینسر کی مریضہ تھی۔ اس نے کھلے دل سے عمر کو دوسری شادی کی اجازت ہی نہیں دی تھی بلکہ مریم کو قبول بھی کیا تھا۔ اپنے بچے اس نے مریم کے حوالے کر دیے تھے۔ سب اسے تسلی دیتے لیکن وہ ہر لمحہ آنے والی موت کی دستک سن رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ جب وہ نہ رہے تو مریم اس کے بچوں کے لیے ماں بن جائے۔ اسی لیے وہ اسے بہنوں کی طرح چاہتی اور اس کا خیال رکھتی۔ حویلی کا دوسرا پورشن عمر کے چچا یعنی زہرہ کے والد کا تھا، جہاں وہ اپنے دو بیٹوں کے ساتھ رہتے تھے۔ زہرہ کے گھر والے ہی مریم کے لیے وجہ پریشانی تھے۔ عمر کے سامنے وہ کچھ نہ کہتے لیکن اکیلے میں مریم کو اس کی حیثیت یاد دلا دیتے۔ اپنی بہن کی خراب طبیعت میں مریم کا اس کی جگہ لے لینا، انہیں ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ مریم عمر کی محبتوں سے سرشار سب کچھ نظر انداز کیے رہ رہی تھی۔

پہلا دھچکا اسے تب لگا، جب وہ ایک پیاری سی بیٹی کی ماں بنی۔ ہسپتال میں اس کے گھر والے خوشی سے چہکتے پھر رہے تھے۔ جبکہ عمر بس بچی کو دیکھ کر گاؤں روانہ ہوگیا۔ اس کی پہلی اولاد نہیں تھی کہ خوشی سے وہ سب کام دھندے بھول جاتا۔ بابا جان یوں دو گھڑی کو آئے جیسے کسی دور کے رشتہ دار کی جاتے جاتے عیادت کرلی جائے۔

ہسپتال سے وہ آپی کے ساتھ چلی گئی تھی۔ بچی بہت کمزور تھی۔ عمر کو بچی سے زیادہ مریم کی فکر تھی۔ وہ فون پر اس سے بات کرلیتا۔ اپنی محبت اور بے تابیاں جتاتا۔ مریم منتظر ہی رہتی کہ وہ کبھی اپنی بیٹی کے لیے بھی اس بے اختیار محبت کا اظہار کرے۔ ڈیڑھ ماہ بعد وہ حویلی آئی تو زہرہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ وہ سارے شکوے بھلا دیتی اگر زہرہ کی بھابیاں اسے عمر کے بیٹوں کی پیدائش پر گاؤں میں ہونے والے جشن کی تفصیلات نہ گنواتیں۔

"وارث تو بیٹا ہے ہوتا ہے۔ پہلی بار بیٹا ہو جاتا، بعد میں چاہے بہن آجاتی۔" خود عورت ہو کر وہ اسے چڑ کے لگا رہی تھیں۔

"دو بھائی ہیں ماشاءاللہ اس کے، اب بیٹی کی ہی کمی تھی ہمارے گھر۔"

اس نے مسکرا کر انہیں تو جواب دے دیا تھا لیکن دل میں ایک خلش پیدا ہوگئی۔

کیا ہو جاتا اگر وہ اس کی بیٹی کی پیدائش پر بھی جشن منا لیتے۔ اس کی پہلی اولاد تھی۔ دل میں گلے شکوے پالتی وہ بھول گئی تھی کہ ان کی سرد مہری کا سبب بیٹا یا بیٹی نہیں بلکہ زہرہ کی روز بہ روز بگڑتی حالت کے سبب پیدا ہونے والی ٹینشن ہے۔ ایسے ہی ایک دن بابا جان اور عمر زہرہ کو لے کر لاہور گئے ہوئے تھے۔ اس کی ننھی گڑیا ملیحہ کا بخار اتر نہیں رہا تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں چادر لپیٹ کر نکلی تو سامنے زہرہ کا بھائی موجود تھا۔

"ملیحہ کی طبیعت خراب ہے۔ ڈاکٹر کو دکھانا ہے" اس کی استفہامیہ نظروں کے جواب میں اس نے کہا تھا۔

"آپ اندر جائیں۔ میں ڈاکٹر بلواتا ہوں۔"

اس کے کہنے پر وہ اندر آکر ایک بار پھر اس کے سر پر پٹیاں رکھتی قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی تھی۔ عتیق بھائی نے ملازم کو ڈاکٹر کو بلوانے کا کہا ضرور تھا لیکن ڈاکٹر کی غیر حاضری کا سن کر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ملازم کو اگلا حکم نہیں ملا تو وہ بھی آرام سے

بیٹھ گیا۔ لمحہ بہ لمحہ گزرتے وقت میں مریم بے چینی سے ڈاکٹر کی منتظر تھی۔ ڈاکٹر کا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔ ملیحہ کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ وہ طیش و پریشانی کے عالم میں ملازم کو گاڑی نکالنے کا کہتی نڈھال ملیحہ کو لے کر بھاگی تھی۔ تمام ملازم پرانے تھے۔ گاڑی کے حویلی سے نکلنے سے پہلے عتیق بھائی تک اطلاع پہنچ گئی تھی۔ وہ تیزی سے آئے۔

''آپ اتنی شام کو اسے لے کر اکیلی کیسے جا سکتی ہیں۔ یہ ہماری روایت نہیں۔'' بولتے بولتے انہیں ملیحہ کی نیلی رنگت سے خراب حالت کا ادراک ہوا تو تاثرات بدلے۔

مریم کے اندر کی ماں نے اپنی اولاد کی خاطر ڈر اور سمجھوتے کے تمام بت توڑ دیے تھے۔

''آپ کی روایتوں پر میں اپنی بچی نہیں قربان کر سکتی۔'' تڑخ کر جواب دیتے اس نے ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا تھا۔

نزدیکی شہر کے ہسپتال نے ملیحہ کو ابتدائی طبی امداد دے کر کراچی روانہ کر دیا تھا۔ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ کراچی پہنچ کر ملیحہ کو ہسپتال میں ایڈمٹ کرواتے پریشانی سے مریم کا خود سر گھوم رہا تھا۔ اس نے اپنی آپی کو فون کیا اور منٹوں میں سب اس کے پاس موجود تھے۔ حسن بھائی ڈاکٹرز سے ملیحہ کی خیریت دریافت کر رہے تھے تو زینب آپی نڈھال بیٹھی مریم کو گلوکوز پلا رہی تھیں۔ مصیبت کے ان لمحوں کو تنہا جھیلتے مریم کو خود پر رونا آیا تھا۔ یہ تھا اس کی محبت کا انجام۔ پسند کی شادی کا نتیجہ سب کے لیے ہی اتنا بھیانک ہوتا ہے یا اس کی قسمت میں ہی یہ سب لکھا تھا۔

حویلی فون کرنے سے عمر کو ملیحہ کی خراب صحت کی اطلاع مل گئی تھی لیکن زہرہ کی سرجری کے باعث وہ اسے چھوڑ کر نہیں آ سکتا تھا۔ عتیق بھائی نے مریم کے کچھ بتانے سے پہلے مناسب الفاظ میں اپنا مقدمہ پیش کر دیا تھا۔

کتنے ہی دن اپنے میکے میں گزار کر مریم واپس آئی تو اکیلی تھی۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ عمر کو تب ہوا جب مریم نے اسے ملیحہ کے مستقل زینب آپی کے پاس رہنے کی اطلاع دی۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا! میری بیٹی کیوں ادھر، ادھر رہے گی۔'' بے اختیار وہ بگڑا تھا۔

''اس لیے کہ باپ کے گھر میں سارا دن بخار میں پھنکتی آپ کی بیٹی کو ڈاکٹر بھی دستیاب نہیں تھا۔ میں خود پر سب برداشت کر سکتی ہوں عمر لیکن ملیحہ پر آنچ بھی آئے میں یہ برداشت نہیں کروں گی۔''

مریم نے سلگ کر جواب دیا تھا۔

''غلط فہمی ہو گئی تھی، عتیق بھائی سے بات ہوئی تھی میری۔ انہیں لگا معمولی بخار ہے، شام تک ڈاکٹر آ کر دیکھ لے گا۔ تم ملیحہ کو لاؤ، آئندہ ایسا نہیں ہو گا'' عمر نے تحمل سے بات کی تھی۔ مریم آج بھی اس کی محبت تھی۔

''میں اپنی بیٹی پر رسک نہیں لے سکتی۔ میرا تو خود واپس یہاں آنے کا بھی ارادہ نہیں تھا لیکن زہرہ آپی کی خاطر میں آ گئی۔ انہوں نے مجھے اپنے بچے امانت سونپے ہیں۔ میں خائن نہیں۔ میں یہاں رہوں گی لیکن ملیحہ یہاں نہیں آئے گی۔''

اس کے قطعی انداز پر عمر وقتی طور پر خاموش ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا مریم ہمیشہ سے جذباتی ہے، اچانک فیصلے کرنا اس کی عادت ہیں۔ کچھ عرصہ گزرتا تو وہ خود ہی ملیحہ کی محبت سے مجبور ہو جاتی۔

اسی دوران زہرہ کی موت نے یہ مسئلہ پیچھے ڈال دیا۔ مریم نے دکھ کی اس گھڑی میں ان کا پورا ساتھ دیا تھا۔ ماں بن کر ان کے دونوں بیٹوں کو پالا۔ ملیحہ اسے یاد ضرور آئی لیکن وہ زینب آپی کے گھر میں اور سب کے دلوں میں اپنی مستحکم جگہ بنا چکی تھی۔ انہوں نے ملیحہ کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔ ملیحہ کی اچھی تعلیم اور بہتر مستقبل کے لیے اس نے بھی اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ گاؤں میں نزدیک اچھے اسکول نہیں تھے۔ لڑکیوں کو پڑھانے کا رواج تو بہت ہی کم تھا۔ واپس آنا بھی ملیحہ کے مستقبل کے لیے

نقصان وہ ہی ہوتا۔ سانول اس کا احترام کرتا لیکن وہ اپنے ننھیال والوں کے زیادہ قریب تھا۔ ان کی باتوں کے زیر اثر وہ اکثر لاتعلق ہی رہتا۔ سجاول نے اسے اپنی حقیقی ماں کی جگہ دی تھی۔ ان کا دلی ربط تھا۔ اسی لیے وہ ملیحہ کو بھی سگی بہنوں کی طرح چاہتا۔

اپنی مطمئن زندگی گزارتی ملیحہ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ مما، بابا کی اچانک موت اسے یوں حویلی میں واپس لے آئے گی۔

☆☆☆

کافی دیر سے ملیحہ اماں کی فراغت کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ گاؤں کی عورتیں جمع ہو کر پیغام لائیں تھیں کہ اسکول میں کوئی استاد حاضر نہیں ہوتا۔ اماں انہیں یقین دلا رہی تھیں کہ عمر سائیں کو وہ بتا دیں گی اور ان شاء اللہ استاد کا انتظام ہو جائے گا۔

''ان کے بچے تو شہر جا کر پڑھ لیتے ہیں، انہیں گاؤں کی حالت سے کیا مطلب۔''

ملیحہ نے تلخی سے سوچا تھا۔ جانے کیوں سب کے اتنے پیار اور خون کے رشتے کے باوجود وہ خود کو ان سے الگ ہی سمجھتی تھی۔ شاید یہ اس طبقے کا شہروں میں پایا جانے والا عام تاثر تھا جو اس کے ذہن پر طاری تھا۔

''میرے ایڈمیشن کی بات کی آپ نے بابا سائیں سے۔'' سب کے جاتے ہی وہ سامنے آ بیٹھی۔ دلی ربط جیسا بھی تھا لیکن بہرحال وہ اس کے والدین تھے، وہ ان کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتی تھی۔

''کر لی ہے بیٹا، انہیں بھلا کیا اعتراض ہونا، ان کی تو دلی خواہش ہے کہ تم بہت سا پڑھو، خوش رہو۔'' اماں نے پیار سے جواب دیا تھا۔ وہ اس کے دل میں پل رہی بدگمانیاں ختم کرنا چاہتی تھیں۔ اس کا لیا دیا انداز مریم سے مخفی نہ تھا۔ وہ آپی کے گھر جاتی رہتی تھیں۔ وہاں رہنے والی ملیحہ کے چہرے پر یوں ہر وقت سوچوں اور الجھن کے تاثرات نہیں رہتے تھے۔

''پھر ایڈمیشن ہو گیا؟ کب سے کلاسز ہیں۔''

''ان کی بات نظرانداز کرتی وہ بے تابی سے گویا ہوئی۔

''حارث کو بلوایا تھا میں نے، بات کر لینا، یونیورسٹی اور مضامین کا فیصلہ کر لینا۔'' انہوں نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ اپنی نگرانی میں کھانا لگواتیں۔ بابا سائیں اور سجاول لالہ زیادہ تر گاؤں میں ہی زمینوں کے معاملات سنبھالتے تھے، کھانے کے وقت ضرور آتے۔ سانول سیاست میں چلا گیا تھا۔ اس کا بیشتر وقت کراچی میں گزرتا، جہاں حارث بھی ان کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ اس نے خاندانی زمین داری سنبھالنے کے بجائے اپنا بزنس سیٹ کرنے کو ترجیح دی تھی۔ ملیحہ ان کی بات پر منہ بنا کر رہ گئی۔ حارث کا انداز کتنا بھی دوستانہ ہوتا لیکن شازیہ بھابھی کا حوالہ اسے ملیحہ کی گڈ لسٹ میں نہ آنے دیتا۔ کھانے کے وقت بابا سائیں نے اسے حارث سے بات کرنے کا کہا تھا۔

''حارث تمہارے مضامین پوچھ رہا تھا۔ کیا پڑھنا ہے، بتا دینا۔'' انہوں نے سرسری انداز میں کہا تھا۔ ملیحہ نے سر ہلا دیا۔ اس کے بابا کو اس کے امتحانی نتائج سے لے کر مستقبل کے عزائم تک سب معلوم تھا۔ رشتے خون کے ہوں تو بھی محبت اور توجہ کے بنا زندہ نہیں رہتے اور تعلق خلوص کا ہو تو دل سے نبھایا جاتا ہے۔ انہوں نے اسے ہاسٹل میں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ سانول لالہ کا گھر چھوڑ کر ہاسٹل میں رہے یہ کسی کو گوارا نہ تھا۔ آخر ملیحہ نے ہار مانی لیکن اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ اسی خراب موڈ میں وہ بیٹھی تھی کہ ملازمہ کارڈلیس لیے چلی آئی۔

''آپ کا فون ہے۔''

''مجھے کون کرے گا، کسی اور کا ہو گا۔''

اس نے سر اٹھائے بغیر بے زاری سے جواب دیا۔ وہ سیل فون استعمال کرتی تھی۔ حویلی کا نمبر تو اسے یاد بھی نہیں تھا۔ کجا کہ کسی کو دینا۔

''حارث سائیں کا ہے بی بی!'' ملازمہ نے

بدستور ہاتھ آگے کیے تابعداری سے بتایا۔

"جی" اس نے فون کان سے لگا کر لٹھ مار انداز میں کہا تھا۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ۔" اس کی تروتازہ آواز سنائی دی۔

"وعلیکم السلام!" وہ سلام کا جواب دے کر خاموش ہوگئی تھی۔

"آپ پھر خراب موڈ میں بیٹھی ہیں یا میری کال نے آپ کا موڈ خراب کیا ہے۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" ملیحہ ایک دم سنبھلی تھی، اسے کیا کہتی اور کیا بتاتی۔ اس کے کراچی میں موجودگی کی وجہ سے بابا سائیں نے ایڈمیشن کا سارا کام اس کے ذمے ہی ڈالا تھا۔ اب جب بار بار واسطہ پڑتا تھا تو بلاوجہ کی یکطرفہ رنجش رکھنا بے کار تھا۔

"غلط بیانی تو آپ کر رہی ہیں۔ میرا حال پوچھنا تو درکنار آپ نے اپنا بھی نہیں بتایا۔ دو اجنبی بھی ایسی رسومات نبھا لیتے ہیں۔" اس نے جتایا تو ملیحہ کو ایکدم غصہ آیا۔

"جی، اللہ کا شکر خیریت سے ہوں میں، آپ سنائیں۔ کاروبار کیسا جا رہا ہے۔" اس کے چبا چبا کر کہنے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"میں کیا بتاؤں مجھے تو حکم ملا ہے شہزادی ملیحہ کے احکامات کی تعمیل کا، اب شہزادی صاحبہ کا مزاج برہم ہے تو بات کیا ہو۔ وجہ دریافت کر سکتا ہوں میں۔" وہ اب اسے چھیڑ رہا تھا، انداز ایسا تھا جیسے بچپن کے دوست ہوں۔ اتنی دیر سے برداشت کرتے آخر اس کا ضبط جواب دے گیا۔

"جی، آپ کی بہن کے محل میں رہنے کا حکم صادر ہوا ہے مجھے۔ یہی برداشت نہیں ہو رہا۔" چڑ کر اس نے صاف جواب دیا تھا۔ حد ہی ہوگئی۔ بس میں برداشت کرتی جاؤں۔ پہلے کسی کو یاد نہیں تھے فرائض، اب حقوق جتانے آگئے۔ وہ کھول رہی تھی۔ اس کے انداز پر حارث ایک دم چپ ہوا۔ ادی شازیہ کا انداز اس سے مخفی نہ تھا۔ ان کے سامنے تو ملیحہ حویلی میں بعض اوقات اجنبی لگنے لگتی، پھر ان کے گھر میں ساتھ رہنا یقیناً مشکل تھا۔

"وہ میری بہن کا نہیں، آپ کے بھائی کا گھر ہے ملیحہ۔ آپ کا حق ہے اس پر۔ ادی کچھ کہہ بھی دیں تو نظرانداز کر دیں۔" اس نے آرام سے سمجھایا تھا۔

"اگر وہ سجاول لالہ کا گھر ہوتا تو میں اس پر اپنا حق سمجھتی، سانول لالہ نے مجھے بہنوں والے حق نہیں دیے حارث۔" وہ دلگیری سے شکوہ کر رہی تھی۔ اسے پتا بھی نہیں چلا تھا اور فاصلہ کم ہو گیا تھا۔ تکلف کی دیوار گر چکی تھی۔ دوستی کا آغاز ہو گیا تھا۔

"لالہ کا مزاج ہی ایسا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ، ادی کے ساتھ سب سے ایسے ہی پیش آتے ہیں۔ تم اس بات کی فکر مت کرو۔ میں بھی ہوں یہاں کوئی بھی مسئلہ ہو مجھے بتانا۔" حارث نے لمحوں میں آپ سے تم کا سفر طے کیا۔ اس کے دوستانہ انداز پر اسے ایک دم احساس ہوا تو خاموش ہوگئی۔

اس نے بھی سہولت سے موضوع تبدیل کیا۔

"کس فیلڈ میں اور کس یونیورسٹی میں جانا ہے پھر؟"

اس سے باتیں کر کے بہت دیر بعد اس نے فون بند کیا تو ذہن پر موجود دباؤ نا محسوس طور پر ختم ہو چکا تھا۔ وہ بہت دنوں بعد خوشی کے عالم میں اپنے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

سورج سر پر چمک رہا تھا۔ تپتی دھوپ میں سر جھکائے پتھر کو ٹھوکر مارتا وہ چلتا جا رہا تھا۔ یہ پتھر کافی دور سے اس کے ساتھ تھا۔ بائیک مسئلہ کر رہی تھی تو آج وہ اپنا پروجیکٹ جمع کروانے بس میں ہی آگیا تھا۔ یونیورسٹی سے واپس نکلتے سوچوں کے ازدہام میں وہ یوں الجھا کہ پیدل ہی چل دیا۔ اب بس رزلٹ اور ڈگری کا انتظار تھا۔ جاب تو وہ ساتھ ساتھ ڈھونڈ ہی رہا تھا۔ ڈگری آجاتی تو شاید یہ تلاش جلد

کامیابی سے ہمکنار ہوتی۔ اچھی جاب مل جاتی تو وہ اپنا گھر خالی کروالیتا۔ اپنے گھر میں دوسرے لڑکے دیکھ کر اسے اجنبیت کا احساس ہوتا تھا۔ جو رشتے بچھڑ گئے تھے وہ تو واپس نہیں آسکتے تھے لیکن اس گھر سے بہت یادیں جڑیں تھیں۔ وہاں وہ مما، بابا کی خوشبو محسوس کرتا۔ وہ گھر کو بالکل ویسے ہی رکھنا چاہتا تھا جیسے وہ ان کی زندگی میں تھا۔ اسے کہیں جانے کی جلدی نہیں تھی سوسوچوں میں مگن جارہا تھا۔ جب ایک گاڑی نے اس کے پاس آکر بریک لگائے تھے۔ اس نے ناگواری سے سراٹھایا۔

''زارون آؤ، میں چھوڑ دوں۔''

سجاول لالہ نے آفر کی تھی۔

''نہیں شکریہ، میں چلا جاؤں گا۔''

اس نے تکلف سے جواب دیا

''کم آن بیٹا، آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں اصرار کیا تو حیران ہوتا بیٹھ گیا۔ باہر کے گرم موسم کے برعکس گاڑی میں خنکی تھی۔ ایک سکون سارگ وپے میں اترا۔ ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کرتے وہ اس سے مخاطب ہوئے۔

''کیسی جارہی ہے پڑھائی؟ لاسٹ سمسٹر ہو گیا؟ کیا کررہے ہو آج کل'' نرمی سے مسکرا کر پوچھتے لالہ کے انداز میں اس دن والی نخوت بالکل نہ تھی۔

''جی، اب بس رزلٹ کا انتظار ہے۔ جاب ڈھونڈ رہا ہوں۔'' اس نے الجھ کر جواب دیا، اب ان نوازشوں کا مطلب۔ وہ ملیحہ کے بھائی ہی نہیں بابا کے اچھے اسٹوڈنٹ بھی تھے، اکثر ملنے آتے تھے۔ بابا کا ہی خیال تھا جو وہ ان سے روڈ نہیں ہو پاتا۔

''میری مدد کی ضرورت ہو تو بتانا، بلکہ ایسا کرو تم یہ میرا کارڈ رکھو۔ مجھے اپنی سی وی بھجوانا، میں جاب کا بندوبست کرتا ہوں۔'' انہوں نے اپنا کارڈ آگے بڑھایا تھا۔ وہ اپنی تضحیک بھولا نہیں تھا۔ اسی لیے کارڈ کی طرف دیکھے بغیر آرام سے جواب دیا۔''

نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈگری آجائے، میں ڈھونڈ لوں گا جاب۔'' وہ اس کے انداز پر ایسے مسکرائے، جیسے بچوں کی نادانیوں پر بڑے مسکراتے ہیں۔

''یہ رکھو اور بات سنو میری، مجھے معلوم ہے تم ناراض ہو مجھ سے۔'' کارڈ اس کے ہاتھ میں تھماتے انہوں نے کہا تو وہ سراٹھا کر انہیں دیکھنے لگا۔

''پروفیسر صاحب تمہارے لاابالی پن سے پریشان ہوتے تھے۔ ان کے خیال میں تم اپنی توانائی فالتو کاموں میں ضائع کرتے ہو۔ ان کے جانے کے بعد تم دکھ کے باعث اپنے مستقبل سے لاپروائی نہ کرو، اس لیے میں نے تمہارے ساتھ ایسا رویہ رکھا کہ ضد میں تم نے اپنا پورا زور درست سمت میں لگایا۔ اب تم زندگی میں سیٹ ہو جاؤ گے تو انہیں بھی سکون ملے گا۔ نیک اولاد صدقہ جاریہ ہوتی ہے زارون۔ تمہارے نیکیاں تمہارے والدین کی قبر بھی ٹھنڈی رکھیں گی۔'' وہ مسکرا کر بتارہے تھے، سمجھا رہے تھے۔ زارون بھی مسکرادیا۔ بابا کے ذکر سے ایک خوش گوار احساس ہوا تھا۔

''آپ یہاں کیسے۔۔؟'' اس نے اجنبیت ختم کرتے ہوئے پوچھا۔

''ملیحہ کا ایڈمیشن کروادیا ہے یونیورسٹی میں، اب یہیں رہے گی۔ اسے چھوڑنے آیا تھا۔'' ان کی بات پر سر ہلاتے اس نے حساب لگایا۔ کتنے دن ہو گئے ملیحہ سے بات نہیں ہوئی۔ وہ خود ہی فون کرتی رہتی تھی لیکن اب اس نے بھی فون کر کے نہیں بتایا۔ ہم ایک دوسرے سے اتنے بے خبر کیسے ہو گئے۔

سجاول لالہ سے باتیں کرتے اس کا دماغ اسی نقطے پر گھوم رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی خوش گواریت ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

فون پر، رابطہ کر کے حارث نے اس کے ڈاکومنٹس منگوا لیے تھے۔ دنوں میں کاروائی ہوئی اور اسے اپنے داخلے کی خوش خبری گھر بیٹھے مل گئی تھی۔ زمینوں کی مصروفیات کے باوجود اس کی خفگی محسوس کرتے سجاول لالہ نہ صرف خود اسے چھوڑنے آئے

تھے بلکہ سب کے سامنے انہوں نے ملیحہ سے کہا تھا۔

''یہ تمہارا اپنا گھر ہے، آرام سے رہو۔ کوئی مسئلہ ہو، مجھے فون کرنا۔ حارث اور لالہ بھی یہیں ہیں۔ ادی اس کا بہت خیال رکھے گا۔''

ان کے محبت بھرے انداز اور تلقین پر سانول لالہ نے ایک مسکراہٹ اچھالی، حارث نے بھرپور انداز میں اپنے تعاون کا یقین دلایا اور شازیہ بھابھی نے بمشکل اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پاتے سر ہلایا تھا۔ سانول لالہ جتنے بھی لاتعلق نظر آتے لیکن وہ ان کے سامنے لاڈلی نند سے بگاڑ نہیں سکتی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ملیحہ کو یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ شازیہ بھابھی اماں، بابا سے خائف ہیں اور ان کے سامنے اس پر طنز کے تیر چلانے سے گریز ہی کرتی ہیں۔ گھر میں بہر حال اسے ان کے ساتھ ہی رہنا تھا سو سب کی مکمل سپورٹ کے باوجود خود بھی بلاوجہ کی محاذ آرائی نہیں چاہتی تھی۔

زارون کو ایک آدھ بار فون کیا تو کال نہیں ملی۔ اس کا ارادہ اس سے مل کر سرپرائز دینے کا تھا۔ ابھی تو وہ کلاس میں ہوئے پچھلے کام کو پورا کرنے میں دن، رات مصروف تھی۔ آج بھی وہ ایک لڑکی کے خود بنائے ہوئے اچھے نوٹس لائی تھی جو اس نے اسے اس شرط پر دیے تھے کہ شام تک میرے گھر دے جانا۔ اب جب وہ ڈرائیور کے ساتھ نکلنے لگی تو شازیہ بھابھی ڈرائیور کو لے کر چلی گئیں۔

''سارا دن تو گاڑی تمہارے لانے، لے جانے میں مصروف رہتی ہے۔ مجھے بھی ہزار کام ہوتے ہیں۔'' انہوں نے کاٹ دار لہجے میں کہا تھا۔ ان کے انداز پر وہ انہیں یہ بھی نہ کہہ سکی کہ مجھے ساتھ لے جائیں، دونوں کا کام ہو جائے گا۔ اب وہ غصے اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں لان میں ٹہل رہی تھی۔ بیگ، نوٹس سب ہاتھ میں ہی تھے۔ اکیلے رکشا، ٹیکسی میں سفر کرنے کی عادت بھی نہیں تھی اور جانا بھی ضروری تھا۔ اس نے دل میں پختہ ارادہ کیا کہ یونیورسٹی کے لیے وین لگوا لے گی بلکہ لالہ سے کہہ کر ایک گاڑی اور ڈرائیور منگوا لیتی ہوں۔ آہستہ آہستہ اس پر ان کا رنگ چڑھ رہا تھا۔ خالی دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے۔ فارغ بیٹھی ماضی کو سوچتے وہ خود کو قابل رحم محسوس کرتی تھی۔ اب اتنی مصروفیت میں اسے اپنے اور ان کے مابین موجود فاصلے بھی پریشان نہیں کرتے تھے۔ تب ہی ہارن کی آواز کے ساتھ بیرونی دروازہ وا ہوا اور حارث کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ گاڑی کھڑی کر کے اندر جانے کے بجائے وہ اس کی طرف آ گیا۔

''تمہیں کیا ہوا؟ کہیں جا رہی ہو یا واپس آئی ہو؟'' اس نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

''جانا تھا اگر آپ کی بہن گاڑی نہ لے جاتیں۔'' اس نے تنک کر کہا تھا۔

''اوہ!'' بے اختیار تاسف بھری آواز اس کے منہ سے خارج ہوئی تھی۔ ''کہاں جانا ہے، میں لے چلتا ہوں۔'' اگلے ہی لمحے اس نے آفر کی۔ وہ طبعاً اچھا ہی تھا، اب تو معاملہ ملیحہ کا تھا۔ جسے دیکھتے ہی رگ و جاں میں سکون اور طمانیت کا احساس جاگتا تھا۔ سارے دن کی تھکاوٹ لمحوں میں بھولا تھا۔

اپنا مسئلہ حل ہونے کے خیال سے ملیحہ نے کوئی تکلف نہ کیا۔ گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے اسے اپنی جذباتیت پر افسوس ہونے لگا۔ ہر بار وہ اس سے بلاوجہ الجھتی تھی۔

''تمہارا ادی سے کوئی رشتہ نہیں جو ہر بار میری بہن کہتی ہو۔'' گاڑی نکالتے حارث نے شگفتگی سے کہا تھا گو اس کے انداز میں خفگی نہیں تھی۔ مگر احساس پشیمانی کے تحت لیکن اس نے ایڈریس کی چٹ پکڑاتے وضاحت دی۔

''مجھے ضروری کام تھا، اس لیے گاڑی نہ ملنے پر بھابھی کو ایسے کہہ دیا۔ سوری آپ کو برا لگا تو'' حارث نے مسکرا کر بہت توجہ سے اسے دیکھا تھا جو قدرے شرمندہ سی لگ رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں، اسے ریہرسل سمجھ لیا میں نے، شادی کے بعد یہی سب ہو گا۔'' حارث نے

مزے سے کہا۔ غصہ، شرمندگی، حیا ایک دم بہت سارے احساسات ملیحہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔ زبان پر آتے الفاظ بولنے کے قابل نہ تھے۔

''چھچھورا کہیں کا، ذرا سی مدد کیا لے لی لسوڑا ہی ہو گیا، گھٹیا مذاق۔''

''جو بھی لڑکی میری بیوی ہو گی، اس کی اپنی نند سے لڑائیاں تو ہوں گی نا۔'' اس کا سرخ چہرہ اور گھورتی آنکھیں دیکھ کر وضاحت دی۔

''کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں، نند سے یہ سلوک کرتی ہیں تو اپنی بھابھی کو شاید کچا چبا چبا جائیں آپ کی بہن۔'' اس نے سارا لحاظ بالائے طاق رکھا اور دوبارہ آپ کی بہن پر زور دیتے جواب دیا۔

''ایسا نہیں ہے جناب۔ اتنی ہنس مکھ بہن تھی میری لیکن شوہر اتنا کھڑوس ملا کہ ساری اخلاقیات بھول گئی۔'' اس نے جوابی چوٹ کی۔

''بہت کچی اخلاقیات تھیں، جو فوراً بھول گئیں۔'' وہ بلند آواز میں بڑبڑائی۔ حارث زور سے ہنس دیا۔

''میں آپ کی مدد کر رہا ہوں اور آپ شکریہ ادا کرنے کے بجائے مجھے باتیں سنا رہی ہیں۔''

اس نے مصنوعی تاسف سے سر ہلایا، اس کے لہجے کی شرارت محسوس کرنے کے باوجود ملیحہ کچھ شرمندہ ہوئی۔ حارث کا دوستانہ انداز اسے بے تکلفی سے بات کرنے پر مائل کرتا۔ یہاں سب کے سامنے جذبات چھپاتے وہ تھک جاتی تھی۔ اپنے گھر میں تو ہر وقت ہی اس کی زارون سے نوک جھونک چلتی رہتی۔

''کچھ اور کام تو نہیں، شاپنگ وغیرہ؟'' اسے خاموش دیکھ کر حارث نے موضوع بدلا۔

''بس یہی ضروری تھا۔ آپ کا شکریہ کہ آپ مجھے لے آئے۔ باقی سب تو ہوتا رہے گا بلکہ میں اپنے لیے ڈرائیور اور گاڑی منگوالوں گی سجاول لالہ سے تاکہ آپ لوگوں کو آئندہ تکلیف نہ ہو۔'' ملیحہ نے اب کی بار یاد سے شکریہ ادا کرتے اپنے مستقبل کے منصوبوں سے بھی آگاہ کیا۔

''معلوم ہے، سجاول لالہ کی چہیتی ہیں آپ، لیکن ہمیں بھی خدمت کا موقع دیں۔'' اسے یقیناً برا لگا تھا، تب ہی طنزیہ انداز اپنایا۔ اس کے انداز کے باعث ہی جب اس نے سپر اسٹور کے باہر گاڑی روکی تو وہ انکار نہ کر سکی۔

''مجھے اندازہ نہیں کہ آپ کو کیا چاہیے ہوگا، اسٹیشنری، کپڑے جو چاہیے لے لیں یا اس کام کے لیے بھی لالہ کو بلائیں گی۔'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس نے کچھ سخت جواب دینے سے گریز کیا۔

''مجھے زارون کے لیے گفٹ لینا ہے۔'' اندر داخل ہوتے ہوئے اسے یاد آیا۔ وہ دونوں پرفیوم دیکھ رہے تھے جب زارون کی نظر اس پر پڑی۔ سجاول لالہ سے ملنے کے بعد سے وہ اس کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ ہمیشہ وہ ہی کرتی تھی تو اب کیوں نہیں کیا۔ جو سوال اس کے دماغ پر ہتھوڑے برساتا تھا۔ اب اس کا جواب مل گیا تھا۔ وہ ایک ہینڈسم لڑکے کے ساتھ جینٹس پرفیوم کے ریک کے سامنے کھڑی پرفیوم چیک کر رہی تھی۔

''تمہیں معلوم نہیں کہ اسے کون سی خوشبو پسند ہے؟'' ملیحہ کے بے شمار پرفیوم چیک کرنے پر وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ ''نیٹ ورک'' لگتا ہے، باقی تو میں ایسے ہی ٹرائی کر رہی کہ شاید کوئی اور بھی اچھا لگے۔'' ملیحہ نے سامنے رکھی بوتل کی طرف اشارہ کرتے بتایا تھا۔

''بہت فارغ ہو فالتو کاموں کے لیے۔''

اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ ملیحہ بے اختیار ہنسی تھی۔

''آپ کو شوق تھا مجھے شاپنگ کروانے کا۔'' اس کی ہنسی سے نظر بچاتا زارون نکل رہا تھا جب اس نے دیکھ لیا۔

''زارون، کیسے ہو؟'' وہ لپک کر آئی تھی۔

''ٹھیک، تم کیسی ہو؟'' اپنی خوشی میں وہ زارون

کا رسمی انداز محسوس نہیں کر سکی تھی۔ تب ہی کھل کر مسکراتے حارث کا تعارف کروایا۔

''یہ حارث، سجاول لالہ کے کزن اور یہ زارون۔''

''میں تمہارا بھی کزن ہوں جناب۔'' اسے گھورتا حارث، زارون سے سلام دعا کرنے لگا۔

''میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا، سوچا تھا اچانک جا کر تمہیں سرپرائز دوں گی۔ سارے سرپرائز کا کباڑہ ہو گیا۔''

وہ بے ساختگی سے بتا رہی تھی جب حارث نے ٹوکا۔

''آہستہ بولو، سب دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' زارون کی طرف دیکھتا وہ بہت ملنساری سے دعوت دے رہا تھا لیکن زارون نے ضروری کام کا کہہ کر معذرت کر لی۔

واپسی کے سفر میں ملیحہ بہت خوش تھی، زارون سے ہونے والی اچانک ملاقات نے موڈ بحال کر دیا تھا اور خوش تو حارث بھی تھا۔ ایک خوف سا دل میں جو زارون کے حوالے سے تھا، وہ زائل ہو گیا تھا۔ زارون کی ملیحہ میں عدم دلچسپی دیکھ کر وہ اپنے ارادے میں پختہ ہو گیا تھا۔

بلاوجہ سڑکوں پر بائیک دوڑاتا زارون اپنے ذہن میں آتی سوچوں سے جنگ کر رہا تھا۔ ملیحہ کا خوشی سے چمکتا چہرہ اس کے ذہن کی اسکرین پر نمایاں تھا۔ ان کا تعلق اتنا کچا تو نہ تھا۔ شروع شروع میں فون کر کے کتنا روتی تھی۔ چند مہینوں میں وہ سب بھول گئی تھی۔ اب وہ وہاں سیٹ ہو گئی ہے تو میں اس کی راہ میں نہیں آؤں گا۔ بائیک واپس موڑتے زارون نے ارادہ کیا تھا۔

☆☆☆

حارث بہت خوش گوار موڈ میں سیٹی بجاتا کمرے سے نکلا تو لاؤنج میں کتابیں بکھرائے ملیحہ پر نظر پڑی۔ عالم استعجاب میں سیٹی کی آواز بند ہو گئی اور ہونٹ سکڑے رہ گئے۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں رہنا پسند کرتی تھی۔

''پڑھائی ہو رہی ہے'' وہ باہر جانے کا ارادہ ملتوی کرتا اس کے پاس آ گیا۔

''کوشش جاری ہے۔'' اس نے مصروف انداز میں جواب دیا۔ صوفے پر بیٹھتے اس نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''کوشش کیوں؟ کیا مسئلہ حائل ہے بھئی۔''

''یہاں بیٹھ کر توجہ مرکوز نہیں ہو پا رہی۔'' اس نے مسئلہ بیان کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے یہاں بیٹھنے کی وجہ دریافت کرتا، ملازمہ آ گئی۔

''بی بی وہ کہیں نہیں ملی، بھاگ گئی ہو گی۔''

''ایسے کیسے بھاگ گئی، تم لوگ بیڈ کے نیچے، دروازے کے پیچھے ڈھونڈو۔ میز ہٹا کر دیکھو۔ جلدی کرو پھر مجھے کمرے میں جانا ہے'' ملیحہ بگڑی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے بھئی؟'' ناسمجھی سے ملیحہ اور ملازمہ کے تاثرات دیکھتے حارث نے بے اختیار دخل دیا۔

''چھپکلی دیکھ لی ہے ملیحہ بی بی نے اپنے کمرے میں، اتنی زور سے چیخ ماری۔ اب اس وقت سے یہاں بیٹھی ہیں کہ اسے مارو۔ وہ مل ہی نہیں رہی۔'' ملازمہ نے جلدی سے تفصیل فراہم کی۔

''ایک چھپکلی کے لیے تم فرنیچر ہٹوا رہی ہو۔'' وہ بے اختیار ہنسا تھا۔

''ظاہر ہے، پڑھنا تو دور کی بات اس کی موجودگی کے احساس سے تو مجھے نیند بھی نہیں آئے گی۔'' ملیحہ نے بے چارگی سے کہا تھا۔

''بڑی خوش قسمت چھپکلی ہے، نیندیں اڑانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔'' وہ شرارت سے بولا، پھر منتظر کھڑی ملازمہ کو دیکھ کر تفصیلی ہدایات دیں۔

''تم کیوں کھڑی ہو؟ جاؤ حمید کو بھی بلا لو۔ سامان ہٹا کر چھپکلی مارو اور لا کر دکھاؤ، چھپکلی مارنے کی دوا وغیرہ بھی لگا دینا، لان کی طرف کی کھڑکی بند کر دینا تاکہ اور نہ آئیں۔''

''دکھانے کی ضرورت نہیں، بس مار ضرور

دو۔ اچھے سے دیکھ لینا کہ باتھ روم میں کوئی چھپی ہوئی نہ ہو۔" ملیحہ نے جلدی سے کہا، اسے تو مردہ چھپکلی سے بھی خوف آتا تھا۔ ملازمہ سر ہلاتی چلی گئی تھی۔ حارث کی اتنی ہدایات کے بعد یہ کام کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

"پودوں سے ایسے ہی ایک آدھ آ گئی ہو گی، فیومیگیشن تو ہوتی رہتی ہے بلکہ میں آج، کل میں دوبارہ کروا لیتا ہوں۔"

اس کی خوف زدہ شکل دیکھ کر حارث نے تسلی دی۔

"لان کی طرف والی دیوار پر بھی زہریلا پینٹ کروا لیں تاکہ وہاں سے بھی نہ آ سکے۔" ملیحہ نے اضافہ کیا تو وہ ہنس دیا۔

"بے فکر رہو، میں اعلان کروا دیتا ہوں، کوئی چھپکلی نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے تمہارے کمرے کی طرف ورنہ اس کی آنکھیں نکلوا دیں گے۔"

"اس سے اچھی اور کیا بات ہو گی۔" ملیحہ نے اس کے شرارتی جملے پر شرمندہ ہونے کی زحمت نہیں کی تھی۔

حارث وہیں بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے بابا سائیں سے ملیحہ کا رشتہ مانگنے کی بات کر لی تھی۔ اس کی حیرت و خوشی کی انتہا نہ رہی، جب وہ بخوشی مان گئے۔ عمر احمد کی اکلوتی بیٹی اپنے ساتھ کتنی زمین جہیز میں لاتی، انہیں بخوبی اندازہ تھا۔ حارث کے ادی شازیہ کے ممکنہ اعتراض کو بھی انہوں نے خود سنبھالنے کا کہہ دیا تھا۔ ابھی بابا سائیں سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا تھا کہ عمر چاچا کو خود کوئی اعتراض نہیں لیکن وہ چاچی اور سجاول سے مشورہ کر کے ہی باقاعدہ رشتہ کریں گے۔

باتوں باتوں میں ملیحہ نے اماں کے گاؤں بلوانے کا بتایا تو حارث فوراً اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کی پڑھی لکھی چاچی کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی شہری بیٹی کی رائے ضرور جاننا چاہیں گی۔ ملیحہ اس ماحول کی پروردہ

نہ تھی کہ وہ اس پر فیصلہ مسلط کر دیتے۔

☆☆☆

گاؤں تک کا لمبا سفر طے کرتے ملیحہ ہمیشہ تھک جاتی لیکن یہ پہلی بار تھا کہ سفر کی تھکاوٹ پر اماں سے ملنے کی خوشی غالب آ گئی تھی۔ وہ یوں چہک رہی تھی جیسے عرصے بعد گھر آئی ہو۔

کھانا کھا کر وہ کمرے میں آئی تو اماں جی بھی ساتھ آ گئیں۔

''ملیحہ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''جی، بولیں۔'' ان کے انداز پر وہ مکمل متوجہ ہوئی۔

''تمہارے لیے حارث کا رشتہ آیا ہے، اس رشتے سے تمہارے بابا سائیں بھی بہت خوش ہیں۔''

انہوں نے بات کرتے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جس نے لمحوں میں کئی رنگ بدلے۔ پہلے ناسمجھی اور بے یقینی کا تاثر ابھرا اور اگلے ہی لمحے دکھ، تاسف اور غصے کے تاثرات واضح ہوئے۔

''آپ یہ بات کیسے کہہ سکتی ہیں اماں، آپ کو معلوم نہیں میرا رشتہ زارون سے طے ہے''

اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے انہیں یاد دلایا۔

''وہ بچپن کی بات تھی لیکن مجھے یاد تھی۔ میں نے زارون کو فون کر کے اس سے ذکر کیا تھا حارث کا۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ آپا تو رہی نہیں، جانے اس کا کیا ارادہ ہے، کسی اور کو پسند نہ کرتا ہو۔ اب میں خود تو تمہارا رشتہ اسے پیش نہیں کر سکتی۔ ویسے بھی حارث ہر لحاظ سے زارون سے بہتر ہے۔ زارون کو اچھی جاب مل بھی جائے تو بھی وہ حارث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔'' انہوں نے ناگواری سے تفصیل بتائی۔ وہ صرف اس کی ماں بن کر سوچ رہی تھیں۔ ملیحہ نے افسوس سے انہیں دیکھا۔

''زارون کی بڑی آپ ہیں اماں۔ آپ نے ہی اس کا ساتھ نہ دیا۔ تو وہ کیا کہتا۔ زارون منع بھی کر دے تب بھی مجھے بہر حال حارث سے شادی نہیں کرنی۔'' اس نے قطعیت سے جواب دیا۔

''جیسے تمہاری مرضی بیٹا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ زارون میرا بھانجا ہے، مجھے اس سے بہت محبت ہے لیکن یہاں باقی سب کو اس سے کوئی ربط نہیں۔ خاندان کا ساتھ ضروری ہوتا ہے۔ میں نے اور تمہارے بابا نے پسند سے شادی کی لیکن آپس میں محبت کے باوجود ہم ایک دوسرے کے خاندان میں اجنبی رہے۔ یہ چیز ہمارے رشتے کے درمیان بارہا آئی۔''

اماں نے پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوتے اسے سمجھایا۔ ایسی باتیں وہ مما سے کئی بار سن چکی تھی۔ وہ اکثر کہتیں ''اپنی زمین چھوڑ کر نئی جگہ جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میری بہن میدانی علاقوں کا پھول تھی۔ ریگستان کی گرم ہوائیں برداشت کرنے کی عادت نہیں تھی تب ہی مرجھا گئی۔ زندگی میں محبت ضروری صحیح لیکن صرف محبت کے سہارے زندگی گزارنا بھی مشکل ہے۔''

ان کی بات یاد کرتے وہ اداسی سے بولی۔

''میں اس ماحول میں نہیں پلی، بڑھی۔ اس خاندان کے لوگ مجھے خود میں شامل نہیں سمجھتے۔ اپنے باپ کی وسیع و عریض حویلی کے بجائے مما کے چھوٹے سے گھر میں رہی ہوں میں۔ میرا خاندان زارون ہے۔ میری جڑیں وہاں ہیں اماں۔ میرا فیصلہ سوچ سمجھ کر بھی یہی رہے گا۔ میں اس زمین کا پودا نہیں جہاں آپ مجھے لگانا چاہ رہی ہیں۔''

''تم بے فکر رہو، میں تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہونے دوں گی۔'' انہوں نے پیار سے اسے ساتھ لگایا۔ اپنی بیٹی سے زیادہ انہیں نہ پہلے کچھ عزیز تھا اور نہ اب۔

☆☆☆

ملیحہ کو اندازہ تھا کہ یہ رشتہ حارث کی ایما پر آیا ہو گا۔ ابھی اس تک انکار نہیں پہنچا تھا۔ ان کی اتنی اچھی دوستی کے بعد وہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتی تھی لیکن

یہ ممکن نہیں تھا۔اس نے بہت الفاظ جوڑے کہ اسے مناسب طریقے سے منع کرے لیکن کچھ سمجھ نہیں آیا۔

واپسی کے سفر میں ڈرائیور ساتھ نہیں تھا۔گاڑی چلاتے حارث نے اس کی خاموشی محسوس کی۔

"کیا ہوا، تھک گئی ہو؟" فکر مندی سے پوچھا۔

"جی، اتنا لمبا سفر ہے۔" اس نے باہر دیکھتے جواب دیا۔

"تمہیں عادت نہیں نا، اب آؤ، جاؤ گی تو عادت ہو جائے گی۔" حارث کے جواب پر ملیحہ نے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔

"مجھے عادت نہیں ہوگی حارث۔ مجھے اپنے گھر کی عادت ہے۔ میں بار بار یہاں نہیں آؤں گی۔زارون جیسے ہی گھر خالی کرواتا ہے۔میں بھی وہیں چلی جاؤں گی۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"مطلب؟" حارث نے استعجابیہ انداز میں بھنویں اکٹھی کیں۔

"میری اور زارون کی شادی مما، بابا کی خواہش تھی۔ان کے انتقال پر فوری طور پر اماں مجھے یہاں لے آئیں لیکن مجھے یہاں، وہاں رہنا اچھا نہیں لگ رہا۔" اس نے تفصیل سے سمجھایا۔حارث جان گیا تھا کہ اس تک بات پہنچ گئی ہے ورنہ وہ یوں ذاتی باتیں نہیں کرتی تھی۔

وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔کیا کہتا۔ملیحہ نے اسے کوئی خواب تو نہیں دکھائے تھے۔وہ خود اس کی محبت کے بیج کو توجہ کا پانی دیتا رہا تھا۔اب جب پودا سر نکال چکا تھا۔اسے اکھاڑ دینا مشکل تھا۔لیکن وہ جانتا تھا یکطرفہ محبت کے پیڑ پر ہجر کا پھل ہی لگتا ہے۔زبردستی وہ اسے پا بھی لیتا تو بھی اس کے دل کی سرزمین کو اپنی محبت کے لیے بنجر ہی پاتا۔

باقی سفر انہوں نے اپنی اپنی سوچوں میں الجھے خاموشی سے طے کیا تھا۔

☆☆☆

حارث والا قصہ ختم ہو گیا تھا لیکن ملیحہ کو زارون پر بہت غصہ تھا۔بچپن سے وہ اکٹھے رہے۔ہر دکھ، سکھ اکٹھے برداشت کیے۔مما، بابا کے بعد کے یہ چند مہینے تو زارون یوں ہو گیا جیسے یہ اس کا تنہا دکھ ہو۔

ٹھیک ہے ملیحہ بظاہر اپنے والدین کے پاس گئی تھی۔اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن بہرحال یہ اس کے لیے بھی جذباتی اور نفسیاتی دھچکا تھا۔

اپنی ذات کو یکجا کر کے وہ واپس زندگی کی طرف آئی تو اب اماں کی یہ بات کہ حارث کے رشتے پر بھی زارون نے کوئی ردعمل نہیں دیا، اسے دکھ دے گئی تھی۔

زارون کی زندگی میں ملیحہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی؟ یہ خیال کاٹ ڈالنے کو کافی تھا۔

وہ خیال اور جذبات پر ساری زندگی کا نقصان نہیں کرنا چاہتی تھی۔اسی لیے ایک دن خود ہی گھر پہنچ گئی۔وہ اس کی کال پر عجلت میں باہر آیا تھا، جہاں وہ ایک کونے میں کھڑی تھی۔

"خیریت تو ہے......؟ تم یہاں کیسے۔"

وہ اس کے یوں اچانک آ جانے پر پریشان تھا۔

ملیحہ نے غصے سے اسے گھورا۔

"تم تو مجھے دفنا آئے تھے مما، بابا کے ساتھ ہی۔"

یوں حیران ہو رہے ہو جیسے روح اٹھ کر آ گئی۔"

"شٹ اپ ملی، سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" اس نے ڈانٹا تھا اور اس کی ڈانٹ میں چھپا پیار ملیحہ کی آنکھیں نم کر گیا۔

"کیا فائدہ میرے زندہ رہنے کا۔ تم نے مجھے اکیلا کر دیا زارون، تمہاری زندگی میں میری کوئی جگہ نہیں۔"

وہ جذباتی ہو گئی، پہلے سے سوچی ساری باتیں بھول گئیں اور بے اختیار شکوہ زبان پر آیا۔

"میں نے کیا کر دیا۔" وہ جھنجلایا تھا۔ اتنے عرصے بعد اس سے ملاقات اور یہ گلے شکوے اسے الجھن میں مبتلا کر گئے تھے۔ وہ اسے بھولنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ پھر سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم میرے لیے آنے والے رشتے پر خاموش تماشائی بن گئے، اماں نے مجھے کہا کہ تم ہمارے رشتے کو، مما بابا کی خواہش کو فراموش کر چکے ہو۔" ضبط کرتے کرتے بھی کتنے آنسو گال پر لڑھک آئے تھے۔ اپنی ناقدری کا احساس درد دے رہا تھا۔

"ہمارا رشتہ صرف مما، بابا کی خواہش نہیں تھی لیکن میں تمہاری خوشی کے لیے پیچھے ہٹا تھا۔ وہ اتنا بڑا بزنس مین، زمینوں کا مالک اور میں مڈل کلاس کا بے روزگار لڑکا۔ تم اس کے ساتھ شاپنگ کرتے خوش نظر آ رہی تھیں، تم نے مجھے بتایا بھی نہیں کہ تم گاؤں سے آ گئی ہو۔" اس کے تیزی سے بہتے آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے لیکن یہ احساس خوشی کا باعث تھا کہ وہ آج بھی اس کی ہے۔ تب ہی فوراً دل میں اٹکی پھانس نکالی۔

"میں خوش تھی؟" ملیحہ نے بے یقینی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں میں خوش تھی زارون۔ وہ میرا کزن ہے، دوست ہے اور بس۔ اس نے مجھے صدمے سے نکال کر دوبارہ جینا سکھایا۔ تم نے تو پلٹ کر پوچھا بھی نہیں اور میں اس کے ساتھ بھی تمہارے لیے ہی گفٹ لے رہی تھی۔ میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتی تھی اور تم......" اس کا انداز ملیحہ کو غصہ دلا گیا، فوراً چیخ کر بولتے سختی سے آنکھیں رگڑیں۔

"میں ہی پاگل ہوں جو اسے منع کر کے یہاں تمہیں وضاحتیں دینے کھڑی ہوں۔" وہ مایوسی سے پلٹی تھی جب پیچھے سے زارون نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"تم نے منع کر دیا، تمہاری منگنی نہیں ہوئی۔" وہ خوشی سے چمکتی آنکھوں سے پوچھ رہا تھا۔ ملیحہ نے افسوس سے اسے دیکھا اور یاد دلایا۔

"میری منگنی بہت بچپن میں ہو گئی تھی۔"

"میں بہت اکیلا ہو گیا ہوں ملی، تمہارے اور رشتے آئیں، اس سے پہلے شادی کر لیتے ہیں۔"

وہ اس کے گھورنے کی پروا کیے بغیر بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔ ملیحہ نے اس کے دل کو تمام وسوسوں سے آزاد کر دیا تھا۔ وہ دوبارہ کسی امتحان میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

"میری پڑھائی!" ملیحہ نے یاد دلایا۔ زارون کے چہرے پر پھیلتی خوشی اس کے دل کو پرسکون کر رہی تھی۔ اگر اپنی انا میں وہ یہ غلط فہمی کی دیوار نہ گراتی تو ان دونوں کا کتنا نقصان ہو جاتا۔ اس نے ایک آسودہ سانس لی تھی۔

"چھوڑو یار، ابھی تو صرف پاکستان کا نقشہ بناتی ہو زیادہ پڑھ لیا تو تمام براعظموں کے نقشے روٹی پر ہی بناؤ گی۔" زارون نے شوخی سے کہا تھا۔

"روٹی تو میں تم سے بنواؤں گی بلکہ ابھی تو میں پورا شرائط نامہ تیار کروں گی۔" ملیحہ نے بدلہ لیا۔ کھنکتا لہجہ، چمکتی آنکھیں حال دل بیان کر رہی تھیں۔ وہ خوش تھی۔ کیوں کہ اس کے ساتھ زارون تھا۔

"بس دوسری شادی سے منع مت کرنا، باقی تمہاری سب شرطیں منظور ہیں۔" زارون کے شرارتی لہجے پر ملیحہ نے اسے گھورا اور دونوں ایک ساتھ ہنس دیے۔ دکھ کی رات ڈھل گئی تھی۔ زندگی پھر ان پر مہربان ہو چکی تھی۔

☆☆

غزالہ عبدالکلیم

فیصلہ

جس کسی نے بھی سنا! مارے حیرت کے دانتوں تلے انگلی دبالی۔ عاقل بیگ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گھر چھوڑ کر چلے جائیں۔ لیکن گھر چھوڑنے کا مطلب تھا۔ پاپا جی کی کروڑوں کی جائداد سے ہاتھ دھو بیٹھنا۔ اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتے تھے۔ اسم با مسمیٰ جو ٹھہرے۔ جوش میں بھی ہوش سے کام لینا پسند کرتے تھے۔ رہے باقر بیگ! تو وہ کسی پیر جلے بلے کی طرح سارے گھر میں بولائے بولائے پھر رہے تھے۔ اور ان حضرات کی زوجین اس سارے قصے میں جلتی میں تیل کا کردار بخوبی انجام دے رہی تھیں۔

کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فوری طور پر اس معاملے سے کیسے نمٹا جائے۔ اپنے طور پر تو سب ہی ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے۔ مگر یوں لگ رہا تھا کہ پاپا جی اب ٹس سے مس ہونے والے نہیں۔ اب تو سب کی بچی کچھی امید شجاع بھائی کی ذات سے ہی منسوب تھی۔ وہ پہلی اور آخری ہستی۔ جن کا کہا پاپا جی ہرگز نہیں ٹالتے تھے۔ آخر وہ پاپا جی کی پہلوٹی کی اولاد جو تھے۔ ہر فرد بڑی بے چینی سے ان کی ہی راہ تک رہا تھا۔

گویا کہ وہ کسی چراغ کے جن کی طرح آئیں گے۔ اور آتے ہی سب کچھ ٹھیک کر دیں گے۔ مگر



سمندر پار بیٹھے۔ وہ فون کال کے ذریعے ان کے زخموں پر صرف اور صرف تسلی کا مرہم ہی رکھ رہے تھے۔اس سے زیادہ وہ کچھ کر بھی تو نہیں سکتے تھے۔

دیار غیر میں اپنے جمے جمائے بزنس کو یوں اچانک ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر آنا ان کے نزدیک حماقت ہی تھی۔

☆☆☆

"عالیہ بیگم بھئی اور کتنی دیر ہے نکلنے میں؟ باہر گاڑی میں سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ حمزہ کے سسرال سے بھی دو تین مرتبہ فون آچکا ہے۔"

"بس چلیے۔ میں تو تیار ہوں۔"

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے آئینے کے سامنے کھڑی اپنی نوک پلک سنوار رہی تھیں۔ اب عاقل بیگ جو سر پر سوار ہوئے تو مجبوراً انہیں ہٹنا ہی پڑا۔

"پھل اور مٹھائی سب گاڑی میں رکھوادی نا......! دیکھیں کچھ کمی نہ رہ جائے۔ آخر ہمارے اکلوتے بیٹے کی خوشی ہے۔"

"ارے جناب سب انتظامات مکمل ہیں۔ بس ہماری ملکہ عالیہ کا انتظار ہے۔"

"آپ ذرا اوپر جاکر اپنی بھابھی جان کو بھی تشریف لانے کا کہہ آئیں۔ آپ کو تو معلوم ہے نا۔ بغیر کہے وہ نیچے اتر کر آنے والی نہیں۔ بنا پروٹوکول کے تو وہ کسی کی میت میں جانا پسند نہیں کرتیں۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولیں۔ جیٹھانی صاحبہ کے تذکرہ پر یوں بھی ان کے لہجے میں کرواہٹ آہی جایا کرتی تھی۔

"ارے بھئی آج تو بھابھی جان خلاف توقع پہلے سے ہی گاڑی میں قدم رنجہ فرما چکی ہیں۔ اب ایسا نہ ہو کہ وقت کے ضائع ہونے پر ان کا خوش گوار موڈ خراب ہو جائے۔"

"اچھا سنیے! پاپا جی کا کیا کرنا ہے؟" وہ گہری نگاہیں عاقل بیگ کے چہرے پر جمائے ہوئے تھیں۔

"کیا کرنا ہے......مطلب۔؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ انہیں بھی ساتھ لے کر جائیں گے؟"

"ہاں بھئی! کیوں نہیں۔ پاپا جی بھی چلیں گے۔ حمزہ کی ہونے والی دلہن دیکھ کر وہ بہت خوش ہوں گے۔ اور ویسے بھی ہم نے پاپا جی کو ان سے اب تک ملوایا بھی نہیں۔ اچھا ہے نا آج ان کا سب سے تعارف بھی ہو جائے گا۔" عالیہ بیگم کے چہرے پر چھائے تناؤ پر غور کیے بنا وہ روا روی میں بولے چلے جارہے تھے۔

"آپ بھی نا کمال کرتے ہیں۔ ان کی کنڈیشن بھلا اس قابل ہے کہ ہم انہیں اپنے ساتھ لے کر جائیں۔" وہ برہمی سے بولیں۔

"کم ان یار۔ وہ اپنی وہیل چیئر پر ہوں گے۔ جس طرح سارا دن گھر پر ہوتے ہیں۔" وہ منمنائے۔

"ہاں تو سوچیں ذرا! کتنا آکورڈ لگے گا۔ جب اتنے پروٹوکول میں ہمارے ہمراہ ایک وہیل چیئر بھی ہوگی۔ نا۔ بابا نا۔ میں سوچ کر ہی ایمبیرسڈ فیل (پریشانی محسوس) کر رہی ہوں۔ لوگ بھی کہیں گے کہ مریض کو تو گھر پر چھوڑ آتے۔ اور ویسے بھی فنکشن نجانے رات کتنی دیر تک چلے۔ وہ کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔ ان کا گھر پر رہنا ہی بہتر ہے۔" ان کا انداز دوٹوک تھا۔ عاقل بیگ چپ ہو کے رہ گئے۔ ویسے بھی بیگم کی ناراضی مول لینے کا ان میں دم ہی کہاں تھا۔

"اچھا چلو۔ تم گاڑی میں بیٹھو۔ میں انہیں بتا کر آتا ہوں۔"

"ذرا جلدی آجایئے گا۔" وہ تیکھے انداز میں کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

بیگ ولاز میں آج خاصی گہما گہمی اور چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ وجہ تسمیہ حمزہ احمد جو ٹھہرے تھے۔ اس گھر کے بلکہ بیگ خاندان کے اکلوتے سپوت کی منگنی کی خوشی میں گھر کا ہر فرد خلاف توقع آج یکجا نظر آرہا تھا۔ ورنہ عام طور پر وسیع و عریض رقبے پر پھیلا۔ دو گھرانوں پر مشتمل یہ عالیشان گھر

اہل خانہ کی عدم دستیابی کی بنا پر ملازموں کے دم سے آباد نظر آتا تھا۔ اور اس عدم دستیابی کی وجہ ہر ایک کی اپنی اپنی مصروفیت تھی۔ عاقل بیگ، باقر بیگ اور حمزہ احمد تینوں مرد حضرات صبح آفس کے لیے روانہ ہو جاتے۔ اور آفس کے بعد کا تمام ٹائم بھی گھر سے باہر اپنی سوشل ایکٹیوٹیز میں گزارتے۔

تین سال پہلے تک بیگ انٹر پرائزز کے روح رواں فاخر بیگ بھی اس معمول کا حصہ تھے۔ مگر فالج کے شدید حملے نے ان کے جسم کو مفلوج کر کے انہیں چار دیواری کا اسیر بنا دیا تھا۔

تب سے عاقل بیگ اور باقر بیگ ہی ان کے کاروبار کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے تھے۔ بلکہ سیاہ اور سفید کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ پیسا، وسائل اور اختیارات ہونے کے باوجود پاپا جی کے علاج پر کسی نے بھی خاص توجہ نہ دی۔

جو ہے جیسا ہے کی بنیاد پر سب اپنی اپنی زندگی میں خوش اور مگن تھے۔ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے میں اس گھر کی خواتین بھلا کب پیچھے رہنے والی تھیں۔

عالیہ بیگم جو پچھلے دس سال سے ایک این جی او میں پریذیڈنٹ کے عہدے پر فائز تھیں۔ ان کی مصروفیت کے کیا کہنے۔ دوسرے شہروں کے وزٹ پر جانا۔ اور دیگر سماجی تقریبات میں پیش پیش رہنا۔ ان کے پاس تو سر کھجانے تک کی فرصت نہ ہوتی تھی۔

بالائی منزل کا حال بھی نیچے سے کچھ کم نہ تھا۔ نزہت بیگم ایک مستند گائنا کالوجسٹ تھیں۔ ان کا تو نہ دن اپنا تھا۔ اور نہ ہی رات۔ ایک بڑے نجی اسپتال سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اپنا ذاتی چیمبر بھی رن کر رہی تھیں۔

اللہ نے انہیں دو ہی بیٹیوں سے نوازا تھا۔ بڑی عائلہ ایم بی بی ایس کے فائنل ایئر میں تھی۔ اور مائرہ فیشن ڈیزائننگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے پچھلے دو سال سے لندن میں مقیم تھی۔

رہ گئے پاپا جی! تو ان کی ذمہ داری مساوی طور پر دونوں گھرانوں میں بٹی ہوئی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ اوپر ہوتے یا نیچے ان کے حصے میں تنہائی ہی آتی تھی۔

☆☆☆

عاقل بیگ جوں ہی کمرے میں داخل ہوئے تو لمحے بھر کے لیے ٹھٹک کے رہ گئے۔ بلیک ڈنر سوٹ میں پورے جاہ و حشم کے ساتھ تیار بیٹھے پاپا جی کیا ڈیشنگ لگ رہے تھے۔ ان کے چہرے کی تازگی اور بشاشت آج دیکھے جانے والی تھی۔

"عاقل میاں کہاں کھو گئے؟" وہ انہیں گنگ دیکھ کر بڑی ترنگ میں بولے۔

"وہ پاپا جی ہم حمزہ کے سسرال جا رہے ہیں۔ بس یہی بتانے کے لیے آیا تھا۔"

"ہاں ہاں۔ چلو بھئی۔ میں تو کب سے تیار بیٹھا ہوں۔ سامنے شیلف پر میرا چشمہ رکھا ہے۔ یہ ذرا دے دو مجھے۔"

"پاپا جی بات دراصل یہ ہے کہ....." وہ کہتے کہتے رک گئے۔ شاید ہمت یکجا کر رہے تھے۔

"ہاں میاں بولو۔ کیا بات ہے؟"

"پاپا جی آپ کا وہاں جانا کچھ مناسب نہیں ہے۔" فاخر بیگ نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ شرمندہ سے نظریں چرا گئے۔

"میرا مطلب ہے کہ وہاں نجانے کتنا ٹائم لگے گا۔ آپ کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔ عالیہ کا بھی یہی خیال ہے کہ آپ گھر پر رہ کر آرام کریں۔" سارا ملبہ بیگم پر ڈال کر اپنے طور پر گویا وہ بری الذمہ ہو گئے تھے۔

پاپا جی کا چہرہ بجھ کے رہ گیا۔ ان کے اندر چھنا کے سے کچھ ٹوٹا تھا۔ آنکھوں میں چمکتی خوشی ماند پڑ گئی۔ اولاد کا فخر اور غرور تو وہ بہت پہلے ہی ہار چکے تھے۔ مگر اس درجہ بے حسی کی انہیں شاید اب بھی امید نہ تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا! جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" وہ شکستہ لہجے میں بولے تھے۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ اللہ نگہبان۔" وہ فوراً ہی

چلے گئے۔

فاخر بیگ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دوڑ کر جاتے۔ اور عاقل بیگ کا بازو جھنجوڑ کر کہتے۔

"میں بھی تم لوگوں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ گھر کے سربراہ کی حیثیت سے اپنی پہچان کروانا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں کی طرح مجھے بھی تو اس گھڑی کا شدت سے انتظار تھا۔ خوشیوں کے ان لمحات کو میں بھی تم سب کے ساتھ انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ کیوں مجھے اس خوشی سے محروم کر رہے ہو؟ ان کا دل کسی ضدی بچے کی طرح مچل کے رہ گیا۔ مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ شدتِ ضبط سے ان کا چہرہ سرخ تھا۔ اور آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

تم نے تو تھک کے دشت میں خیمے لگا لیے
تنہا کٹے کسی کا سفر تم کو اس سے کیا

وہ یاسیت بھری نگاہوں سے دیوار پر آویزاں اپنی مرحوم اہلیہ کی تصویر کو تکتے رہے۔

اور آنسو ٹپ...... ٹپ...... ٹپ...... ان کے گال بھگوتے چلے گئے۔

☆☆☆

"بھئی یہ کہاں جانے کا پلان بن رہا ہے۔" عاقل بیگ آفس سے آئے تو عالیہ بیگم حمزہ اور عائلہ کو ایک ساتھ خوش گپیوں میں مشغول دیکھ کر بولے۔

"اوہ! ڈیڈی بھی آ گئے۔ ڈیڈی ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔"

"اچھا۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟" عاقل بیگ وہیں ان لوگوں کے درمیان بیٹھتے ہوئے بولے۔

"چچا جان حمزہ اپنی منگنی کی خوشی ہم سب کو ڈنر کروانے لے کر جا رہے ہیں۔"

"اوہ۔ ڈیٹس گریٹ۔" عاقل بیگ خوش ہوتے ہوئے بولے۔

"ڈیڈی آپ بھی جلدی سے ریڈی ہو جائیں پلیز۔"

"یار میں بہت تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ جاؤ انجوائے کرو۔"

"بیٹا اتنی خوشی سے انوائٹ کر رہا ہے۔ اور آپ ہیں کہ انکار کیے جا رہے ہیں۔ چلیے چلیے نا۔" عالیہ بیگم نے فوراً ہی ٹوکا۔

"اچھا بیگم صاحبہ۔ ہم بھلا آپ کا حکم کیسے ٹال سکتے ہیں۔ آپ لوگ رکیں۔ میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔" وہ جانے کے لیے پلٹے ہی تھے کہ زبیدہ کھانے کی ٹرے اٹھائے منہ بسورتی ہوئی آئی۔

"صاحب! بڑے صاحب کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ صبح بھی انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔ اور دوپہر کا کھانا بھی جوں کا توں واپس لوٹا دیا۔ بڑے غصے میں نظر آ رہے ہیں جی۔"

"ایک تو یہ پاپا جی بھی نا۔ ہمارے لیے آئے دن ایک نہ ایک مسئلہ کھڑا رکھتے ہیں۔ کل رات فنکشن میں نہ جانے کی فرسٹریشن وہ اب اس طرح نکالیں گے۔ ایک تو ان کے بھلے کی بات کرو۔ الٹا برائی ہی ملتی ہے۔" عالیہ بیگم کا پارہ ہائی ہونے لگا۔

"ماما پلیز۔ آپ تو کام ڈاؤن (پرسکون) رہیں۔ پاپا ہینڈل کر لیں گے نا۔" حمزہ جھلاتے ہوئے بولا۔

"لاؤ یہ ٹرے مجھے دو۔ میں خود دیکھتا ہوں۔" عاقل بیگ زبیدہ کے ہاتھوں سے ٹرے لیتے ہوئے بولے۔

"رہنے دیجیے۔ ابھی آپ جتنی عاجزی دکھائیں گے پاپا جی اتنا ہی روڈ ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ فی الحال انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ غصہ ٹھنڈا ہوگا تو خود ہی کھا لیں گے اور یہ کون سی نئی بات ہے۔ آئے دن وہ اسی طرح بھوک ہڑتال کر کے ہمیں مینٹلی ٹارچر کرتے ہیں۔ زبیدہ یہ کھانا لے جا کر کچن میں رکھو۔" انہوں نے زبیدہ کو فوری طور پر چلتا کیا۔

"بس آپ جلدی سے تیار ہو جائیں۔ پہلے ہی اتنا وقت ضائع ہو گیا ہے۔" وہ حکم صادر کر کے بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

☆☆☆

"خورشید! بس اب رہنے دو۔ کافی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ بستر پر پڑے پڑے جسم جیسے اکڑ کے رہ گیا تھا۔ اتنے عرصے بعد آج تم نے مساج کیا ہے۔ تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ساری کسلمندی دور ہو گئی۔"

"ٹھیک ہے بڑے صاحب! اب میں روزانہ اسی طرح آپ کی مالش کر دیا کروں گا۔" وہ تابعداری بجالایا۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ پچھلے دنوں تم چھٹی لے کر اپنے گاؤں گئے تھے۔ سب خیریت تھی نا؟" انہیں اچانک یاد آیا تو پوچھ بیٹھے۔

بڑے صاحب! وہی گھر والی کا مسئلہ تھا۔ آئے دن بیمار رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہی مجھے کام چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔"

"تو اُسے یہاں شہر لے آؤ۔ کسی اچھے ڈاکٹر سے ٹریٹمنٹ لو۔"

"صاحب علاج کے لیے بھی پیسا چاہیے ہوتا ہے۔ ہم غریب لوگ یہ چونچلے بھلا کب پالتے ہیں۔ ہم تو گھریلو ٹوٹکوں سے ہی چنگے بھلے ہو جاتے ہیں۔ اب کی بار اس کی طبیعت کچھ زیادہ ہی بگڑ گئی تھی۔ تو میں اسے محلے کے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔"

"عجیب بات ہے۔ تم اس کی بیماری کو اتنا ہلکا لے رہے ہو۔ پیسوں کی فکر مت کرو۔ علاج پر جتنا خرچ آئے گا وہ میں دوں گا' تم بس سے یہاں شہر لے آؤ اور کسی اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کرواؤ۔ وہ بیوی ہے تمہاری۔ زندگی کی ساتھی۔ تمہاری مونس و غم خوار۔" وہ جذباتی سے ہو گئے تھے۔

"اس کا ہونا تمہارے لیے کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ تم شاید ابھی نہ سمجھ پاؤ۔ مجھے دیکھو...... آہ......" انہوں نے اک گہری سرد آہ بھری۔

"بڑی بیگم صاحبہ کے جانے کے بعد میں کتنا اکیلا ہو کے رہ گیا ہوں۔ کسی کے پاس بھی اتنی فرصت نہیں کہ چند لمحے میرے ساتھ گزاریں۔ میرا حال چال معلوم کریں۔ بات کرنا تو کجا۔ میں تو اپنے بچوں کی صورت دیکھنے تک کو ترس جاتا ہوں۔ میں کب تک ان گونگی بہری دیواروں سے اپنا سر ٹکراؤں۔ اس بند کمرے کا گھٹن زدہ ماحول اور یہ اکیلا پن دیمک کی طرح اندر ہی اندر میری روح کو چاٹتا جا رہا ہے۔" وہ آبدیدہ سے ہونے لگے۔

"خیر چھوڑو۔ میں بھی کیا بات لے کر بیٹھ گیا ہوں۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بولے۔

"خورشید! بڑے صاحب کے کام سے فارغ ہو جاؤ تو کچن میں آ جانا۔ باجی نزہت نے کہا ہے کہ جب تک مہمان موجود ہیں۔ تمہیں خانساماں کے ساتھ کچن سنبھالنا ہے۔" زبیدہ آندھی طوفان کی طرح کمرے میں وارد ہوئی اور نزہت بیگم کا حکم نامہ سنا کر اسی تیزی سے واپس چلی گئی۔

"خورشید کوئی مہمان آئے ہوئے ہیں کیا؟"

"جی بڑے صاحب آپ کو نہیں معلوم...... عائلہ بی بی کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آئے ہیں۔"

"عائلہ کے لیے......"

"عائلہ میری بچی اتنی بڑی ہو گئی۔ اس کا بچپن ابھی کل کی سی بات ہی تو لگتا ہے۔" وہ خوش گوار حیرت میں مبتلا تھے۔

"اچھا ایسا کرو تم مجھے ان کے پاس لے چلو۔ میں ان لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں۔" ان کے جذبات اور خوشی ان کے لہجے سے عیاں تھیں۔

"نا جی بیگم صاحبہ نے سختی سے منع کیا ہے کہ آپ کو باہر نہ آنے دیا جائے۔ تب ہی تو آج صبح سے ہی انہوں نے آپ کے کمرے میں میری ڈیوٹی لگائی ہوئی ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر آپ بار بار انٹر کام نہ کریں۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تمہاری بیگم صاحبہ کا۔" وہ بری طرح گرجے۔

"میں کوئی اچھوت ہوں یا پھر کوئی مافوق الفطرت شے ہوں۔ جو وہ مجھے لوگوں سے اس طرح چھپاتی پھرتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مجھے کون روک سکتا ہے وہاں جانے سے۔" وہ نہایت غصے میں اپنی وہیل چیئر کو گھسیٹنے کی کوشش کرنے لگے۔ ناچار خورشید کو

ان کی بات ماننی ہی پڑی۔

☆☆☆

"السلام وعلیکم۔" بارعب آواز پر ڈرائنگ روم میں موجود سب ہی نفوس بیک وقت متوجہ ہوئے۔ بھرپور انداز میں قہقہہ لگاتی نزہت بیگم کی ہنسی یک دم غائب اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ پاپا جی کو سامنے دیکھ کر وہ ہکابکا رہ گئی تھیں۔

"آیئے آیئے پاپا جی ابھی میں آپ کو لینے آ رہا تھا۔" باقر بیگ اپنی حیرت پہ قابو پاتے ہوئے بولے۔

"ہمدانی صاحب! یہ ہمارے پاپا جی ہیں۔ اور پاپا جی یہ شیراز ہمدانی صاحب ہیں۔ نزہت کے ہاسپٹل میں ایم ایس ہوتے ہیں۔"

"السلام وعلیکم سر۔" ہمدانی صاحب اپنی نشست سے اٹھ کر بڑے پرتپاک انداز میں ان سے ملے۔

"بیگ صاحب آپ نے کبھی ان کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ اور آج سے پہلے نہ ہی کبھی ان سے ملاقات ہوئی۔" وہ کچھ حیران سے تھے۔

"پاپا جی جب سے پیرالائیزڈ ہوئے ہیں۔ کچھ چڑچڑے سے ہو گئے ہیں۔ لوگوں سے زیادہ ملنا پسند نہیں کرتے۔" نزہت نے فوراً ہی بات سنبھالی۔

"اوہ آئی سی......"

"کب ہوا ان کے ساتھ یہ حادثہ؟"

"یہی کوئی دو تین سال پہلے۔" نزہت بیگم ترنت بولیں۔

"آپ یہ کباب ٹرائی کریں نا پلیز۔ ہمارا کک بہت شان دار کباب بناتا ہے۔" انہوں نے ہمدانی صاحب کی توجہ پاپا جی کی طرف سے ہٹانے کی پوری کوشش کی۔

"ایک منٹ ...... بیگ صاحب میڈیکل ٹریٹمنٹ کے ساتھ ساتھ آپ ان کے لیے کسی ایکسپرٹ نرس یا تھراپسٹ سے تو ہیلپ لیں۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ انہیں پراپر تھراپی اور ٹریٹمنٹ ملے تو یہ ایک سال میں اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔"

نزہت بیگم کو اپنے گھریلو معاملات میں ان کا یوں ٹانگ اڑانا زہر لگ رہا تھا۔ مگر مصلحت کے تقاضوں کو نبھاتے ہوئے وہ بادل ناخواستہ مسکرا کر ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں۔

"بیگ صاحب آپ کے والد ہونے کے حوالے سے یہ میرے لیے بھی بہت محترم ہیں۔ اس سلسلے میں اگر میں آپ کو کوئی فیور دے سکوں۔ تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔" باقر بیگ تذبذب میں مبتلا تھے۔

"میں کسی تھراپسٹ کو آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ آپ اپنی تسلی کر کے اگر اسے ہائر کر لیں۔ تو چند مہینوں میں ہی ان شاءاللہ بہترین نتائج ملیں گے۔"

"کیوں نہیں سر۔ پاپا جی کی صحت سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کیا بات ہوگی۔" ہمدانی صاحب کے احساس دلانے پر باقر بیگ اپنے اندر شرمندہ ہو رہے تھے۔

☆☆☆

"دیکھی اپنے پاپا جی کی کرامت۔ عین وقت پر آ کر بنی بنائی بات بگاڑ دی۔" نزہت بیگم ہاسپٹل سے آئیں۔ تو تیور خاصے بگڑے ہوئے لگ رہے تھے۔ غصے میں آگ بگولا ہوئے تھے انہوں نے باقر بیگ کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"آخر بات کیا ہے۔ کیوں اتنا ہائپر ہو رہی ہو؟"

"ہمدانی صاحب نے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔" وہ اپنا ہینڈ بیگ صوفے پر پٹختے ہوئے زور سے دھاڑیں۔

"واٹ......" باقر بیگ کو شاک سا لگا۔

"لیکن انکار کی کوئی وجہ تو ہوگی۔"

"ہے نا وجہ آپ کے والد محترم! مجھے تو پہلے ہی ڈر تھا کہ ان کا یوں مہمانوں کے سامنے آنا۔ ہمارے لیے کسی نہ کسی بدشگونی کا باعث بنے گا۔ دیکھا نہیں تھا

اس روز ہمدانی صاحب بزرگوں کی خدمت پر کیسے ایمان افروز لیکچر دے رہے تھے۔ اور پاپا جی مزے سے سب کی ہمدردیاں بٹور کر ہمیں نیچا دکھا رہے تھے۔ ہم تو جیسے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔"

"آہستہ بولو پلیز۔ پاپا جی سن لیں گے۔" وہ منمناتے ہوئے بولے۔

"سنتے ہیں تو سن لیں۔ مجھے اب کسی کا ڈر نہیں ہے۔"

"اچھا اب بات ختم کرو۔ خوامخواہ تمہارا بی پی ہائی ہو جائے گا۔"

"بات اب ایسے ہی ختم نہیں ہو گی بیگ صاحب۔" وہ زور سے گرجیں۔

"آپ ابھی جایئے اور پاپا جی سے دو ٹوک بات کر کے آئیں۔ اور اگر آپ میں اتنا دم نہیں ہے تو میں خود ہی بات کر لیتی ہوں۔ وہ ہوتے کون ہیں۔ ہمارے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے والے۔ خود تو اپاہج ہو کر بھی اپنی تمام جائیداد سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ گھر ان کا، کاروبار ان کا، اختیارات ان کے۔ ہماری حیثیت تو فقط ملازموں کی سی ہے۔ ذرا شجاعت بھائی سے ہی کچھ سیکھیے۔ پاپا جی کو بہلا پھسلا کر کس طرح ان کا آدھا کاروبار دبئی میں شفٹ کیا اور اب بلا شراکت غیرے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ اور آپ ہیں کہ دن رات محنت کر کے پرائے کاروبار کو فروغ دیے جا رہے ہیں۔ بس اب بہت ہو گئی۔ ان سے اپنے شیئرز کا مطالبہ کریں اور اپنا کاروبار شروع کریں۔ آخر کب تک ہم ان کے زیر دست رہیں گے۔"

"تم ٹینشن مت لو، ریلیکس ہو جاؤ میں کرتا ہوں آج ان سے بات۔"

☆☆☆

"سر آپ کی میڈیسن کا ٹائم ہو گیا ہے۔ میڈیسن کے بعد آپ کو واک اور ایکسر سائز بھی کروانی ہے۔"

"زبیر میاں! تمہیں یہاں میرے پاس آئے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا۔ تم میرے ساتھ اس بند کمرے میں سارا دن میری تیمارداری میں لگے رہتے ہو۔ مجھے کھانا کھلانا۔ دوا دینا۔ میری صفائی ستھرائی اور دیگر ضرورتوں کا خیال رکھنا۔ تمہیں ان سب کاموں سے اور خاص کر مجھ سے اکتاہٹ نہیں ہوتی؟"

"نہیں سر بالکل بھی نہیں یہ تو میری ڈیوٹی ہے۔ اور سچ پوچھیں تو اتنے تھوڑے سے عرصے میں مجھے آپ سے کچھ انسیت سی ہو گئی ہے۔ آپ کی کمپنی میں مزا آنے لگا ہے۔"

"بہت شکریہ۔" وہ مسکرانے لگے۔

"موسم کی رعنائیاں تو آج عروج پر ہیں۔ دیکھو یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روح کو کیسی تازگی بخش رہی ہے۔" وہ کھڑکی کے پار دیکھتے ہوئے بولے۔

"سر بند کمرے کے اندر آپ قدرت کے اس دلکش نظارے سے بھلا کیا لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو سامنے پارک تک لے چلتا ہوں۔ اس طرح آپ کی کچھ واک بھی ہو جائے گی۔ اور آپ دل بھر کے اس حسین موسم کا نظارہ بھی کر لیجیے گا۔"

"ارے میاں نیکی اور پوچھ پوچھ۔ میں تو کب سے اس نیلگوں آسمان تلے بیٹھنے کو ترس رہا ہوں۔ چلو ابھی چلتے ہیں۔" وہ تو یوں خوش ہوئے کہ جیسے کسی قیدی کو ایک مدت بعد رہائی کا پروانہ ملا ہو۔ زبیر انہیں گھر کے نزدیک واقع پارک میں لے آیا۔

"لیجیے سر! اب آپ جی بھر کر نیلگوں آسمان کا نظارہ کیجیے۔" وہ ان کے برابر میں لگی سنگی بینچ پر بیٹھ گیا۔ ابھی کچھ لمحے ہی گزرے تھے کہ اس کے ہاتھ میں دبا موبائل فون بجا اس نے بنا بات کیے لائن منقطع کر دی تھی۔

"بیٹا کس کی کال ہے۔ آپ نے ریسیو کیوں نہیں کی؟" انہوں نے اس کی یہ حرکت نوٹ کر لی تھی۔

"سر میری منگیتر کا فون ہے۔" وہ جھینپتے ہوئے بولا۔

"بیٹا کال ریسیو کرلو ہو سکتا ہے انہیں کوئی ضروری بات کرنی ہو۔ میں یہاں بالکل ریلیکس ہوں۔تم جاؤ بات کر کے آجاؤ۔" انہوں نے اس کی مشکل آسان کردی۔

"تھینک یو سر۔" اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ "میں بس ابھی آیا۔" وہ تو جیسے اشارے کا منتظر بیٹھا تھا۔فوراً ہی اٹھ کر چل دیا۔وہ اسے جاتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنی عینک صاف کرنے لگے۔ بے دھیانی میں عینک ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گھاس پر جا پڑی۔

"اب کیا کیا جائے۔" وہ زیر لب بڑبڑائے اور پھر خود ہی جھک کر عینک اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر عینک ان کی دسترس سے ذرا دور تھی۔ اچانک ان کی چیئر موو ہوئی۔ وہ گھبراتے ہوئے اپنا توازن درست کرنے لگے۔ تبھی کچھ فاصلے پر بیٹھی خاتون دوڑ کر آئیں۔

"یہ لیجیے آپ کی عینک۔"

"شکریہ۔" انہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے خاتون کی طرف دیکھا۔سادہ سے لباس میں ملبوس وہ خاتون چالیس سے پینتالیس کے پیٹے میں دکھائی دے رہی تھیں۔ چہرے پر نازک سی سنہری فریم کی عینک لگائے وہ بڑی پروقار نظر آرہی تھیں۔

"آپ کے ساتھ کوئی نہیں ہے؟" ان کی آنکھوں سے حیرت اور لہجے سے تشویش جھلک رہی تھی۔

"وہ موصوف جو سامنے بیٹھے ہیں۔ وہ میرے ساتھ ہی آئے ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے زبیر کی طرف اشارہ کیا۔

"پھر بھی احتیاط سے کام لیا کیجیے۔ ذرا سی غفلت آپ کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی۔" وہ نرم لہجے میں تنبیہہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔

مگر فاخر بیگ کو محوِ حیرت چھوڑ گئیں۔

کیا کوئی انجان بغیر کسی واقفیت تعلق یا شناسائی کے کسی کے لیے یوں فکر مند ہو سکتا ہے۔ وہ تو اپنے اردگرد بے حسی ہی دیکھتے آئے تھے۔ان خاتون کا انداز انہیں کچھ انوکھا سا لگا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں پارک میں بیٹھے قدرت کی رعنائیوں سے اپنے دل کو بہلاتے رہے۔ رنگ برنگے پھول، تتلیوں کی مانند اٹھلاتے بچے اور بھیگی بھیگی ہوا کے مست جھونکوں نے ان کے اندر توانائی سی بھر دی تھی۔ انہیں یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ایک عرصے ان کی سوئی ہوئی روح آج بے دار ہوئی ہو۔

☆☆☆

اگلے روز وہ پارک آئے تو وہی خاتون انہیں پہلے سے وہاں بیٹھی نظر آئیں۔ کسی گہری سوچ میں گم وہ اردگرد سے قطعی لاتعلق لگ رہی تھیں۔

"زبیر میاں مجھے ذرا اس طرف لے چلو۔" انہوں نے ان خاتون کی طرف اشارہ کیا۔ زبیر انہیں ان کے پاس لے گیا۔

"السلام علیکم۔" گلا کھنکارتے ہوئے انہوں نے سلام کیا۔ تو ان کی سوچ کا ارتکاز ٹوٹا۔ وہ ایک دم سے چونکیں۔ فاخر بیگ کی جانب دیکھا تو اگلے ہی لمحے آنکھوں میں پہچان کی رمق ابھری۔

"وعلیکم السلام۔" ان کے لبوں پر ہلکا سا تبسم پھیل گیا۔

"اگر آپ کی اجازت ہو تو میں کچھ دیر یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

"جی بالکل....." وہ آہستہ سے بولیں۔ چہرے پر چھائی گہری سنجیدگی اور الفاظ سے جھلکتی متانت ان کی شخصیت کو مزید باوقار بنا رہی تھی۔

"آپ غالباً روز یہاں آتی ہیں۔"

"جی میں اکثر شام میں یہاں آجاتی ہوں۔"

وہ ان کی ہر بات کا بہت مختصر جواب دے رہی تھیں۔

"یقیناً آپ کی رہائش یہاں قریب میں ہی ہو گی۔"

"جی بالکل مسجد کے ساتھ والی گلی میں میرا گھر ہے۔"

''اوہ! اتفاق سے میری رہائش بھی وہیں ہے۔ چلیے جناب اس حوالے سے تو ہم ایک دوسرے کے پڑوسی ہوئے نا۔'' وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تو وہ مسکرا کر رہ گئیں۔ اور یہ چند رسمی جملے آہستہ آہستہ ان کے درمیان مضبوط دوستی کی بنیاد بنتے چلے گئے۔

☆☆☆

''صنوبر آپ نے اپنے بارے میں کبھی کچھ بتایا ہی نہیں۔'' اس روز وہ یونہی باتوں میں پوچھ بیٹھے۔

''سب کچھ تو بتایا ہے آپ کو اپنے بارے میں۔''

''مثلاً......''

''مثلاً یہی کہ میں صنوبر، ایک گرلز کالج میں بحیثیت پروفیسر پچھلے بیس سال سے درس و تدریس کے فرائض ادا کر رہی ہوں۔ بس اتنا مختصر سا ہی تو ہے میرا تعارف۔'' وہ سنجیدگی سے بولیں۔

''میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟''

''شادی......!'' ان کے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔'' والدین کے انتقال کے بعد ان کی ساری ذمہ داریاں میرے کندھوں پر آ پڑی تھیں۔ ان ذمہ داریوں اور فرائض کو نبھاتے نبھاتے میں نے اپنی ذات کو مکمل طور پر فراموش کر دیا۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو پڑھایا لکھایا۔ انہیں اپنے پیروں پر کھڑا کیا۔ اور وہ سب ایک ایک کر کے اپنا اپنا گھر بسا کر اپنی زندگی میں مگن ہوتے چلے گئے۔ کسی نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اور جب مجھے اپنا خیال آیا تو وقت مجھے پیچھے دھکیل کر بہت آگے بڑھ چکا تھا۔'' انہوں نے بات ختم کر کے فاخرہ بیگ کی طرف دیکھا جو بہت انہماک سے انہیں سن رہے تھے۔

''آپ نے کبھی سوچا ہے۔ آخر کب تک اس طرح تنہا زندگی گزاریں گی۔''

''ہونہہ......آدھی تو گزر ہی گئی ہے۔ باقی بھی گزر جائے گی۔''

''صنوبر میں پوری سچائی اور خلوص دل کے ساتھ آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔ صنوبر بے یقینی سے ان کے چہرے کو تکتی رہیں۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس بات پر حیران ہوں یا خوش ہوں۔

''شام گہری ہوتی جا رہی ہے۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''سنیے!'' فاخر بیگ کے پکارنے پر انہوں نے مڑ کر دیکھا۔

''گو کہ آپ کی خاموشی ہی آپ کا اقرار ہے۔ لیکن پھر بھی مجھے آپ کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔''

☆☆☆

''مجھے تو یقین نہیں آ رہا ہے کہ پاپا جی ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ ادھر حمزہ کی شادی کی تاریخ رکھی جا چکی ہے۔ اب اگر عین موقع پر پاپا جی نے یہ گل کھلا دیا تو ہم سمدھیانے والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔''

''عالیہ میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ بیٹھے بٹھائے پاپا جی کو یہ شادی کی کیا سوجھی۔ ہم تو سوسائٹی میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں گے۔ لیکن ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔'' عاقل بیگ غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولے۔''کل شام کی فلائٹ سے شجاع بھائی آ رہے ہیں۔ وہ آ جائیں تو پھر اس معاملے سے نمٹتے ہیں۔''

''ہونہہ اب آپ لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ان پر تو عشق کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ یاد نہیں انہوں نے آپ کو دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

''میاں میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ جس کسی کو بھی میرے اس فیصلے سے اختلاف ہے۔ وہ بے شک نکاح میں شریک نہ ہو۔ لیکن میرا فیصلہ اٹل اور حتمی ہے۔'' وہ اپنے طور پر معاملے کو گمبھیر بنانے کی پوری کوشش کر رہی تھیں۔

☆☆☆

''السلام علیکم۔'' پاپا جی کی بارعب آواز پر سب چوکنے ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ لاٹھی کی مدد سے سہج سہج کر قدم اٹھاتے ہوئے آئے اور وہیں سب کے درمیان بڑے اعتماد کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ان کے آتے ہی ڈرائنگ روم میں گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ چند لمحے اسی طرح خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر پاپا جی نے ہی اس خاموشی کا قفل توڑا۔

''میرے پیارے بچو! قسمت نے آج مجھے تمہاری عدالت میں اگر مجرم بنا کر کھڑا کر ہی دیا ہے تو میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ کہتا ہوں کہ میں جو کچھ بھی کہوں گا۔ وہ کھرا سچ ہو گا۔ شجاع میرے پیارے بیٹے آج پورے سات سال بعد تمہیں دیکھا ہے۔ آنکھیں تو تمہاری دید سے سیراب ہو گئیں۔ مگر دل کا کیا کروں جو تمہیں سینے سے لگانے کو تڑپ رہا ہے۔ بیٹے ایسی بھی کیا ناراضی کہ باپ کے گلے تک نہیں لگے۔''

''پاپا جی آپ یہ کیا کرنے جا رہے ہیں۔ آپ نے ذرا نہیں سوچا کہ آپ کے اس امر سے ہمیں کتنی تکلیف پہنچے گی۔ تکلیف تو ہم شاید برداشت کر ہی لیں۔ لیکن جو ذلت اور رسوائی ہو گی، وہ ہم برداشت نہیں کر پائیں گے۔'' شجاعت بیگ جو بھرے بیٹھے تھے۔ ایک دم ہی پھٹ پڑے۔

''گھر میں حمزہ کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں۔ ڈیٹ فکس ہو چکی ہے اور اس موقع پر آپ یہ نیا تماشا لگا کر بیٹھ گئے ہیں۔''

''زبان سنبھال کر میاں!'' فاخر بیگ زور سے گرجے۔

''میں نکاح کر رہا ہوں۔ کوئی گناہ کرنے نہیں جا رہا۔ جو تمہاری ذلت اور رسوائی کا سبب بنے میرے فیصلے پر نکتہ چینی کرنے سے بہتر ہے۔ کہ تم لوگ اپنے گریبان میں جھانکو۔ مجھے اس اقدام پر پہنچانے والے تم ہی لوگ ہو۔''

''کیا کمی چھوڑی ہے ہم نے آپ کی خدمت میں ہر سہولت آپ کو مہیا کر کے دی ہے۔ صبح شام الگ الگ ملازمین خدمت پر مامور کر رکھے ہیں اور آپ ہم ہی کو قصور وار ٹھہرا رہے ہیں۔''

''واہ عاقل میاں! خوب کہی تم نے بھی چار دیواری، تین وقت کا کھانا اور حال چال معلوم کرنے کے لیے ملازم دے کر سمجھتے ہو کہ تم نے اولاد ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ارے اس سے تو اچھا تھا کہ تم لوگ مجھے کسی اولڈ ہاؤس میں جمع کرا دیتے۔ مجھے صرف ایک یہ ہی روگ ہوتا کہ تین جوان بیٹوں کا باپ ہوتے ہوئے میں لاوارثوں کی سی زندگی جی رہا ہوں۔ خدا کی قسم۔ اس سے کہیں زیادہ تکلیف مجھے اس گھر میں تم لوگوں کے ساتھ رہ کر ہوتی ہے۔ ایک چھت تلے رہنے کے باوجود تم لوگوں نے مجھے اپنی زندگی سے کیسے نکال باہر کیا ہوا ہے۔ جو کمی تنہائی اور درد میں اپنی ذات میں محسوس کرتا ہوں۔ وہ تمہیں کیوں نظر نہیں آتا۔ اکیلے پن کا عذاب جھیلتے جھیلتے میں اب چھلنی ہو گیا ہوں۔ اپنے سینے پر دھرے تنہائی کے اس بوجھ کو اگر میں کسی مونس و غم خوار کے ساتھ بانٹنا چاہتا ہوں۔ تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ تمہاری ملکیت نہیں تم لوگوں کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ میری زندگی میری خوشیوں کے ٹھیکیدار بن کر بیٹھ جاؤ۔ میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں۔ اور ہاں! میں نے بزنس کے شیئرز تم سب میں مساوی طور پر تقسیم کر دیے ہیں۔ کل میرا وکیل آئے گا۔ اور ضروری لیگل فارمیلٹیز کے بعد اونرشپ تم لوگوں کے حوالے کر دے گا۔'' بات مکمل کر کے پاپا جی کچھ دیر خاموش رہے۔ ''کسی کو کچھ اور کہنا ہے تو کہے۔ میں سننے کو تیار ہوں۔ باپ ہوں نا۔ میرا ظرف اور حوصلہ تم لوگوں سے کہیں زیادہ ہے۔'' پاپا جی نے ایک نظر سب کی طرف دیکھا۔ اتنا کھرا سچ سننے کے بعد بھلا کس میں ہمت تھی کہ ان سے نظر ملا پاتا۔ سب ندامت سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

☆☆

مکمل ناول

ام ایمان قاضی

مجھے اپنے رنگ میں رنگ دے



نومبر کے ٹھنڈے میٹھے مہینے کی وہ ایک خوش گوار سی صبح تھی' گھر کے سب ہی افراد ناشتے کی ٹیبل پر تھے۔ روزمرہ کی ہلکی پھلکی بات چیت کے دوران فارض اور پری کی معمول کی نوک جھوک بھی جاری تھی' جب ملازم نے گاؤں سے سارب کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

''ارے تو ساتھ ہی لے آتے اسے' وہ کون سا مہمان ہے جو پوچھنے چلے آئے تم۔ اپنا گھر ہے اس کا' بلا کے لے آؤ فوراً میرے بچے کو۔'' مسز ملک ملازم پر غصہ ہونے لگیں۔

''تمیز سے بیٹھو' مولانا صاحب تشریف لائے ہیں۔'' فارض نے پری کے کان میں سرگوشی کی تاہم مسز ملک نے یہ جملہ سن لیا تھا انہوں نے تنبیہی نظروں سے اس کو دیکھا اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتیں۔ وہ ملازم کی معیت میں آتا دکھائی دیا تھا' سفید شلوار قمیص میں تیل لگے بال سلیقے سے سنورے ہوئے تھے۔ لائٹ براؤن آنکھوں میں سرمہ' مسز ملک کو اتنا عجیب لگا کہ وہ لاحول ولا پڑھ کر رہ گئیں۔ ٹخنوں سے اونچی شلوار دیکھ کر فارض نے ایک بار پھر پری کے کان میں سرگوشی کی۔

''لگتا ہے کسی تبلیغی دورے سے تشریف لائے ہیں اور سیدھا یہیں لینڈ کیا ہے۔'' وہ ملک صاحب سے پرجوش مصافحہ کر رہا تھا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کی پیشانی چومی۔ نجانے کیوں ان کو اپنی اس اولاد سے بے تحاشا محبت تھی' اب اس نے مسز ملک کے پاؤں چھوئے اور پھر ان کے آگے سر کو جھکایا۔

''مائی سن...... میرا بچہ! کتنے کتنے دن گزر جاتے ہیں تم سے ملے۔ تم کو دیکھے بس بہت ہو گیا اب' واپس آجاؤ سارب! فارض کی اپنی مصروفیات ہیں۔ تمہارے پاپا کو بزنس میں تمہاری ضرورت ہے بیٹا۔'' پھر انہوں نے ملازم کو پکار کر سارب کے لیے ناشتا لانے کا حکم دیا۔

''نہیں اماں! ناشتا میں کر کے آیا ہوں' ہم دیہاتی لوگ ہیں مکھن' لسی کے بغیر ہماری روٹی حلق سے نہیں اترتی۔ آپ کا یہ شہری ناشتا ہمیں راس نہیں آتا۔'' اس کے جواب نے مسز ملک کے موڈ کو خراب کر دیا تھا۔

''کیا حال ہے فارض! پڑھائی کیسی جا رہی ہے تمہاری اور پری بی بی! آپ تو ٹھیک ہیں ناں۔ چاچی یاد کر رہی تھیں آپ کو' کہہ رہی تھیں چھٹیوں میں اگر ٹائم ملے تو چکر لگا لیجیے گا۔'' اس کے طرز تخاطب پر پری کا منہ تو ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں لال ہو گیا جبکہ فارض نے اپنے پاپا کے ڈر سے تمیز سے جواب دیا تھا کہ وہ ٹھیک ہے' اس کی پڑھائی ٹھیک جا رہی ہے اور پری نے کہا۔

''کیا ہے کہ سارب! کبھی ماموں اور آنٹی کا چکر لگا تو آجاؤں گی ورنہ تمہیں تو پتا ہے کہ مجھے گاؤں سے' اس ماحول سے کتنی الرجی ہے۔ میں تو چند گھنٹے مشکل سے گزارتی ہوں' دنوں رہنے کا تو سوچ بھی نہیں سکتی۔'' اس کے انداز میں کسی حد تک نخوت بھی تھی جس نے سارب کا چہرہ اس پل پھیکا کر دیا تھا۔

''چھوڑو سارب! اس بحث کو یہ بتاؤ کہ کب سے جوائن کر رہے ہو اپنے پاپا کے ساتھ آفس۔'' مسز ملک نے بے تابی سے پوچھا' ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی اسے ملک صاحب کے ساتھ آفس بھجوا کے دم لیتیں۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں اماں آپ' ایسے کیسے چھوڑ کر آسکتا ہوں میں سب کچھ۔ چاچی ہیں وہاں' چچا کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی پھر زمینوں کی دیکھ بھال ہے' فصل کی بوائی سے لے کر کٹائی تک اور پھر فصل منڈی بھجوانے تک کا سارا کام میں کرتا ہوں۔ چاچی تو ایک دن کے لیے مجھے نظروں سے دور نہیں رہنے دیتیں۔ وہ اجازت دے بھی دیں تو اماں میرا ذہن نہیں ہے یہ دو اور دو چار کرنے والا۔ میں مٹی سے محبت کرنے والا بندہ ہوں' اسی طرز زندگی کا عادی ہوں جو شروع سے میں نے دیکھی اور برتی ہے یہاں شہر میں میرا دم گھٹتا ہے۔ یہاں فارض کو اللہ زندگی دے' آپ کے پاس ہے میں یہاں آجاتا ہوں تو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

چاچی اور چچا کیا کریں گے۔"

"جو بھی کریں گے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے' غضب خدا کا نیکی گلے پڑنا سنا تھا مگر بیس سال سے اس نیکی نے مجھے جو نقصان دیا ہے میں جانتی ہوں۔ میری اولاد نظروں سے دور ہے' مفت کا نوکر بنا کر رکھ دیا ہے بچے کو' کروڑوں نہیں تو لاکھوں کا بزنس ہے باپ کا اور وہاں میرا بچہ کسان بن کر ہل چلاتا ہے۔" مسز ملک تو پھٹ پڑی تھیں۔

"خیر یہ بات تو مت کریں گے' اس وقت نیکی آپ نے نہیں بھابھی بیگم نے کی تھی آپ کے بچے کو گود لے کر' اس کی ذمہ داری سنبھال کر کیونکہ دو بچوں نے آپ کی حالت غیر کردی تھی' یاد نہیں جان کے لالے پڑ گئے تھے۔" ملک صاحب نے ان کو یاد دلایا۔

"ہاں تو اس میں بھی ان کا اپنا فائدہ تھا' اولاد نہیں تھی ان کی تو اپنے اس جذبے کی تسکین کے لیے انہوں نے بخوشی یہ ذمہ داری لی تھی ورنہ ان کے بھی بچے ہوتے تو میں دیکھتی کہ کیسے وہ ذمہ داری لیتیں میرے بچے کی۔ چلو مان بھی لوں آپ کی بھابھی بیگم کی ذمہ داری کو مگر یہ تو نہیں کہا تھا میں نے کہ میری اس نیکی کو میرے گلے میں زبردستی کا ڈھول بنا کر لٹکا دیں جسے عمر بھر کے لیے بجانا پڑ گیا ہے۔ بس بہت تاوان دے دیا میں نے اس احسان کا' اب میرا بچہ مجھے واپس چاہیے۔" وہ غصے سے چیخ اٹھیں۔

"او کے مام! وی آر گیٹنگ لیٹ' چلتے ہیں۔ او کے برادر' سی یو۔" پری اور فارض جو اچھے خاصے بور ہو رہے تھے اس صورت حال سے ہر بار سارب کی آمد پر کچھ ایسے ہی مکالمے ان تین نفوس کے درمیان اس گھر میں کئی سال سے دہرائے جا رہے تھے۔ بس اس بار ماما کا ری ایکشن تھوڑا شدید تھا۔ فارض نے پری کو اشارہ کیا اور ان تینوں کو مخاطب کر کے کہا پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔

"اماں...... میری پیاری اماں...... دنیا کی کوئی بھی طاقت اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی کہ تھیں آپ کی اولاد ہوں یقیناً قیامت والے دن آپ کے نام سے ہی اٹھایا جاؤں گا' نہ ہی میرے وہاں رہنے سے یہ حقیقت بدل سکتی ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ آپ میری حقیقی ماں ہیں تو چاچی کو بھی میری ماں کا ہی درجہ حاصل ہے۔ آپ نے مجھے جنم دیا تو راتوں کو وہ بھی جاگی ہیں میرے لیے...... میں اب تو کیا زندگی کے کسی بھی حصے میں انہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ چاچی نے کچھ موسم کے میوے اور فصل بھجوائی تھی وہ گاڑی سے نکلوا لیں۔ مجھے نکلنا ہے چچا کی دوائیاں بھی لینی ہے اور زمینوں کے لیے کچھ کھاد' اسپرے وغیرہ دیکھنی تھی' جلدی چکر لگاؤں گا' اجازت دیں۔" وہ وہی سب کچھ کہہ رہا تھا جو اس سے قبل کہتا آیا تھا' ملک صاحب نے خوش دلی سے اسے رخصت کیا مگر مسز ملک کے آنسو نکل آئے تھے انہوں نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"میں آپ کے وجود کا حصہ ہوں اماں! دنیا میں کہیں بھی رہوں' آتا رہوں گا۔" ان کے ہاتھ چومتے اس نے ایک بار پھر یاددہانی کروائی' اس کے ڈائننگ روم سے باہر جاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

"دیکھ لیا ملک صاحب! میری اچھائی کو لوگوں نے میرا گناہ بنا دیا' میرا بیٹا چھین لیا اوپر سے اس کی تربیت دیکھی ہے کیسے کی ہے آپ کی بھابھی بیگم نے۔ پورا املا بنا کے رکھ دیا ہے' ایجوکیشن بھی میرے بار بار کہنے پر مکمل کرائی اسے اور وہ بھی اپنے مطلب کے لیے اسے ایگری کلچر میں ماسٹرز کرا دیا کہ ساری زندگی زمینوں کی راکھی کرتا رہے گا۔ حلیہ دیکھا ہے اس کا' پورا املا دکھتا ہے۔ بات ایسے کرے گا جیسے درس دینے آیا ہو' بتائیں بھلا نہ ایجوکیشنل کیریئر اچھا ہے اس کا' اتنی پیاری شکل کو عجیب مضحکہ خیز بنا کے رکھتا ہے۔ شہر میں آپ کا خاندان اسے بھیجنے کو تیار نہیں' ہمارے سرکل میں کون بیٹی دے گا اسے جبکہ فارض کے لیے ابھی سے رشتوں کی لائن لگ چکی ہے۔"

"دیکھو منزہ! مین روز روز کے اس ڈرامے

سے تنگ آ گیا ہوں اور تمہیں روز روز سمجھاتے بھی کہ یاد کرو وہ وقت جب تم بچے جیسی ذمہ داری میں پڑنا ہی نہیں چاہتی تھیں اور بقول تمہارے یہ ایک مستقل مصیبت تمہارے گلے نہ پڑ جائے۔ تم میرے منع کرنے کے باوجود ڈاکٹر کے پاس اپنی اولاد سے چھٹکارا پانے گئی تھیں تب ڈاکٹر نے تمہاری جان کا خطرہ بتا کر ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت وہ بھابھی بیگم ہی تھیں جنہوں نے تمہیں اس بات پر راضی کیا تھا کہ ایک دفعہ بس وہ نو ماہ کی تکلیف ہی گوارا کر لو اس کے بعد عمر بھر بچے کی ذمہ داری وہی سنبھالیں گی۔

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا بچوں کی پیدائش کے چار سال بعد تک وہ تو تمہیں شہری بننے کا شوق چرایا اور تم نے اپنے ساتھ میری بھی مت ماردی۔ تم تو دونوں بچوں کو بھابھی بیگم کے پاس چھوڑنے کے لیے تیار تھیں وہ تو میں تھا جس کو پتا تھا کہ تم ذمہ داریوں سے جی چرانے والی عورت کبھی بھی دو بچوں کی ذمہ داری سنبھال نہ پاؤ گی سو سارب کو وہیں اس کی چچی کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ آج جو تم بڑھ چڑھ کر اس کو پینڈو ملا اور دیہاتی ہونے کے طعنے دیتی ہو تو یاد رکھو کہ اپنی مٹی اپنا اصل اور اپنی جڑوں کو بھولنے والے نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے۔ تم خود بھی اسی بیک گراؤنڈ میں پیدا ہوئیں پلی بڑھیں۔'' مسز ملک پہلو بدل کر رہ گئیں ہر بار وہ انہیں ایسے ہی طعنے دے کر چپ کرا دیتے تھے۔

''جس لاکھوں کے بزنس کا تمہیں غرور ہے تو میرا بیٹا بھی اس سے زیادہ مالیت کی زرعی زمین کا مالک ہے۔ کس بات سے تمہیں شرم آتی ہے اس کے نیک اور صالح ہونے پر پنج وقتہ نمازی ہونے پر یا ماں باپ سے فرماں برداری پر مجھے اپنے بچے پر فخر ہے کہ وہ آج کے اس مادہ پرست دور میں ایک خالص اور سچی روح ہے باقی جہاں رہا اس کی شادی کا سوال تو تمہارے سرکل کی لڑکی کو تو وہ خود منہ نہیں لگائے گا اس کے لیے اس جیسی ہی کوئی پیاری لڑکی میں خود ڈھونڈوں گا۔ تمہیں تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی ہر بار اسے اموشنل بلیک میلنگ کر کے پریشان کیا کرو۔ امید ہے کہ مجھے یہ بات تمہیں آخری مرتبہ سمجھانی پڑ رہی ہے۔'' اطمینان سے کہتے انہوں نے کرسی کی بیک پر لٹکا کوٹ اتار کر پہنا بریف کیس اٹھایا اور آفس کے لیے نکل گئے۔

''ہونہہ...... روپیہ پیسہ یا کوئی برتنے کی چیز ہے جو میں عمر بھر کے لیے لوگوں کو دان کر دوں۔ میں بھی اپنا بیٹا واپس لے کر رہوں گی۔'' انہوں نے میاں کی ساری نصیحتیں بھلا کر ارادہ کیا اور ملازم کو پکارتی آگے بڑھ گئیں۔

☆☆☆

''اف پری! ہنسا ہنسا کے پیٹ میں درد کرا دیا تم نے تو بائی گاڈ...... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہاری فیملی میں اس قسم کا کوئی نمونہ ہو سکتا ہے ہاؤ انٹرسٹنگ؟'' رانیہ اس کی کلاس فیلو صبح کی ساری روداد اور اس کے کزن کی سادگی اور حلیے پر ہنس ہنس کر بے حال ہو گئی جب پری نے باقاعدہ اداکاری کر کے سارب جیسا انداز اپنا کر اس کے بارے میں بتایا تو......

''بس یار...... مت ماری گئی تھی آنٹی کی جو اسے گاؤں میں چھوڑ دیا۔ اچھے خاصے لڑکے کو اسپوائل (خراب) کر کے رکھ دیا۔ تم یقین کرو فارض سے کہیں زیادہ بیوٹی فل اور صحت مند ہے وہ مگر حلیہ ایسا کہ دیکھو کوئی جوکر یاد آتا ہے۔ یہ بھر بھر کے آنکھوں میں سرمہ ہاؤ فنی!'' وہ مزید اس کی اس رطب اللسان تھی۔

''چھوڑو اب اس قصے کو اور بتاؤ کہ تمہارے ہیرو کا کیا سین ہے؟ شادی وادی کا کب تک پروگرام ہے؟ ہمارے گروپ کی سب گرلز تو انگیج ہو گئیں سوائے تمہارے۔''

''مجھے بھی انگیج ہی سمجھو...... اب لازمی نہیں کہ وہ منہ سے بھی اظہار کرے۔ اس کا ہر ہر انداز چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ میں اس کے لیے کتنی امپارٹنٹ ہوں

پھر ظالم سماج جیسی کوئی دیوار نہیں ہم دونوں کے بیچ۔ انکل اسے اسٹڈیز کی دوران ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے' اسپیلائزیشن کے بعد ہی شادی کا پروگرام...... تب تک میری بھی اسٹڈیز کمپلیٹ ہوجائے گی۔" رانیہ کے سوال پر اس نے اطمینان اور کسی قدر فخر سے بتایا۔

☆☆☆

"آ گیا میرا بچہ! منہ ہاتھ دھولے' میں کھانا لے آؤں۔" چاچی کا انداز اور لہجہ ہمیشہ کی طرح اس کے لیے شہد ٹپکاتا ہوا تھا۔

"جی چاچی اور کھانے کے بعد اپنے ہاتھوں کی دودھ پتی پلادیں آج' بہت تھک گیا ہوں۔ سر پر کھڑے ہوکر کام نہ کرواؤ تو پرانے نمک خوار تک کام میں ڈنڈی مارنے سے باز نہیں آتے۔" کسلمندی سے چارپائی پر بیٹھ کر اس نے پاؤں کو جوتوں سے آزاد کیا' چچی نے اس کے گھر والے سلیپرز لاکر نیچے رکھے۔

"ارے چاچی جان! کتنی دفعہ کہا ہے کہ اس طرح کر کے مجھے شرمندہ مت کیا کریں' ماؤں کا یہ منصب نہیں ہوتا۔" وہ شرمندگی سے کہتا سیدھا ہوا۔

"ارے میرا بچہ! میرا بس چلے ناں تو تجھے پلکوں پر بٹھا کر رکھوں' تیرے ہر کام کو اپنے ہاتھوں سے کرکے جو مجھے خوشی ملتی ہے ناں...... اس سے مجھے مت روک۔" چچی کی جیسے ہی آنکھوں میں پانی بھرا وہ وہیں ان کی محبت پر بے بس ہوتا ہوا منہ ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا جانتا تھا کہ اپنی محبت سے مجبور ہوکر وہ اب صاف ستھرا تولیہ لے کر اس کے پیچھے پیچھے آئیں گی۔ منہ ہاتھ دھلانے کو اپنے ہاتھ سے نلکا چلائیں گی' وہ اپنی محبت کے ہاتھوں اور سارب اپنی ادب کے آگے مجبور تھا سو اس قسم کی ہلکی پھلکی تکرار اس گھر میں روزانہ ہی ہوتی تھی۔

دونوں ہی آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تھے' آگے آگے سارب تھا پیچھے ٹرے میں گرم گرم کھانا لے کر آتی چاچی تھیں' بستر پر لیٹے چچا اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھے تھے جب اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! جیتا رہ میرا پتر۔"

"آپ لیٹے رہیے' چاچی بتارہی ہیں کہ صبح کی دوائی بھی نہیں پی آپ نے...... یہ تو ٹھیک نہیں ناں......"

"او کچھ نہیں ہوا مجھے' بالکل ٹھیک ہوں میں...... جس کا تم جیسا پتر ہو' وہ بندہ بھلا بیمار ہوسکتا ہے...... یہ تو تمہاری چاچی مجھے زبردستی بیمار بنانے پر لگی ہے۔" وہ خوش دلی سے بولے۔

"اللہ کرے کہ آپ کو کچھ نہ ہو' ہمیشہ صحت و تندرستی کے ساتھ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رہے مگر چچا یہ جو بیماری ہوتی ہے ناں اس کو تشخیص کے فوراً بعد ہی قابو کرلیا جائے تو ٹھیک ہوتا ہے ورنہ آگے چل کر پیچیدگی بڑھ سکتی ہے۔" وہ ان کے سامنے بیٹھ کر نوالہ توڑتا ہوا بولا۔

"اور آپ وعدہ کریں کہ آئندہ دوائی کا ناغہ نہیں کریں گے۔"

"چلو بھئی اب ماں' بیٹے نے مل کر ایک بات ٹھان لی ہے تو ایسے ہی ٹھیک ہے۔ ہاں بھئی نیک بخت' سارب پتر سے وہ بات کی ہے کہ نہیں۔" اب چچا نے چاچی کو مخاطب ہوکر کہا' سارب چونک کر چاچی کو دیکھنے لگا جو اب بات کرنے کے لیے تمہید باندھ رہی تھیں۔

"تجھے پتا ہے سارب! جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں باپ اس کے نام رکھنے سے لے کر اس کے بچوں تک کے نام سوچ لیتے ہیں' ان کے دن اور ماہ وسال اسی میں گزرتے ہیں کہ وہ کب اس کے سر پر سہرا سجتے دیکھیں گے۔ ہم پر اللہ کا لاکھ کرم ہے کہ اس نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم اپنی زندگی سب سے بڑی خوشی دیکھیں' اپنے بچے کو دلہا بنے دیکھیں۔" وہ جو چاچی کی بات بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا' اپنی شادی کا ذکر سن کر کسی کو سراپا چھم سے نظروں کے سامنے کیا آیا کہ چہرہ ایک لمحے کو پھیکا پڑ گیا۔

"میرا شہزادہ پتر تو ایسا بانکا' سجیلا اور شاندار ہے کہ گاؤں کے جس گھر بھی جھولی پھیلا کر جاؤں گی'

بامراد ہی لوٹوں گی۔ مجھے کئی گھروں میں جا کر بچیوں کے دل توڑنے سے بڑا خوف آتا ہے سارب! میں نے تیرے چچا سے کہا کہ میرا بیٹا جس گھر کا نام لے دے گا' میں وہیں سوال ڈال دوں گی۔ اب تو جلدی سے بتا کہ ہمیں کہاں جانا چاہیے..... آخر کو اتنا پڑھا لکھا' سمجھ دار ہے تیری بھی کوئی سوچ ہو گی..... کوئی خیال ہو گا کہ لڑکی ایسی ہو..... تو جہاں میرا بچہ انگلی رکھے گا' ماں وہاں پر سوالی بن کر پہنچے گی۔" بیٹے کی شادی کی خوشی میں وہ دونوں ہی پر جوش تھے' سارب بے اختیار ہنس پڑا۔

"آپ لوگ ضرور یہ خوشی دیکھیے گا کہ آپ یہ حق رکھتے ہیں لیکن مجھے فصل تک کا وقت دے دیں اس کے بعد آپ کی جہاں مرضی جائیں' جیسی بھی لڑکی منتخب کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا لیکن اس سے پہلے آپ یہ سلسلہ شروع مت کریں بس جیسے ہی وقت آئے گا کر لیجیے گا چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ....."

"چل ٹھیک ہے میرا پتر..... رشتہ تو فصل کے بعد ہی طے کروں گی پر شادی کی تیاری تو شروع کر سکتی ہوں ناں کپڑے..... لتے..... زیور..... شادی کی تیاری آسان تھوڑی ہے۔ شہر سے خریداری کروں گی اپنی نوں (بہو) کے لیے..... ابھی سے شروع کروں گی تو سب ہو پائے گا ناں۔"

"ارے چاچی! آپ کو میرے حوالے سے کسی بھی کام کی مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے' آپ جو چاہے کر سکتی ہیں۔ بس میں وقت کے وقت ہر کام کرنا پسند کرتا ہوں' قبل از وقت کے رشتے اگر ہوں تو کئی پیچیدگیوں کا ڈر ہوتا ہے ورنہ ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔" اس نے چاچی کی مزید تسلی کروائی۔

"جیوندا رہ میرا پتر....." انہوں نے خوش ہوتے ہوئے دعا دی۔

☆☆☆

"تم بے وقوفی کر رہی ہو منزہ! بھائی صاحب کب تک تمہاری اس غلطی کی سزا تمہیں دیتے رہیں گے..... تمہارے کون سا کوئی بچوں کی لائن لگی ہے کہ چلو ایک تمہارے پاس نہیں باقی تو ہیں ناں....."

"میں کیا کروں عائشہ! پہلے تو خود بھی مجھے کوئی خاص کمی محسوس نہیں ہوتی تھی اس کی' نہ ہی ویسا پیار آتا تھا اس کے اوپر جیسا فارض کے اوپر آتا ہے مگر جب سے تم نے احساس دلایا ہے یقین کرو میں بہت یاد کرتی ہوں اس کو۔ میرے اختیار میں نہیں کہ وقت کو واپس لے آؤں جب میں نے اپنا بچہ ان لوگوں کو دیا تھا۔" ان کی آواز بھرا گئی بہن کی ہمدردی پا کر' وہی تھیں جنہوں نے بار بار کہہ کر ان کو اس فاش غلطی کا احساس دلایا تھا جو وہ ماضی میں کر چکی تھیں ورنہ اب سے پہلے تک انہیں کبھی اس بات کا احساس تک نہ ہوا تھا۔

"میں تمہاری دشمن نہیں ہوں منزہ! اب تم خود سوچو کہ فارض کو تم اسپیشلائزیشن کے لیے باہر بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہو پھر سوچو کہ آج کے بچے ہیں یہ کل اگر اس کا ارادہ وہیں جاب کرنے کا ہو گیا تو کم از کم ایک بچہ تو تمہارے پاس ہو ناں....." ان کی بات پر مسز ملک کا دل کیا بہن کی اس قدر محبت پر ان کا منہ چوم لیں۔

واقعی اس نہج پر تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا' بہن سے احسان مندی کا جذبہ اس پل اتنا زور آور تھا کہ وہ یہ نہ سوچ سکیں کہ وہ بہن جو اپنے رتبہ اور حیثیت کے فرق کی وجہ سے ان سے کم کم ہی رابطہ رکھتی تھیں..... بہت کم ہی بات چیت ہو پاتی تھی کہ ان کے میاں کو ہر کسی سے تعلقات پسند نہیں تھے' اچانک ان کے دل میں بہن اور بھانجے کی محبت کیسے جاگ اٹھی تھی۔ اب وہ اپنی بہن کی نصیحتوں کو مزید غور سے سننے لگیں۔

☆☆☆

"فارض! تم آنٹی سے بات کرو ناں....." اس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے فارض سے کہا جو لاپروائی سے چیونگم چباتے ہوئے اب اپنا پسینہ صاف

کرر ہا تھا۔ ابھی ابھی ایک گیم ٹینس کی کھیل کر وہ دونوں لان چیئرز پرآ کر بیٹھے تھے۔

"کون سی بات ڈیئر!" اس نے جوس کا گلاس اٹھایا جو ابھی ملازمہ رکھ کر گئی تھی۔

"ایک تو ہر بات تمہیں کئی بار بتانا پڑتی ہے فارض!" وہ جھنجلائی۔

"آنٹی سے اپنی اور میری شادی کی بات......" خفگی ابھی بھی اس کے لہجے میں تھی۔

"شادی......؟" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "جانتی بھی ہو کہ مما مجھے ابھی تک بچہ سمجھتی ہیں۔ میرے کیریئر کے اسٹارٹ ہونے سے پہلے ہی اس قسم کی بات اچھی خاصی شاکنگ ہوگی ان کے لیے...... پھر تمہیں کس بات کی جلدی ہے پری! جب ہماری آپس میں کمٹمنٹ ہے تو جب وقت آئے گا بتادیں گے مما پاپا کو' کس بات کی فکر ہے تمہیں...... نہ تو ہمارے درمیان کوئی ظالم سماج ٹائپ چیز ہے نہ کوئی اور رکاوٹ...... پھر......؟"

"مجھے ڈر کسی اور کا نہیں ہی ڈیئر فارض آپ کی فلرٹی نیچر کا ہے اگر جو کوئی گوری پھنسا کے لے آئے وہاں سے جیسا کہ عموماً یہاں سے جانے والے لوگ کرتے ہیں...... شادی نہ سہی' منگنی یا نکاح تو ہو ہی سکتا ہے ناں۔ میں بھی ابھی شادی کا نہیں کہہ رہی' ایجوکیشن کمپلیٹ کرنی ہے مجھے بھی۔" اس کے اس طرح کہنے پر فارض جو آرام دہ حالات میں کرسی پر پیر پسارے بیٹھا تھا' ایک بار پھر ہنسنے لگا۔

"کم آن پری! تم ایسی سوچ رکھتی ہو میرے لیے...... یار میں کیئر لیس (لاپروا) ضرور ہوں فلرٹی نہیں۔ تمہاری تسلی کے لیے یہ بتادوں کہ میں منگنی اور شادی جیسے جھنجٹ میں فی الحال نہیں پڑنا چاہتا تھا لیکن اگر تم اصرار کرتی ہو تو ڈونٹ وری' مما سے بات کر کے منگنی بھی کرلیں گے...... اب یہ اینگری کیٹ جیسی شکل سے اسمائیلی فیس پر آؤ' بور ہو رہا ہوں میں......" پری اس کی بات پر مسکرادی اور اس کے بازو پر مکا رسید کیا۔

☆☆☆

"آر یو میڈ فارض...... میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں اوپر سے تم ایک بے وقوفانہ فرمائش لے کر آ گئے ہو۔"

"میں ابھی شادی کی بات نہیں کر رہا مما...... مگر منگنی تو کر دیں کم از کم...... میں بھی وہاں ریلیکس رہوں گا اور پری کا بھی کوئی رشتے وغیرہ کے لیے نام نہیں لے گا۔" وہ الجھ کر بولا کہ ماں کا اس کی بات پر اتنا غصہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"پری کے بچے! بیٹھو اور میری بات سنو' میں نے تمہاری پھوپھو کی اس یتیم لڑکی کو اس گھر میں رکھا تھا تو صرف ثواب کے لیے کہ اللہ کا دیا ہمارے پاس بہت کچھ تھا تو ایک بچی بوجھ نہیں تھی ہمارے اوپر مگر اس کو عمر بھر اپنے سر پر بٹھا کر رکھنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ سو تم بھی اپنی اس بچگانہ سوچ اور فرمائش کو دماغ سے نکال دو۔"

"لیکن کیوں مما! کیا کمی ہے پری میں...... ہماری اپنی فیملی سے ہے' اچھی خاصی خوب صورت لڑکی ہے پھر میری کیمسٹری ملتی ہے اس سے اور ہم دونوں اپنی شادی کا فیصلہ بھی کر چکے ہیں۔" اس کے اس طرح کہنے پر انہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں لیا۔ پری اور فارض کی بے تکلفی کو وہ ایک ہی گھر میں رہنے والے بچوں کا ایک عام سا تعلق سمجھی تھیں سو کبھی اس حوالے سے نہ کچھ سوچا نہ باز پرس کی تھی۔ شکر ہے معاملہ ابھی ان کے ہاتھ میں ہی تھا زیادہ دور تک نہیں گیا تھا۔

"دیکھو فارض! میں جو بھی بات کروں گی اسے غور سے سننا۔" انہوں نے اپنے بلند ہوتے فشار خون کو نظر انداز کرتے بڑے پیار سے فارض سے کہنا شروع کیا۔

"تم ابھی بہت چھوٹے ہو زندگی کے معاملات کو ہینڈل کرنے کے حوالے سے۔ میں جانتی ہوں کہ پری اچھی بچی ہے' خوب صورت ہے' ایجوکیٹڈ بھی اور تم اسے پسند بھی کرتے ہو۔ یہ سب باتیں تم دیکھ

رہے ہو' ماں باپ کی سوچ' پرکھ اور جانچ وہ سب دیکھ رہی ہوتی ہے جو تم بچوں کی نظر سے اوجھل ہوتا ہے۔" ان کی لمبی اور تمہیدی بات پر فارض نے پہلو بدلا تھا۔

"دیکھو میری جان! میری خواہش ہے کہ میرا بیٹا زندگی کی ہر فیلڈ میں آگے' بہت آگے جائے۔ یہاں ہمارے ملک میں وہ آگے بڑھنے کا موقع نہیں ہیں نوجوانوں کے لیے جو دوسرے ممالک میں ہیں۔ یہی دیکھ کر تمہارے پاپا کے راضی نہ ہونے کے باوجود میں تمہیں اسپیشلائزیشن کے لیے امریکا بھجوا رہی ہوں۔ جانتے ہو کہ تمہیں کون اسپانسر کر رہا ہے وہاں...... تمہارے خالو...... وہاں کے جانے مانے ڈاکٹر ہیں اور اپنا ہسپتال ہے ان کا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ہم سے ایسی کوئی بات کر سکتے ہیں مگر جب سے تمہاری آنٹی نے مجھے کہا ہے کہ اگر شینا (بھانجی) کو تم پسند آ گئے تو وہ تمہیں داماد بنا کر خوشی محسوس کریں گی۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا اور یہاں تم ہو کہ میرے سارے خواب ملیامیٹ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔" اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ اسے قائل کرنے کے لیے پورا زور لگا رہی تھیں۔

پھر انہوں نے اسی ایک دن اس کو سمجھانے پر اکتفا نہیں کیا' اسے وقتاً فوقتاً امریکا امریکن لڑکی اور امریکن نیشنلٹی کے خواب دکھاتی رہیں۔ کچھ تو وہ اپنی میڈیکل کی سخت روٹین سے ویسے ہی مصروف رہا کرتا تھا مگر پری کے لیے پھر بھی وقت نکال لیا کرتا تھا۔ ان کی مسلسل سمجھانے کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اسے پری سے کچھ کھنچا ہوا محسوس کیا' انہوں نے سکون کی سانس لی تھی اس میں زیادہ عمل دخل ان ہی کا تھا۔ وہ اسے فارغ اوقات میں بھی کسی نہ کسی مصروفیت کا حصہ بنا دیتیں یا پری کے ذمہ ہی کوئی کام لگا دیتیں۔ ایک مہینہ بعد اس کے کاغذات کی کارروائی مکمل ہونے والی تھی جس کے بعد اس نے امریکا چلے جانا تھا تب تک کے لیے وہ اسے پری سے دور رکھنا چاہتی تھیں اور اب تک اس میں اچھی خاصی کامیاب بھی تھیں۔

☆☆☆

"پتا نہیں کیوں مجھے ایسے فیل ہو رہا ہے جیسے فارض آج کل مجھے اوائیڈ (دور بھاگ) کر رہا ہے۔ پہلے پہل سے اسے اپنا وہم سمجھا ہوں مگر اب جب میں نے غور کیا تو پتا چلا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے۔ پہلے وہ جتنا بھی مصروف کیوں نہیں ہوتا تھا جو ٹائم میرا تھا اس کی لائف میں' وہ میرا ہی ہوتا تھا۔ بعض دفعہ ڈیوٹیز کی وجہ سے وہ مجھے ٹائم نہیں دے پاتا تھا تو کال کر کے معذرت کر لیتا تھا مگر اب اس دن سے اس نے مجھ سے بات نہیں کی۔ میری کسی کال' کسی میسج کا جواب نہیں دیا۔ میں نے اس کی روٹین کا جائزہ لیا' کوئی لڑکی بھی نہیں ہے اس کی زندگی میں میرے علاوہ...... پھر ایسے کیوں کر رہا ہے وہ......" روہانسی ہو کر وہ اپنی دوست کو بتا رہی تھی۔

اس نے اسے مشورہ دیا تھا کہ اسے موقع ڈھونڈ کر فارض سے بات کرنی چاہیے' ہو سکتا ہے اس نے پری کی کسی بات کا برا مانا ہو۔

"نہیں وہ تو آنٹی سے ہماری انگیج منٹ کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا جب لاسٹ ٹائم ہماری بات ہوئی...... خیر تمہاری بات ٹھیک ہے' مفروضوں پر پریشان ہونے کے بجائے مجھے اس سے کھل کر بات کرنی چاہیے۔" اب کے وہ جذبات سے نہیں عقل سے کام لے کر کہہ رہی تھی۔ اس کی دوست سکون کا سانس لیتی کتاب پر جھک گئی کیونکہ تین چار دن سے پری فارض کے حوالے سے بہت پریشان تھی کلاسز اور اسٹڈیز بھلائے وہ ہر وقت اسی موضوع کو لے کر بیٹھی رہتی تھی۔

☆☆☆

پری کے کالج اور ملک صاحب کے آفس سدھار جانے کے بعد مسز ملک نے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا حکم دیا۔ فارض کے جانے میں بہت کم دن رہ گئے تھے اور وہ اس سے پہلے ہی سارب کا کوئی پکا بندوبست کرنا چاہتی تھیں' ساڑھے تین گھنٹوں کا سفر ان کی تاکید پر تین گھنٹے میں طے ہوا تھا۔

اتنے عرصے بعد دیورانی کو دیکھ کر چاچی تو خوشی سے پھولی نہ سمائیں۔

"جی آیانوں...... ست بسم اللہ...... دیکھو تو سارب کے ابا! بھلا کون آیا ہے ہمارے گھر؟ بھائی جی نہیں آئے اور بچے......" لحافوں کو باہر دھوپ لگوانے کی غرض سے نکلوایا گیا تھا' ملازمہ کے ساتھ یہ کام ابھی شروع ہی کیا تھا کہ آنگن میں نخوت سے اِدھر اُدھر دیکھتی دیورانی کو دیکھ کر خوشی سے بولے گئیں۔ سرما کی نرم گرم دھوپ جو ابھی آنگن میں پھیلنا شروع ہی ہوئی تھی' وہاں لیٹے چچا جان بھی اٹھ بیٹھے مگر وہ ان دونوں کی گرم جوشی اور خوشی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ویسے ہی اینٹھی کھڑی رہیں۔

"دیکھیے بھابھی اور بھائی جان میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی' اپنی امانت واپس لینے آئی ہوں جو آج سے کئی سال قبل میں نے آپ کے حوالے کی تھی مگر معلوم نہیں تھا کہ امانت دار ہی مالک بن جائیں گے۔" ان کے روکھے لہجے میں کی گئی بات پر دونوں میاں بیوی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا اور انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"تم دونوں باہر جا کر باڑہ دیکھ لو ذرا...... کب سے تفصیلی صفائی ہی نہیں ہوئی۔" چاچی نے آہستہ سے لحافوں کے ساتھ لگی ملازمہ کو کہا جو بظاہر کام میں مصروف تھی مگر کان یہیں لگے ہوئے تھے۔

"بیٹھیے بھابھی! آرام سے بات کریں' آپ کیا کہہ رہی ہیں......" پتا نہیں وہ سمجھے نہیں تھے یا جان کر انجام بن رہے تھے تاہم چاچی کا چہرہ ضرور پیلا پڑ گیا تھا ان کی بات سن کر۔ مسز ملک نزاکت کے ساتھ ان کی پائنتی پر بیٹھ گئیں' چاچی بھی گم صم کیفیت میں وہیں بیٹھ گئیں۔

"دیکھیے بھائی صاحب...... میں مانتی ہوں کہ تب جڑواں بچوں کو سنبھالنا میرے لیے ناممکن تھا' میں کبھی بھی یہ ذمہ داری نہ نبھا سکتی اگر جو بھابھی نہ ہوتیں تو...... مگر اب آپ خود فیصلہ کریں کہ آپ کے بھائی کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ فارض ڈاکٹری کی مزید تعلیم کے لیے ملک سے باہر جانا چاہتا ہے...... بلکہ اگلے کچھ دنوں میں چلا جائے گا۔ آپ کے بھائی زبان سے نہیں کہتے مگر میں جانتی ہوں کہ وہ اکیلے فیکٹری کا کام نہیں سنبھال پا رہے...... وہ وقت آ گیا ہے جب سارب کو اپنے گھر لوٹ آنا چاہیے' اپنی ذمہ داریاں سنبھال لینی چاہئیں' اپنے باپ کا ساتھ دینا چاہیے۔ میں نے بہت کہا مگر وہ آپ لوگوں کے خیال سے شہر نہیں آنا چاہتا۔ اب وہ بچہ ہو کر آپ کا اتنا خیال کر رہا ہے تو آپ بھی اس کا خیال کریں ناں...... میرے آنے کا بتائے بغیر جیسے کریں جو بھی کریں' میرا بیٹا مجھے چند ہی دنوں میں اپنے گھر میں چاہیے۔ امید کرتی ہوں میری آمد کا ذکر آپ سارب یا اپنے بھائی سے نہیں کریں گے' چلتی ہوں......" جیسے آئی تھیں ویسے ہی چلتی بنی تھیں۔

چاچی تو کسی صدمے کی کیفیت میں ہی بیٹھی تھیں حالانکہ مسز ملک کو گئے پندرہ بیس منٹ تو گزر ہی چکے تھے۔ آنسو تواتر سے چاچی کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

"میں تو بھول ہی گئی تھی سارب کے ابا کہ ہمیں تو اللہ نے اولاد دی ہی نہیں تھی۔ پرائی امانت کو سینے سے لگا کر اپنی محرومی بھول گئے اور بھول گئے کہ امانت کا امین بنا جاتا ہے' مالک نہیں۔ اس کی شادی تک کا سوچ لیا' بچوں کے نام بھی سوچ لیے...... قصور ہمارا ہے' بھابھی کا نہیں...... اس کی تو شاباش ہے کہ اتنے سال تک اپنے جگر کا ٹکڑا ہمارے حوالے کیے رکھا' کبھی نام تک نہیں لیا' ہمارا فرض بنتا تھا ناں پرائے بچے کو اپنے حقیقی ماں باپ کے سپرد کرتے۔"

سادہ دل وہ عورت اپنے دل کا درد دباتے چچا کو تسلی بھی دے رہی تھی جو اپنی بھابھی کے جانے کے بعد سے پھیکی رنگت' ویران آنکھیں لیے بالکل چپ بیٹھے تھے۔ کچھ بھی تو نہ کہا تھا' وہ جانتی تھیں کہ سارب میں جان بندھی ان کی' ان سے زیادہ پیارا تھا سارب سے اور چاچی جس خوف سے تسلی دینا چاہ رہی تھیں' وہی ہو گیا تھا۔ چچا کو بیٹھے بیٹھے شدید سر میں درد ہوا'

اتنا کہ وہ تکیہ پر سر رکھ رکھ کر پٹخنے لگے' چاچی گھبرا گئیں' سارب شہر میں تھا' ملازمہ کو بھیج کر زمینوں سے منشی کو ایمرجنسی کا کہہ کر بلوایا اور چچا کی حالت دیکھ کر انہوں نے فوراً گاڑی کا بندوبست کر کے ان کو شہر ہسپتال لے جانے کی' کی تھی۔ راستے میں سارب سے بھی موبائل پر رابطہ ہو گیا تھا' وہ ان لوگوں کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی ہسپتال میں موجود تھا۔

☆☆☆

ہاتھوں پر کریم لگاتے وہ نجانے کس سوچ میں تھیں جب ملک صاحب کو ان کو کھنکار کر ان کو متوجہ کرنا پڑا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئیں اور آئینے میں ان کے عکس کو دیکھتے ہوئے ان کی خوش گوار لہجے میں کی گئی بات کو سن کر ان کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"اُف پہلے بیٹے کے سر پر بھوت سوار تھا اب باپ بھی......" وہ اپنا بیوٹی ٹریٹمنٹ چھوڑ کر بڑبڑاتی ہوئی ان کے پاس آ کر بیٹھی۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں ملک صاحب! یہ وہ پرانے وقت نہیں رہے جب بچے ماں باپ کی مرضی کو اہمیت دیتے ہوئے اسی کھونٹے سے بندھ جاتے تھے جس میں ماں باپ ان کو باندھ دیتے تھے۔ آج کے بچوں کی اپنی پسند' ناپسند اور ترجیحات ہوتی ہیں' ان پر اپنی مرضی مسلط کرنا بے وقوفی ہے......" وہ بے حد میٹھے لہجے میں بولیں دل میں آیا ہوا غصہ دبا کر۔

"دیکھیں ملک صاحب! فارض کا رجحان بھی ہوتا تب بھی میں سوچ لیتی مگر اب فارض نے مجھ سے خود بارہا کہا ہے کہ وہ چونکہ خود ڈاکٹر ہے تو کسی ڈاکٹر کو ہی لائف پارٹنر بنائے گا اور آج کل تو اس کی انٹرسٹ میں نے دیکھا ہے شینا کی طرف ہے' وہ بھی ڈاکٹر بن رہی ہے۔ فیس بک کے علاوہ موبائل پر رابطہ ہے ان کا' ایسا اگر ہو جائے تو میرے خیال میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ شینا اچھی بچی ہے' میری بھانجی ہے' اس کے ابا کا اپنا ذاتی ہسپتال ہے......اور ایک رشتے کے لیے کیا چاہیے......"

"تمہاری بھانجی کا ذکر تو آج میں نے تمہاری زبان سے سنا ہے بیگم اور اس میں بھی مجھے تمہارا ہی کوئی انٹرسٹ لگ رہا ہے ورنہ آج سے پہلے تک تو آپ کے سپوت میری بھانجی کے گن گاتے نظر آتے تھے۔ ایک دوبار مذاق مذاق میں بھی اس کی ایسی ہی باتیں سن چکا ہوں جن سے صاف ظاہر تھا کہ وہ پری میں انٹرسٹڈ تھا۔" ان کی بات سن کر مسز ملک جز بز ہو گئیں کہ وہ ہمیشہ ہر بات منہ پر کہہ دینے کے عادی تھے۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے پہلے تو آپ کی بہن نے آپ کو منہ ہی کبھی نہیں لگایا' گاؤں کے ماحول میں آپ کے ساتھ ہی پلی بڑھی رخسانہ کا احساس کمتری ہی ہے جو اسے آج اپنے خونی رشتہ داروں سے ملنے سے روکتا ہے یا سسرال یا خاوند کی طرف سے کوئی قدغن ہے کہ وہ شادی کے بعد بارہا پاکستان آئیں مگر تم کو ہمیشہ ایک فون کال پر ہی ٹرخایا وہ بھی وہ فون کال جو تمہاری طرف سے کی جاتی تھی......ورنہ وہ تو ایسا کوئی تکلف ہی نہیں کرتی تھی۔ میں تو خود حیرت میں ہوں کہ تمہارے بہنوئی کو کہاں سے ہم سے اتنی محبت ہو گئی کہ وہ نہ صرف فارض کو بلا کر کہہ رہا ہے بلکہ اسے اپنے ساتھ رکھنے پر بھی راضی ہے......بہرحال بلی تھیلے سے باہر آ ہی جائے گی مگر فی الوقت میں تمہاری بات پر یقین نہیں کر سکتا۔ میں خود ہی فارض کو بلا کر پوچھ لیتا ہوں......"

انہوں نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا اور فارض کا نمبر ملایا۔ مسز ملک منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئیں۔ ہاں البتہ دل میں یہ اطمینان ضرور تھا کہ وہ فارض کو پہلے ہی سمجھا چکی تھیں' لمحوں میں ہی فارض ان کے کمرے میں دستک دے کر داخل ہوا۔

"آپ نے بلایا پاپا......!" دل ہی دل میں حیرت زدہ ہوتے اس نے پوچھا کہ آج تک پاپا نے کبھی ایسے ایمرجنسی میں نہیں بلایا تھا۔

"ہاں بیٹھو ایک ضروری بات کرنی ہے تم سے......" ملک صاحب کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' تم نے ایک بار پری سے پسندیدگی کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ تم اسی سے شادی کرو گے' نہ بھی کہتے تب بھی تمہاری اس سے دوستی اور دلچسپی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے...... میں چاہتا ہوں کہ تمہارے جانے سے پہلے ایک چھوٹی سی تقریب میں تم دونوں کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا جائے۔ ہاں رخصتی تمہارے اسپیشلائزیشن کے بعد ہو جائے گی' پری کی طرف سے بھی میں مطمئن ہو جاؤں گا اپنی بہن کی روح کے آگے......" وہ آبدیدہ ہو گئے تھے' مسز ملک کے ماتھے پر بل پڑ گئے جبکہ اتنی واضح اور دوٹوک بات پر فارض گھبرا گیا تھا۔

"پاپا...... وہ تو بہت پرانی بات ہے' شاید میں نے مذاق میں کہہ دیا ہوگا ورنہ پری اور میں صرف دوست ہیں...... اور میرے سرکل میں تو بیس پچیس لڑکیاں میری دوست ہیں تو ان سب سے بھی شادی کرلوں گا کیا...... شادی ابھی میرے پلان میں کم از کم تین سال تک کہیں نہیں ہے۔ آپ کو پری کی شادی کرنی ہے تو بے شک کر دیجیے مگر میں پری سے شادی نہیں کرنا چاہتا...... گھر میں ایک ساتھ رہنے والے کزنز میں بے تکلفی ہوتی ہی ہے' اسے آپ دوسرے معنوں میں مت لیں......" اس کا اعتماد ماں کی موجودگی اور تسلی آمیز اشارے سے بحال ہو چکا تھا سو اب باپ کو دلائل دیتے ہوئے اس نے یہ نہیں دھیان دیا کہ اس کے باتوں نے ملک صاحب کے چہرے کا رنگ سرخ کر دیا تھا۔

"بکواس بند کرو تم اپنی' میں اتنا بوڑھا ہرگز نہیں ہوا نہ ہی اس بات کو اتنا طویل عرصہ گزرا ہے کہ جب تم نے خود پری سے شادی کی بات مجھ سے کی تھی اور نہ ہی یہ یورپ ہے جہاں تم صنف نازک سے دوستی پر نازاں ہوتے پھرو...... میں جانتا ہوں کہ ہواؤں کا رخ کیسے اور کیوں بدلا؟ بہرحال میری بھانجی ہرگز اتنی ارزاں نہیں ہے کہ تمہارے خیالات جاننے کے بعد بھی میں اسے تمہارے ساتھ کسی رشتے میں باندھوں...... جاسکتے ہو تم......" ان کے لہجے اور انداز میں جو دکھ اور تاسف کا عنصر تھا اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ جان بچانے کے سے انداز میں کمرے سے باہر نکل گیا جب کہ مسز آصف نے بھی سکون کی سانس لی تھی کہ یہ مسئلہ اتنی آسانی سے حل ہو گیا تھا۔

دروازے سے باہر کھڑی پری جس نے اس گفتگو کا ایک ایک لفظ اپنے کانوں سے سنا تھا' فارض کے باہر نکلنے سے پہلے ہی بھاگ کر اپنے کمرے کی جانب بھاگ گئی تھی۔ وہ اس وقت فارض سے اس کی اس کی بے رخی پر بحث کر رہی تھی' ابھی تو وہ اس کے عجیب اور اجنبی انداز پر پوری طرح حیران بھی نہ ہو پائی تھی کہ ملک صاحب نے کال کر کے فارض کو بلایا تھا۔ پتا نہیں کیا سوچ کر وہ بھی اس کے پیچھے آئی تھی اور دروازے سے کان لگا کر سب کچھ سنا تھا پھر جہاں اپنے ماموں کی محبت پر اس کا دل بھر آیا تھا وہاں فارض کے انکار سے آنکھوں نے آنسو بھی بہائے تھے' اتنے سالوں کی محبت اور وعدوں کو اس نے ایک لفظ دوستی میں لپیٹ کر خود کو ہر عہد سے بری الذمہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

"سارب! تجھ سے ایک بات کرنی تھی پتر......" چچی نے دزدیدہ نظروں سے چچا کی طرف دیکھا جو سارب کے ہاتھ سے دلیہ کھانے کے بعد رومال سے منہ صاف کر رہے تھے مگر چہرہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

"جی چاچی! حکم کریں......" اس نے خالی پیالہ چاچی کے ہاتھ میں دیا اور چاچا کے کندھے کے گرد بازو حمائل کر کے چاچی کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔

"سارب...... تو......" وہ ایک پل سے زیادہ اس کے چہرے کی طرف نہ دیکھ سکیں۔

"تو شہر چلا جا اپنے گھر...... اپنے ماں باپ کے پاس......" دل کڑا کر کے انہوں نے کہہ ہی دیا

جب کہ سارب ساکت ہی تو رہ گیا۔

''اچھا میں آج تک یہی سمجھتا تھا کہ یہی میرا گھر ہے اور آپ ہی میرے ماں باپ ہیں' کیوں چاچا......'' دل میں اگرچہ وہ کھٹک گیا تھا مگر بظاہر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

''میں مذاق نہیں کر رہی سارب! میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ تمہارے ماں باپ کو بھی تمہاری اتنی ہی ضرورت ہے جتنی ہمیں۔ فارض باہر چلا جائے گا' بھائی صاحب اتنا بڑا کاروبار کیسے سنبھالیں گے۔ فارض کے جانے سے پہلے پہلے تم چلے جاؤ سارب تاکہ بھائی صاحب اور بھابھی کو اس کی کمی زیادہ محسوس نہ ہو......'' چاچی نے دل پر پتھر رکھ کر جیسے اپنی بات مکمل کی تھی وہی جانتی تھیں۔

''ہم...... تو میری پیاری چاچی جان نے فارض سے لے کر بھائی صاحب بھابھی تک سب کا سوچ لیا' صرف اپنے بیٹے کا نہیں سوچا کہ وہ اپنے چاچا چاچی سے الگ ہو کر کیسے رہ پائے گا' بھلا ایسے درخت کو بھی کبھی پھلتے دیکھا ہے چاچی جس کی جڑیں تو دور دور تک ایک زمین میں پیوست ہوں مگر اس کو کاٹ کر کسی دوسری زمین میں گاڑ دیا جائے......نہیں دیکھا ہوگا......؟ کیونکہ ایسا ہوتا ہی نہیں......ایسا ہو سکتا ہی نہیں......تو جس بات کا وقوع پذیر ہونا ہی ممکن نہ ہو اس کو کہنا یا کسی کو اس امر پر مجبور کرنا ہی بات گنوانے کے برابر ہے' اس لیے اس بات کو یہیں چھوڑ کر یہ بتائیں کہ آپ نے ایسا کہا کیوں......! جب کہ میں جانتا ہوں آپ ایسا سوچ بھی نہیں سکتیں مجھے کبھی رات کو گھر سے باہر نہیں رہنے دیتیں اور عمر بھر کے لیے مجھے اپنے سے دور بھیجنا چاہ رہی ہیں...... کس نے کہا ایسا آپ سے......؟''

''کک......کس نے کہنا تھا سارب! مجھے اور کوئی بات نہیں کرنی بس تمہیں اپنے گھر واپس جانا ہوگا۔'' دل سے اٹھتی چیخیں لبوں کی حد نہ پار کر جائیں' اس ڈر سے وہ بھرائی آواز میں کہتی وہاں سے چلی گئی تھیں۔

''یہ کیا ہے چاچا...... چاچی ایسے کہہ کر کیوں مجھے اور خود کو تکلیف دے رہی ہیں؟'' وہ چاچا کی طرف مڑا۔

''وہ ٹھیک کہہ رہی ہے سارب! ضد نہ کرو اور جاؤ اپنے گھر...... مجھے ذرا لٹا دو' میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' چاچا کے لیٹ کر کروٹ لے لینے پر وہ ساکت ہی تو رہ گیا۔

☆☆☆

پھر جیسے ہی سارب نے ملازمہ سے دریافت کیا تھا کہ کل اور پرسوں کے دن میں گھر میں کون کون آیا تھا فوراً ہی چاچی کے اصرار کے پیچھے چھپی کہانی سامنے آ گئی تھی۔ مسز ملک اگر اس کی سگی ماں نہ ہوتیں تو وہ نجانے کیا کر ڈالتا مگر وہ رشتوں کا لحاظ رکھنے والا شخص تھا' ماں سے کسی قسم کی باز پرس کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا' ہاں یہ ضرور کیا اس نے کہ بابا کو کال کر کے مسز ملک کی آمد ان کا چاچا' چاچی سے کیا جانے والا مطالبہ بتایا اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ ان کے رویے اور تقاضے کے بعد چاچا کی طبیعت بے حد بگڑ گئی تھی ان کو دو دن ہسپتال رہنا پڑا تھا۔ ڈاکٹر نے تاکید کی تھی کہ ان کو ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اب وہ چاہتا تھا کہ ان کی طرف سے ایسی کوئی بات نہ ہو جو چاچا کی طبیعت خرابی اور چاچی کی دل آزاری کا باعث بنے۔ بابا تو اس کی ساری بات سن کر پہلے حیرت زدہ اور پھر غصہ ہو گئے۔

''اتنا سب کچھ ہو گیا سارب! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا...... میرا جان سے عزیز' اکلوتا بھائی ہسپتال پہنچ گیا وہ بھی میری بیوی کی وجہ سے......''

''بس بابا! میں خود اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ آپ کو بتا ہی نہ سکا چاچا کی حالت کا' آپ نے ابھی اماں سے غصہ نہیں کرنا بس سمجھا دینا ہے ان کو کہ ایسی کوئی بات نہ ہو آئندہ...... میں اس حقیقت کو کبھی نہیں بھولا کہ میں آپ دونوں کی اولاد ہوں۔ باشعور ہونے کے بعد میں نے ہر روز آپ دونوں کو فون کرنا اور ہفتے میں دو بار شہر آ کر تمام دن آپ لوگوں کے ساتھ

گزارنا شروع کردیا۔ فارض ملک سے باہر جا رہا ہے اس کے جانے کے بعد بھی میں کچھ حل سوچ ہی لیتا مگر اس سب کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر چاچا چاچی کا حق آپ لوگوں سے زیادہ ہے.....'' جذباتی ہوکر وہ بولتا چلا گیا۔

''میں جانتا ہوں میرے بچے! سب جانتا ہوں' تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ تمہاری ماں اس قسم کی کوئی بات نہیں کرے گی۔ میں کل یا پرسوں تک چکر لگاتا ہوں بھائی صاحب کے ہاں' تم نے خود کال کرلی نہیں تو میں ایک ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا تم سے۔''

''جی بابا جان! حکم کیجیے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح مودب لہجے میں بولا۔

''جیتے رہو میری جان!'' وہ اس کی سعادت مندی پر نہال ہی تو ہوگئے۔ ''یہ بتاؤ بھابھی نے کوئی لڑکی وڑکی دیکھی ہے تمہارے لیے یا کوئی لڑکی ہے تمہاری نظر میں یار جوان ہو' خوب صورت بھی' تعلیم یافتہ بھی.....کوئی بھی تو رکاوٹ نہیں پھر کیوں نہ اس حوالے سے کچھ سوچا جائے۔''

''کیا بات ہے بابا! آج کل سب کو ہی میری شادی کا شوق چڑھا ہوا ہے۔ ابھی کچھ دنوں پہلے چاچی بھی ایسی ہی بات کررہی تھیں مگر میں نے فی الحال کچھ دن ان کو روک دیا ہے کہ آج کل اچھی خاصی مصروفیات میں گھرا ہوں میں.....اور لڑکی کی کیا کہی بابا آپ نے.....کیا میں آپ کو ایسا لگتا ہوں.....'' وہ بھی ان ہی کے انداز میں بولا تو ملک صاحب اس کی بات پر ہنس دیے۔

''میں جانتا تھا کہ ایسا ہی کوئی جواب ملے گا تمہاری طرف سے' تم نے تو نہیں البتہ تمہارے بابا نے لڑکی پسند کرلی ہے تمہارے لیے.....پری کیسی لگتی ہے تمہیں؟'' ان کی پرجوش آواز میں کہی گئی بات اس کی سانس تک روک گئی۔

''یہ کیا کہہ رہے بابا آپ.....کہاں پری..... کہاں میں.....؟''

''ارے کیوں کیا کمی ہے پری میں' پڑھی لکھی' خوب صورت اور شریف بچی ہے پھر اپنی ہے۔''

''نہیں بابا! میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ ہوسکتا ہے پری مجھے پسند نہ کرتی ہو' آپ پہلے اس سے پوچھ لیں اگر اس کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو میں تیار ہوں بابا!'' پری کے وہ تمام مذاق اور انداز اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئے جو وہ فارض کے ساتھ مل کر کیا کرتی تھی۔

''ہاں ہاں.....کیوں نہیں اور مجھے یقین ہے کہ میرے ہیرے جیسے سارب کے لیے پری تو کیا' کوئی بھی لڑکی ہاں کرتے ہوئے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرے گی۔ ملنے پر پھر تفصیل سے باتیں ہوں گی' جیتے رہو۔'' ان کی کال ختم ہونے کے کتنی دیر بعد وہ موبائل ہاتھ میں لیے اپنی خوش قسمتی پر غور کرتا رہ گیا۔

☆☆☆

''دیکھو بیٹا! تم جانتی ہو کہ میں نے کبھی تمہیں اپنے بچوں سے الگ نہیں سمجھا بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ تم نے آکر میری بیٹی کی خواہش کو پورا کردیا تو غلط نہ ہوگا۔ اس لیے تو آپا کی وفات کے بعد میں تمہیں یہاں لے آیا شہر' حالانکہ تمہارے چچا چاہتے تھے کہ وہ تمہیں اپنے پاس رکھیں۔'' ملک صاحب کچھ دیر قبل ہی پری کے کمرے میں آئے تھے' انہیں اس سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔

''بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن اپنے گھر رخصت ہونا ہوتا ہے.....'' ان کی بات پر اس کے آنسو بے ساختہ باہر نکل آئے۔

''کچھ دن قبل تمہارے چچا آئے تھے تمہارے رشتہ کے لیے.....'' ان کی اس نئی بات نے پری کو چونکایا تھا' اس نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کرکے ان کی سمت نگاہ کی۔

''مگر میں تمہاری مرضی کے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا بیٹا! کیونکہ شادی جیسے اہم فیصلے کا حق ہر ذی روح کو اس کا مذہب دیتا ہے' ماں باپ یا کسی کو

بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ اس حق کی راہ میں رکاوٹ بنے۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

"تمہاری آنٹی نے بھی ایک دو رشتے اپنے جاننے والوں میں سے بتائے ہیں لیکن میں چونکہ نہ تو ان لوگوں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں نہ ہی تمہاری مرضی جانے بغیر کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہوں اس لیے ان کو کوئی رسپانس نہیں دیا۔"

پری نے ایک طویل سانس لی' وہ نہیں تو کوئی بھی سہی...... اب اسے ان باتوں سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

"اور میری ہمیشہ سے خواہش تھی کہ میری بیٹی ہی میری بہو بنے۔" انہوں نے بغور پری کو دیکھا' اس کے دل نے ایک دھڑکن مس کی تھی۔

"کیا ماموں جانتے ہیں......" دل ہی دل میں سوچتے اس نے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پایا۔

"فارض ایک لاابالی شخص ہے' جتنی جلدی اس کی وارڈ روب میں اس کی شرٹس بدلتی ہیں' اس سے کہیں زیادہ جلدی اس کی پسند اور مزاج بدلتا ہے۔ تمہیں اس سے منسوب کر کے میں کبھی مطمئن نہ رہ پاتا مگر میرا سارب ایسا بچہ ہے جس پر مجھے فخر ہے...... ہر ایک کا احساس دل میں رکھنے والا...... اگر تم اس کے بارے میں سوچو گی تو مجھے خوشی ہوگی لیکن تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے' خوب سوچ لو پھر مجھے بتا دینا۔" اس کا سر تھپتھپا کر وہ چلے گئے تھے۔

☆☆☆

آج وہ بے تحاشا خوش تھا' اتنا خوش کہ ہر پیڑ' پودے' زمین' آسمان اور زمانے کو اپنی خوشی میں شریک کرنا چاہ رہا تھا۔ کیوں نہ ہوتا آخر کو اس نے بن مانگی مراد کو پایا تھا' پروشہ کے ماننے کی دیر تھی کہ ملک صاحب جو ہواؤں کا رخ بدلتا دیکھ رہے تھے' انہوں نے ہتھیلی پر سرسوں جما کر شادی کی تاریخ رکھ دی تھی۔ بیوی سے ایک زوردار جھڑپ کے بعد انہوں نے سختی سے تاکید کی تھی کہ اب اگر انہوں نے سارب یا ان کے بھائی' بھابھی سے سارب کے شہر شفٹ ہونے کی بات کی تو ان کا مرا منہ دیکھیں گی' مزید اپنے بھائی بھابی سے بھی بیگم کے ناروا سلوک کی معافی مانگی تھی۔ فارض کے کاغذات مکمل ہو کر آ چکے تھے۔ اس کی ٹکٹ کنفرم ہوتے ہی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی تھی۔

پری نے ہر پروپوزل پر خوب غور کیا تھا' اس کا سارب کے حق میں ہاں کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر مسز ملک' جو ملک صاحب کی سخت وارننگ کے بعد زخمی ناگن کی مانند تھیں' نے اب کی بار پروشہ کو اپنا مہرہ بنایا تھا۔ اسے سارب کی وہ' وہ خوبیاں بتائی تھیں جو خود اس کو بھی پتا نہیں تھیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ صرف لباس' انداز اور طور طریقے ہی تو پری کے لیے ناپسندیدہ ہیں تو ایک عورت کے لیے مرد کو بدلنا کون سی مشکل بات ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اب وہ سارب کو محبت سے بدلے یا نفرت سے اسے ایسا بنا دے کہ وہ ظاہر میں فارض سے بھی اچھا دکھائی دے اور ایسا تب ہو سکتا تھا جب وہ سارب کو شہر لے آنے میں کامیاب ہو جائے۔

انہوں نے بتایا تھا کہ سارب فارض سے زیادہ خوب صورت تھا' تعلیم یافتہ بھی تھا' دولت مند بھی' کمی تھی تو صرف اس کے رہن سہن اور انداز میں تھی جب ماحول بدلے گا تو یہ سب کچھ جواب اس کی خامیاں تھیں' خوبیوں میں بدل جائیں گی۔ پروشہ جو فارض کو ٹھکرائے جانے کے غم میں تھی' کے دل کو یہ سب باتیں لگی تھیں اور آنٹی اس کی اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ خیر خواہ' واقعی اگر وہ سارب کو تھوڑا بدل دیتی تو ہر لحاظ سے ہی فارض کا ہم پلہ ہوتا۔ دو تین دن مامی کے کہے پر جب سوچنا شروع کیا تو پھر ویسا ہی کیا جیسا وہ چاہتی تھیں۔

جتنی چاہ سے اس نے پروشہ کی طرف پیش قدمی کی تھی اس کا سپاٹ رویہ اسے کچھ الجھن میں ڈال گیا تھا' تاہم سارب نے پھر بھی اسے بتایا کہ وہ کیسے بچپن سے اسے چاہتا تھا مگر اس کی خواہش کبھی بھی نہ رکھی تھی وہ اسے اپنی کسی نیکی کا انعام لگ رہی

تھی اور اتنی محبت پا کر دل میں پروشہ نے بے ساختہ فارض کو یاد کیا تھا کہ کاش وہ اسے بتا سکتی کہ اس کو کتنا چاہنے اور سراہنے والا مل چکا تھا۔ اس سے زیادہ حسین اور دولت مند......

''میں تمہیں کبھی نہ کبھی مجھے ٹھکرانے کے فیصلے پر پچھتاتے ضرور دیکھنا چاہوں گی۔'' دل ہی دل میں وہ اب بھی فارض سے ہی جنگ لڑنے میں مصروف تھی۔

دفعتاً وہ چونکی سارب اس کے خوب صورت حنائی ہاتھ تھام کر اس سے اپنی محبت کا جواب مانگ رہا تھا' وہ پوچھ رہا تھا کہ کیا کبھی اس کی سوچوں میں اس کا گزر بھی ہوا تھا۔

''نہیں کبھی......'' پروشہ نے آہستہ سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا کر کہا' یہ دیکھے بغیر کہ اس نہیں نے اس روشن چہرے پر تاریکی سی پھیلا دی تھی اور اس کی خوشی سے دمکتی آنکھوں کی روشنی کو ماند کر دیا تھا۔

''میں نے شروع سے ہی دیہاتی کا ٹیگ خود پر سے اتارنے کے لیے بہت محنت کی' خود کو بدلا' اپنی اسٹائل' پرسنلٹی' انداز سب کو بدل دیا۔ دیہاتی بیک گراؤنڈ میں میری مرضی نہیں تھی' ہوتی تو میں کبھی یہاں سے بی لانگ کرنا پسند نہ کرتی مگر میں یہ نہیں کر سکتی تھی تو اب میں عمر بھر ایسا ساتھی کیسے برداشت کر سکتی ہوں......؟ تمہیں پتا ہے ساوب! میں نے اپنی کالج فرینڈز کو اپنی شادی پر بھی نہیں بلایا کہ وہ کیا کہیں گی کہ جس لائف اسٹائل کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا اور مذاق اڑاتی رہی' اب اسی لائف اسٹائل کو عمر بھر کے لیے میں نے اپنا لیا ہے......'' وہ روہانسی ہوگئی اپنے خود ساختہ دکھڑے بیان کرتے ہوئے جب کہ سارب کسی پتھر کے بت کی مانند اس کے منہ سے جھڑے پھول دیکھ رہا تھا جو دیہاتیوں کی قصیدہ گوئی پر مشتمل تھے۔

''میں نے ویسے بھی تعلیم مکمل کرنے شہر جانا ہے' تم بھی میرے ساتھ جاؤ گے سارب بس......''

نئی نویلی دلہن اپنی جگہ' مقام اور رشتہ بھول کر فی الحال اس کو لمحوں میں شہر جانے کے لیے اور شہری بننے کے لیے قائل کر لینا چاہتی تھی۔

''اور اگر میں ایسا نہ کروں......؟ مطلب شہر جا کر سیٹل ہونا...... حالانکہ میں نہ تو تمہیں منع کر رہا ہوں وہاں جا کر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے نہ اپنے لائف اسٹائل کے لیے...... تمہارے لیے تو حتی الامکان یہاں بھی ہم نے کوشش کی ہے وہ سہولیات ارینج کرانے کی جن کی تم عادی ہو' تم گھر بھی ویک اینڈ پر ہی آیا کرو گی' ایسی صورت میں تمہارا یہ اصرار مجھے نہیں لگتا کہ جائز ہے۔ عمر کی اس حصے میں جب ماں باپ کو اولاد کی ضرورت ہوتی ہے' تم چاہتی ہو میں ان کو چھوڑ کر شہر جا بسوں تو باوجود تم سے شدید محبت کے میں تمہاری یہ بات ماننے سے قاصر ہوں۔'' دوٹوک انداز میں کہتا وہ وہاں سے اٹھا اور اپنی گھڑی اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر جا کر رکھی۔

''ٹھیک ہے پھر اس رشتے پر بھی ہمیں دوبارہ سوچ لینا چاہیے کیونکہ میں تمہارے ساتھ صرف اپنی شرائط پر رہنے کے لیے تیار ہوں ورنہ نہیں......'' تند لہجے میں کہی گئی بات کو سن کر اس کے قمیص کی آستین فولڈ کرتے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے تھے جب کہ وہ اپنا لہنگا سنبھالتی تن فن کرتی ڈریسنگ روم میں گم ہو چکی تھی۔

''اے محبت تیرے انجام پر رونا آیا۔'' تلخی سے مسکراتا وہ ڈریسنگ روم کے بند دروازے کو دیکھے گیا۔ تاریخ مقرر ہوتے ہی چاچی نے اس کا کمرہ نئے دور کے تقاضوں کے مطابق بنوایا تھا ورنہ حویلی تو پرانے طرز کے دیہاتی گھروں کی طرح بنی ہوئی تھی۔ ملک صاحب نے کہا تھا پروشہ کے دو سمسٹرز رہتے ہیں وہ شہر میں رہ کر مکمل کرے گی' ہاں ویک اینڈ پر گاؤں آیا کرے گی اس پر بھی سب راضی برضا تھے۔

''پھر اس رشتے پر ہمیں ایک بار پھر غور کرنا چاہیے۔'' کتنی آسانی سے کہہ دیا تھا اس نے' کیا نکاح کی یہ اہمیت تھی اس کے نزدیک۔'' آزردگی

سے اس نے اسے بے نیازی سے سادہ سے شلوار قمیص میں دھلے منہ ہاتھ کے ساتھ باہر آتے دیکھا۔

☆☆☆

طویل سانس لیتے سارب نے بیڈ پر دھرے تکیوں میں سے ایک اٹھا کر صوفے پر رکھا اور ڈروب میں سے اپنی گرم شال نکالی۔ صوفے پر لیٹ کر اسے اپنے اوپر پھیلا لیا جب کہ پروشہ اس سے پہلے ہی پائنتی پر رکھا کمبل کھینچ کر اس میں گم ہو چکی تھی۔

''پروشہ' پروشہ......'' غنودگی میں اس نے کسی کو اپنا نام لیتے محسوس کیا۔ رات بھی آرام دہ بستر کے باوجود بہت کروٹیں بدلنے کے بعد اسے نیند آئی تھی۔ وہ دوبارہ سے گہری نیند میں جانے کو تھی جب اس نے اپنے بے حد قریب وہ آواز دوبارہ سنی' وہ اسے کچھ کہہ رہا تھا' پروشہ نے بمشکل اپنی آنکھیں کھول کر دیکھا۔

''جلدی اٹھیں پروشہ! نماز کا ٹائم نکلا جا رہا ہے' میں آپ کو بہت دیر سے جگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' اس کی آنکھیں کھلتی دیکھ کر وہ تیزی سے بولا۔

''اس وقت مجھے صرف سونا ہے۔ مہربانی کر کے یہاں سے چلے جاؤ اور دروازہ بند کرتے جانا......اور لائٹ بھی......'' غصہ تو بہت آیا تھا اسے مگر ابھی وہ بھرپور نیند لینا چاہ رہی تھی سو دانت پیس کر صرف اتنا ہی کہا اور ایک بار پھر کمبل میں گم ہو گئی۔ سارب تاسف سے سر ہلاتا لائٹ اور دروازہ بند کرتا باہر نکل آیا تھا۔

☆☆☆

ولیمہ کی تقریب ویسی ہی تھی جیسی عموماً دیہاتوں میں ہوتی ہے' بے شمار بچوں اور عورتوں کے درمیان دلہن بنی بیٹھی پروشہ سخت غصے میں تھی۔ دل ہی دل میں ایک دفعہ پھر اس نے خود کو داد دی کہ اس نے ابھی تک دوستوں کو نہ تو شادی کا بتایا تھا نہ دعوت نامہ دیا تھا۔

''توبہ! ایسے ماحول میں مجھے دیکھ کر وہ کتنا مذاق اڑاتیں میرا......'' اس نے دل میں سوچا اور مسز ملک کی جھلک دیکھ کر بے تابی سے اٹھ کر ان کو ملی۔

''پیچھے ہو بھئی سب لوگ' دیکھ تو لیا ہے دلہن کو' ایسے تو گھٹن ہو جائے گی یہاں......'' جیسے ہی وہ ان کے کان میں کچھ منمنائی' انہوں نے اردگرد سب کو مخاطب کر کے نخوت سے کہا۔

''ارے بھابھی! اپنے سارب کی شادی کا تو سب کو ہی ارمان تھا' اب روز روز تو نہیں یہ دن آئے گا ناں......شوق پورا کر لینے دیں انہیں' آپ آئیں پہلے کھانا کھا لیں پھر پروشہ کے پاس بیٹھیے گا۔ چاچی تو دیورانی کی آمد کا سن کر ہی بھاگی چلی آئی تھیں' ان کی نازک مزاجی کا پتا تھا سو باہر کے مہمانوں کو کسی اور کے سپرد کر کے ان کے استقبال کو آئی تھیں۔

''بس بھئی بہت دیکھ لیا دلہن کو......انسان ہے' کوئی شو پیس تو نہیں ہے ویسے بھی پروشہ نے بھی کچھ نہیں کھایا ہو گا۔ میرا اور اس کا کھانا یہیں منگوا کے کمرا خالی کروائیں پہلے۔ پتا نہیں بچی کیسے اتنے شور میں بیٹھی ہے' مجھے تو ٹینشن ہونے لگ گئی ہے۔''

''ارے یہ منزہ تو ایسے کر رہی ہے جیسے کبھی گاؤں کی شکل ہی نہ دیکھی ہو' یہیں پیدا ہوئی' پلی بڑھی' بیاہی اور باتیں سنو اس کی......'' ایک عورت نے باآواز بلند تبصرہ کیا اور باہر نکل گئی۔ باقی لوگ بھی آہستہ آہستہ چلے گئے تب انہوں نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ باقاعدہ بند کر دیا۔

''دیکھا آنٹی! کس قدر ال مینرڈ لوگ ہیں یہ اور آپ کا بیٹا تو سب سے بڑا جاہل ہے' مجھے صاف صاف انکار کر دیا کہ میں کسی خوش فہمی میں نہ رہوں۔ وہ ہرگز شہر جا کر رہنے کو تیار نہیں ہے۔ میں بھی کہہ رہی ہوں آنٹی! مجھے بھی یہاں نہیں رہنا' اس قدر کیچڑ لوگ ہیں' ایک لمحے کے لیے سکون سے نہیں بیٹھنے دے رہے مجھے' بس آپ کہہ دیں سارب سے...... میں نے آپ کے ساتھ ہی جانا ہے۔'' ذرا سی ہمدردی ملنے کی دیر تھی کہ پروشہ بی بی باقاعدہ آنسوؤں سے رو پڑی۔

''اف بے وقوف لڑکی! پہلی رات کون اس قسم کی باتیں کرتا ہے' تمہیں تو کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا

کیونکہ سارب تم سے بہت محبت کرتا ہے' بس تھوڑا سا انتظار اور جیسے میں کہوں' کچھ دن ویسے کرو پھر دیکھو کیسے حالات تمہاری مٹھی میں ہوں گے......" ماتھے پر ہاتھ مار کر انہوں نے اسے صوفے سے اٹھا کر بیڈ پر بٹھایا اور آہستہ آہستہ آگے کی حکمت عملی سمجھانے لگیں جسے وہ غور سے سن تو رہی تھی مگر چہرے پر تذبذب کے آثار تھے۔

"آنٹی! میں جب سوچتی ہوں کہ میں یہاں رہوں گی میرا دم گھٹنے لگتا ہے اور آپ فی الحال کچھ عرصہ مجھے یہاں رکنے کا کہہ رہی ہیں...... پھر یاد بھی ہے کہ پندرہ دن بعد ہماری کلاسز پھر سے اسٹارٹ ہو رہی ہیں۔" ان کا ذرا سا توقف لینا تھا کہ وہ تیزی سے بول اٹھی۔

"کلاسز سے زندگی زیادہ اہم ہے بے وقوف...... جب تک دن رات اس کا سایہ نہیں بنو گی اسے اپنا عادی کیسے بناؤ گی؟ محبت کا اظہار نہیں کرو گی تو محبت پاؤ گی کیسے؟ پھر جب دیکھو کہ تم نے اس کی زندگی اور دل میں وہ جگہ حاصل کر لی جب وہ تمہارے بغیر نہ رہ سکے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے آرام سے میرے پاس آجانا۔ دیکھنا کیسے کچے دھاگے سے بندھا چلا آئے گا۔"

"ہوں......" اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے آنٹی لیکن......" ابھی بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ چاچی کھانے کی مختلف لوازمات ملازموں کے ہمراہ لیے اندر آگئیں' ان کو دیکھ کر وہ دونوں چپ ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

دل کی خوشی نصیب میں ہو تو نامساعد سے نامساعد حالات میں بھی انسان کو وہ خوشی ہمت دیتی ہے' سہارا بھی اور حوصلہ بھی اور اگر جو دل میں ویرانی نے ڈیرے جمائے ہوں تو باہر جتنے شادیانے بج رہے ہوں۔ خوشی کا ایک عنصر بھی' اس ویرانی کے مضبوطی سے بند کواڑ کھولنے میں ناکام رہتا ہے۔

یہی حال سارب کا تھا' کل تک اسے لگتا تھا کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی خوش نصیب نہیں ہے کہ اس کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی بن مانگے عطا کر دی گئی تھی اور رات اس کے رویے کے بعد سے اسے خود سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں لگ رہا تھا کہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی نے اس کی محبت نہیں دیکھی تھی۔ اس کا باطن نہیں جانچا تھا بس شرائط کی کسوٹی پر اس مقدس رشتے کو رکھ دیا تھا۔

چاچا نے بہت دھوم دھام سے اس کی شادی کی تھی' ساتھ کے کئی گاؤں اس کے ولیمے میں شریک تھے مگر سارا دن وہ عجیب سی یاسیت میں گھرا بس اپنی آنے والی زندگی کا لائحہ عمل سوچتا رہ گیا تھا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد ہر کام کو سنبھالنے اور سمیٹنے کے لیے ملازمین تھے مگر وہ پھر بھی چاچا جی کے پاس بیٹھا رہا تھا۔ ان کو حسب معمول اپنے ہاتھوں سے دوائی دی تھی اور وہ بڑے خوش گوار موڈ میں آج کی تقریب کے بارے میں باتیں کرتے کرتے سو گئے تھے تب چاچی نے اسے کہا تھا کہ اسے دلہن کے پاس جانا چاہیے۔

وہ بجھے دل سے اپنے کمرے میں آیا تھا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی جب اس پر اچانک نظر پڑتے ہی وہ اسے مسکراتی ہوئی ملی۔ نظریں ملتے ہی وہ دلآویزی سے مسکرائی اور اس کی زبان سے جو الفاظ نکلے ان کو سن کر تو سارب بے ہوش ہونے کے قریب ہو گیا۔

"سارا دن انتظار کرتی رہی میں تمہارا اور تم اب آدھی رات کو آرہے ہو' میری رات والی باتوں کو اتنا سیریس لے لیا تھا......" سارب چپ چاپ اسے دیکھتا چلا گیا' کتنی خوب صورت لگ رہی تھی وہ ایسے مسکرا کر بولتے ہوئے۔

یہ اس کا اصل روپ تھا یا جو رات اس نے دیکھا تھا روکھا' بےزار......اور بے ساختہ اس کے منہ سے یہی الفاظ نکل بھی گئے کہ حقیقت کون سی تھی رات والی یا اب...... جسے سن کر وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی پھر اپنے بھاری لباس کو سمیٹتی وہ اٹھی اور آہستہ سے چل کر اس

کے پاس آئی۔

"زندگی میں باتوں کو ماننے اور منوانے کا سلسلہ لگا ہی رہتا ہے مگر یہ خوب صورت دن روز روز نہیں آتے۔ اس لیے رات والے رویے کے لیے سوری۔" اتنا دلربا انداز تھا کہ سارب کے اندر کی ساری کثافت لمحوں میں بھاپ بن کر اڑ گئی بھرپور انداز میں مسکراتے اس نے اس کے خوب صورت ہاتھوں کو تھام لیا۔

☆☆☆

زندگی اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا' چاچا چاچی کی تو جان بند تھی اس میں' اسے خوش دیکھ کر وہ دونوں جی اٹھے تھے گویا ان کی شادی ہوئے گیارہواں دن تھا مگر وہ پہلا دن تھا جب پروشہ اتنی صبح کمرے سے باہر آئی تھی مگر باہر کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

آمنے سامنے پڑی چارپائیوں پر میں سے ایک پر چاچی براجمان تھیں جب کہ ان کے بالکل پیچھے دوزانو بیٹھی ثمینہ ان کے بالوں میں تیل لگا رہی تھی مگر حیرت پروشہ کے لیے سارب کا انداز اور کام تھا۔ چاچا جی چارپائی پر بیٹھ کر ٹانگیں نیچے لٹکائے بیٹھے تھے جب کہ سارب ہاتھوں میں ان کے پاؤں لیے باقاعدہ جھانویں سے رگڑ رہا تھا' اس کے انداز میں بے حد عقیدت اور محبت تھی' چاچی کی نظر اچانک اس پر پڑی تھی۔

"ارے میں صدقے......دلہن اٹھ گئی خیر سے' منہ ہاتھ دھولو میرا پتر! چل ثمینہ تُو دلہن کے لیے گرما گرم ناشتا تیار کر۔"

"آ جاؤ پروشہ یہاں ہی آ جاؤ باہر' ثمینہ تمہارا ناشتا یہاں ہی لے آئے گی۔" سارب نے اپنا کام چھوڑے بغیر اس سے کہا' وہ اپنی ناگواری چھپاتی آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی آئی اور دوسری چارپائی پر سامنے ہی بیٹھ گئی' اب وہ ان کے پاؤں تولیے سے خشک کر رہا تھا پھر اس نے چارپائی پر ایک صاف کپڑا بچھا کر اس پر چاچا جی کے احتیاط سے ناخن تراشے......

"کتنی دفعہ اس سے کہا ہے کہ کم از کم اپنے چاچا کے کام تو مجھے کرنے دیا کرے' اب تو تمہاری دوہٹی آ گئی ہے۔ اس کے لاڈ اٹھانے کے دن ہیں یہ تو......!" چاچی نے پتا نہیں اس کی خاموشی بھانپی تھی یا آنکھوں میں ناگواری پڑھی تھی کہ بول اٹھیں مگر اس کے جواب دینے سے پہلے ہی سارب بول اٹھا۔

"ارے چاچی! میرے بچے بھی ہو جائیں گے میرے جتنے تب بھی اپنے چاچا' چاچی کے کام میں اپنے ہاتھوں سے ہی کروں گا۔ چائے پلا دیں چاچی اپنے ہاتھوں کی مزے دار سی......" ہاتھ دھو کر اب وہ چاچا کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"اس بے وقوف کو سارے سیٹ اپ سے نکالنے کے لیے بہت محنت کرنی پڑے گی۔" اوپر سے مسکراتے ہوئے اس نے دل میں تپ کر سوچا' ابھی تو وہ اپنی روٹین پر چل رہی تھی۔ دن دیر تک سوئی رہتی' سو کر اٹھتی تو تازہ ناشتا تیار کر دیا جاتا' اس کے بعد وہ ہوتی یا اس کا سیل فون۔ دیر سے ناشتا کرنے کی وجہ سے وہ دوپہر کو کھانا ہی نہیں کھاتی تھی۔

دوپہر کے کھانے میں شامل ہونے کے لیے وہ زمینوں سے واپس آتا تھا کہ چاچا' چاچی اس کے بغیر کھانا کھاتے ہی نہ تھے۔ کھانے کے بعد وہ کچھ دیر دوپہر کو آرام کیا کرتا تھا مگر اب پروشہ کے ساتھ باتیں کیا کرتا تھا اور یہ بات تھی کہ ان دو ڈھائی گھنٹوں میں وہ ہی زیادہ تر بولتی اپنی پسند' ناپسند' اپنی ہابیز' اپنی فرینڈز......اس کی گفتگو اسی قسم کی ہوتی۔ وہ کیا چاہتا ہے' اس کی کیا پسند' ناپسند ہے' اس نے کبھی اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

عصر کی نماز کے لیے جب وہ نکل رہا ہوتا پروشہ کو اسی وقت بھوک لگتی' وہ اپنی پسند کا کچھ بنوا کے کھا لیتی۔ اسے تو یہ بھی پتا نہیں تھا کہ رات کو اپنے کمرے میں آنے سے قبل وہ چاچا' چاچی دونوں کے پیر دباتا۔ چاچا جی کو اپنے ہاتھوں سے دوائیاں کھلاتا تھا اور علی الصبح فجر کے لیے دونوں کو پانی گرم

کر کے وضو کراتا پھر نماز کے لیے نکلتا تھا۔

اس دن اسے وہیں بیٹھے بیٹھے احساس ہوا کہ اسے سارب کی پوری روٹین کا جائزہ لے کر اسے کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ اس کی اپنے گھر والوں سے وابستگی کو کم کر کے زیادہ سے زیادہ ٹائم خود سے انگیج کرے۔ ایسے سارا دن سو سو کر اور موبائل پر ٹائم گزار کر تو وہ اس سے دور ہو رہی تھی۔ چائے پیتے اس نے پرسوچ نظروں سے چاچا جی سے گپیں لگاتے سارب کو دیکھا جو آج اپنے سارے خاندان کو ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر بے حد خوش تھا خصوصاً پروشہ کو سب کے درمیان بیٹھے دیکھ کر، یہ جانے بغیر کہ وہ اس کے لیے کیا پلان کر رہی تھی۔

☆☆☆

''کیا کہہ رہے ہو فارض! ایسے کیسے نکاح ہو گیا' نہ ہمیں بتایا نہ ہم سے پوچھا۔ میں اور تمہارے پاپا تو پہلے ہی سے راضی تھے بیٹا! مگر ہر کام کا ایک طریقہ اور وقت ہوتا ہے۔ ایسے تو نہیں ہوتا ناں کہ ایک کال کر کے ماں باپ کو بتا دیا جائے کہ ہاں بھئی کچھ پرابلمز تھے جن کی وجہ سے نکاح کرنا پڑ گیا۔'' وہ اچھے خاصے غصے میں بول رہی تھیں جبکہ فارض نے نجانے ان سے دوسری طرف کیا کہا تھا کہ انہوں نے موبائل سائیڈ پر رکھا اور لمبے لمبے سانس لینے شروع کر دیئے۔

''ایسا تو ہونا ہی تھا بیگم صاحبہ! جب زندگی گزارنے کے کچھ اصول بچوں کو ایسے سکھا دیے جائیں کہ صرف اپنا مطلب دیکھو باقی سب جائے بھاڑ میں تو پھر وہ ان ہی اصولوں کو اپنی پوری زندگی پر، ہر فیصلے پر لاگو کرنے لگیں تو پھر ان کو دوش دینا عقل مندی نہیں ہے کیونکہ وہ آپ کا پڑھایا سبق ہی یاد رکھ کر زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔'' غصے میں بولتے ہوئے مسز ملک کو احساس ہی نہ ہوا تھا کہ جب وہ فون پر بات کر رہی تھیں تو ملک صاحب وہیں پر ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔

''آپ تو ہر معاملے میں مجھے ہی دوش دیں گے' اپنا فائدہ تو ہر انسان ہی سوچتا ہے۔ اس نے سوچ لیا تو کون سا برا کام کیا' بس میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ اسے پہلے ہمیں بتا دینا چاہیے تھا۔'' بیٹے کا دفاع کرتے کرتے آخر میں ان کا لہجہ پست ہو گیا' اگرچہ دل میں فارض پر اور اپنی بہن پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔

☆☆☆

''اب اٹھ گئی ہو تو نماز بھی پڑھ لو پری!'' مندی آنکھوں سے آنکھیں کھول کر وہ شاید لائٹ آف کرنے کا کہنے والی تھی جب سارب نے نرمی سے کہا وہ نماز پڑھنے کے لیے نکلنے والا ہی تھا۔

''مجھے نہ تو اتنی صبح جاگنے کی عادت ہے' نہ ہی میری عمر ہے نماز پڑھنے کی۔ اس لیے مجھے اپنے ان دینی لیکچرز سے دور ہی رکھا کرو۔'' غصے سے کہتے اس نے تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

''نماز کا تعلق جاگنے یا عمر سے ہرگز نہیں ہے' یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ افسوس کہ اتنی اہم بات مجھے تمہیں بار بار بتانی پڑ رہی ہے۔'' اپنے مخصوص انداز میں کہتا وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ پری نے غصے سے تکیہ منہ پر سے ہٹایا اور دروازے کو دے مارا۔ سونے کی بہت کوشش کے باوجود اب نیند نہ آ سکی تھی' سو اٹھ کر بالوں میں کیچر لگاتی وہ باہر آ گئی تھی جہاں کم و بیش کل والا ہی منظر تھا۔ ہاں سارب چارپائی کی ادوائن کستا نظر آیا تھا۔

''مولوی کے سارے کام ہی غریبوں والے ہیں' کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اتنا بڑا زمین دار اور پڑھا لکھا شخص ہے۔'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی وہ اس کے پاس آئی۔

''میرے خیال میں اس قسم کے کام ملازمین کرتے ہیں' اب اس میں دین کوئی فتویٰ نہیں دیتا کہ چارپائی کی ادوائن بھی خود ہی کسی جائے۔'' ایک پاؤں چارپائی پر رکھے دونوں ہاتھوں سے رسی کھینچتا سارب اس کی پی آواز اور چہرہ دیکھ کر ہنس پڑا۔

''آؤ تمہیں بھی سکھاؤں' آخر کو مستقبل میں تم نے ہی گھر کی باگ دوڑ سنبھالنی ہے۔''

''معاف کرو مجھے ایسی بھاگ دوڑ سے......
ثمینہ! چائے بنادو مجھے اچھی سی۔'' وہیں پاس پڑی کرسی کھینچ کر وہ اس پر بیٹھی اور سامنے سے گزرتی ثمینہ کو کہا جو چائے کا کپ لے کر شاید چاچا جی کے پاس جارہی تھی جو تھوڑی دور ہی چاچی کے ساتھ خاندان کی کسی شادی پر بحث چھیڑے بیٹھے تھے۔

''ثمینہ ملازم نہیں ہے پروشہ ہماری' چاچی کی محبت میں یہاں آجاتی ہے اور ان کے کتنے ہی کام نپٹا جاتی ہے۔ چاچی کی بیٹیوں کی طرح ہے وہ اور میں تو ملازموں سے بھی اس طریقے سے بات کرنے کا قائل نہیں ہوں۔''

''ایسے ہی میں تمہیں مولوی نہیں کہتی' ہر بات اور ہر کام میں دوسرے پر اپنے نظریات ٹھونس دیتے ہو' گلے کو پسند آئیں یا نہ آئیں۔ چائے ہی مانگی ہے تمہاری ثمینہ صاحب سے کوئی قرضہ تھوڑی مانگ لیا ہے۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی' سارب نے چارپائی پر دونوں ہاتھوں کے ذریعے اپنا پورا وزن ڈالا اور اس کی مضبوطی چیک کرنے کے بعد اس کے بالکل سامنے ہی بیٹھ گیا۔

''دیکھو پروشہ! الفاظ کبھی بھی برے یا اچھے نہیں ہوتے' ان کا استعمال اور انسان کا لہجہ ان میں تلخی یا شیریں پروتا ہے۔ چاہو تو الفاظ سے کسی کو دو جہاں کی خوشی بخش دو چاہو تو انہی الفاظ سے دلوں کو توڑ دو۔ میرے نزدیک ہر دوسرے کی عزت نفس بے حد اہم ہے چاہے وہ میری زمینوں پر کام کرنے والا مزارعہ کیوں نہ ہو...... یہ بتاؤ تمہارا رزلٹ آیا یا نہیں۔ کلاسز کب سے اسٹارٹ ہیں؟ میں چاہتا ہوں جب تم تعلیم مکمل کرکے آؤ میں تمہیں یہاں بچیوں کی تعلیم کے لیے اسکول بنوا کے دوں۔ آج کی دنیا جب ایک ہتھیلی پر صرف ایک بٹن کی محتاج ہے' ہمارے علاقے جیسے کئی علاقے ہیں جہاں بچیوں کو تعلیم کے حصول کے لیے کوسوں دور کا سفر کرنا پڑتا......'' وہ اب اسے اپنے خیالات اور عزائم بتا رہا تھا جن کو سن کر پروشہ نے ایک طویل سانس لی۔

''ان تلوں میں تیل نہیں آنٹی...... یہ آپ نے مجھے کہاں پھنسا دیا......'' کوفت سے سوچتے اس نے ثمینہ کے ہاتھ سے چائے لے لی۔

''سنو سارب ہنی مون پر چلیں......'' اچانک جو خیال اسے آیا اسے زبان تک لانے میں دیر نہ کی تھی' وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''تمہاری خوشی کے لیے ضرور چلتا اگر جو چاچا کی طبیعت بہتر ہوتی۔'' اس کے اس طرح کہنے پر چائے کا گھونٹ پری کے حلق میں ہی اٹک گیا' اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی آنکھیں اچھو لگنے کے باعث بھر آئی تھیں یا اس کی بات کے جواب میں۔

''میں نے ہنی مون کی بات ہے سارب نہ کسی فیملی ٹرپ کی...... یہ تو وہ دن ہوتے ہیں جب میاں بیوی کی انڈر اسٹینڈنگ ڈیولپ (ہم آہنگی پیدا) ہوتی ہے۔'' اس نے کچھ دیر کے توقف کے بعد کہا جس کو سن کر سارب ہنس دیا تھا۔

''انڈر اسٹینڈنگ کے لیے سب سے زیادہ نکاح ہی جادوئی اثر رکھتا ہے میاں بیوی کے لیے کیونکہ یہ آسمانوں پر طے کیا گیا فیصلہ ہوتا ہے اس کے بعد میاں بیوی کا ایک دوسرے کو محبت اور عزت دینا' بس ان دو اصولوں کو سامنے رکھ کر زندگی شروع کی جائے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اس میں ناکامی جیسی چیز کا گزر بھی ہو جائے۔ باقی میری زندگی کا اصول ہے کہ عزت ہو یا محبت وہ کسی بھی رشتے کو دو گے تو سود سمیت واپس بھی ملے گی۔ مجھے یاد ہے ایک بار مجھے چاچا نے کہا تھا......'' وہ دور کسی غیر مرئی نقطے کو تکتے بول رہا تھا جبکہ پروشہ نجانے کیوں نہ چاہتے ہوئے اسے سن رہی تھی۔

''انہوں نے کہا تھا' انسان کا اس دنیا میں کیے جانے والے ہر کام' ہر عمل کا بدلہ موجود ہے خصوصاً اولاد کا...... آج اپنے ماں باپ کا ساتھ اچھا کرو' کل

تمہیں اپنی اولاد کے صالح ہونے کے لیے ماتھا نہیں رگڑنا پڑے گا۔ انہیں اللہ آپ کے حق میں خود ہی بہتر کردے گا۔ میں نے اس بات کو اپنے پلے سے باندھ لیا تھا' میں اب اگر اپنے ماں باپ کی خدمت کرتا ہوں انہیں ہر پل اپنی زندگی میں ان کی اہمیت کا یقین دلاتا ہوں تو میں ان پر کوئی احسان نہیں کررہا' میں اپنا مستقبل محفوظ کررہا ہوں۔

فی الحال کہیں باہر چلنا ہے تو چلو تمہیں اپنی زمینوں اور باغات کا ہی چکر لگوا آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا۔

"ایک تو یہ بات بھی اتنے پیار سے اور آرام سے کرتا ہے کہ بندہ غصہ بھی نہیں کرسکتا۔" جز بز ہوتے اس نے سوچا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تیار ہوکر آتی ہوں......" آہستہ سے کہہ کر وہ اپنے کمرے میں آگئی۔

☆☆☆

"اتنا سب کچھ ہوگیا اور آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں...... یااللہ اب کیا ہوگا۔" ملک صاحب نے ان کے بے حد اصرار پر ان کو بتایا تھا کہ ان کا بزنس پارٹنر اور بے حد قریبی دوست لاکھوں کا غبن کرکے ملک سے فرار ہوچکا تھا۔ کمپنی کے ذمہ کئی آرڈرز کی ادائیگی واجب الادا تھی مگر بینک میں پھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑی تھی اس نے...... جوائنٹ اکاؤنٹ تھا کمپنی کا' دونوں کے ففٹی ففٹی پرسنٹ شیئرز تھے۔ ملک صاحب کی غیر موجودگی میں وہ اور صدیقی صاحب کی عدم موجودگی میں ملک صاحب آرام سے سب سنبھال لیا کرتے تھے۔ کئی فیکٹری ورکرز جن کے گھر کا چولہا اس کمپنی کی نوکری سے چلتا تھا' اس ماہ ان کی تنخواہ دینے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا۔

"مجھے دو ماہ پہلے اس کے انداز کچھ کھٹکے تھے' عجیب سا لگا تھا اس کا انداز پھر میں نے کمپنی کے اکاؤنٹ سے بھاری رقوم نکلوانے پر استفسار کیا تو اس نے مجھے مطمئن کردیا تھا پھر میں بھی مصروف ہوگیا' فارض کے جانے میں' سارب کی شادی کے موقع پر...... پھر پچیس سال کا ساتھ تھا ہمارا کمپنی کے کئی طرح کے کرائسس میں ہم ساتھ رہے۔ اچھے دنوں میں تو یہ ساتھ اور مضبوط ہوتا گیا۔ زیرو سے ساتھ سفر کا آغاز کیا تھا' اب آکر اس نے ایسی چوٹ لگائی ہے کہ نہ تو سہی جارہی ہے' نہ سنبھالی جارہی ہے' مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ وہ تو بینک اسٹیٹ منٹس نکلوائیں تو پتا چلا کہ پانی سر سے اوپر گزر چکا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے جب کہ مسز ملک ماتھے پر شکنیں لیے بس سن رہی تھیں ان کو اندازہ نہیں تھا کہ مسئلہ اتنا بڑا اور گمبھیر تھا' وہ تو جب سے ان کو الجھا ہوا دیکھ رہی تھیں یہی سمجھی تھیں کہ بزنس کی چھوٹی موٹی اونچ نیچ ہوگی اور جب فارض سے مدد کرنے کا کہا تو وہ جھنجلا گیا۔

"میں...... میں کیسے کوئی ہیلپ کرسکتا ہوں مما...... میں یہاں خود ہینڈ ٹو ماؤتھ ہوں۔ بے حد تھکا دینے والے اسٹڈی ٹائم کے بعد میں اور شینا جاب کرتے ہیں پھر جاکے کہیں ایک اچھی زندگی کا تصور بن سکتا ہے اور انکل کا اپنا ہسپتال بھی نہیں ہے یہاں' آنٹی نے غلط بیانی کی تھی سو اب اپنی جاب اور فیوچر کے لیے مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا پھر آپ کے روز روز کال کرنے کی ڈیمانڈ سے تنگ ہوں۔ یہ پاکستان نہیں ہے جہاں سب لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بس فضول میں ٹائم کلنگ کرتے نظر آتے ہیں یہاں ایسا سوچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ میں تو خود سوچ رہا تھا کہ مما' پاپا نے مجھے یہاں بھیج کر اپنی جان چھڑالی۔ مجھے فی الحال آپ کی فنانشل سپورٹ (معاشی سہارے) کی ازحد ضرورت ہے۔

پاپا سے کہیں گاؤں والی زمینیں بیچیں یا کچھ بھی کریں مجھے ہر ماہ روپے چاہئیں کچھ عرصہ تک' جب تک میں خود اسٹیبلش نہیں ہوجاتا۔" مسز ملک نے تو اسے باپ کی مشکل بتانے کے لیے فون کیا تھا' اس کے اپنے پاس انہیں سنانے کے لیے مجبوریوں کی لمبی

داستان تھی اور جب انہوں نے اسے یاد دلایا کہ ملک صاحب کی گاؤں میں زمینیں تو وہ تب ہی بیچ چکے تھے جب وہ سب کچھ سمیٹ کر شہر سیٹل ہوئے تھے اور بزنس اسٹارٹ کیا تھا۔

''تو مولوی سے کہیں ناں...... آخر کو بیٹا ہے وہ بھی آپ کا...... مجھے چند دنوں تک رقم چاہیے مما......'' کہہ کر اس نے فوراً ہی کال کاٹ دی تھی' مسز ملک بس موبائل کو دیکھ رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

اس کی خواہش جان کر وہ اسے اس دن زمینوں پر لے گیا تھا اور اس سے اگلے ہفتے اس نے فارم ہاؤس کا پروگرام بنالیا تھا۔ چاچا' چاچی کے علاوہ ثمینہ اور ایک اور ملازمہ بھی ہمراہ تھی جب کہ شہر میں بھی وہ ملک صاحب اور مسز ملک کو فون کرکے آنے کی دعوت دے چکا تھا۔ پروشہ اگرچہ دل میں اتنے لوگوں کے ساتھ جانے میں کوفت محسوس کررہی تھی۔ شہر والوں کے آنے پر چاچا' چاچی اور سارب خوشی سے کھل اٹھے تھے کیونکہ وہ لوگ تو سالوں گزرنے کے بعد بھی بہت کم آپاتے تھے۔ محض آدھے گھنٹے میں وہ لوگ فارم ہاؤس پر موجود تھے۔

وہاں پر موجود ملازمین کو شاید پہلے سے ہی ہدایات تھیں اس لیے وہاں پہنچنے پر مختلف پکوانوں کی خوشبوؤں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ بہت خوب صورت فارم ہاؤس تھا وہ' ایک پکنک پوائنٹ کے تمام تقاضوں پر پورا اترتا ہوا' پروشہ کی دلچسپی کے لیے وہاں بہت کچھ تھا۔ سوئمنگ پول' گھوڑوں کا شاندار اصطبل اور سب سے بڑھ کر پاکستان کے ہر کونے سے منگوائے گئے گلابوں کا ایک خوب صورت سا قطعہ جس کو دیکھ کر وہ خوشی سے پاگل ہوگئی تھی۔

جب سارب ملازمین کو کوئی ہدایت دینے گیا تو مسز ملک غیر محسوس طریقے سے اٹھ کر اس کے پیچھے آگئیں۔ اتنی خاموشی سے کہ ملک صاحب جو اپنی بھائی اور بھابھی سے باتوں میں مصروف تھے کو بھی پتا نہ

چل سکا یا شاید وہ اتنے دنوں بعد مل رہے تھے ان سے کہ اس وقت وہ اپنی ذہن کو اس خوف ناک پریشانی سے آزاد محسوس کررہے تھے جس نے کچھ دنوں سے ان کے دماغ کو اس بری طرح جکڑ رکھا تھا کہ ایسے لگتا تھا کسی بھی لمحے ان کا دماغ پھٹ جائے گا۔

''اماں! آپ دونوں اتنے دنوں سے یہ پریشانی برداشت کرتے رہے اور مجھے بتایا تک نہیں۔ اولاد تو انسان ایسے ہی موقعوں کے لیے مانگتا ہے' بابا اور آپ ایسی حالت میں اور فارض وہاں الگ پریشان...... میرے خدا میں اتنا غافل کیسے ہوگیا تھا؟'' مسز ملک کی زبانی حالات کی سنگینی سن کر وہ اپنے بالوں کو ہاتھوں سے نوچ کر رہ گیا۔

''ارے ارے......اب تم مت اتنے پریشان ہو اور اپنے پاپا کے سامنے ایسے ذکر کرنا جیسے تمہیں کہیں سے اور پتا چلا ہو۔ انہوں نے تم سے ذکر کرنے سے مجھے سختی سے منع کیا تھا۔'' اسے اس قدر پریشانی میں دیکھ کر وہ خود حواس باختہ ہوگئیں اور جلدی سے بولیں۔

''آپ بے فکر رہیں اماں! اور ہمیشہ یاد رکھیے گا کہ آپ کا کوئی مسئلہ آپ کا نہیں' میرا مسئلہ ہے اور اسے حل کرنا اب میری ذمہ داری ہے اور ہاں...... فارض کے لیے رقم میں آپ کو آج کسی وقت دے دوں گا آپ اسے فوراً بھجوائیں اور جلد ہی مجھے اس کا اکاؤنٹ نمبر اور باقی کی تفصیلات بھیج دیجیے گا اور اس کی طرف سے بے فکر ہوجایئے گا۔'' اس کے اس طرح کہنے پر مسز ملک کو منوں بوجھ اپنے سر سے ہٹتا محسوس ہوا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی روشن پیشانی چوم کر اسے خوش ہونے کی دعا دی مگر ساتھ ساتھ وہ اپنی اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے منصوبے پر سوچنے سے باز نہ آئیں کہ بس بہت ہوگیا......اب ہی تو جوان بیٹے کی کمائے سے فائدہ اٹھانے کا وقت

تھا' سواسے جلد اس جلد شہر آ جانا چاہیے۔

''کچھ میرے کہنے پر عمل بھی کیا یا بچوں کی طرح ان بہلاوؤں پر ہی خوش ہوگئی ہو۔ مسز ملک سارب کے ردعمل سے مطمئن ہوکر پروشہ کے پاس آئی تھیں جو پھولوں بھری کنج کے پاس لمبے لمبے جھولے لینے میں مگن تھی۔ انہیں آتا دیکھ کر اس نے زمین پر پاؤں ٹکا کر جھولا ہلکا کردیا تھا۔

''مجھے تو خود آپ کے بیٹے کی سمجھ نہیں آتی! پتا نہیں کیسی روح گھسی ہے اس کے اندر...... چاچا چاچی اس کے والدین کی جگہ ہیں...... مجھ سے تو چلو محبت کرتا ہے کہ بیوی ہوں اس کی مگر سارے جہاں کا درد اسی کے دل میں آن سمایا ہے۔ کیا جانور کیا ملازمین...... پیڑ پودوں سے بھی ایسی والہانہ محبت کہ میں حیران رہ جاتی ہوں' اتنی محبت ایک انسان کے اندر کیسے آسکتی ہے۔ اتنی کوشش کرتی ہوں کہ کوئی ایک بات ہو جس کا بہانہ بنا کر جھگڑا کرکے خفا ہوجاؤں مگر وہ موقع دے تب ناں...... ہر بات میری منہ سے نکلنے سے پہلے ہی پوری کرتا ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ وہ اس زمین اور اس کے لوگوں کو میرے لیے چھوڑے گا کبھی بھی نہیں اور اب تو مجھے لگتا ہے کہ اس کو اپنا عادی بناتے بناتے میں خود اس کی عادی ہوتی جارہی ہوں۔'' عجیب سے رنگوں سے چہرہ سجائے وہ اپنی اس کیفیت کو بیان کررہی تھی جو خود اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

''وری گڈ! یہی تو وقت ہے گرم لوہے پر چوٹ لگانے کا......'' انہوں نے چمکتی آنکھوں سے اس کے جگمگ کرتے چہرے کو دیکھ کر سوچا۔

''خبردار...... خبردار جو خود کو اس کا یا اس جگہ کا عادی بنانے کی کوشش کی تو' عجب سحر رکھتی ہے یہ محبت اور یہ مٹی اپنے اندر جکڑ لیتی ہے' مسمرائز کرلیتی ہے انسان کو...... اس کی اسیری میں آگئی تو اپنے خواب کبھی پورے نہیں کرپاؤ گی۔ بس چند ایک دن صبر کرو' اسے پوری طرح مٹھی میں کرو پھر جیسے ہی میں کہوں چلی آنا میرے پاس۔ میں دیکھتی ہوں کہ کیسے نہیں آئے گا وہ تمہارے پیچھے۔''

پروشہ آنکھیں کھولے بس ان کا رنگ بدلتا چہرہ اور لہجہ دیکھتی چلی گئی اور محبت جس نے ابھی ڈرتے ڈرتے ہی' لڑکھڑا کر ہی سہی اس کا دامن تھاما تھا' خوف زدہ ہوکر ایک بار پھر اپنا پلو چھڑاتی خفا سی دور جا کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

''یہ...... یہ کیا ہے سارب؟ تمہیں کس نے بتایا اور...... اور اٹھاؤ بیٹا یہ سب...... جب میں نے بحیثیت والد اپنے کوئی فرائض تمہارے حوالے سے پورے نہیں کیے تو میرا نہیں خیال کہ میں تم پر کوئی حق بھی رکھتا ہوں۔'' وہ انہیں اپنا فش فارم دکھانے کے بہانے باہر لے آیا تھا جو ابھی پچھلے دنوں ہی یہاں بنایا گیا تھا جب اس نے تین بھاری رقوم کے چیک سامنے رکھ کر کہا تھا کہ اگر وہ اسے بیٹا سمجھتے ہیں تو بغیر ایک لفظ کہے یہ قبول کرکے فیکٹری ورکرز کی تنخواہیں اور واجب الادا رقوم جو آرڈرز کے سلسلے میں تھی ادا کریں۔ باقی کے مسائل بعد میں دیکھیں گے۔ ملک صاحب جو ایسی کسی بھی بات کا تصور نہیں کررہے تھے' ان کی آنکھیں بے ساختہ نم ہوگئی تھیں۔ انہوں نے آہستہ سے وہ تینوں چیک اسی کی جانب دوبارہ کھسکا کر بھرائے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''اس کا مطلب میں بالکل ٹھیک سمجھتا ہوں کہ آپ نے جب مجھے چاچا کو دے دیا تھا تو مجھے اپنی زندگی سے تو نکالا ہی تھا' اپنے دل اور حق سے بھی باہر کردیا تھا ورنہ والدین کریں یا نہ کریں...... اولاد کا تو فرض ہے کہ وہ والدین کی فرماں بردار ہو ہر صورت میں اور بڑھاپے میں تو والدین کی خدمت کا اصل اجر ہے۔ میں ویسے ہی شرمندہ ہوتا ہوں کہ میں آپ دونوں کی ویسے خدمت' اطاعت اور خبر گیری نہیں کرپاتا ہوں جیسے کرنی چاہیے۔ بحیثیت ایک بیٹا کہ آپ دونوں یہاں آنے کو تیار نہیں' آپ کا اپنا ایک سوشل سیٹ اپ ہے اور میں تایا' تائی کو اس عمر میں چھوڑ نہیں سکتا مگر مالی طور پر اگر تھوڑی سی سپورٹ

کر رہا ہوں کہ ہوسکتا ہے کل والدین کے سلسلے میں یہی میرے لیے زاد راہ بن جائے اور اللہ راضی ہوجائے تو آپ اس سے بھی انکاری ہیں اس سے بڑھ کر اللہ کی ناراضی اور کیا ہوگی......'' اس کی سنہری آنکھیں جھلملانے لگیں۔ ملک صاحب کچھ بولنے کے قابل نہ رہے تھے انہوں نے کھینچ کر اسے سینے سے لگالیا۔

''تم جیسی اولاد تو انعام ہے دنیا میں والدین کے لیے' خدا اس سلسلے سے پہلے بھی میرے اللہ نے مجھے تمہاری طرف سے ٹھنڈا رکھا تھا' اللہ تمہیں دونوں جہانوں کی کامیابیاں اور نصرتیں عطا فرمائے' آمین۔''

''بس تو پھر یہ چیک اٹھا کے جیب میں ڈال لیے اور مجھے تفصیل سے بتائیں کہ کیسے ہوا یہ سب؟'' کچھ لمحے کی اس جذباتی کیفیت کے بعد وہ خود ان سے الگ ہوا' ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں صاف کرکے اس نے چیک اٹھا کر ان کے ہاتھ پر رکھے اور مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

☆☆☆

وہ تھوڑی دیر پہلے ہی کمرے میں آیا تھا جب اس نے پروشہ کو حسب معمول لیپ ٹاپ پر مصروف دیکھا عموماً وہ قرآن پاک کی تلاوت فجر کی نماز کے بعد مسجد میں ہی کیا کرتا تھا مگر آج تاخیر سے آنکھ کھلنے کے باعث نماز پڑھ کر ہی گھر آ گیا تھا کہ زمینوں پر پانی کے کسی مسئلے پر فوری بلاوے پر جانا پڑا تھا۔ حسب معمول پروشہ سے نماز کا پوچھا تھا' وہ پتا نہیں اتنی مصروف تھی یا جواب ہی نہیں دیا تھا۔ اسکرین پر دلجمعی سے نظریں جمائے اس میں بری طرح منہمک تھی' تاسف سے سر ہلاتا وہ مڑا اور قرآن پاک کو رحل سمیت لاکر بیڈ پر رکھا پھر ایک بار اسے مخاطب کرکے آواز ختم کرنے کو کہا۔

وہ جو بار بار ڈسٹرب کرنے پر جھنجلا کر کچھ کہنے والی تھی' قرآن پاک کو دیکھ کر چپ چاپ لیپ ٹاپ بند کرکے اپنا موبائل اٹھایا اور ہینڈ فری لگا کر یقیناً وہی سلسلہ دوبارہ جوڑ لیا تھا۔ لمحوں میں ہی اس کی خوب صورت آواز میں کی گئی تلاوت کمرے میں گونج رہی تھی۔ مووی اختتام پذیر ہوچکی تھی' پروشہ نے دراز میں سے اپنا کھانے پینے کا سامان نکالا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر چپس ٹونگنے لگی' نجانے کیسے اور کب وہ بھلی آواز اس کی سماعتوں میں اتر کر اس کے ہاتھ ساکن کرگئی۔ شانوں پر ڈھلکا دوپٹا اٹھا کر سر پر رکھا اور اسے دیکھے گئی جو اردگرد سے بے خبر ترجمہ کے ساتھ تلاوت کررہا تھا۔

''سنو سارب! تمہاری آواز تو بہت پیاری ہے' اگر تم سنگنگ کی دنیا میں آجاؤ تو قیامت مچادو۔' وہ جب ادب سے قرآن پاک غلاف میں لپیٹ رہا تھا' اس کی بے سروپا بات پر طویل سانس لے کر رہ گیا۔

''اور تم یہ بھی تو کہہ سکتی ہو کہ اگر میں نعت پڑھنے کی کوشش کروں تو کامیاب ہوسکتا ہوں مگر میں خود کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ اس پاک ذات کی تعریف کے قابل ہوں۔'' قرآن پاک جا کر اپنی مخصوص جگہ پر رکھا اور واپس آ کر اس کے برابر بیٹھ گیا۔

''ہاں وہ الگ بات ہے لیکن ایک بات ہے کہ تمہاری آواز بہت خوب صورت ہے' دل پر اثر کرنے والی۔''

''نہیں یہ اس کلام کا اثر تھا۔'' فوری جواب دیا گیا۔

''تم......تم بہت خوب صورت ہو سارب! مگر تمہیں اس کا احساس ہی نہیں ہے' پتا ہے میں تمہیں تصور میں جب داڑھی کے بغیر اور اس عجیب سے حلیے سے ہٹ کر دیکھتی ہوں تو قسم سے میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔ میں نے تو ابھی تک تمہیں اپنی دوستوں سے بھی اسی وجہ سے انٹروڈیوس (متعارف) نہیں کروایا تب ہی کراؤں گی جب تم میرا کہنا مانو گے اور اپنی پرسنلٹی میں تبدیلی لاؤ گے۔ تمہاری عمر ہے ایسے بزرگوں والی شکل بنانے کی اور ایسے کپڑے پہننے کی۔''

''استغفراللہ......! اور میں صرف اور صرف

تمہاری ہدایت کے لیے دعا کرتا ہوں کیونکہ جانتا ہوں کہ تمہیں یہ فہم ہی نہیں دیا گیا کہ کیا صحیح ہے' کیا غلط۔ کچھ کتابیں لاکر دی تھیں تمہیں اور کہا تھا کہ ایک نظر ان کو پڑھ لینا جو ویسی کی ویسی شاپر میں بند رکھی نظر آئی ہیں مجھے آج پندرہ دن کے بعد......''اس کے لہجے میں بے حد سنجیدگی نظر آئی تھی مگر پروشہ ابھی بھی اسے لاپروائی سے بولی تھی۔

''وہ......بکس......؟ میں نے خوش ہوکر کھولا تھا ان بکس کو سارب! کہ چلو کچھ بوریت ختم کرنے کا سامان تو ہوا مگر پتا نہیں کیا دوزخ کے احوال لکھے تھے......خوف ناک سزائیں......پہلی بک کا پہلا پیج پڑھنے کی ہمت ہوئی بس......ویسے یہ تم جیسے خیالات کے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی رحمت کا کبھی بھی نہیں سوچتے کہ وہ کتنا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اس کی دوزخ کے قصے سنا سنا کر ہی لوگوں کو اللہ سے اور دین سے بدظن کردیتے ہو۔''اس کے خیالات سن کر اس کا اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔

''بالکل ہے مہربان......ہماری سوچ سے بڑھ کر' گمان سے زیادہ......مگران لوگوں کے لیے جو اس کی مہربانی اور رحمت کو پانے کے لیے اسی کے احکامات کی روشنی میں زندگی گزارتے ہیں۔ ہم جیسے خیالات والے لوگ بہت برے لگتے ہیں تمہیں مگر کبھی سوچا کہ ہم صرف یہی کہتے ہیں کہ دنیا میں آنے کے مقصد پر غور کیا۔ کیا ہمیں صرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ آؤ' کھاؤ......پیو......عیش کرو اور چلے جاؤ......انسان کی یہ معراج نہیں ہے' اس کو دنیا میں بھیجنے کا یہ مطلب نہیں ہے۔'' وہ جذباتی ہوگیا اب کے طویل سانس لینے کی باری پروشہ کی تھی۔

''اچھا اچھا......آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے مولوی صاحب! تمہیں پتا ہے ایسی باتوں سے مجھے بہت خوف آتا ہے' بس مجھے اتنا پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔ اس نے ہمیں مسلمان بنایا ہے اور وہ ہمیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کی وجہ سے بخش بھی دے گا۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''اور ہاں......آج سے ایک وعدہ کرو کہ تھوڑا سا میں تمہاری پسند کو اپنانے کی کوشش کروں گی مگر تم زیادہ میری پسند کو اپناؤ گے مگر ٹوئنٹی فائیو اور سیونٹی فائیو کی ریشو ٹھیک رہے گی۔'' اس کی بات سن کر جھنجلاہٹ کے باوجود اس کو ہنسی آگئی۔

''اچھا تو میڈم چالاک صاحبہ! میری تمہاری پسند میں بدلنے کی پرسنٹیج کیوں اتنی زیادہ ہے؟''اس نے دلچسپی سے چپس کھاتی پروشہ کو دیکھا۔

''تم مجھ سے محبت جو زیادہ کرتے ہو سارب! اور نجانے کب سے بقول تمہارے......میں تو سچ بتاؤں تو تمہیں کچھ خاص پسند بھی نہیں کرتی تھی......فارض اور میں تمہاری باتیں اور انداز یاد کرکے بہت ہنسا کرتے تھے بلکہ میں تو تمہیں اچھا خاصا احمق اور بے وقوف سمجھتی تھی۔ وہ تو تم سے شادی کے بعد پتا چلا کہ میرے بہت سے اندازے غلط تھے تمہارے حوالے سے' تم بہت اچھے ہو۔ کیئرنگ' لونگ اور انٹیلی جنٹ......بس تمہاری ان خوبیوں کو دیکھ کر ابھی تم سے محبت تو نہیں ہوئی مگر میرے وہ نگیٹو خیالات جو تمہارے لیے تھے ختم ہوگئے اور......'' وہ کہتے کہتے رکی۔

''مجھے لگتا ہے کہ میں تمہیں پسند بھی کرنے لگی ہوں۔'' باقی ساری تفصیل روانی میں بتاتے بتاتے جیسے ہی خود کو پرشوق نظروں سے دیکھتے سارب پر نظر پڑی اس کی نظریں جھک گئیں اور لہجہ دھیما پڑ گیا۔

آج تو پروشہ کو اپنی کامیابی بہت قریب نظر آرہی تھی کہ پہلے جن باتوں کو وہ شروع کرتے ہی ختم کرادیا کرتا تھا کہ اسے کبھی بھی کسی کے لیے نہیں بدلنا نہ ہی کہیں اور جاکر رہنا ہے۔ آج کم از کم اس کی پوری فرمائش دھیان سے سن تو لی تھیں۔ ہاں یہ ضرور بھول گئی تھی کہ اگر اس کی باتیں غور سے سنی تھیں تو بہت کچھ بتایا اور سنایا بھی تھا جسے وہ جان کر ان سنا کرنے پر تلی تھی۔

جب کہ اس کی بے سروپا سنتے اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا سارب اب پروشہ کی

فرمائشوں پر کسی قدر تشویش کا شکار ہو چلا تھا کہ جن باتوں کو وہ اس کا بچپنا سمجھ کر ہنسی میں ٹال جایا کرتا تھا اس کی جڑیں یقیناً بہت دور تک پھیلی تھیں یقیناً وہ بے خبری میں اسے کئی دفعہ اپنی باتوں سے دکھ بھی دے جایا کرتی تھی' مگر محبت کرنے والوں کے دل ایسے ہی وسیع ہوتے ہیں جسے چاہتے ہیں اس کی ہر کو اس وسعت میں ضم کیے چلے جاتے ہیں۔

☆☆☆

''تم ایسا کرو بیگم تمام ملازمین کو ان کی تنخواہیں دے کر فارغ کرو' میں نے ہم دونوں کے لیے ایک چھوٹا سا مناسب گھر دیکھ لیا ہے' گاڑی بھی کوئی چھوٹی لے لیں گے۔ کل ایک پارٹی گھر دیکھنے آرہی ہے۔''

''خدا کے لیے چپ کر جائیں ملک صاحب! کیا کہہ رہے ہیں...... اب تو سارے مسئلے حل کر دیئے سارب نے پھر کیوں ایسی دل دکھانے والی باتیں کیے جا رہے ہیں...... توبہ میرے تو ہول اٹھنے لگے اتنی دیر میں ہی......'' وہ جو چہرے پر نائٹ کریم لگا رہی تھیں' تڑپ کر ملک صاحب کے پاس آئیں۔

گاؤں سے آنے کے بعد تین دن تو ملک صاحب کے بے حد مصروف گزرے تھے' بہت سے ضروری اور نپٹانے والے امور تھے جو کہ فیکٹری سے متعلق تھے جب کہ وہ تو اسی دن مطمئن ہو گئی تھیں کہ چلو ایک مسئلہ تھا جو حل ہوا مگر آج یہ نئی بات سن کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''یہ ہی حقیقت ہے اس کو جتنی جلدی تسلیم کر لو بیگم! اچھا ہے۔ وہ کم ظرف ہمیں خالی کر کے گیا ہے' ورکرز کی اس ماہ کی تنخواہیں ادا ہوئی ہیں مگر فیکٹری سے جتنا روپیہ باہر نکالا گیا ہے اس سے اس کے دیوالیہ ہونے کے چانسز ہیں۔ اس لیے میں نے اس کو فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے مگر جو مال ہم نے آرڈر کیا تھا اس کی رقم ابھی مجھ پر واجب الادا ہے۔ میں بار بار بیٹے کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مزید نیچا نہیں ہو سکتا' اس گھر کی مالیت اتنی ہے کہ میں وہ قرض بھی ادا کر سکتا ہوں اور کچھ سیونگ بھی ہو جائے گی تب تک کے لیے جب تک میں اپنا کوئی ذریعہ معاش نہیں تلاش کر لیتا۔ ساری زندگی محنت کر کے کھائی ہے' اب اس عمر میں مجھے بے کار بیٹھ کر اولاد پر بوجھ نہیں بننا جو چیز ضرورت سے بڑھ کر ہو وہ اسراف کے زمرے میں آتی ہے مگر تمہاری سمجھ میں یہ بات آئی ہوتی تو آج میں اس حالت میں یہاں بیٹھا رو نہ رہا ہوتا۔ لاکھوں اڑاتے بھی تم نے اور تمہارے بیٹے نے یہ نہیں سوچا کہ وقت ہر ایک کے لیے سدا ایک سا نہیں رہتا۔'' وہ تلخی سے بولے تھے جب کہ مسز ملک ٹکر ٹکر ان کی صورت دیکھے جا رہی تھیں۔

''ہاں...... اب کی بار کسی بھی بات کی بھنک سارب تک پہنچی تو جان لینا کہ میں تمہارے لیے مر گیا۔ میں اسے خود ہی مطمئن کروں گا بھئی نہیں کچھ حالات کو اپنے حق میں کر لوں پھر...... ابھی ویسے بھی کم از کم پندرہ بیس دن تک اس کا چکر لگنے کے امکان کم ہی ہیں کہ فصل کی بوائی کے دن ہیں' وہ اس میں مصروف ہے۔'' انہوں نے تنبیہہ کی تو مسز ملک نے مرے مرے انداز میں سر ہلا دیا گیا' مگر ذہن تیزی سے کوئی تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

نماز کے فوراً بعد ہی وہ زمینوں پر چلا گیا تھا' پھر وہ تین گھنٹے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ناشتا کرنے کے لیے آیا تھا۔ گھر میں ثمینہ ہی تھی' پوچھنے پر پتا چلا کہ چاچا اور چاچی ساتھ والوں کے گھر تاریخ پکی ہونے کی مبارک باد دینے گئے تھے۔ ناشتے کا کہتا وہ اپنے کمرے کی جانب آ گیا' پروشہ حسب معمول گہری نیند سوتی نظر آئی ساتھ ہی بیڈ سائیڈ پر موبائل فون زور و شور سے چیختا نظر آیا' سر جھٹکتا ہوا وہ آیا اور موبائل اٹھا لیا۔

''اماں کو نہیں پتا کیا کہ ان کی لاڈلی دیر تک سوتی ہیں جو اس ٹائم فون کر رہی ہیں۔'' بڑبڑاتے اس نے یس کا بٹن دبا کر موبائل کان سے لگایا اور خود بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''کچھ بھی بولے بغیر میری بات غور سے سنو

پری! میرے خیال میں اب وہ وقت آ گیا ہے جب ہمیں اپنی پلاننگ پر عمل کر لینا چاہیے۔" ابھی اس نے سلام کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ عجلت اور سنسنی لیے جو بات کہی گئی اس نے سارب کو چونکا دیا۔

"بس اب سارب کا یہاں شہر آنا ناگزیر ہو چکا ہے پری! اب تمہارے عمل کرنے کا وقت ہے' فوراً ہی کسی بات کا بہانہ کر کے اس سے جھگڑا کرو اور چلی آو اور پھر اپنی تمام شرائط اس کے سامنے رکھ دینا کہ اگر وہ ان کو مانتا ہے تو ٹھیک ورنہ تمہیں طلاق دے کیونکہ تم تو ایسے ماحول میں رہ سکتی ہو نہ امی ان طورطریقوں کو برداشت کر سکتی ہو۔ میں جانتی ہوں اپنے خاندان کے مردوں کو' ایسی بات کے سنتے ہی اسے یہاں آنا ہی ہوگا پھر ایک دفعہ وہ آ گیا تو اسے اس ماحول کے مطابق ڈھالنا تمہارے لیے مشکل نہیں ہوگا پھر ہم کون سا اسے یہاں قید کر لیں گے۔ آتا جاتا رہے گا اپنے چاچا' چاچی کے پاس' قبضہ جما کے بھول گئے کہ وہ کسی اور کی اولاد ہے' بھرے پرے گاؤں اور گھر میں بیٹھے ہیں۔ ہمیں اپنی اولاد کی ضرورت ہے ان دنوں' تم آ جاؤ تو ساری باتیں پھر ہوں گی۔ بہت کچھ بتانا ہے تمہیں اور بہت کچھ سمجھانا ہے یہاں آؤ گی تو پھر بتاؤں گی کہ اب سارب سے کیا اور کیسے کہنا ہے کہ وہ سب چھوڑ کر بھاگا چلا آئے۔" وہ ابھی بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر اس سے زیادہ سننے کی ہمت نہیں تھی سارب کے اندر' بے تحاشا سرخ ہوا چہرہ اور پیشانی کی ابھری رگیں اس کے غم و غصے کو سنبھالنے سے قاصر تھیں' لمحوں میں اس نے بے سدھ پروشہ کو جھنجوڑ ڈالا۔

"کک...... کیا ہوا...... سونے دو مجھے نیند آئی ہے۔"

"اٹھو...... فوراً اٹھو...... تمہیں ابھی شہر جانا ہے۔" غصے کو پیتے اس نے اس کو بازو سے پکڑ کر زبردستی کھڑا کر دیا' اب پروشہ کی آنکھیں اور حواس مکمل بے دار ہو چکے تھے۔

"کیوں خیریت سارب...... کیا ہوا؟ انکل' آنٹی تو ٹھیک ہیں ناں......؟" اس کے پریشانی سے پوچھنے پر سارب کچھ کہے بغیر الماری کھول کر اس میں سے شیشوں والی سفید چادر نکال کر بیڈ پر رکھی۔

"فوراً باہر آؤ...... میں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" بے حد سنجیدگی سے کہتا وہ باہر چلا گیا۔ کچھ سمجھ نہ آتے ہوئے اس نے جلدی سے چادر اوڑھی' دراز کھول کر اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر اس میں موبائل ڈالا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

ناشتے کی ٹرے لے کر آتے ہوئے ثمینہ حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ زندگی میں پہلی بار سارب نے ایسا رویہ اپنایا تھا کہ اس کے ناشتے کا کہنے پر وہ کوئی جواب دیے بغیر باہر چلا گیا تھا اور اب اس کے بالکل پیچھے پریشانی میں نکلتی پروشہ کو دیکھ کر اس نے اپنا سوال دہرایا کہ اتنی صبح ناشتے کے بغیر وہ کہاں چلے ہیں اور پروشہ تو ویسے ہی ملازموں سے بات کرنا کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھی سو جواب دیے' بغیر کھلے گیٹ سے باہر چلی گئی۔ گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز پر ثمینہ ہوش میں آئی اور ناشتے کی ٹرے چارپائی پر رکھتی ہمسایوں کے گھر چاچا' چاچی کو بلانے بھاگی تھی۔

☆☆☆

گاڑی کی اتنی تیز رفتار اور سارب کا ایسا رویہ...... پروشہ کئی بار پوچھنے کی کوشش کر چکی تھی کہ کیا ہوا...... وہ کیوں اسے شہر لے کر جا رہا ہے مگر ہر بار اس کے ایسے کسی تشویشی سوال پر اس کا چہرہ مزید تن جاتا اور اسٹیئرنگ پر ہاتھوں کی گرفت اتنی مضبوط پڑ جاتی کہ رگیں ابھر آتی تھیں۔

"تمہاری خواہشات اور خواب جن کو میں تمہاری سادگی اور بچپنا سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا' وہ معصومیت نہیں تھی تمہاری...... مکاری تھی۔ پلاننگ تھی مجھے میری جڑوں سے اکھیڑنے کی جس میں بدقسمتی سے میری سگی ماں بھی شریک تھی۔ پتا نہیں کون سی مصلحت پوشیدہ ہے اس آزمائش میں کہ زندگی میں دو انتہائی قریبی رشتے جو قدرت نے مجھے دان کیے'

دونوں ہی غرض کی خاردار تاروں سے بندھے ہوئے ملے۔" شہر کے قریب آتے ہی اس نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا' پروشہ حیرت اور ناسمجھی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسے ابھی تک نہیں پتا چل پایا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

"اماں اور تمہاری خواہش کے پیچھے محبت ہی کارفرما ہوتی تو ہوسکتا ہے میں کوئی درمیان کا راستہ نکال ہی لیتا کہ چاچا' چاچی اور میری زندگی متاثر ہوئے بغیر میں ہفتے میں دو دن ہی سہی شہر میں گزار لیتا۔" وہ یاسیت سے بولا' پروشہ نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"اسے کیسے پتا چلا......؟" پہلا خیال ذہن میں یہی آیا۔

"مگر افسوس...... تمہیں میری شکل و صورت میں ایک ڈمی چاہیے تھی جسے اپنی مرضی کی زبان' لباس اور انداز میں ڈھال کر تم اپنی دوستوں کے سامنے پیش کر کے اپنی اس احساس کمتری سے نجات پانا چاہتی تھی جو تب سے ہی تمہارے اندر گڑا تھا جب سے تم نے اپنی زندگی شہر جا کر شروع کی حالانکہ انسان کو اپنے اصل پر فخر ہونا چاہیے شرمساری نہیں...... آپ چور ہو...... بے ایمان ہو...... سب سے بڑھ کر دلوں کو توڑنے والے گناہ گار ہو...... اس پر تو پچھتاؤ اس کو تو چھپاؤ...... آپ دیہاتی ہو...... زندگی ویسے گزارتے ہو جیسے آپ کے تخلیق کرنے والے نے حکم دیا ہے۔ اس طرز عمل پر شرمانا بھی میرے نزدیک گناہ ہے' ایسے ہی میری ماں اب اپنے بیٹے کی کمی مجھ سے پوری کرنا چاہتی ہے اس کے لیے اس نے محبت سے ایک بار پکارا ہوتا میں قربان ہو جاتا مگر انہوں نے سازشوں کے جال بچھا دیے ایک کے بعد ایک...... میں کیا کروں کہ ان کو کچھ بھی نہیں کہوں گا کیوں کہ ماں باپ کو تو اُف کہنے کی بھی اجازت نہیں مگر تم نے میرا دل بہت بری طرح توڑا ہے پروشہ! میرے جذبات سے کھیلا اس بری طرح سے کہ میں اپنے آپ کو بہت ٹوٹا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔"

"نہیں سارب...... تم غلط سمجھ......" پتا نہیں کیوں پروشہ کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔

"اب ہی تو صحیح سمجھا ہوں...... بہت غلط کیا تم نے پروشہ...... بخدا تم شادی سے انکار کر دیتیں مجھے دکھ نہ ہوتا کہ میں اس کے لیے تیار تھا۔ تم نے تو بہت برا کیا' بہت برا...... میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔ جاؤ...... میری طرف سے تم ابھی سے آزاد ہو......" اس کے ٹوٹے لہجے سے زیادہ پروشہ کو اس کی بات نے ہولا دیا۔

اس نے ہمیشہ محبتیں لٹاتا اور اپنے لاڈ اٹھاتا سارب دیکھا تھا' یہ تو کوئی اور سارب تھا۔ چوٹ کھایا ہوا مگر بے حد مضبوط' اس چٹان کی مانند جو بظاہر بہت سخت اور پتھریلی نظر آتی ہے مگر اندر ہزاروں آتش فشاں سمائے ہوتے ہیں۔ وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی' گاڑی اب ملک صاحب کے گھر کے بالکل سامنے رک چکی تھی۔

"تم اندر چلو سارب...... میں...... تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں' یہ سب صحیح ہے مگر ایسے نہیں جیسے تم سمجھ رہے ہو......؟" جیسے ہی اس نے پتھریلے لہجے میں اسے اترنے کو کہا' حواس باختہ ہو کر وہ اس کا بازو تھام گئی۔

"اترو پروشہ! اس سے پہلے کہ میری زبان سے کچھ ایسا ادا ہو جائے جس پر ہم دونوں کو پچھتانا پڑے......" سیدھی سڑک پر بالکل سامنے نظریں جمائے اس نے ایسے لہجے میں کہا کہ پروشہ نے اس کا بازو چھوڑ دیا اور آنسو بہاتی ہوئی گاڑی سے اتر کر ادھ کھلے گیٹ سے اندر چلی گئی۔ سارب کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے اور اس نے طویل سانس لیتے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆

"بے وقوف لڑکی! ایسے روتی ہوئی آئی کہ مجھے ڈرا دیا' اچھا ہی ہوا اسے پتا چل گیا' اچھا ہی ہوا ناں...... اب دیکھنا کیسے رہ پاتا ہے تمہارے بغیر؟" ہچکیوں کے بیچ اس نے جیسے ہی ساری روداد مسز ملک

کوسنائی وہ تو الٹا خوش ہوگئی تھیں۔

"آنٹی! وہ بہت غصے میں تھا' اس کو بہت برا لگا تھا' مجھے بالکل بھی اچھا فیل نہیں ہو رہا۔" اس کی حالت اور الفاظ یاد کر کے وہ بے چین ہوتی بولی۔

"ارے میری جان یہی تو محبت کی زنجیر ہے جس نے تم دونوں کو باندھ لیا ہے جس کے ایک سرے پر تم اور ایک پر وہ ہے۔ اب تم کسی ماہر کھلاڑی کی طرح اپنے سرے پر مضبوطی سے قدم جماؤ اور پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچ لو۔" وہ مسکرائی تھیں جب کہ زندگی میں پہلی بار پروشہ کو ان کی باتیں بھلی نہیں لگ رہی تھیں پھر وہ اس کے گال تھپتھپاتی یہ کہہ کر اٹھ گئیں کہ وہ ناشتا بھجواتی ہیں وہ آرام کرے پھر بات ہوگی۔

☆☆☆

پھر ایک ہفتے کے اندر اندر ملک صاحب نے گھر اور گاڑی فروخت کر کے ایک چھوٹا سا دو کمروں کا گھر خرید لیا تھا۔ تمام ملازمین کو جواب دے دیا گیا تھا' فیکٹری کے واجبات ادا کر کے وہ بھی فروخت ہو چکی تھی اور اب جو فیکٹری کے مالک تھے وہ چونکہ ملک صاحب کے جاننے والے تھے اور کسی حد تک تمام حالات سے واقفیت بھی رکھتے تھے تو انہوں نے ملک صاحب کو درخواست کی تھی کہ فی الحال وہ اس فیکٹری میں سینئر سپروائزر کے فرائض انجام دیں۔

ملک صاحب اسی میں مطمئن ہوگئے تھے مگر مسز ملک کسی طور پر مطمئن نہیں تھیں ان کا دباؤ اب پروشہ پر بڑھ چکا تھا کہ کسی طرح سارب کو یہاں آنے پر آمادہ کرے اور ان تمام مسائل کا ذکر بھی...... کیونکہ عیش و آرام کی وہ زندگی جو بہت عرصہ سے وہ گزارتی آئی تھیں اس سے کنارہ کش ہونا خاصا مشکل امر تھا پھر سارب جیسا ہمدرد انسان کب ماں باپ کو ایسی کسمپرسی میں دیکھ پاتا سو جلد سے جلد اس کی آمد چاہتی تھیں مگر پروشہ بہت ڈری ہوئی تھی اس دن کے بعد اور شرمندہ بھی اس نے ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے انہیں ٹال دیا تھا۔

آج کل پتا نہیں پچھتاوے اس کے تعاقب میں تھے کہ سارب کی یاد اتنی زور آور تھی کہ وہ دن بھر کام میں مصروف رہتی پھر بھی اس کی کوئی نہ کوئی بات یاد کا دامن تھام کر ایسے راستہ روکتی کہ آنکھیں بھر آتیں۔

☆☆☆

"گھر سیل ہوگیا' گاڑی بک گئی' کیا کرتے پھر رہے ہیں پاپا! چلیں اچھا ہی ہوگیا آپ ایسا کریں اب تو سارے پرابلمز سولو ہوگئے ہیں تو مجھے اس پے منٹ میں سے آدھی بھجوا دیں۔ میں گاڑی لینے کے لیے سیونگ کر کر کے مر رہا ہوں۔ یہاں آپ لوگ عیش کر رہے ہیں حالانکہ وہاں تو آپ کا اتنا خرچا ہی نہیں ہے۔" ماں کی پوری بات سنے بغیر وہ تلخی سے بولا تھا جب کہ مسز ملک نے زندگی میں پہلی بار اس کی بے حسی کو شدت سے محسوس کیا تھا۔

"تمہیں ہم سب عیش میں دکھائی دے رہے ہیں فارض! عیش و عشرت کی زندگی سے نکل کر ہم سڑکوں پر آگئے بیٹا! بنگلے سے کوٹھڑی کا سفر طے ہوا ہے' تمہارا باپ اس فیکٹری میں ایک ورکر کی حیثیت سے جاتا ہے جہاں کبھی وہ مالک بن کر حکم چلایا کرتا تھا۔ بس سفید پوشی کا ایک بھرم ہے جس میں چھپ کر بیٹھے ہیں' وہ تو سارب کی مدد سے کمپنی ورکرز کی تنخواہیں ادا ہوئیں ورنہ گھر اور گاڑی کی نیلامی ہونے کو تھی۔ تمہارا ماہانہ خرچ بھی سارب ہی بھجوا رہا ہے' تمہارے پاپا کے علم میں لائے بغیر ورنہ وہ تو قیامت ڈھا دیں گے' تمہیں یہ ہمارے عیش لگ رہے ہیں۔ مجھے تو تمہیں وہاں بھیجنے کا اپنا فیصلہ ہی غلط لگ رہا ہے تین سے چار ماہ میں تم اتنے بدل گئے ہو کہ ماں باپ کے دکھ سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ آگے نجانے کیسے حالات آئیں' تم تو بس امریکہ کے ہوگئے' ان ہی لوگوں کو اپنا لیا تو خود بھی ان ہی کے ہوگئے۔ ہمیں تمہاری ضرورت ہے فارض! مجھے پتا ہے کہ اتنی جلدی تمہارا آنا ممکن نہیں مگر تسلی تو دے سکتے ہو اپنے الفاظ سے' رابطہ ہی دوسروں کو باور کراتا ہے کہ آپ ان کے

لیے کتنے اہم ہو۔ اولاد تو جان بھی مار دے تب بھی والدین خصوصاً ماں کے اس ایک پل کا حق بھی ادا نہیں کرسکتی جو وہ اس کو پیدا کرتے ہوئے برداشت کرتی ہے اور یہاں ایک فون کال تک مشکل لگ رہی ہے تمہیں۔" آسودگی میں تو کبھی وہ اتنی گہرائی میں نہیں گئی تھیں مگر اب بدلتے حالات ان کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کررہے تھے' وہ رودی تھیں۔

"کون فارض ہے؟ میری بھی بات کرائیں۔" پروشہ' جواُن کو چائے دینے آئی تھی' نے کہا تو انہوں نے خاموشی سے موبائل اس کی طرف بڑھادیا۔

"اس وقت میں نے پروشہ کے بارے میں ہی سوچ لیا ہوتا اور اس کی شادی فارض سے کرائی ہوتی تو کم از کم بیٹے کے کبھی نہ کبھی لوٹ آنے کا آسرا تو ہوتا جواُن کو اب ناممکن لگ رہا تھا' ذہن میں ایک دم آئی سوچ کو جھٹک کروہ چائے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"تمہیں دنیا میں وہ مولوی ہی ملا تھا شادی کرنے کے لیے۔" وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا' پروشہ کو اس کے انداز سے بڑھ کر سارب کے لیے ایسا لہجہ برا لگا تھا۔

"ہاں......اور میں فخر سے کہہ سکتی ہوں کہ اس وقت میری سارب کے لیے ہاں کرنے کی وجہ چاہے جو بھی رہی ہو مگر یہ فیصلہ میری زندگی کا بہترین فیصلہ بن گیا کیونکہ اب میرا دعوا ہے کہ دنیا میں مجھے کوئی بھی شخص اس سے زیادہ نہیں چاہ سکتا اور میں بھی اس کے علاوہ کسی کے ساتھ بھی خوش نہ رہ سکتی۔"

اطمینان سے کہے گئے اس طویل جملے نے فارض کو جی بھر کر بے مزا کیا کیونکہ بھلے ہی اس نے اپنے مفاد کی خاطر ہی سہی نئی دنیا دریافت کرکے اسے پا تو لیا تھا' مگر دل میں ابھی بھی پروشہ کی محبت کہیں اندر چٹکیاں لیتی محسوس ہوتی تھی۔ ایسے ہی جذبات کا اظہار وہ پروشہ کی جانب سے چاہ رہا تھا مگر جواب سن کر سخت مایوس ہوا تھا' شاید یہی وجہ تھی کہ پروشہ نے دوسری طرف سے رابطہ منقطع کرنے کے بعد موبائل آنٹی کو تھمادیا۔

☆☆☆

وہ دوبارہ سے یونیورسٹی جانا شروع کرچکی تھی' پہلے ہی پڑھائی کا بہت حرج ہوچکا تھا اور ایک دو دن میں امتحان بھی متوقع تھے۔ آنٹی کو اس نے یہ کہہ کر مطمئن کردیا تھا کہ وہ سارب کو آہستہ آہستہ سمجھانے کی کوشش کررہی ہے' وہ جلد ہی اس کی بات مان لے گا۔ روز موبائل اٹھا کر دن میں کئی بار چیک کرتی کہ ہوسکتا ہے اس نے کوئی میسج کیا ہو' کوئی کال...... پھر سوچتی کہ میں نے کون سا اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔ جس روز اس نے زندگی میں پہلی بار نماز پڑھی' اسے یاد کرکے پھوٹ پھوٹ کررودی۔

"دیکھوتو سارب! تمہیں بدلنے چلی تھی' میں تو خود کو تم میں بدلتا محسوس کررہی ہوں اور مجھے اچھا لگ رہا ہے تمہیں سوچنا' تم جیسا سوچنا......" نجانے کب شرارت میں اتاری گئی اس کی تصویر کو نم آنکھوں سے دیکھتے اس نے سوچا' بغیر کسی ہچکچاہٹ یا شرماہٹ کے اس نے اپنی دوستوں کو اپنی شادی کا بتایا تھا۔ اپنی اور سارب کی موبائل میں لی گئی شادی کی تصاویر دکھائی تھیں' انہی دنوں میں امتحان شروع ہوکر ختم بھی ہوگئے۔

سارب کا اپنے باپ اور ماں سے فون پر مستقل رابطہ تھا' شہر آنے کے لیے سلسلے میں بھی کون سی تو کبھی سی مصروفیت کا ذکر کرتا۔ گزرے ان دنوں کو انگلیاں پر شمار کیا تو پتا چلا کہ ڈیڑھ ماہ ہوگیا تھا اسے دیکھے اسے ملے۔ دوسری طرف سارب نے چاچا' چاچی کو پروشہ کے امتحانات کا بہانہ بنا کر مطمئن کردیا تھا۔

جس روز وہ تیورا کر گری اور چیک اپ کرانے پر ایک بہت بڑی خوش خبری سننے کو ملی تھی وہیں اسی دن ملک صاحب کا آفس سے آتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا یوں اطلاع ملنے پر سارب شہر بھاگا تھا جہاں ہسپتال جاکر پتا چلا تھا کہ ان کی ٹانگ کی ہڈی دوجگہ سے ٹوٹ گئی تھی۔ مسز ملک اور پروشہ تو ہسپتال میں موجود تھیں ہی' چاچا اور چاچی بھی یہ خبر سن کر بیٹھ نہ سکے تھے اور سارب کے منع کرنے کے باوجود شہر چلے

آ ئے تھے۔

''بہت دن بعد اسے دیکھ کر جہاں پروشہ نے اپنی نظروں کو سیراب کیا تھا وہاں سارب نے آنکھ اٹھا کر بھی اس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ پروشہ کا دل جہاں اس بے رخی پر خوب دکھا تھا وہاں دل ہی دل میں اس نے اس کو اس رویے پر حق بجانب قرار دیا تھا پھر ملک صاحب کی ٹانگ کا آپریشن ہوتے ہی انہیں ڈسچارج کرنے کی دیر تھی کہ سارب انہیں گاؤں ہی لے آیا تھا۔ مسز ملک اور پروشہ کہاں رکنے والی تھیں' ساتھ ہی آ گئی تھیں۔

''ہمارا رشتہ جس ادب اور محبت کا متقاضی ہے ناں بابا! اس میں میں آپ سے لڑ بھی نہیں سکتا' مگر ایک بات تو طے ہے کہ آپ مجھے اپنا بیٹا نہیں سمجھتے ورنہ اتنی غیرت ہرگز نہ برتتے۔ اماں کی طرف ایسے مت دیکھیں' انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا' وہ تو ہسپتال میں اتنے لوگوں کو رکنے نہیں دے رہے تھے تو میں خواتین کو گھر چھوڑنے گیا تھا پھر میرے بہت اصرار پر اماں نے مجھے سب کچھ بتایا۔ یہ تو حادثہ سبب بنا مجھے شہر لانے کا ورنہ میرا ابھی ایک ڈیڑھ مہینے تک چکر نہیں لگنا تھا شہر۔ آپ سے فون پر مسلسل رابطہ رہا مگر ایک بار بھی آپ نے اس حوالے سے بات نہیں کی۔ لڑ نہیں سکتا لیکن خفا تو ہو سکتا ہوں ناں آپ سے۔'' سب ہی اس کمرے میں موجود تھے جہاں ملک صاحب اور ان کی بیوی رہائش پذیر تھے' سارب ابھی ابھی ان کو سہارا دے کر واش روم تک لے گیا تھا اور اب واپس لا کر بٹھاتے ہوئے پہلی باضابطہ بات تھی جو اس نے ان سے کی تھی۔

''ارے میرے پیارے بچے! سدا خوش رہو' یونہی ماں باپ کے دل کی ٹھنڈک بن کر جیتے رہو' تم نے تو اپنے فرض سے بڑھ کر کہا۔ اللہ کا کرم رہا مجھ ناچیز پر' اس نے مشکل میں ڈالا تو اسے حل کرنے کا حوصلہ بھی بخشا۔ آہستہ اور مشکل سے ہی سہی سب سیٹ ہو گیا تھا بچے' پھر تمہیں پریشان کیوں کرتا۔ اللہ نے روزگار کے حوالے سے بھی پریشان نہیں رہنے دیا' سبب بنا ہی دیا پھر کیا بتاتا۔ بس اللہ نے اب جو آزمائش ڈالی ہے تو دعا کرو اس کو مختصر کر دے۔'' وہ آہستہ آہستہ بولتے کہہ رہے تھے۔

پروشہ ان کے ساتھ ہی آ ئی تھی اس وقت سے نجانے کہاں تھی سارب کی موجودگی کا جہاں امکان نظر آتا وہاں سے فوراً ہٹ جاتی۔ اب بھی رات کا کھانا وہیں کھا کر سب ہی آہستہ آہستہ اٹھ گئے تھے۔ چاچی نے بانو کو کہا تھا کہ پروشہ جہاں کھانا چاہے' اسے کھانا دے دیا جائے۔ انہوں نے سمجھا تھا کہ وہ شاید اپنے کمرے میں ہی کھانا پسند کرے کیونکہ جتنا عرصہ وہ رہی تھی' یہی وطیرہ رہا تھا اس کا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ کچن میں موجود رہی تھی جیسے ہی سارب کو ملک صاحب کے کمرے سے نکلتے دیکھا فوراً ہی اندر آ گئی تھی۔

''تم بھی آرام کر لیتیں پروشہ! دیکھو اتنی بڑی اور خوشی کی خبر ملی تھی وہ بھی اس حادثے میں پڑ کر سب بھول گئے۔ جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو جا کر تمہارے انکل تو دوائیاں کھا کر سو بھی گئے۔ مجھے بھی سفر نے تھکا دیا ہے' سونے لگی ہوں۔'' ملک صاحب پر رضائی درست کرتے انہوں نے اسے ہری جھنڈی دکھائی۔ مرے مرے قدموں سے دروازہ بند کرتی وہ باہر آئی جہاں چاچی اپنے کمرے سے نکل رہی تھیں۔

''کیا ہوا بچے! کسی چیز کی ضرورت تھی کیا' مجھے بتاؤ میں لا دیتی ہوں۔''

''نہیں چاچی وہ میں...... وہ میں انکل کی طبیعت کا پوچھنے گئی تھی' بس اب جا رہی ہوں سونے۔'' ان کے سوال پر اس نے بمشکل کہا اور آہستہ سے سارب کے کمرے کی طرف بڑھی' دل زور زور سے دھڑک رہا تھا' خود کو ڈپٹتے اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا مگر کسی کو موجود نہ پا کر سکون کی سانس لیتی وہ بیڈ پر آ کر یوں بیٹھی جیسے میلوں دور سے دور کر آئی ہو۔

الفاظ کسی بھی رویے کو' حالات کو حیثیت اور رشتے کو اپنی نرمی اور تلخی سے بدلنے کا ہنر رکھتے ہیں حتیٰ

کہ یہ وہ طاقت ور چیز ہے جو بادشاہوں کا تختہ بھی الٹ سکتی ہے۔ ابھی ڈیڑھ ماہ پہلے ہی وہ پورے طمطراق اور استحقاق کے ساتھ اس کمرے میں اٹھتی' بیٹھتی' چلتی' کھاتی اور سوتی تھی۔ چند الفاظ ہی تھے جنہوں نے ان کی زندگی کو دوراہے پر لاکھڑا کیا تھا' آج اس کے انداز میں استحقاق نہیں خوف تھا' شرمندگی تھی' پچھتاوے تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے کانپتے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں بھینچتے سر کو جھکالیا' وہ اندر آچکا تھا۔ اس کو نہ بھی دیکھتی تب بھی اس کے معمولات از بر تھے یقیناً وہ اپنا کوٹ اتار کر اس کی مخصوص جگہ پر رکھ چکا تھا' اب اس کے پاؤں پروشہ کی نظروں کی قید میں تھے' وہ اس کی جانب پیٹھ کیے کھڑا ڈریسنگ ٹیبل پر اپنی گھڑی اتار کر رکھ رہا تھا۔

''کچھ دن یہ ناپسندیدہ ساتھ' جگہ اور لوگ آپ کو پھر برداشت کرنا پڑیں گے۔ حالات بدلنے پر قادر نہیں ہوں ورنہ ایک لمحہ بھی آپ کو ایسی جگہ پر نہ رکنے دیتا جس کے بارے میں اور جہاں کے لوگوں کے لیے آپ کے دل میں کتنی نفرت چھپی ہے جو صرف میں جانتا ہوں۔'' مضبوط قدم بڑھاتا اب وہ اس کے پاس بیڈ پر اسی کے ہی انداز میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھ چکا تھا' پروشہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''بے فکر رہیے گا' بہت دن پہلے آپ کو اپنے دل اور زندگی سے نکال چکا ہوں بس دائرہ زندگی سے نکالنے کے لیے کچھ وقت لے رہا ہوں تو اس لیے کہ اس سے میرے بے حد پیاروں کو دکھ پہنچنے کا اندیشہ ہے لیکن میں کوئی ایسا راستہ بھی نکال ہی لوں گا کہ آپ جلد ہی اپنی من پسند زندگی گزار سکیں گی من پسند ساتھی کے ساتھ جو آپ کی پسند کے تمام رنگوں میں ڈھلا ہوگا۔'' کہتے کہتے دل کا سارا درد لہجے میں سمٹ آیا' یہ دیکھے بغیر کہ پروشہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہوچکا تھا۔

''میری غلطی اتنی بڑی تو نہیں ہے سارب کہ اس کے لیے اتنی بڑی بڑی سزائیں منتخب کرلیں تم نے......''

''غلطی کو سدھارا جاسکتا ہے پروشہ بی بی! مگر تم نے غلطی نہیں گناہ کیا ہے۔ میرے نزدیک دل توڑنا گناہ کے برابر ہے' انجانے میں کیے گئے گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں مگر جان کر کی گئی غلطی بھی ناقابل معافی ہے۔ میں نے کہا ناں آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' آپ کے اوپر کوئی بات نہیں آئے گی۔ بابا کی طبیعت تھوڑی سی سنبھلتے ہی آپ کو اس ان چاہے بوجھ سے چھٹکارا مل جائے گا' جس کی بہت دور تک پلاننگ کرلی تھی آپ نے......'' تلخی سے کہہ کر وہ اٹھ گیا تھا مگر ساکت ہوکر رک جانا پڑا جب وہ اچانک سے اس کے بازو کو تھام کر شدت سے رودی تھی۔

''بس کرو سارب! خدا کے لیے بس کردو' جس کو ضمیر اور پچھتاوے کی مار مل جائے اسے لفظوں سے مارنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میں واقعی تمہاری زندگی میں ایک عہد لے کر آئی تھی' فارض کے ٹھکرانے کا بدلہ اس سے ایسے لینا چاہا تھا کہ تمہیں اس کے روپ میں ڈھال کر اس تک لے جانا چاہتی تھی کہ وہ مجھے ٹھکرانے کے فیصلے پر پچھتانے پر مجبور ہوجائے۔ یہ پہلی سوچ تھی جس نے مجھے ہاں کے لیے سوچنے پر مجبور کیا پھر آنٹی نے دھیان دلایا کہ تم فارض سے زیادہ خوب صورت' دولت مند ہو' اگر جو تھوڑے گروم ہوجاؤ تو فارض بھی پانی بھرنے لگے تمہارے آگے۔

آنٹی کی زبانی ہی تمہاری مجھ سے پسندیدگی کا پتا چلا پھر تم نے صحیح ہی تو کہا تھا ایک احساس کمتری نے میرے اندر پنجے گاڑ رکھے تھے جو مجھے دیہاتی بیک گراؤنڈ ہونے پر شرمساری پر مجبور کرتا تھا' اس کو دبانے کے لیے میں فارض کے ساتھ مل کر تمہارا مذاق اڑاتی تھی۔ آنٹی کے اکسانے نے بھی میری سوچ کو اور بڑھاوا دیا کہ اپنی محبت اور حسن کے جال میں پھنسا کر میں تمہیں شہر لانے پر مجبور کرسکتی ہوں۔

مگر میں سچ کہہ رہی ہوں سارب! تمہاری

محبت' بے تحاشا محبت نے مجھ پر ایسے شب خوں مارا کہ میں اپنا بچاؤ ہی نہ کرسکی۔ میں کبھی تم پر ہنستی تھی اب خود پر ہنسنے لگی تھی' اپنی حالت پر' اپنے دل کے بدلنے پر جس نے مجھے اچانک دھوکا دیا اور تمہارا ہوگیا۔" سسکیاں بھرتی وہ اسے یقین دلا رہی تھی' سارب نے بغیر کچھ کہے اپنا بازو دھیرے سے اس کے ہاتھوں سے چھڑایا اور ایک ملامت بھری نظر اس پر ڈال کر دو قدم دور جا کھڑا ہوا' پروشہ نے بے حد حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"تمہیں مجھ پر یقین نہیں آرہا ناں...... میرے الفاظ پر' میرے آنسوؤں پر......" وہ بالکل اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"میں نے اپنی سب دوستوں کو بتادیا کہ میری شادی تمہارے ساتھ ہوئی ہے' میں جلد ہی ان کو یہاں بلاؤں گی۔ خدا کی قسم سارب! میں جو تم کو اپنے رنگ میں رنگنے چلی تھی' اللہ نے تمہاری ایسی محبت میرے اندر اتاری کہ اب تم سے اچھا ہی کوئی نہیں لگتا۔ تم ہو ہی اسی قابل سارب کہ تمہارے ہی رنگ میں خود کو رنگ لیا جائے جانتے ہو کیوں...... کیوں کہ یہی رنگ سچا ہے' خالص ہے۔ مجھے اپنے جیسا بنالو سارب!" اس کے دونوں بازوؤں کو کھوتی وہ آرام سے اس کی پناہوں میں آگئی اور اس کی گردن کے گرد اپنے دونوں بازو حمائل کردیے۔ دو آنسو سارب کی سنہری آنکھوں سے نکلے اور اس کے سنہرے بالوں میں جذب ہوگئے' کچھ لمحے اس کی محبت کی سچائی محسوس کرنے میں لگے اسے۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ناں پروشہ! یہ پھر اسی فرمائش یا پلاننگ کا کوئی حصہ تو نہیں' میں بہت ٹوٹ گیا تھا...... ابھی تو خود کو پوری طرح سنبھال بھی نہیں پایا' ایسا نہ ہو کہ اب کی بار ٹوٹوں تو پھر جڑ ہی نہ پاؤں۔" بھیگی آواز میں وہ اسے سمیٹتے وہ بامشکل بولا تھا۔

"پروشہ جھوٹ بول سکتی ہے' فریب کرسکتی ہے سارب! ایک ماں نہیں جس نے ابھی اس احساس کو

صرف محسوس ہی کیا ہے صرف اور دل کی دنیا بدل گئی ہے۔" سرگوشی میں کی گئی بات پر سارب نے جھٹکے سے اسے خود سے الگ کیا اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تم...... تم سچ کہہ رہی ہو...... تم ماں...... میں...... تم......" اس سے بات مکمل نہ ہو سکی اور پروشہ کے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتے دیکھ کر اس نے شدت جذبات سے ایک بار پھر اسے پیار سے سمیٹ لیا۔ اب کی بار دونوں ہر چیز بھلائے صرف رو رہے تھے' ساری دھند چھٹ چکی تھی' محبت کھل کر مسکرائی تھی۔

☆☆☆

ایک دل کی دنیا ہی بدلی تھی سب کچھ ہی نکھرا' اجلا اور حسین تھا۔ اسے نماز کے لیے خود اٹھتا دیکھ اور نماز پڑھتا دیکھ کر سارب مسکرا دیا اور ٹوپی اٹھا کر سر پر جماتے اس نے اپنے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے کسی نقصان کے بغیر بہت کچھ پا لیا تھا۔

گاؤں کے اس خوب صورت معمول کا منظر تھا' ابھی ابھی باہر دھوپ کے صحن میں قبضہ جماتے ہی چاچی نے چارپائیاں اور لان چیئرز بچھوا دی تھیں سارب کی وہی مصروفیات تھیں، بیمار کی تیمارداری مگر اس بار مریض ملک صاحب تھے۔ چاچی' مسز ملک کرسیوں پر، کوئی خاندانی قصہ چھیڑے بیٹھی تھیں جب مسکراتے ہوئے وہ آ کر خاموشی سے اس منظر کا حصہ بن گئی۔

"ویسے سارب کو چاہیے اپنے پاپا کے لیے کسی نرس کا بندوبست کر دے' کب تک ایسے باپ کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھا رہے گا۔ کہیں اس کی اپنی طبیعت بگڑ نہ جائے۔" بڑی احتیاط سے وہ ملک صاحب کو واش روم کے لیے لے کر جا رہا تھا جب مسز ملک نے اسی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں بھابی! بھلا انسان اولاد کس دن کے لیے مانگتا ہے اسی دکھ سکھ کے دنوں میں سہارے کے لیے پھر جیسی محبت اور خیال ایک اپنا رکھ سکتا ہے وہ یہ ڈاکٹر یا نرسیں کیا جانیں۔ بس اللہ سے میرے بچے کی صحت و تندرستی کی دعا ہے تاکہ وہ ایسے ہی ہر ایک کے کام آ کر دعائیں سمیٹتا رہے پھر سارب کہاں مانے گا؟" چاچی کے لہجے میں ایک فخر تھا اور محبت تھی' مسز ملک نے کسی قدر حسرت سے ان کے سادہ چہرے پر نگاہ کی جو مامتا کی روشنی سے چمک رہا تھا۔

"چاچی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آنٹی" اس نے بھی محبت سے اسے دیکھا جواب ملک صاحب کو آرام سے چارپائی پر منتقل کر رہا تھا۔ چاچا بھی اب اس کی مدد کر رہے تھے۔

"پتا ہے آنٹی! ان چند دنوں میں یہاں رہ کر میں نے زندگی کے ایسے ایسے سبق سیکھے جو عمر بھر کی اسکول' کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم مجھے نہ سکھا سکی۔ وہ اسی پر نظریں جمائے سحر زدہ سی بول رہی تھی۔

"میں چاہتی ہوں میرا بچہ چاچی جیسی عورت کے ہاتھوں ہی پرورش پا کر بالکل سارب جیسا بنے کیونکہ مجھے اسے آسائشوں کی نہیں اخلاق کی دولت دینی ہے۔ ہر رشتے کا کیا حق ہے اور اسے کیسے نبھانا ہے' یہ بتانا ہے' میں اپنا بڑھاپا آپ کی طرح نہیں گزارنا چاہتی کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنی اولاد کی بے حسی پر روؤں۔ مجھے اپنا بڑھاپا چاچی کی طرح گزارنا ہے' آنکھوں کی ٹھنڈک کو سامنے رکھ کر اولاد کی فرماں برداری اور ادب کے تمام لطف لیتے ہوئے......" اس کی باتیں سن کر جہاں چاچی کی آنکھیں خوشی سے بھر آئی تھیں وہاں مسز ملک کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا۔

"میرے اللہ کا کرم ہوا مجھ پر کہ میں نے ظاہر کے بجائے باطن کی اچھائی پا لی۔ جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔" چاچی کے گلے لگ کر اس نے کہا تو انہوں نے اس کی روشن پیشانی چوم لی۔

☆
☆

آزادی

نادیہ راضی خان



ہم سب نے غور کیا ہوگا کہ ہر انسان آزادی کا خواہاں ہوتا ہے، ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی زندگی آزاد ہو۔ جہاں روک، ٹوک بات بے بات کسی چیز سے روکنا ٹوکنا، یہ ہر کسی کو گراں گزرتا ہے، لیکن بات آتی ہے اس نقطے پر کہ ''آزادی'' کی قدر کرنی چاہیے۔ جس شخص نے زندگی پابندی کی اصولوں کے زیر اثر گزاری ہو اور اسے آزادی دی جائے تو......؟ تو بھئی آزادی تب ہی ملتی ہے جب اسی بندے میں اعتبار و اعتماد کا مادہ موجود ہو۔ پھر دنیا میں جہاں مرضی ہو چلتے جائیں کیونکہ اعتماد و اعتبار دونوں ہی چیزیں ایسی ہیں جو بندے کو خاک کے ذروں سے آفاق کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ جب یہ بحال ہو تو آگے بڑھیے! پھر ڈر کا ہے کا؟

لیکن......بشرطیہ کہ اعتماد و اعتبار کا رشتہ مضبوط ہو، اس کی دیوار میں لغزش و لڑکھڑاہٹ پیدا نہ ہو کیونکہ ذرا سی لغزش و لڑکھڑاہٹ اس مضبوط دیوار کی بنیاد کو ریزہ ریزہ کرسکتی ہے اور روشن مستقبل تاریکیوں کی جال میں پھنس جاتا ہے۔

وہ بھی آزادی کی خواہاں تھی۔

☆☆☆

سورج کی سنہری کرنیں پنجرے کی سلوری چھت سے ٹکراتی ہوئی بے حد پرکشش لگ رہی تھیں۔ وہ گھر کے اس کچے سے صحن میں کھڑی کسی گہری سوچ میں تھی۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ آم کے پیڑ کے نیچے رکھے ہوئے پنجرے میں قید رنگ برنگے چھوٹے سے توتوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''تم سب بھی میری طرح آزادی کے خواہاں ہو، ہے ناں۔'' ماہین اپنے دونوں ہاتھ پنجرے کی جال پہ رکھ کے ان سے مخاطب ہوئی۔ گویا وہ سب اس کی زبان سمجھ رہے ہو۔ اس کے ہاتھ بدستور جال پہ رکھے ہوئے تھے اور سر اٹھا کے فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو پرشوق نظروں سے دیکھ کے پھر کہنے لگی۔

''کاش! میں بھی اک پرندہ ہوتی، میری اڑان تم سب سے تیز ہوتی۔'' یہ کہہ کر ماہین جال کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

''دوسرے پرندوں کو یوں فضا میں کھلا ہوا دیکھ کے تم سب کے دلوں میں بھی یہی حسرت ہوگی کہ ہم بھی آفاق و فلک کی بلندیوں میں پرواز کرسکیں۔''

پرندے بے چینی سے اس بڑے سے پنجرے کے اندر اڑتے ہوئے جال سے ٹکراتے رہے۔

''خیر میں بھی تمہاری کی طرح اک قید پرندہ ہوں۔'' یہ کہہ کر ماہین ہارے ہوئے جواری کی طرح

سر جھکائے خراماں خراماں چلتی ہوئی کچن کی جانب چل دی۔

☆☆☆

"اف کل رات تو میں بہت دیر سے سوئی۔" جویریہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کے ماہین سے کہنے لگی۔

"کیوں؟" ماہین سوالیہ نگاہ سے جویریہ کو دیکھ کے پوچھنے لگی۔

"ارے بھئی! کل رات لیپ ٹاپ پہ کورین ڈرامہ دیکھ رہی تھی، ایک تو ڈرامے میں سسپنس اتنا تھا کہ میری نیند تو رفو چکر ہوگئی تھی۔" جویریہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ماہین کو جواب دینے لگی اور ماہین رشک بھری نگاہوں سے جویریہ کو دیکھنے لگی۔

جویریہ کا تعلق کافی امیر گھرانے سے تھا۔ ماہین اور جویریہ دونوں ہی ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں جبکہ ماہین بلا کی ذہین اسٹوڈنٹ تھی اور ان کا تعلق مڈل کلاس کے طبقے سے تھا۔

ماہین کے گھر کا ماحول سخت تھا۔ اس کے تین بھائی تھے اور تینوں ہی ایک مزاج کے حامل شخصیت کے مالک تھے۔ اس کے گھر میں عالیہ بیگم (ماہین کی والدہ) کے پاس ہی موبائل ہوتا۔ ماہین یہی چاہتی تھی کہ اس کے پاس اپنا ذاتی موبائل ہو۔ لیپ ٹاپ ہو اور انٹرنیٹ کی سہولت ہو۔ وہ اکلوتی ہی تھی اور آخری نمبر پر بھی۔ اس کا باپ جمشید ہارٹ اٹیک کی وجہ سے اس دنیا سے چل بسے تھے۔ اس کے گھر میں لیپ ٹاپ، آئی پیڈ وغیرہ کا انتظام نہیں تھا۔ ماہین کالج جاکے اپنی سہیلیوں کی باتیں شوق سے سنتی تھی کہ کس طرح وہ انٹرنیٹ کا استعمال کرتی ہیں۔ مختلف ملکوں کے ڈرامے دیکھتی ہیں۔ انٹرنیٹ پہ ایک دوسرے سے چیٹ کرتی ہیں۔ یہ سن کر اس کے دل میں بھی خواہش جنم لے لیتی اور وہ کہتی "کاش وہ بھی اپنی سہیلیوں کی طرح ہوتی۔" اگر اس کی ماں کے موبائل پہ اس کی سہیلی کی کال آتی وہ ادھر ادھر نگاہ دوڑا کے تسلی کرتی کہ واقعی حماد، مجید اور عابد بھائی نہیں ہیں، تب وہ اپنی سہیلی سے بات کرتی تھی۔

"موبائل پہ چیٹ کرنا اور اس کا تصور کرنا بھی دور کی بات تھی۔

وہ ایف ایس سی کے فائنل ایئر میں تھی۔ کالج سے آکے بھی وہ دل لگا کے پڑھتی تھی۔ بس اس کی حسرت یہ ہی تھی کہ اس کا اپنا موبائل ہو اور کوئی روک ٹوک نہ ہو، مگر بھائیوں کے آگے وہ سر تسلیم خم کردیتی۔

☆☆☆

"اماں ہمارا گھر کب تیار ہوگا؟" مہرین نے چاولوں کو دھو کر پانی میں بھگو کے رکھ دیا اور اپنی ماں نسرین سے پوچھنے لگی۔ نسرین تسبیح کے دانے گراتے ہوئے منہ ہی منہ میں وظیفہ کو تیز تیز پڑھنے لگیں۔ اماں کی طرف سے جواب نہ پاکے اس نے دوبارہ ڈھیٹ بن کے ماں سے سوال کرڈالا۔

"اماں بتایئے ناں اس چھوٹے سے گھر میں مزید رہ کر میرا دم ہی نکل پہلے جائے گا۔" مہرین کمر پہ دونوں ہاتھ رکھ کے چاروں اطراف سے اپنے گھر کو دیکھنے لگی۔

"ارے جا، پہلے چاول پکا پھر سوالات کرنا۔" تیزی سے تسبیح کے دانے گراتے ہوئے ماتھے پہ شکنیں لیے مہرین کو جواب دینے لگیں۔ کام کا سن کے مہرین کافی روتی سی شکل بنا کے نسرین سے مخاطب ہوئی۔

"اف اماں! ہر روز کام ہی تو کرتی ہوں......"

اس کا انداز دیکھ کے نسرین نے پاؤں سے چپل اتار کے اس کی عزت افزائی کے لیے روانہ کی جو کہ سیدھا جاکے اس کے کمر پہ لگی۔

"ہائے اماں مرگئی۔" مہرین زور زور سے اپنی کمر سہلاتے ہوئے اوور ایکٹنگ کرنے لگی اور چاولوں کو پکانے کے لیے کچن میں آگئی۔

"کالج سے آکے پڑھائی بھی کروں اور اوپر سونے پہ سہاگا گھر کے کام بھی کروں کیا میں نوکرانی ہوں......" وہ آہستہ آواز میں بڑبڑانے لگی۔ مبادا سننے کی صورت میں اماں کی طرف سے دوبارہ عزت افزائی ہوسکتی تھی۔

☆☆☆

مہرین، جویریہ اور ماہین تینوں ہی کالج کے

لان میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ تینوں ہی ایف ایس سی کے لاسٹ ایر میں تھیں۔ ماہین ہمیشہ جویریہ کی شان و شوکت سے متاثر ہوتی تھی حالانکہ ماہین اپنے کلاس کی ذہین لڑکی تھی۔ جویریہ چہرے پہ آتے لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے ماہین کی جانب دیکھنے لگی۔

"ماہین تمہارے کے گھر میں لیپ ٹاپ ہے؟" جویریہ کا سوال سنتے ہی مہرین اور ماہین دونوں ہی دم بخود سے انداز میں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں۔

ماہین نے اک نظر جویریہ کو دیکھ کے سر جھکا لیا اور "جی نہیں" کہہ کر خاموش ہوگئی۔

"اوہ! کیسے لوگ ہو اس ماڈرن وقت میں تم لوگوں کے گھر......" اس کی بات کاٹ کر مہرین نے جلدی سے جواب دے کر جویریہ کو خاموش کرا دیا۔

"جویریہ! ضروری تو نہیں کہ ہر گھر کا ماحول تمہارے گھر کے ماحول جیسا ہی ہو جس طرح ایک انسان کا مزاج دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح گھر کے ماحول بھی مختلف ہوتے ہیں۔" یہ سن کر جویریہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش تو ہوگئی، مگر پھر کچھ سوچ کے لاپروائی سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہنے لگی۔

"یار! اس دنیا میں آزادی کے ساتھ زندگی جیو، اف روک ٹوک، بات بات پہ ڈر...... آزادی دیکھو، میری لائف فل آزاد ہے جیسا چاہوں وہی کروں۔" یہ سن کر مہرین افسوس سے سر ہلاتے رہ گئی جبکہ ماہین کے ذہن میں اپنے گھر کا سخت ماحول گھومنے لگا۔ لیپ ٹاپ تو دور کی بات وہ تو اپنی ماں کے موبائل کو بھی ڈرتے ڈرتے ہاتھ لگاتی تھی کہ کہیں سے اس کا بھائی نہ آجائے۔ مہرین کے گھر کا ماحول بھی تقریباً سخت مزاج تھا۔

☆☆☆

"میری زندگی بالکل آزاد ہے۔" گھر آ کے ماہین کے ذہن میں جویریہ کے کہے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے۔ سر جھکائے وہ اسی انداز میں کمرے سے نکل آئی اپنی امی کا۔ موبائل اٹھا کے مہرین کا نمبر ملانے لگی کہ حماد کمرے سے نکل آیا۔ حماد کو دیکھتے ہی ماہین نے لرزتے ہاتھوں سے موبائل واپس رکھ دیا۔

"یہ کیا کر رہی تھیں تم؟" حماد موبائل ہاتھ میں لیے چیک کرنے لگا اور ماہین انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں بمشکل حماد کو جواب دینے لگی۔

"بھائی......وہ...... مہرین کا نمبر ملا رہی تھی نو......نوٹس کی ضرورت تھی مجھے۔" یہ سن کر حماد ماتھے پہ تیوری چڑھا کے ماہین سے کہنے لگا۔

"آئندہ یہ موبائل مت اٹھانا اور جسے کال کرنا ہو تو مجھے بتایا کرو۔ میرے موبائل سے کال کر سکتی ہو۔"

"جی بھائی۔" ماہین سر جھکائے بڑے ادب سے حماد کو جواب دے کر خاموش ہوگئی۔ حماد کے جاتے ہی ماہین تیزی سے کمرے کی جانب چل دی جہاں اس کی ماں ترتیب کے ساتھ الماریوں کی درازوں میں چیزیں رکھ رہی تھیں۔

"اماں۔" ماہین نے ـــ قالین پہ بیٹھتے ہوئے ماں کو پکارا۔

"جی بیٹا! ماہین کیا بات ہے؟" عالیہ پیار سے ماہین کو بیٹا ہی کہتی تھیں اور وہ اسی لفظ پہ تو نہال ہو جاتی تھی۔

"اماں! دیکھیے ناں ایسا کیا ہے مجھ میں جو ہر بھائی مجھ پہ شک کرتا ہے، کیا میں واقعی بری ہوں جو یہ لوگ کہتے ہیں یہ موبائل مت اٹھانا، ایسا کرنا، ویسا کرنا، یہاں جاؤ، وہاں مت جاؤ......" یہ کہہ کر ماہین کی آواز رندھ سی گئی اور اپنے دل کی بھڑاس نکال کے عالیہ بیگم سے شکایت لگا دی یہ سن کر عالیہ مسکرائیں۔

"بیٹی ماہین! یہ تینوں تم سے بے حد پیار کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ کا پاؤں پھسل نہ جائے۔" یہ سن کر ماہین منہ کھولے حیرانگی سے اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگی گویا اس کو اپنی ماں کی ذہنی توازن پہ شک ہو۔ "یقیناً میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں، مگر وقت آنے پہ تمہیں

اپنے بھائیوں کی محبت ظاہر ہو جائے گی۔" عالیہ یہ کہہ کر دوبارہ کام میں مصروف ہو گئیں اور ماہین خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔

☆☆☆

ماہین ایف ایس سی کے ایگزامز دے کے فارغ تھی۔ ایگزام دے کے جیسے اس کے سر سے اک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ رزلٹ آنے میں کچھ دن باقی تھے۔ رزلٹ جب آؤٹ ہوا تو ماہین A+ گریڈ لے چکی تھی۔ جویریہ B گریڈ اور مہرین بھی B گریڈ لے چکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح ماہین نے آج بھی تعلیمی کیریر میں نمایاں پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس کا رزلٹ دیکھ کے تینوں بھائی بے انتہا خوش تھے۔ عابد، مجید اور حماد تینوں اکٹھے آ کے ماہین کے ساتھ والی چارپائی پہ بیٹھ گئے۔ عابد اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے مسکراتے لبوں سے گویا ہوا۔

"واہ ماہین آج تو کمال ہی کر ڈالا۔" یہ سن کر ماہین ادب کی وجہ سے سر جھکائے مسکرانے لگی اور اپنے بھائیوں کے بدلتے ہوئے رویے پہ دل ہی دل میں سخت حیران بھی۔

"تو کیا خیال ہے عابد گفٹس تیار ہیں اس خوشی میں۔" حماد، عابد کی طرف دیکھ کے مسکرایا۔

"ہاں کیوں نہیں آخر ماہین اتنا اچھا گریڈ لے چکی ہے حق تو بنتا ہے ناں۔" عابد یہ کہہ کر کمرے کی طرف چل دیا جہاں گفٹس تیار کر کے رکھے گئے تھے۔ ماہین حیرت و ناسمجھی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ان تینوں کی طرف دیکھنے لگی۔ کمرے سے باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں پیک گفٹس تھے۔ عابد کے ہاتھ میں اک بیگ سا تھا اور ماہین کو اپنے پاس بٹھا کے بیگ دیتے ہوئے گویا ہوا۔

"ماہین! یہ لو...... یہ میری طرف سے گفٹ ہے اور وہ بھی لیپ ٹاپ۔" لیپ ٹاپ کا سن کے وہ بے حد گھبرائے ہوئے انداز میں عابد کو دیکھنے لگی کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا، مگر وہاں مسکراہٹ کے آثار دیکھ کے ناسمجھی و خوشی کے عالم میں لیپ ٹاپ بیگ کو رکھنے لگی۔

"اور یہ میری طرف سے گفٹ...... اس میں زبردست قسم کا موبائل ہے۔" مجید گفٹس اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہنے لگا اور حماد جلدی سے کہنے لگا۔

"بھئی! میری طرف سے تو انٹرنیٹ کا اعلان ہے۔" یہ سب سنتے ہی ماہین کی زبان گنگ رہ گئی اس کے پاس جیسے کہنے کے لیے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہو۔ وہ ابھی تک شاکڈ کی سی کیفیت میں اپنے بھائیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سب کچھ اک خواب سا لگ رہا تھا۔

"بھائی یہ میں خواب دیکھ رہی ہوں؟ یا پھر یہ واقعی حقیقت ہے؟" ماہین بمشکل اتنا ہی کہہ سکی۔

"یہ حقیقت ہے، سراپا حقیقت۔" عابد کچھ دیر رکا اور پھر گویا ہوا۔

"ماہین اس سے پہلے ہم نے تم پر اتنی پابندیاں اس لیے لگائی ہوئی تھیں کہ تم اپنی پڑھائی سے غافل نہ ہو جاؤ، دوسرے تمہارا ذہن ابھی کچا تھا، ہمیں ڈر تھا کہ کہیں تمہارے قدم بھٹک نہ جائیں۔ اور اب ہم تینوں کو تم پر بھرپور اعتماد ہے کہ تم ہمارے یقین اور مان پر پورا اترو گی۔"

تینوں اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔ وہ انتہائی خوشی کے عالم میں گفٹس اٹھاتے ہوئے کمرے کی جانب چل دی۔ گفٹس کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ تیزی کے ساتھ لرز رہے تھے۔

"واؤ" بے اختیار اس کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔

"کتنی پیاری ہوتی ہے ناں آزاد زندگی۔"

☆☆☆

آئے روز ماہین لیپ ٹاپ کھولے خود کو مصروف رکھتی وہ کبھی کیا دیکھتی تو کبھی کیا۔ فیس بک پہ آئی ڈی بنانا اس نے سیکھ لیا تھا۔ اس نے چپکے سے اپنے لیے فیس بک آئی ڈی بنا لی۔ دو، تین دن بعد اس نے فرینڈ ریکوسٹ بھیجنی شروع کر دی۔ اس کی فرینڈ لسٹ میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ماہین کو

فیس بک چیٹ کرنا اچھا لگتا۔

اک دن فیس بک آئی ڈی کھولی دیکھا تو ایک شاہان نام کے لڑکے کی ریکوسٹ آئی ہوئی تھی۔ پہلے تو ماہین گھبرا سی گئی، مگر پھر اپنے اندر ہمت مجتمع کر کے اس نے ریکوسٹ قبول کر لی۔ ریکوسٹ قبول ہوتے ہی یک دم اس کا میسج آیا۔

''ہیلو گرل! مجھ سے دوستی کرو گی...... میرا نام شاہان ہے۔'' یہ پڑھ کر ماہین کو اپنے دل کی دھک دھک کانوں میں صاف سنائی دینے لگی۔ پہلے تو وہ جواب نہیں دینا چاہ رہی تھی، مگر پھر دل سے آواز آئی ''کیا ہوتا ہے ماہین...... دو جواب کون سا یہاں میرے سامنے کھڑا مجھ سے بات کر رہا ہے۔'' دل کی آواز سنتے ہی اس نے میسج ٹائپ کیا۔ ''ہاں کروں گی۔''

میسج بھیجتے ہی اس کی لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆☆☆

ماہین بی ایس فارمیسی میں ایڈمیشن لے چکی تھی، مگر اس کو تو جیسے اپنے تعلیم کی کوئی پروا ہی نہ ہو۔ روز شاہان کے ساتھ فیس بک پہ گپ شپ لگانا اس کا معمول بن چکا تھا۔ لیپ ٹاپ میں مگن دیکھ کے اس کے تینوں بھائی یہی سمجھ رہے تھے کہ ماہین اپنے لیے انٹرنیٹ سے ضروری انفارمیشن لے رہی ہے اور پڑھائی کے لیے نوٹس ڈاؤن لوڈ کر رہی ہے اور وہ اسی اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھانے لگی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کے بھائیوں کو اس پہ کتنا فخر و اعتماد ہے۔

اک دن جب وہ فیس بک پہ آن لائن تھی۔

''جویریہ کو جانتی ہو طاہر چوہدری کی بیٹی کو...... شاہان کا میسج آیا۔ میسج پڑھ کے ماہین کو تو اک لمحے کے لیے حیرت کے جھٹکے لگے، مگر پھر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے میسج ٹائپ کرنے لگی۔

''جی ہاں...... وہ میری کلاس فیلو ہے۔''

''اوہ اچھا!'' اتنا کہہ کر شاہان فیس بک سے لاگ آؤٹ ہو گیا۔ اس کے بعد ماہین بے چینی سے شاہان کے میسج آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ دوپہر تک اس کا کوئی میسج نہیں آیا۔

''ماہین بیٹا! آ کے یہ سبزی کاٹ لو۔'' عالیہ برآمدے میں کھڑی ماہین کو آوازیں دے رہی تھیں۔ وہ سبزی کاٹنے میں مصروف ہو گئی۔ کمرے کے باہر دیوار کے ساتھ ہی چارپائی پہ وہ بیٹھ گئی، جہاں کمرے میں حماد، مجید اور عابد کے باتوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ بظاہر تو سبزی کاٹنے میں مصروف تھی، مگر دھیان مسلسل فیس بک کی طرف تھا۔

''حماد! شاہان کو تو جانتے ہو ناں...... اسی کے ساتھ طاہر چوہدری کی بیٹی بھاگ گئی ہے...... توبہ توبہ سارے محلے والے افسوس سے سر ہلاتے رہ گئے۔''

حماد، عابد سے مخاطب تھا۔ یہ سن کر ماہین ہکا بکا سی بیٹھ گئی۔ چھری اس کے ہاتھ سے گر گئی اور چہرہ خطرناک حد تک زرد ہوا۔ ''یار اگر پہلے اس پہ پابندی لگائی جاتی تو آج وہ ہماری بہن ماہین جیسے ہی ہوتی جو آزادی ملنے کے بعد بھی حد میں ہی رہتی ہے......'' عابد کی باتیں جاری تھیں اور ماہین اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہی تھی...... زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے، وہ اپنے آپ سے نظریں چرانے لگی۔

اس کو تو آزادی مل گئی تھی...... مگر اس نے آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اعتبار و اعتماد کے روپ میں وہ اپنے بھائیوں کے مان کو مات دے چکی تھی۔

''اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔'' خود سے کہہ کر پرعزم ارادے سے لیپ ٹاپ کھولا اور فیس بک آئی ڈی بلاک کر دی۔ وہ مزید خود کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ دل میں شکر بجا لائی کہ بروقت اسے شاہان کی اصلیت کا پتا چل گیا۔

''اگر خدانخواستہ کہیں میں......'' اتنا سوچ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آزادی اور اس کا استعمال کیا ہوتا ہے۔ پابندی و آزادی دونوں کا مفہوم اس کے ذہن میں اچھی طرح آ چکا تھا۔

☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مکمل ناول

عنبرین ولی

مہرباں جو ہوا

دوسرا اور آخری حصہ

یہ صورت حال اس کے لیے اس قدر حیران اور پریشان کن تھی کہ وہ سمجھ نہیں پارہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ منتہیٰ کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور پورا بدن تھرتھرا کررہا تھا۔ کچھ لمحوں کے لیے تو وہ بالکل منجمد ہوکررہ گیا۔ تقریباً تین منٹ وہ اسی حالت میں رہی اور پھر اس کا جسم ساکت ہوگیا۔ اور وہ بے ہوش ہوگئی۔ ان تین منٹوں میں منتہیٰ کے وجود نے اذیت کے وہ پہاڑ سہے تھے کہ عبدالباری کا وجود خوف سے کپکپا کررہ گیا تھا۔ عبدالباری ابھی بھی آنکھیں پھاڑے ساکت کھڑا تھا۔ بھاری قدموں سے وہ اس کے پاس آیا اور اسے گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے گیا۔ وہ کئی گھنٹے بے ہوش رہی۔ اس کا چہرہ خزاں کے پتے کی مانند زرد تھا اور زبان دانتوں تلے آنے کی وجہ سے زخمی ہوگئی تھی۔ تقریباً تین گھنٹے بعد وہ ہوش میں آئی۔

وہ اس کے پاس بیٹھا اس کا زرد چہرہ دیکھ رہا تھا۔ منتہیٰ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

”تم نے مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟“

”تم کیا کرلیتے؟“ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

”میری بے وقوفی کی وجہ سے تمہاری یہ حالت ہوئی۔ اگر میں تمہیں زبردستی ریسٹورنٹ نہ لے کر جاتا تو......“ وہ شدید افسوس میں مبتلا تھا۔

”تو تمہیں اس حقیقت کا علم کسی اور دن ہوجاتا۔“ وہ بے فکری سے بولی۔

”جب تم جانتی تھیں کہ یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تو مجھے اندھیرے میں کیوں رکھا؟“ اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔ منتہیٰ نے اس کے ناراض چہرے کی طرف دیکھا۔

”تو تمہیں الفاظ ضائع کرنے پر افسوس ہورہا ہے؟“ اس کے لہجے میں طنز تھا۔ عبدالباری کے دل پر جیسے کسی نے چھریاں چلادیں۔

”میری سوچ میں اب اتنی بھی مادیت پرستی نہیں ہے کہ میں ایک بیماری کا سن کر تم سے دور ہوجاؤں۔“ اسے غصہ آگیا تھا۔

”لیکن میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں، یہ سن کر تو تمہیں ضرور مجھ سے دور ہوجانا چاہیے۔“ بستر پر لیٹی یہ لڑکی کتنی ڈھیٹ تھی۔

”میں اچھی طرح سے تمہارے جھوٹ سے واقف ہوں۔“ اسے رتی برابر بھی اس کے جھوٹ پر یقین نہ آیا۔

”اسے میں تمہاری خوش فہمی سمجھوں گی۔ میں جس سے محبت کرتی ہوں اس سے میرا نکاح ہوچکا ہے۔“ اس نے اطلاع نہیں دی اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ اور پھر عبدالباری کی طرف دیکھے بغیر اس نے آنکھیں موندلیں۔ وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے دل کو سمجھا پائی تھی۔

☆☆☆

نارنجی آسمان پر نگاہیں جمائے وہ گہری سوچ میں ڈوبی تھی.. دماغ پچھلے چند ماہ کے واقعات کو سوچنے میں مصروف تھا. ساتھ ہی ساتھ اپنے دل کی حالت پر بھی غور وفکر کررہا تھا... منتہیٰ نے اپنی اور عبدالباری کی پہلی ملاقات سوچی۔

وہ ملاقات جو بالکل کسی رومانٹک کہانی کے ابتدائی منظر جیسی تھی. لیکن اسے یہ سب بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔ اسے وہ منظر بھی یاد آیا جب اس کی

ناک کی لونگ کا لاک عبدالباری کی شرٹ کے ساتھ اٹک گیا تھا... کتنی شرمندگی ہوئی تھی اسے.. لیکن وہ.. وہ یوں بن گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

وہیں سے تو سب کچھ شروع ہوا تھا.. وہ عبدالباری کی جانب متوجہ ہوگئی تھی... پھر آہستہ آہستہ دل اس کی جانب مائل ہونے لگا.. اس بات سے وہ بے حد خوف زدہ ہوگئی... ایسی نحس بیماری کے ہوتے ہوئے وہ کسی کا بھی ساتھ کیسے چاہ سکتی تھی؟ یہ بے چینی بے قراری اس کی سخت اور بے رحم زبان کی صورت ظاہر ہونے لگی... وہ یہی سمجھتا رہا بلکہ اب تک وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔

ایسے بھی بھلا ممکن ہے؟ کوئی خوبرو اور نیک دل



مرد کسی عورت کے دل پر اپنی تمام تر سچائی اور نیک دلی کے ساتھ دستک دے اور وہ دل کا دروازہ بند ہی رکھے.. ایسا کسی صورت ممکن نہیں.. اس نے تو اس دستک سے پہلے ہی اسے دل میں جگہ دینا شروع کر دیا تھا۔ یہ سب سوچ سمجھ کر نہیں کیا جاتا.. از خود ہو جاتا ہے.. اس کے دل میں بھی وہ بس گیا... وہ اس کی زندگی میں بھی شامل ہونا چاہتا تھا لیکن سب سے بڑی رکاوٹ وہ خود تھی۔

وہ کیسے اس کی زندگی میں تکلیفیں گھول دے؟

کیوں اسے اذیت دے اور خود بھی دہری اذیت میں مبتلا رہے؟ ایسے تھوڑی نہ ہوتا ہے... وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہوگا لیکن کبھی کسی مرد نے کسی عورت کے ساتھ ان کنڈیشنل محبت نہیں کی ہوگی.. عبدالباری بھی مرد ہے جذبات کے طوفان میں بہہ رہا ہے اس لیے اسے یہ سب بے حد معمولی لگتا ہے.. کچھ وقت گزرنے کے بعد اسے اندازہ ہوگا کہ اس نے کیا غلطی کی... اس سے پہلے کہ اس کے دل سے میری محبت ختم ہو کر بے زاری اور نفرت میں بدلے مجھے امی کو سب بتا دینا چاہیے۔ لیکن اسے کچھ بھی بتانے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اسی شام عبدالباری کام نمٹا کر پہنچ گیا۔ اسے ایک ہفتے بعد آنا تھا لیکن وہ آن موجود ہوا۔

پچھلے دو ہفتوں سے اس کی غیر موجودگی نے منتہیٰ کو بہت ڈسٹرب کیا تھا۔ جب تک دل پر اس نے سختی رکھی تب تک سب ٹھیک تھا لیکن اس کے اظہار کے بعد سے سارے بند ٹوٹتے چلے گئے۔ پہلے تو تنہائی میں بھی وہ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے گھبرا جاتی تھی کہ کہیں کوئی بھانپ نہ لے۔ لیکن اب اس نے خود کو تھوڑی سی آزادی دے دی تھی۔ اور یہیں اس سے غلطی ہوئی۔ عبدالباری کی غیر متوقع آمد پر وہ جس طرح خوش ہوئی تھی نہ صرف سلیقہ بلکہ مومنہ بھی چونک گئی۔ وہ اپنے بھائی کے دل کی حالت سے تو واقف تھی لیکن منتہیٰ کے حوالے سے اسے یہی لگتا تھا کہ وہ عبدالباری میں بالکل بھی دلچسپی نہیں لیتی بلکہ اسے کسی حد تک ناپسند کرتی ہے، لیکن آج اس کی آنکھوں کی چمک نے مومنہ کو سچ مچ حیران کر دیا تھا۔ اسے منتہیٰ کا اس طرح خوش ہونا بہت اچھا لگا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی گہری دوستی تو نہیں تھی لیکن اچھی انڈر اسٹینڈنگ ضرور تھی۔

اس سے پہلے کہ سلیقہ اس سے کوئی بات کرتیں، رات ہوتے ہی وہ ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ منتہیٰ نے انہیں کچھ بتایا ہے یا نہیں لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ انہیں منا کر ہی دم لے گا۔

''آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ امی بتا رہی تھیں کہ آپ کو روز بخار ہو جاتا ہے۔'' اس نے تشویش سے پوچھا۔

''روز تو نہیں جس دن انجکشن لگتا ہے اس رات بہت تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن منتہیٰ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔'' انہوں نے محبت سے اس کا ذکر کیا۔

''وہ آپ کا خیال رکھتی ہے اور میں اس کا خیال رکھنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

''میں منتہیٰ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بغیر کسی جھجک کے کہہ دیا۔ کچھ دیر تو وہ بول ہی نہ پائیں۔

''تمہیں منتہیٰ نے بتایا نہیں کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے؟'' انہوں نے انکار کے بجائے جھوٹ کا سہارا لیا۔

''اس نے بتایا تھا مجھے۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ میں اس جھوٹ کے پیچھے چھپی وجہ سے بھی واقف ہوں۔'' اس نے اتنا کہہ کر آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''پھپھو میں اس کے بغیر ایک خوش حال زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں بہت محبت کرتا ہوں اس سے۔ اور مجھے منتہیٰ کے اس مرض میں مبتلا ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ سب تو خدا کی رضا ہے

نا۔ اس بات کو بنیاد بنا کر ہم زندگی کی خوشیوں سے منہ موڑ لیں؟'' سلیقہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''تمہیں یہ بیماری معمولی لگتی ہے؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں اس وقت صرف سوالوں کے جواب جاننے کی خواہش تھی۔

''میں اس بیماری کو معمولی کہہ بھی نہیں سکتا۔ میں نے منتہیٰ کو اس اذیت اور تکلیف میں دیکھا ہے جو دورہ پڑنے پر اس نے اٹھائی۔'' کچھ ہفتے پہلے کا منظر اس کی نظروں میں گھوم گیا۔

''یہ بیماری اس کے لیے جان لیوا بھی بن سکتی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے پریشانی سے پوچھا۔

''مطلب تو بہت صاف ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ میرے دل میں منتہیٰ کی شادی کے ارمان نہیں یا میں اتنی پتھر دل ہوں کہ تمہارا دل اجاڑ دوں گی؟'' انہوں نے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھو کر کہا۔

''دیکھو بیٹا، میں نے بھی ایک زمانے میں مظفر سے بڑی محبت کی، لیکن زندگی میں کئی بار ایسا وقت بھی آیا کہ مجھے اس طرح سے شادی کے فیصلے پر افسوس ہوتا تھا۔ کچھ مشکلات ایسی بھی آتی ہیں کہ جن کو سہنے کے بعد انسان اتنی بے بسی محسوس کرتا ہے کہ اس پریشانی کی وجہ سے ہی نفرت کرنے لگتا ہے۔ آج نہیں تو کل تم بھی یہی محسوس کرو گے اور سب سے زیادہ نقصان میری بیٹی کا ہوگا۔ تمہیں اپنے لیے ایسا ہمسفر چننا چاہیے جو تمہاری طاقت بنے اور میری بیٹی تو خود کمزور ہے، وہ تمہاری اس سیدھے راستے پر چلتی زندگی کی ڈگر نہ چاہتے ہوئے بھی بدل دے گی۔ تم تیز رفتار مسافر ہو، اپنے جیسا ہمسفر منتخب کرو۔ زندگی میں زبردستی مشکلات کو پیدا کرنا نری بے وقوفی ہے۔''

وہ اسے سمجھانے لگیں۔

''آپ کی بات بالکل بجا ہے۔ زندگی میں واقعی کچھ لمحے ایسے آتے ہیں جب انسان تھک جاتا ہے، اپنے اس فیصلے پر افسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی میں یہ مشکلات آئیں لیکن آپ ایک بات بتائیں کیا کبھی آپ نے ان سے دور ہو کر زندگی گزارنے کا سوچا؟'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیا آپ نے کبھی یہ سوچا کہ میں اس شخص کو ہی چھوڑ دوں جس سے شادی کے بعد آپ نے ایسی زندگی گزاری؟'' ایک بار پھر انہوں نے انکار کیا۔ عبدالباری نے پھر سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''میں آپ کا بھتیجا ہوں، آپ کی رگوں میں جو خون کے ساتھ وفا دوڑتی ہے مجھ میں بھی وہی ہے۔ پھر آپ ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں اس سے بے وفائی کروں گا؟ اگر کبھی تھک بھی گیا تو آپ ہیں ناں میری ہمت بڑھانے کے لیے۔ لیکن اگر منتہیٰ مجھے نہ ملی تو میری ساری طاقت نچڑ جائے گی۔ میں نہیں رہ سکتا اس کے بغیر۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ پر اپنا سر رکھ دیا۔ سلیقہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''عبدالباری۔۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔۔ یہ صرف میری تمہاری رضا کی بات نہیں، تمہاری امی، بھائی صاحب، کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کو اپنی بہو بنائیں جو انہیں ایک صحت مند نسل بھی نہیں دے سکتی۔'' کوئی ان کے دل سے پوچھتا کہ اپنی ہی بیٹی کے لیے ایسے سچ کا اظہار کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ عبدالباری نے اس پہلو کو بھی ذہن میں رکھا تھا۔

''پھپھو۔ کیا ہماری نسل میں سے کسی ایک کو بھی مرگی کا مرض ہے؟ نہیں نا۔ لیکن منتہیٰ کے نصیب میں یہ بیماری تھی، ایکسیڈنٹ کے ذریعے ہی سہی لیکن وہ اس مرض کا شکار ہو گئی۔ اب کل کو اگر میرا ایکسیڈنٹ ہو جائے میرے دماغ کو بھی چوٹ لگ جائے، مجھے بھی یہی مرض لاحق ہو جائے تو؟''

''استغفار پڑھو کیسی باتیں کر رہے ہو۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش اور صحت مند رکھے۔'' انہوں نے اسے چومتے ہوئے دعا دی۔

''اگر آپ میری خوشی چاہتی ہیں تو میری بات مان لیں۔ مجھے آپ کی رضامندی چاہیے باقی میں سنبھال لوں گا۔'' اس نے اتنی لجاجت سے کہا کہ وہ مزید انکار نہ کر پائیں۔

''مجھے تمہاری پسندیدگی کا علم تب ہی ہو گیا تھا جب ہم حیدر آباد میں تھے، اور میں چاہتی تھی کہ میں تمہیں باز رکھوں، اسی لیے اس روز جب تم نے مجھ سے کہا کہ دوائیں تم لے آؤ گے تب مجھے لگا کہ آج تمہیں حقیقت معلوم ہو جائے گی' لیکن شاید تم نے پرچی پر لکھی دوا کے نام پر غور ہی نہیں کیا۔ میں بے حد پریشان رہی تھی ان دنوں۔ پھر جب اچانک منتہیٰ کراچی آنے کے لیے راضی ہو گئی تب بھی میرے دل میں یہی کھٹکا تھا کہ کہیں اس کے دل میں بھی تمہارے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہو گیا ہو۔ ایک ماں کے لیے یہ لمحات بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ میں اسے مشکلات سے بچانا چاہتی ہوں۔ ابھی یہ بات صرف چند لوگوں کے ہی علم میں ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ اس بات کا سب کو علم نہ ہو جائے منتہیٰ لوگوں کے ہمدردی بھرے رویئے کو بھی ترس سمجھتی ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟''

''میرا یقین کریں پھپھو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا۔ جہاں تک بات ہے منتہیٰ کی تو...... وہ تو مجھے منہ بھی نہیں لگاتی لیکن اگر آپ اس سے بات کریں گی تو مجھے یقین ہے کہ اپنے دل پر باندھے بند کھولنے کے بعد وہ میرے ہی بارے میں سوچے گی۔ مجھے اپنی محبت کی سچائی اور اس کی طاقت کا اندازہ ہے۔ اور آپ دیکھیے گا کہ سب کچھ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ بس میرا ساتھ دیں۔ میں کوئی گڑبڑ نہیں ہونے دوں گا اور نہ ہی منتہیٰ کو کسی آزمائش میں دھکیلوں گا۔'' اس کے لہجے کی سچائی پر ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' انہوں نے خوشی سے کہا۔

''تھینک یو سو مچ پھپھو۔'' ان کے گلے لگ کر وہ بولا اور چہکتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ وہ جھتی تھیں کہ کہیں منتہیٰ اس کے سامنے کمزور پڑ جائے گی لیکن وہ یہ بات سمجھ گئیں کہ ہر شخص اپنے پیارے اور دل کے قریب لوگوں کے سامنے ہی کمزور پڑتا ہے۔

☆☆☆

وہ جھولے والے کمرے میں بیٹھی تھی۔ چہرے پر پشیمانی پھیلی تھی۔ مومنہ کی ٹٹولتی نظروں کو اس نے کئی بار محسوس کیا تھا۔ اور اسے یہ سمجھنے میں بالکل بھی وقت نہیں لگا کہ وہ جو لمحے بھر کے لیے بے اختیار خوش ہوئی تھی اس بے اختیاری کو کچھ لوگوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا ہے۔ اور اب یہی بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ اس کمرے میں وہ اکیلی کافی دیر تک بیٹھی رہتی۔ عبدالباری کو سوچتی، وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا۔ اس کی کمی کو بہت شدت سے محسوس کرتی لیکن جب وہ سامنے آتا تب وہ ایک بدتمیز لڑکی کا روپ دھار لیتی جسے کسی کے بھی جذبات سے کوئی لینا دینا نہیں۔

کئی بار وہ خود کو بے حد تھکا ہوا محسوس کرتی۔ اس دہرے رویئے نے اسے آدھا کر دیا تھا۔ نہ تو وہ عبدالباری کو خود سے دور جاتا دیکھ سکتی تھی اور نہ ہی اس کے قریب آنے پر اسے خوش آمدید کر سکتی۔ زندگی عجیب سی ہوتی جا رہی تھی۔ یہ سب تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

بہت پہلے ہی سے جب اس نے شعور کی پہلی منزل پر قدم رکھا تب سلیقہ نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ کسی بھی شہزادے کے خواب نہ دیکھے کیونکہ ان جیسی لڑکیوں کے حصے میں شہزادے نہیں آتے، اگر کوئی آئے گا بھی تو وہ صرف بہروپیا ہو گا۔ اس بات کو اس نے اپنے پلو سے باندھ لیا۔ جو بھی اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا اس نے اسے کسی بہروپیے سے زیادہ کی اہمیت نہیں دی۔ لیکن اس بار سب الٹ ہو گیا۔ وہ آیا، اور اس کے دل کو اپنے قبضے میں کر کے لے گیا۔ وہی اسے شہزادہ لگتا، وہ شہزادہ جس کے سفید گھوڑے کے پر بہت رنگین اور حسین ہوتے ہیں اور وہ اپنی شہزادی کو ان دیکھی خوب

صورت دنیاؤں میں اپنے سنگ لے جاتا ہے۔تصور کی دنیا تو اس نے آباد کرلی تھی لیکن حقیقت کا خوف اسے کھائے جاتا تھا۔زندگی کا یہ صفحہ بڑی ہی تکلیف دہ تحریر لیے ہوئے تھا یا کم از کم اسے ایسا ہی لگتا تھا۔

سوچوں میں الجھی، جھولا جھولتی وہ سفید گھوڑے پر اس کے ہمراہ سوار کسی انجان دیس کا سفر کررہی تھی کہ کھٹکے پر وہ ہڑبڑا گئی۔ سامنے ہی وہ قمیص شلوار میں ملبوس کھڑا تھا۔ لمحے بھر کے لیے وہ اسے اپنا وہم سمجھی لیکن پھر ایک دم ہوش میں آئی۔

''تم۔۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں میں۔۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا

''تم تو دو ہفتے بعد آنے والے تھے نا۔ پھر اچانک کیسے۔'' اس نے بات کا آغاز کیا۔ وہ بے تکلفی سے ذرا سا فاصلہ رکھ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔وزن بڑھ جانے پر جھولے کی تیزی گھٹ گئی۔

''اتنا وزن بڑھا کر آئے ہو تم۔دیکھو جھولا کیسے رک گیا۔'' اسے سچ مچ ہنسی آگئی تھی۔عبدالباری نے اسے غور سے دیکھا۔

''میرا وزن نہیں بڑھا، میں پہلی بار یہاں تمہارے قریب بیٹھا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ منتہیٰ نے رخ موڑ لیا۔

''تو تم نے کیا سوچا؟''

''میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے فیشن ڈیزائننگ کا کورس کرلینا چاہیے۔میرے اندر جو ٹیلنٹ ہے، وہ ضائع نہ ہو بلکہ ایک اچھی سمت مل جائے اسے۔تم کیا کہتے ہو؟'' وہ اس سے یوں مشورہ لینے لگی جیسے اس نے یہی موضوع چھیڑا تھا۔

''بہت اچھی بات ہے، بہت اچھا سوچا ہے تم نے۔لیکن تم نے میرے بارے میں کیا سوچا؟ میری اور اپنی شادی کے بارے میں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں بڑی ہی بے خوفی سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ منتہیٰ کے چہرے پر غصہ پھیلنے لگا۔

''میں تم سے پہلے ہی سب کچھ کہہ چکی ہوں۔ پھر تم لکیر کیوں پیٹ رہے ہو؟'' اس کا لہجہ ایک دم ہی بے لچک ہوگیا تھا۔

''وہ سب جھوٹ تھا، بکواس تھا، میں سچ سننا چاہتا ہوں۔'' وہ سختی سے بولا۔

''جہاں سے تم ان سب باتوں کے جھوٹے ہونے کی تصدیق کرکے آئے ہو، وہیں سے سچ بھی جان لو۔'' وہ اطمینان سے بولی اور جھولے سے نیچے اترنے لگی لیکن اس نے منتہیٰ کی کلائی پکڑلی۔

''تم حد سے بڑھ رہے ہو عبدالباری۔'' اس کا لہجہ کسی خوں خوار شیرنی جیسا ہوگیا، اس نے ایک دم ہی کلائی چھوڑ دی۔

''تم میری بات سن لو، مجھے حد میں کردو۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''اور کیا سنوں میں؟'' اسے سچ مچ غصہ چڑھ گیا۔

''یہی کہ میں پھپھو سے بات کرچکا ہوں۔ وہ میرے اور تمہارے رشتے سے خوش ہیں۔ میں نے انہیں یہ بھی بتادیا کہ میں تمہیں پروپوز کرچکا ہوں۔'' یہ بات اس کے لیے بے حد حیران کن تھی اور اس نے اپنی حیرت چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

''تمہارے اور امی کے درمیان جو بھی بات ہوئی میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں تم سے شادی نہیں کروں گی۔اس بات کو اپنے دماغ میں بٹھا لو۔'' اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔

''تم صرف اس ایک وجہ سے ہی انکار کررہی ہو نا؟'' منتہیٰ نے گہری سانس بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھے اس ایک وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''لیکن مجھے اس ایک وجہ سے ہی فرق پڑتا ہے۔میں اس وقت اپنی ماں کے ساتھ ہوں، کسی کی مجال نہیں کہ کوئی مجھے کچھ کہے۔تمہارے علاوہ میری بیماری کے بارے میں کسی کو بھی علم نہیں۔اور یہ پردہ صرف اس وقت تک رہے گا جب تک کہ میں سنگل ہوں۔جیسے ہی تم اپنی امی سے میرا ذکر کروگے اور وہ میرا ہاتھ مانگیں گی عین اسی وقت یہ بات خبر بن جائے

گی۔ امی انہیں بتادیں گی کہ میں مرگی کی مریضہ ہوں، پہلے تو وہ تمہیں ذلیل کریں گی کہ ایسی لڑکی سے شادی کی خواہش پالی اور پھر وہ سارے خاندان میں اس بیماری کا ڈھنڈورا پیٹیں گی کہ ان کے معصوم بیٹے کو ایک قابل نفرت بیماری میں مبتلا لڑکی نے اپنے جال میں پھنسا لیا۔" وہ مستقبل کی منظر کشی کرنے لگی، عبدالباری کو شدید غصہ آیا۔

"تم میری ممی کے بارے میں اتنی بدگمانی رکھتی ہو؟" اسے سچ مچ دکھ ہوا تھا۔

"اسے بدگمانی نہیں حقیقت پسندی کہتے ہیں۔" وہ دوبدو بولی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں تم سے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اگر ایسا کچھ ہوا تو تم مجھے چھوڑ دینا۔" وہ لجاجت سے بولا۔

"میں امکانات کی بنیاد پر اپنی زندگی خراب نہیں کرسکتی۔ میں اس بیماری کا اشتہار نہیں لگوانا چاہتی۔ معاف کرو مجھے۔" اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"منتہیٰ۔۔ اگر میں اس بیماری میں مبتلا ہوتا تب تم کیا کرتیں یا کسی بھی ایکسیڈنٹ میں میرے ساتھ ایسا ہوجاتا تو؟" وہ جذباتی بلیک میلنگ پر اتر آیا۔ اسے ہر صورت منتہیٰ کے منہ سے ہاں کہلوانی تھی۔

"تو میں تمہیں چھوڑ دیتی۔ بلکہ میں تم جیسے مرد کے ساتھ دل ہی نہ لگاتی۔ بھلا جو خود کو نہیں سنبھال سکتا وہ مجھے کیا سنبھالے گا۔ ایک بیمار آدمی کو شادی کی خواہش رکھنی ہی نہیں چاہیے۔ تم اپنی یہ ڈائلاگز کی پوٹلی اٹھاؤ اور جا کر شانزے کے قدموں میں رکھ دو۔ وہ یقیناً بہت متاثر ہوگی۔" عبدالباری کا دماغ گھوم گیا۔ وہ جاچکی تھی جبکہ عبدالباری سر پکڑ کر بیٹھا رہ گیا۔

☆☆☆

اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ ہر صورت منتہیٰ کو منائے گا لیکن اس رات کے بعد سے وہ اس کے سامنے آنے سے بھی کترانے لگی تھی۔ کھانے کی میز پر بھی وہ اس کی طرف دیکھنے سے اجتناب برتتی۔ شانزے آتی تب وہ اس کے پاس بیٹھ جاتی لیکن جیسے ہی عبدالباری کی آمد ہوتی وہ فرار کی راہ اختیار کرتی۔ ایک روز شانزے اور ممتاز دونوں ہی ایک ساتھ ان کے گھر آئیں۔ منتہیٰ اس وقت ٹی۔ وی دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس کے لمبے بال کھلے ہوئے تھے اور دوپٹا حسب عادت پاس پڑا تھا۔ ٹی وی پر کوئی بہت ہی ڈراؤنا سین چل رہا تھا۔ وہ اتنی مگن تھی کہ ان دونوں کو آتے ہوئے بھی نہ دیکھ پائی۔ دوسری جانب عبدالباری سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اس نے جب صورت حال دیکھی تو ان دونوں کو اشارہ کر کے خاموش رہنے کا کہا۔ شانزے بھانپ گئی تھی کہ اب وہ منتہیٰ کے ساتھ کوئی شرارت کرے گا اور وہی ہوا۔ اس نے صوفے کے پیچھے کھڑے ہوکر اتنی بھیانک آواز نکال کر چیخ ماری کہ منتہیٰ کے منہ سے بھی ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ بری طرح اچھلی۔ پیچھے دیکھا تو وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہورہا تھا۔ منتہیٰ زرد چہرہ لیے پہلے تو اسے دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی میز پر رکھا جوس کا پورا جگ اس پر الٹ دیا۔ عبدالباری اسے جواباً کچھ کہہ بھی نہ پایا، منتہیٰ کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ مگر وہ وہاں سے اٹھ کر گئی نہیں بلکہ پھر سے فلم دیکھنے لگی۔ شانزے نے جب یہ سین دیکھا تب اس کی ہنسی کی جلترنگ پورے گھر میں گونج اٹھی۔ وہ ان دونوں کی موجودگی سے بالکل ہی انجان تھی۔ ساتھ میں جب ممتاز کو دیکھا تو اپنی حرکت پر سخت شرمندہ ہوئی۔

"السلام علیکم۔ آپ لوگ کب آئے؟" اس نے ایک دم گھبراتے ہوئے ٹی وی بند کیا۔

"بس ابھی ابھی۔" شانزے نے ہنستے ہوئے کہا۔ عبدالباری جوں کا توں کھڑا تھا۔ اسے بالکل بھی یہ امید نہیں تھی کہ وہ جوس سے اس کی تواضع کرے گی۔

"تم کیا اسی حالت میں رہنے والے ہو؟ جاؤ جا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کر چینج کرو۔" شانزے نے اسے یونہی کھڑے دیکھ کر کہا۔

"میں امی اور مامی کو بتا کر آتی ہوں۔" عبدالباری کے گھورنے پر وہ پریشان ہو کر بھاگی۔ وہ اس کے پیچھے گیا۔

"مجھے تو ان دونوں کے تیور بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے۔" ممتاز کو ایک دم غصہ آ گیا تھا۔ ان کے جاتے ہی وہ بول اٹھیں۔

"امی سب کچھ آپ کے سامنے ہی تو ہوا تھا۔ منتہیٰ کو ایسی شرارتیں بالکل پسند نہیں، وہ عبدالباری سے چڑتی ہے۔" اس نے انہیں تسلی دی۔

"عبدالباری تو نہیں چڑتا۔" ممتاز نے ایک اور نقطہ نکالا۔ شانزے بھلا کیا کہتی۔ وہ اس کی دلچسپی محسوس کر چکی تھی لیکن پھر بھی دل تھا کہ اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ اسے یقین نہیں تھا صرف شک تھا اور یہ شک ہی اس کے دل کی حالت بالکل بدل دیتا تھا۔ ٹینشن اور گھبراہٹ اس پر ایک دم حملہ اور ہو جاتی۔ اب بھی یہی ہوا تھا لیکن ملکہ کے آ جانے سے وہ اپنی توجہ کا محور بدلنے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن وہ عبدالباری کی غیر موجودگی محسوس کر رہی تھی جو کہ اوپر منتہیٰ کا دماغ خراب کر رہا تھا۔

"میں نے صرف ڈرایا ہی تھا تمہیں۔ تم نے مجھ پر پورا جوس سے بھرا جگ انڈیل دیا۔ ایسا کرتے تمہیں ذرا بھی شرم نہ آئی؟" اس نے چہرے پر غصہ بھرا۔

"تم اتنے بڑے ہو چکے ہو، زیبرے جیسے قد اور ہاتھی جتنا وزن رکھ کر بھی یہ چار پانچ سال کے بچوں جیسی حرکتیں کرتے تمہیں شرم نہیں آتی۔ اور یہاں آ کر تم مجھے غصہ دکھا رہے ہو؟" منتہیٰ اس سے بھی زیادہ غصے سے بولی۔

"کروں گا ایسی حرکتیں کیا کر لوگی؟" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ کپڑے اب تک جوس سے بھرے تھے، اور بال بھی گیلے ہو رہے تھے، منتہیٰ نے سخت برا منہ بنا کر اسے دیکھا۔

"تم کچھ زیادہ فری ہونے لگے ہو۔ جاؤ جا کر نہاؤ۔" وہ بول کر باہر جانے لگی۔

"نہیں جا رہا، نہیں نہاؤں گا۔ اور جہاں تک فری ہونے کی بات ہے تو اس میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوگا آفٹر آل تم میری ہونے والی بیوی ہو۔" اس کی ڈھٹائی پر منتہیٰ کو حیرت ہو رہی تھی ساتھ ہی ساتھ اس کی یہ شوخیاں بھی ناقابل ہضم تھیں اس کے لیے۔

"تم اپنی بکواس بند رکھو۔" وہ ایک دم تپ گئی۔

"یہ بکواس نہیں۔ دن میں جتنی بار میرا تمہارا سامنا ہوگا میں یہی بات کروں گا تم سے۔" وہ باز نہ آنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

"باز نہیں آؤ گے تو اپنے دانت تڑواؤ گے۔" وہ بپھر کر بولی۔

"کھڑا ہوں تمہارے سامنے۔ توڑو دانت۔" منتہیٰ نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

"تمہیں میرے حوالے سے اتنی خوش فہمیاں کیوں ہیں؟ تمہیں کیا لگتا ہے تم ڈھٹائی کی ساری حدیں پار کرتے جاؤ گے اور میں جواب میں خالی خولی دھمکیاں ہی دوں گی؟ میں جو کہتی ہوں میں وہ کرنے کی ہمت بھی رکھتی ہوں۔ بھری جوانی میں نقلی دانت لگوانے پڑ جائیں گے تمہیں اس لیے حد میں رہو۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔ عبدالباری نے اس کی انگلی پکڑ لی۔

"میں اب حد میں نہیں رہوں گا منتہیٰ۔ میں تم سے شادی کر کے رہوں گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ منتہیٰ نے انگلی چھڑانے کی کوشش کی لیکن ناکام ہو گئی۔ اپنی بے بسی پر اسے اتنا غصہ آیا کہ اس نے سچ مچ اسے گھونسا مارنے کا سوچ لیا۔ جونہی اس نے اس کے دانتوں پر مکا مارنے کی کوشش کی، عبدالباری نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔

"تم جو چاہے مرضی توڑ لو منتہیٰ لیکن پلیز میرا دل مت توڑو۔ بہت پیار کرتا ہوں میں تم سے۔ بہت زیادہ۔ مجھے ابھی اور بہت سے محاذوں پر لڑنا ہے۔ تم ساتھ نہیں دے سکتیں تو کم از کم راہ کے پتھروں میں

اضافہ تو مت کرو۔" اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ منتہیٰ کی نظریں جھک گئیں۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور وہاں سے نکل گئی۔ عبدالباری وہیں کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

اگلے روز ممتاز پھر سے آن موجود تھیں۔ آج ان کا رویہ حد سے زیادہ دوستانہ تھا۔ منتہیٰ کو دیکھ کر عموماً ان کے چہرے پر ناگواری پھیل جاتی تھی لیکن آج وہ اس سے بہت ہی خوش اخلاقی سے ملیں۔ ابھی وہ حیران ہو ہی رہی تھی کہ ممتاز نے بات شروع کی۔ اس وقت وہاں ملکہ، سلیقہ اور مومنہ بھی موجود تھی۔ ملکہ نے مومنہ کی دوسے تین بار ایسی کلاس لی تھی کہ اسے اپنے رویئے میں لچک دکھانی ہی پڑی تھی۔ پھر جب سے سلیقہ آئی تھیں، مومنہ اپنے وقت کا کچھ حصہ ان کے ساتھ گزار کر ان کے ماضی کے بارے میں کچھ نہ کچھ پوچھتی رہتی تھی، جنہیں سننے کے بعد سے مومنہ کے مزاج میں ٹھہراؤ آتا جا رہا تھا۔ ملکہ اب پھر سے اس کی شادی کا سوچ رہی تھیں۔ سلیقہ کے آنے سے پہلے وہ جتنی پریشان تھیں، اب اتنا ہی خوش تھیں۔ اور جو جائداد کے حوالے سے ان کے دل میں بے ایمانی پیدا ہوئی تھی وہ مکمل طور پر ختم تو نہیں ہو پائی مگر کم ضرور ہو چکی تھی۔

ممتاز نے اپنی آمد کا مقصد ان کے سامنے رکھا تو سب سے پہلے مومنہ نے لب کشائی کی۔

"خالہ۔ اگر یہ رشتہ اتنا ہی اچھا ہے تو آپ شانزے کی بات وہاں کیوں نہیں چلاتیں؟ شانزے منتہیٰ سے عمر میں بڑی بھی ہے اور اپنی تعلیم مکمل بھی کر چکی ہے۔ جبکہ منتہیٰ کو ابھی تعلیم مکمل کرنی ہے۔" اس نے نہایت نرمی اور تمیز سے اپنی بات کا اظہار کیا۔ بات اتنی معقول تھی کہ کسی نے بھی اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ ممتاز کا دل کھول کر رہ گیا۔

"میں نے پہلے شانزے کا ہی سوچا تھا لیکن وہ فی الحال شادی کے لیے راضی نہیں۔ ابھی کچھ وقت بزنس کے اسرار و رموز سیکھنا چاہتی ہے۔ میری بچی بہت ٹیلنٹڈ ہے، اپنے کیریئر کے حوالے سے بہت سنجیدہ ہے۔ لوگوں جیسی نہیں کہ تعلیم ادھوری چھوڑ کر شادی کے لیے اتاؤلا پن کرے۔" ممتاز بھی اسی کی خالہ تھیں۔ جھٹ سے اسے طعنہ مار دیا۔ مومنہ کو شدید برا لگا، اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ پاس بیٹھی سلیقہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔ اس نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر ممتاز کو۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ مجھے شادی کا بہت شوق تھا، شادی کر کے شوق پورا کر لیا میں نے، اب پھر سے اپنی ادھوری تعلیم مکمل کر رہی ہوں۔ لیکن ہماری منتہیٰ کو فیشن ڈیزائنر بننا ہے۔ اور اسے شادی جیسی خرافات میں وقت سے پہلے دلچسپی لینے کا شوق بھی نہیں۔ اس لیے آپ انہیں کوئی اور لڑکی دکھا دیں۔" وہ مزے سے بولی۔

"تم چپ کرو مومنہ! ممتاز' منتہیٰ کا تو ابھی رزلٹ بھی نہیں آیا اور ویسے بھی اتنے سال یہ ہم سے دور رہی ہے۔ ہم نے تو اسے ابھی جی بھر کر دیکھا بھی نہیں۔ اتنی جلدی شادی وغیرہ کے کسی بھی معاملے کو ہم چھیڑنا نہیں چاہتے۔ ہاں اگر چاہو تو تم مومنہ کی مرضی پوچھ لو۔ اگر اسے لڑکا پسند آ جائے تو ہم باقی معاملات کے حوالے سے سنجیدہ ہو جائیں۔"

مومنہ نے شدید ناراضی سے ماں کو دیکھا۔ منتہیٰ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا اٹھی۔ ممتاز کو اس کی مسکراہٹ سے عجیب سی نفرت محسوس ہوئی۔ اگر یہ لڑکی نہ آتی تو کتنی آسانی سے ان کی بیٹی اس گھر کی بہو بن جاتی۔ ایک بے حد امیر اور خوب صورت داماد انہیں مل جاتا، وہ جو مرضی چاہے شرطیں منوا سکتیں۔ ان کی بیٹی کی خواہش بھی پوری ہو جاتی اور ان کے گرتے بزنس کو بھی مضبوط سہارا مل جاتا۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اگلے چکر میں ہی ان سے ایک بار پھر شانزے اور عبدالباری کی شادی کی بات کریں گی لیکن ایسا موقع آیا ہی نہیں۔ اس سے پہلے ہی......

☆☆☆

یہ لڑکی اس کی سوچ سے کہیں زیادہ ٹیڑھی تھی۔

اس کے اتنے سختی سے انکار کے باوجود بھی عبدالباری کو کہیں نہ کہیں دل میں کچھ تو ایسا مثبت اشارہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کی ہمت نہیں ٹوٹی۔

مومنہ نے اسے رشتے والی بات سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ اگلے ہی روز اس نے ان کے سامنے یہ بات رکھ دی... منظور صاحب کی موجودگی کے باعث ملکہ کو خاموش رہنا پڑ رہا تھا. دو سے تین دفعہ تو انہوں نے عبدالباری کو شک کی نظر سے بھی دیکھ لیا تھا.. بھلا ایسا کیونکر ممکن ہے کہ دنیا جہان کی حسین لڑکیاں چھوڑ کر وہ ایک بیمار لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو گیا؟ لڑکی بھی وہ جو اسے گھاس بھی نہیں ڈالتی تھی اور دس بار اس کے منہ پر صاف انکار بھی کر چکی تھی. انہیں اپنے بیٹے کی دماغی حالت پر سچ مچ شک ہوا. لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس پر گل افشانی کرتیں۔ منظور صاحب کو جب سے اپنی بچھڑی بہن اور بھانجی ملی تھی تب سے وہ محبتوں کے دریا بہا رہے تھے.. اتنے سالوں کی کسر وہ شاید ان دنوں ہی پوری کرنا چاہتے تھے۔

منتہیٰ کی بیماری کا سن کر تو ملکہ کو بھی اچھا خاصا دکھ ہوا تھا، منظور صاحب کی آنکھیں بھر آئی تھیں. ان کی بہن نے کتنے تکلیف بھرے دن گزارے ہوں گے۔ ایسے دن جن میں انہیں اپنے اکلوتے رشتے کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہو گی لیکن وہ ناراضی میں ڈوبے ہر چیز سے لاپروار ہے. پلٹ کر کبھی دیکھا تک نہیں، اس بات کا ملال شاید ساری عمر ہی رہتا... عبدالباری نے اپنا دل کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"نہ تو منتہیٰ اس رشتے کے لیے راضی ہے اور نہ ہی پھپھو تھیں۔ لیکن میں نے پھپھو کو راضی کر لیا ہے۔ آپ بس کسی بھی طرح اسے منالیں پاپا۔ میرے لیے دنیا کی سب سے قیمتی لڑکی بس وہی ہے۔" وہ ہمیشہ سے ہی ماں باپ کے سامنے بہت تول کر بات کرتا تھا لیکن دل کو ایسا دھڑکا تھا کہ وہ سب کچھ بول گیا. منظور صاحب کے چہرے پر بے اختیار ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم پریشان مت ہو. جب سب راضی ہیں تو وہ بھی مان جائے گی۔ میں بات کروں گا اس سے۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا..

ملکہ کو ان کی یہ بات بالکل پسند نہیں آئی تھی. ان کے ماتھے کی تیوریوں کو منظور صاحب نے ہرگز نظر انداز نہیں کیا۔

"تمہیں کیا اعتراض ہے اور کس بات پر ہے؟" انہوں نے بنا لگی لپٹی رکھے بغیر ان سے براہ راست پوچھا

"اگر بات صرف عبدالباری کی ہو تو اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے لیکن اس کی آنے والی نسل. اس کا تو کچھ سوچیں. بھانجی کی محبت میں ایسا فیصلہ ہرگز مت کریں جو مستقبل کے لیے مستقل عذاب بنے... پہلے بیوی کو سنبھالے گا بعد میں مرگی میں مبتلا بچوں کو بھی۔" ان کی بات پر عبدالباری نے تڑپ کر اپنی ماں کو دیکھا۔

"یہی بڑے بول ہوتے ہیں جو آگے ہماری زندگی کو مشکلات میں دھکیل دیتے ہیں۔ تمہیں یاد ہو گا جب سلیقہ نے مجھ سے اپنے کیے کی معافی مانگی اور مجھ سے یہ کہا کہ بہن نہیں' بیٹی سمجھ کر معاف کر دیں تب میں نے کتنا اکڑ کر اس سے یہ کہا تھا کہ اگر میری بیٹی نے بھی یہی حرکت کی تو میں اسے زندہ دفنا دوں گا، اگر اس وقت میں یہ نہ کہتا تو شاید یہ سب کبھی نہ ہوتا۔ خدا نے بھی شاید مجھے آزمایا تھا کہ اب دفنا کر دکھاؤ بیٹی کو لیکن مجھ سے اس کے آنسو بھی نہ دیکھے گئے۔ اور میں نے اسے معاف کر دیا۔ یہی وہ فرق ہے جس نے مجھے اب تک شرمندگی میں مبتلا کر کے رکھا ہے۔"

منظور صاحب نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کر کے بولنا شروع کیا۔

"وہ معاملہ بالکل الگ ہے۔ اور یہ مسئلہ قطعا مختلف۔"

"بیگم ایک بات بتاؤ.. کمال کے بچے یاد ہیں تمہیں؟ وہی کمال جو تمہارا ننھیالی رشتہ دار ہے... ان

کے خاندان میں کس کے گھر معذور بچے پیدا ہوئے تھے سوائے ان کے؟ کیا اس نے ان معذور بچوں کی پیدائش کے جرم میں بیوی کو طلاق دے دی یا ان کی پرورش نہیں کی؟ خدا نے ایک بیماری دی ہے تو اس کا علاج بھی بھیجا ہے... اگر کوئی ایسی بیماری میں مبتلا ہے جو موروثی بھی ہو سکتی ہے تب بھی ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم ان کی فکر بھی اپنے سر لے لیں جو ابھی اس دنیا میں آئے ہی نہیں؟ ایک ایسی عورت جس کے وجود میں کینسر ہے، وہ بھی ایک صحت مند بچہ پیدا کر سکتی ہے تو پھر خدا کی رحمت سے انکاری کیوں؟ میں نے خود کئی ایسے جوڑے دیکھیں ہیں جو مرگی کے مرض میں مبتلا ہیں لیکن خدا نے انہیں صحت مند اولاد سے نوازا ہے... کیا تم اپنے دماغ میں آنے والی سوچوں اور خوف کو خدا کی رحمت سے بھی بڑا سمجھتی ہو؟'' ملکہ نے فوراً استغفار پڑھتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''بہت محبت ہے نا تمہیں اپنے بیٹے اور اس کی آنے والی نسل سے؟ تو اس محبت کا ثبوت اسے سپورٹ کر کے دو... ان کی خوش حال اور تکلیفوں سے پاک زندگی کے لیے ڈھیروں دعائیں کرو.. اور خبردار اس بارے میں تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی... اپنی بہن سے بھی نہیں۔ نہ ہی شائزے سے... کوئی منتہیٰ کو رحم طلب نگاہوں سے دیکھے مجھ سے یہ بالکل برداشت نہیں ہوگا۔''

ملکہ جنہوں نے چند سیکنڈز میں ہی سوچ لیا تھا کہ وہ ہر حد پار کر کے بھی اس رشتے کی مخالفت کریں گی... شوہر کی باتوں کی قائل ہو گئیں... دل اب بھی راضی نہیں تھا لیکن زندگی میں بہت کچھ ایسا بھی ہوتا ہے جس کے لیے دل راضی نہ بھی ہو تب بھی اس کام کے ہونے کی دعا کرنا سود مند ہوتا ہے۔ اور ابھی کچھ عرصے پہلے ہی تو مومنہ کا مسئلہ ہوا تھا۔ اس واقعے کو منظور صاحب نے اپنی اس بات سے جوڑ دیا تھا، اس چیز نے انہیں بالکل ہی خاموش کر دیا۔

کچھ دن تو خاموشی چھائی رہی... ملکہ خود کو راضی کرنے میں مصروف رہیں.. سچ تو یہ تھا کہ سلیقہ نے کبھی بھی ان کے کسی بھی معاملے میں دخل نہیں دیا تھا.. اور اب واپس آجانے کے بعد بھی وہ کم ہی کسی معاملے میں کچھ کہتی تھیں... منتہیٰ کی شکل تو ماں جیسی تھی لیکن مزاجاً وہ انہیں سخت سی لگتی لیکن بدتمیز وہ بالکل نہیں تھی... امتحانات کے بعد بھی انہوں نے اسے مصروف ہی پایا۔

وہ اپنے پسندیدہ مشغلے میں مصروف رہتی.. نوکروں کے ساتھ بھی اس کا رویہ بہت اچھا تھا لیکن انہوں نے یہ بات بھی نوٹ کی تھی کہ وہ کسی بھی کام والی کو فری نہیں ہونے دیتی تھی... ایک حد میں رکھتی، وہ حد جو عزت یا رعب کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ انہوں نے اسے اتنے عرصے میں کچن کے قریب پھٹکتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وجہ اب معلوم ہوئی.. وہ اس میں موجود خامیاں تلاش کر رہی تھیں لیکن ایک بھی قابل گرفت خامی انہیں نہ ملی... اگر وہ اس بیماری کو بھول جائیں تو منتہیٰ ان کے بیٹے کے لیے بہترین تھی... لیکن وہ یہی ایک بات بھول نہیں پا رہی تھیں.. یہ ایک بات ان سے نظر انداز بھی نہیں ہو رہی تھی... وہ شوہر کے سامنے اس بات کا اقرار کر چکی تھیں کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں لیکن یہ بھی کہا کہ وہ اس سارے معاملے میں کوئی بھی منفی رویہ نہیں اپنائیں گی.. وہ اسی بات پر بے حد خوش ہو گئے تھے اور دیر تک ان کا شکریہ ادا کرتے رہے تھے۔

وہ دل ہی دل میں خوب شرمندہ بھی ہوئیں لیکن تھیں تو انسان ہی۔ منظور صاحب نے ان کی لاکھ منتوں کے بعد ہی مومنہ کی شکل دیکھنے کی حامی بھری تھی اور اس کا کمزور چہرہ دیکھ کر وہ دل کو سخت نہیں کر پائے تھے۔ ٹھیک اسی طرح اب وہ بھی دل کو سخت نہیں کر پا رہی تھیں۔ ایک بات منظور صاحب نے مانی، ان کا مان رکھا، اب انہیں بھی یہی کرنا تھا۔

☆☆☆

منتہیٰ اب کم ہی نیچے آتی... آتی بھی تو ایسے وقت جب عبدالباری غیر موجود ہوتا۔ ممتاز اپنی بہن سے دوبارہ بات کرنے کی خواہش میں تھیں لیکن جب

بھی وہ گھر آتیں مومنہ ہمہ وقت وہیں موجود رہتی اور ساتھ ہی زبردستی سلیقہ کو بٹھائے رکھتی۔ وہ بات کر ہی نہ پاتیں۔ مومنہ نے ان کے ارادے بھانپ لیے تھے اسی لیے تو سائے کی طرح ماں سے چپکی رہتی کہ کہیں وہ بدل نہ جائیں۔ اسے شانزے سے اب کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن وہ اپنی پھپھو کی محبت میں مبتلا ہو چکی تھی، ممتاز اور سلیقہ کے رویئے کا فرق اسے بہت محسوس ہوتا، وہ از خود سلیقہ کی جانب کھنچتی چلی جاتی اور جب سے اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ عبدالباری منتہیٰ کے عشق میں ڈوب چکا ہے، اسے ممتاز کا ہر انداز ہی مشکوک لگتا۔

منظور صاحب نے اب تک اپنی بہن سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ملکہ پہلے خود کو راضی کر لیں پھر ہی وہ اس بارے میں سلیقہ سے بات کریں گے.. فیصلہ تو جو ہو چکا تھا، وہی رہنا تھا لیکن وہ انہیں وقت دے رہے تھے تاکہ وہ خود کو تیار کر لیں۔

یہ بھی اچھا ہے، بہتر ہے.. انہوں نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دی... ان کے لیے اس بات کے لیے خاموشی اختیار کرنا ہی بہت مشکل کام تھا... وہ بغیر کچھ سوچے ہی اوپر آ گئیں... ان کا رخ منتہیٰ کے کمرے کی جانب تھا... دروازہ کھلا تھا لیکن وہ غیر موجود تھی۔ ایک کونے میں بڑی سی ٹیبل پر ڈھیر سارا سامان پڑا تھا... وہ کمرے کو غور سے دیکھتی اس میز کے قریب آ گئیں.. سامنے ہی دیوار پر موجود ریک پر نقلی گھاس پر دو چھوٹے چھوٹے خرگوش موجود تھے.. یہ بھی اون کے موٹے دھاگے سے بنائے گئے تھے لیکن انہیں بنا نہیں گیا.. انہیں بنانے کے لیے دوسرا طریقہ استعمال کیا گیا تھا... ایک کونے میں سنو مین بھی بنا کر رکھا تھا.. انہوں نے بے حد حیران ہو کر اس سنو مین کو دیکھا... غور سے دیکھنے پر انہیں علم ہوا کہ یہ تو سفید جراب سے بنایا گیا ہے... انہیں ہنسی آ گئی . اسی وقت منتہیٰ کمرے میں داخل ہوئی... انہیں اپنے کمرے میں موجود چیزوں کی طرف متوجہ دیکھ کر وہ حیران ہوئی... اسے لگا کہ وہ ضرور اس سے کوئی بات کرنے آئی ہیں... اس کے دماغ میں جھماکا ہوا... ناپسندیدہ بہو کو بیٹے سے دور کرنے کے لیے بہو کے پاس جا کر ہی اسے دو چار دھمکیوں سے نواز کر اس مسئلے سے جان چھڑانے تو نہیں آ ئیں؟

شکر ہے کہ کوئی بھی آپ کی سوچیں پڑھنے پر قادر نہیں، ورنہ صرف سوچوں کو ہی بنیاد بنا کر فساد برپا ہوتے۔

اس کی موجودگی محسوس کر کے انہوں نے اس کی طرف دیکھا.. ان کے دیکھتے ہی منتہیٰ مسکرائی..

''آپ کب آ ئیں؟'' وہ حیران تھی۔

''بس ابھی کچھ ہی دیر ہوئی ہے. تمہارے مشاغل بہت اچھے اور کیوٹ ہیں.. ان پیارے پیارے خرگوشوں کو دیکھ کر تو ایک بار میرا دل چاہا کہ ان کو گود میں لے لوں۔'' ان دونوں کی کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن ملکہ نے کبھی بھی اس طرح کھل کر تعریف نہیں کی تھی۔ اسی لیے منتہیٰ کو حیرت ہوئی...

''یہ تو بہت ہی آسانی سے بن جاتے ہیں اور جلدی بھی. وہاں حیدر آباد میں جب میں چھوٹی تھی تب میری طبیعت ہر ہفتے دو ہفتے بعد خراب ہو جاتی.. کبھی باہر گلی کے بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے دورہ پڑ جاتا کبھی اسکول جاتے ہوئے. اس مسئلے کی وجہ سے بہت سے بچے جو میرے دوست تھے، وہ دوست نہ رہے. تنہائی کی وجہ سے میں اداس رہتی، اس سے میری طبیعت مزید خراب ہو جاتی.. پھر ایک دن ہمارے محلے کی ایک بوڑھی خاتون جنہیں ہم سب مائی تگی کہتے تھے وہ آ ئیں. وہ میرے لیے ایک جوڑا سلوانا چاہتی تھیں. انہوں نے میرے لیے سفید قمیص پر اپنے ہاتھوں سے بہت خوب صورت کڑھائی کی تھی. اس جوڑے کو دیکھ کر میرا دل چاہا میں بھی کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے کوئی چیز بنا کر تحفے میں دوں. کیا وہ بھی اتنا ہی خوش ہوگا جتنی کہ میں ہوئی؟ اس دن کے بعد سے میں روز مائی تگی کے گھر جانے لگی.. تھوڑی سمجھ دار ہوئی تو انہوں نے اپنا سارا ہنر میری

ان انگلیوں میں پرو دیا۔ لیکن یہ باقی چیزیں تو میں نے انٹرنیٹ سے دیکھ کر بنانا سیکھی ہیں..''اس نے اس بوڑھی کو یاد کرتے ہوئے داستان سنائی.. مائی تگی کا وہ جھریوں سے بھرا کھرے نقوش والا حسین چہرہ اس کی نظروں میں گھوم گیا۔''میں آج تک یہ بات جان نہیں پائی کہ اس مصروفیت کی بدولت میری طبیعت میں بہتری آئی یا پھر وہ جو پورا وقت مجھ پر کچھ نہ کچھ پڑھ کر پھونکتی رہتی تھیں اس سے یہ دورے کم ہوئے..''وہ ان سے پہلی بار یہ ساری باتیں شیئر کر رہی تھی۔ پہلے کبھی وہ اس کے پاس اکیلے بیٹھی ہی نہیں تھیں.. ہمیشہ کوئی نہ کوئی پاس ہوتا تھا. آج اکیلے میں وہ پہلی بار ان سے مخاطب تھی۔

''خدا کے کلام میں بہت طاقت ہوتی ہے۔''انہوں نے نرمی سے کہا۔

''واقعی ایسا تو ہے. اس نے بھی تائید کی۔

پھر انہوں نے اس سے کافی دیر باتیں کیں جاتے ہوئے انہوں نے اس کے گال کو چھوتے ہوئے کہا..

''مجھے تمہیں اپنی بہو بنا کر بہت خوشی ملے گی۔''یہ جملے اس کے لیے بالکل ہی غیر متوقع مگر خوشی سے بھرپور تھے۔

وہ کتنی ہی دیر ان کی طرف ناقابل یقین نگاہوں سے دیکھتی رہی...وہ چلی گئیں.. جبکہ منتہیٰ ایک ایسی کیفیت کے زیر اثر تھی جسے آج سے پہلے اس نے کبھی محسوس نہیں کیا...اسے یوں لگا جیسے اس کا بدن روئی کا گولا ہے اور وہ ہوا میں تیرتی پھرتی ہے.. اس نے خوشی کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے گول دائرے میں چکر لگائے.. کھلکھلائی، ہنسی، کھڑکی کھول کر ہوا کی تازگی محسوس کرتے ہوئے اس نے اسے خوشبوؤں سے معطر پایا...جب دل خوش ہو تب ہر چیز ہی مہکی مہکی لگتی ہے.. تو ثابت ہوا کہ اسے عبدالباری سے شادی کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا، اسے ریجیکٹ ہونے کا خوف تھا اور جب آج اسے پسندیدگی کی سند مل گئی تو وہ ہر چیز بھول گئی...دروازے میں کھڑی سلیقہ اسے اس قدر خوش دیکھ کر حیران تھیں... کیا اس کے دل میں بھی عبدالباری کی محبت نے گھر کر لیا تھا؟ کیا وہ بھی اسی شدت سے چاہتی تھی جتنی شدت انہیں عبدالباری کے لب و لہجے اور انداز میں محسوس ہوئی؟

وہ وہاں سے چلی آئیں.. ان کا دل رونے لگا تھا.. اگر ملکہ اسے قبول نہ کرتیں تو ان کی بچی اپنی ساری زندگی دل مار کر جیتی..

اس رات وہ جاگتی رہیں اور منتہیٰ کی خوشیوں بھری زندگی کے لیے دعائیں مانگتی رہیں... جبکہ منتہیٰ. وہ ایک بہت ہی پرسکون نیند سوئی تھی.. وہ اتنی خوش تھی کہ دوا لینا بھی بھول گئی لیکن حیرت انگیز طور پر اس کی طبیعت بالکل بھی خراب نہیں ہوئی...

☆☆☆

ایک ہفتے بعد ان کا رشتہ طے ہو جانے کا اعلان کر دیا گیا۔ ملکہ کی بہن ممتاز نے سخت غصے کا اظہار کیا۔ وہ انتہائی غصے سے ان کے گھر آئی تھیں۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میری شانزے تمہارے بیٹے کو بچپن سے پسند کرتی ہے۔ پھر بھی تم نے اس کا رشتہ اپنے شوہر کی بھانجی سے طے کر دیا؟ میری بیٹی سے زیادہ عزیز ہو گئی ہے وہ تمہیں؟''وہ سخت دکھ اور تکلیف میں تھیں۔ ملکہ جانتی تھیں کہ ایسا موقع آئے گا اور انہیں اپنی صفائیاں دینی پڑیں گی۔ شانزے نے تو ان سے کوئی گلہ نہیں کیا تھا۔

''مجھے آج بھی شانزے سے زیادہ کوئی بھی عزیز نہیں لیکن میں عبدالباری کی مرضی کے آگے اپنی خواہش نہیں رکھ سکتی.. منتہیٰ جب یہاں نہیں تھی تب بھی میں نے تم سے یہی کہا تھا کہ اگر عبدالباری کی مرضی ہوئی تو ہی میں رشتے کی بات چھیڑوں گی.. میں نے اس وقت بھی تمہیں کوئی آسرا یا دلاسا نہیں دیا... جہاں تک شانزے کی بات ہے تو میں اس کے دل کی حالت سے واقف ہوں لیکن ایک اس کی خواہش کی تو بات نہیں. اس کی محبت یک طرفہ ہے جب کہ منتہیٰ بھی عبدالباری کو پسند کرتی ہے.. مجھے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تمہارے غصے کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی۔ کیا عبدالباری نے شانزے سے محبت کا ڈھونگ رچایا ہے؟ اس سے جھوٹے وعدے کیے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو بولو میں آج ابھی اسی وقت اس کا نکاح شانزے سے کرواؤں گی.. لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو تمہیں اپنا دل بڑا کرنا ہوگا۔ اس حقیقت کو سمجھنا ہوگا کہ ہمیشہ ہماری مرضی اور خواہش کے مطابق ہی ہر کام نہیں ہوتا.. کچھ چیزیں ہماری منشا کے الٹ بھی ہوتی ہیں۔

عبدالباری صرف میرا بیٹا نہیں تمہارا بھانجا بھی ہے... تمہیں شانزے کا دکھ ہوگا لیکن اپنے بھانجے کی خوشی کو بھی نظر میں رکھنا ہے، کیونکہ تمہاری محبت صرف شانزے کے لیے نہیں ہے، میرے عبدالباری کا بھی حق ہے اس میں..."

ممتاز چپ رہ گئی تھیں... وہ مزید کچھ کہنے کے قابل نہیں تھیں لیکن وہ وہاں رکی بھی نہیں... منتہیٰ کو دیکھ کر جوان کے دل میں نفرت اُمڈی تھی وہ انتہا کو پہنچ گئی... انہوں نے اسے ایک نگاہ دیکھا اور دوسری نگاہ ڈالے بنا ہی وہاں سے چلی گئیں۔

اب نجانے دل ہی دل میں مجھے وہ کتنی بد دعائیں دے کر گئی ہوں گی۔ اس نے بے دلی سے سوچا اور نیچے آ گئی جہاں ملکہ کسی گہری سوچ میں گم بیٹھی تھیں... ان دونوں کی تمام گفتگو وہ سن چکی تھی اور واقعی بات بھی درست تھی، اسے حیرت ہوئی تھی کوئی اپنی محبت کا یوں بھی تماشا لگاتا ہے کیا؟

شانزے کو اس بات کا احساس کرنا چاہیے کہ وہ لڑکی ذات ہے.. اگر عبدالباری کو اس میں دلچسپی ہوتی تو وہ مجھ سے شادی کے لیے ضد کیوں کرتا؟ اسی کا ہاتھ کیوں نہ تھامتا؟ اس کی ماں اور اسے ان باریکیوں کا احساس کیوں نہیں یا پھر ان کی سوسائٹی میں یہ باتیں اتنی عام ہیں کہ کسی کی بھی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی۔

وہ یہ ہی سب سوچتی ہوئی باہر لان میں آ گئی۔ لان میں کوئی بھی نہیں تھا۔ عبدالباری ان دنوں بے حد مصروف تھا اور اس نے شکر ادا کیا کہ وہ مصروف ہے... ورنہ وہ اسے اچھا خاصا پریشان کر دیتا۔

اسے یاد کرتے ہوئے منتہیٰ کے چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عبدالباری، اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب، خدا یوں اتنی آسانی سے پورا کرے گا۔ لیکن یہ سچ ہونے والا تھا، اس خواب کو سچ ہونے میں محض چند ماہ ہی باقی تھے۔ ہر گزرتا دن منتہیٰ کی طبیعت میں بہتری کی نوید لا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے حسن میں بے تحاشا اضافہ ہوا تھا۔ عبدالباری کو تو وہ پہلے بھی سب سے حسین لڑکی لگا کرتی تھی لیکن ان دنوں تو اس کا روپ ہی الگ تھا۔

اتفاقاً وہ اسی شام جلدی آ گیا۔ رشتہ طے ہو جانے کے بعد ہی اس نے منتہیٰ کے کہے بغیر ہی لان میں جھولا لگوا دیا تھا، وہ جب بھی لان میں آتی اسی جھولے پر بیٹھتی۔ باری نے اسے دیکھا اور فوراً ہی اس کے قریب پہنچ گیا۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بس یونہی دل چاہ رہا تھا تو آ گئی۔ آج تم جلدی آ گئے۔" اس سے بات کرتے ہوئے اب منتہیٰ کا لہجہ از خود نرم ہو جاتا تھا۔

"ہاں، میں کافی دن سے مصروف تھا، تم سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں ہو پائی میری اس لیے میں نے سوچا کہ آج وقت نکال کر تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارا جائے۔" وہ مسکرایا۔

"میں کپڑے تبدیل کر لوں، پھر باہر چلتے ہیں۔ ٹھیک ہے؟" منتہیٰ نے تھکی ہوئی شکل بنائی۔

"کیا ہوا؟ باہر نہیں جانا؟" اس نے پیار سے پوچھا، اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"کبھی کبھی تم اس طرح سے بات کرتے ہو جیسے میں لڑکی نہیں کوئی ننھی بچی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لڑکیوں کا دل ننھی بچیوں جیسا ہی ہوتا ہے۔ پیار

سے پگھل جاتی ہیں۔" اس کی آنکھیں جگمگانے لگیں۔

"لیکن میں تو تمہارے پیار سے نہیں پگھلی۔" وہ شرارت پر آمادہ تھی۔

"مجھ سے یا میرے پیار متاثر ہوئے بغیر بھی تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی. اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں مجھے۔" وہ نرمی سے بولا۔ منتہیٰ اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"اتنی جلدی کوئی کسی سے اتنی محبت کیسے کر سکتا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"یہ تو تم خود سے پوچھو۔" وہ ہنسا۔ منتہیٰ نے جھولے کی پشت سے سر ٹکا دیا. اسے بھی تو عبدالباری سے بے وجہ ہی محبت ہوئی. محبت بے وجہ ہی ہوتی ہے ہاں اسے برقرار رکھنے کے لیے وجوہات بہت ضروری ہیں۔

☆☆☆

اس شام کے بعد ہر شام وہ آفس سے جلدی آ جاتا.

اس کے ساتھ وہیں بیٹھ کر باتیں کرتا. منتہیٰ چاہتی تھی کہ وہ شادی سے پہلے باہر گھومنے پھرنے کے سلسلے کو بند رکھیں۔

اس نے منتہیٰ کی بات مان لی... چوبیس گھنٹے میں سے صرف ایک گھنٹہ عبدالباری کے نام تھا کیونکہ نکاح کے بعد تو اس نے پوری زندگی ہی اس کے نام کر دی تھی. دن بہت حسین تھے. بہت خوب صورت.. بہار کی رت جیسے. رنگین، کھلے کھلے، مہکے سے.. وہ ان کی خوشبو کو محسوس کرتے سرشار رہتی. وہ جھولے پر بیٹھی اس سے باتوں میں محو ہوتی تو اسے لگتا اس سے قیمتی لمحہ اس کی زندگی میں کبھی آ ہی نہیں سکتا. رات کو کھانے کی ٹیبل پر جب وہ سب کے ساتھ بیٹھی ہوتی، عبدالباری اسے چپکے چپکے دیکھتا تب وہ خود کو عجیب سے احساس میں مبتلا پاتی.. زندگی کی سب سے بڑی خوشی سے اس نے خود کو محروم سمجھا تھا لیکن خدا نے اسے محرم راز سے نواز دیا کیا اس دنیا میں اس سے بھی زیادہ کوئی خوش قسمت لڑکی موجود ہو گی؟ وہ اکثر سوچتی۔

جب سے اس کا رشتہ طے ہوا تھا شانزے سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی.. اس نے دوبارہ اس دروازے سے اندر قدم ہی نہیں رکھا تھا نہ ہی ممتاز بیگم آئیں. یہ خود ساختہ ناراضی تھی اور ملکہ اس سے اس قدر برہم تھیں کہ انہوں نے ایک کال بھی نہیں کی.. سلیقہ انہیں کئی بار کہہ چکی تھیں کہ وہ ان سے ایک بار بات کر لیں۔

"میں کسی صورت فون نہیں کروں گی.. بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی. انہیں اپنا ہی غم کھائے جا رہا ہے. بچی کی سمجھ آتی ہے کہ اس کا دل ٹوٹا ہے. وہ دکھی ہو گی اس لیے اس نے آنا جانا بند کر دیا. ممتاز کو کس بات کا غم ستا رہا ہے؟ پہلے ہی جب میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر عبدالباری کی رضا ہوئی تو میں ضرور شانزے کو بہو بناؤں گی۔ اس وقت ممتاز نے یہ بات کی کہ وہ جلد از جلد شانزے کا رشتہ طے کرنا چاہتی ہیں اس لیے وہ انتظار نہیں کریں گی۔ بلکہ مجھ سے تو یہ تک کہا کہ ایک جگہ وہ رشتے کی بات چلا رہی ہیں. میں نے تو تب بھی کوئی خفگی یا ناراضی ظاہر نہیں کی کہ ایک جانب وہ یہ بات کہہ رہی ہیں اور دوسری طرف وہ کسی اور جگہ رشتہ بھی طے کرنا چاہتی ہیں. میں نے یہی سوچا کہ شانزے راضی ہو گی۔

اب اگر عبدالباری چاہتا ہی نہیں تو کیا میں زبردستی اسے شانزے کے ساتھ باندھ دوں؟ اسے اپنی بیٹی عزیز ہے. میرا بیٹا کیا میرا سوتیلا ہے؟" وہ بہت جذباتی ہو رہی تھیں. سلیقہ نے تحمل سے ان کی بات سنی۔

"اب کیا خبر کہ شانزے گھر میں بہت روئی ہو. آخر بچپن سے وہ اسے پسند کرتی ہے. ماں کا دل ہے، دکھ گیا ہو گا تو انہوں نے یہ سب کہہ دیا. آپ کم از کم ایک فون تو کر لیں انہیں۔" وہ سمجھاتے ہوئے بولیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس موقع پر کسی بھی قسم کی کوئی بدمزگی ہو۔

"شانزے بچی ہے لیکن ممتاز کو تو عقل کرنی چاہیے... کم از کم بچی کو سمجھائے کہ یہ سب قسمت کا

کھیل ہے۔ ماؤں کو ہی عقل نہیں، بچے کیا ان باریکیوں کو سمجھیں گے۔" وہ واقعی شدید غصے میں تھیں۔ سلیقہ چپ ہو گئیں لیکن کچھ دیر بعد انہوں نے پھر سے ذکر چھیڑا اور انہیں کال کرنے پر راضی کیا لیکن یہ غلط ہوا۔ کتنی ہی دیر وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔

سلیقہ کے کہنے پر ہی انہوں نے ممتاز کو فون کیا تھا۔ تین بار لگاتار فون کرنے کے بعد نجانے کیا سوچ کر انہوں نے چوتھی کال پر فون ریسیو کیا۔

"ہیلو۔" بہت ہی روکھا انداز تھا ان کا، ملکہ کا دل کچھ اور خراب ہوا۔

"کیسی ہو ممتاز؟ شانزے کا کیا حال ہے؟ بہت دن ہو گئے تم دونوں نے چکر ہی نہیں لگایا۔" انہوں نے بات شروع کی۔

"ملکہ ہو تو تم میری بڑی بہن لیکن مجھے تمہاری بے حسی پر بڑی حیرت ہوتی ہے، کیسی عورت ہو تم؟ میرے جلے پر نمک چھڑک رہی ہو؟" وہ بگڑ گئیں۔

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو تمہیں جلے پر نمک چھڑکنا لگا؟" انہیں تو سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا۔

"عبدالباری اچھی طرح جانتا تھا کہ شانزے اسے پسند کرتی ہے، پھر بھی اس نے یہ سب کیا۔ اور اگر تمہاری سپورٹ ہوتی تو وہ کبھی بھی اس کل کی آئی لڑکی سے شادی کی خواہش نہ کرتا۔ میں بس ایک ہی صورت مانوں گی۔ اگر تم عبدالباری کی شادی سلیقہ کے بجائے میری بیٹی سے کرو۔ شانزے نے مجھے خودکشی کی دھمکی دی ہے، اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں تم سب کا جینا حرام کر دوں گی۔" ان کی ڈیمانڈ سن کر تو ملکہ کا دماغ ہی گھوم گیا۔

"تم ماں بیٹی کو شرم ہے کہ نہیں؟ شانزے اسے پسند کرتی ہے تو یہ اس کا مسئلہ ہے۔ میرا بیٹا منتہیٰ سے پیار کرتا ہے۔ اور اگر میرا بیٹا، بلکہ بیٹے کو چھوڑو میری ہی مرضی نہیں تھی کہ میں شانزے کو بہو بناؤں، تو کیا تم دونوں میں اتنی سی بھی عزت نفس نہیں کہ اس بات کو محسوس کر کے ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ؟ اگر میں نہیں چاہتی تو بھی تم اپنی بیٹی کو میرے سر پر مسلط کرو گی؟ ایسی کیا کمی ہے تمہاری بیٹی میں جو تم اس ایک گھر کے سوا کہیں اور اسے بیاہتے ہوئے ڈرتی ہو؟ اور زبردستی ہمارے حوالے کرنے کے لیے تماشا بنا کر بیٹھی ہو؟ بولو۔ جواب دو۔" انہوں نے غصے میں وہ سب بھی کہہ دیا جو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ سلیقہ ایک طرف پشیمان ہو کر بیٹھ گئیں۔ اب انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں انہوں نے ممتاز کو فون کرنے پر زور دیا۔ دوسری طرف مزید کچھ کہا گیا لیکن ملکہ نے غصے سے فون بند کر دیا۔ ان کا بی پی ہائی ہونے لگا تھا اور چہرہ سرخ۔ سلیقہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھیں کہ وہ ملکہ کو نارمل کیسے کریں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے خود ہی بولنا شروع کیا۔

"میں تو کبھی ممتاز کی خود غرضی محسوس ہی نہیں کر پائی، سگی بہن ہو کر وہ ایسی ذلالت پر اتر آئی ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ اس سے ہمیشہ کے لیے رشتہ توڑ دوں۔" انہوں نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔ آنکھوں میں نمی در آئی۔ لیکن ایک بات تو تھی، اور وہ یہ کہ جب سے انہوں نے منتہیٰ کو دل سے قبول کیا تھا تب سے ایک بار بھی انہوں نے روز بروز بگڑتے حالات کو منتہیٰ یا عبدالباری کے سر ڈال کر مزید ٹینشن نہیں بنائی۔ بلکہ انہوں نے عبدالباری سے ذکر بھی نہیں کیا تھا۔

"اگر وہ اس وقت ہوش کھو چکی ہیں تو آپ کم از کم ہوش کو نہ کھوئیے۔ اس وقت لڑنے جھگڑنے سے مسائل نہیں ہوں گے۔ مجھے اندازہ ہوتا کہ وہ یہ سب کہیں گی میں کبھی بھی ان سے بات کرنے کے لیے زور نہ دیتی، مجھ سے غلطی ہوئی لیکن ان کے اس رویے کو پاگل پن سمجھ کر نظر انداز کر دیجیے۔ جوابی کارروائی کا کوئی فائدہ نہیں۔ میری تو بس اتنی سی خواہش تھی کہ نئے رشتوں کے بننے سے پرانے رشتے خراب نہ ہوں۔" وہ رسان سے بولیں۔ ملکہ کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا۔

"تمہیں شاید علم نہیں کہ پہلے میں منتہیٰ کو بہو بنانے کے لیے بالکل بھی راضی نہیں تھی، اور میرے

دل میں جو خدشات تھے، انہیں میں نے تمہارے بھائی کے سامنے رکھ دیا، انہوں نے مجھے سمجھایا بلکہ میرے راضی ہونے کا بھی انتظار کیا۔

پھر میں نے دل سے اسے اپنی بہو مان لیا۔ مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ میری صرف ایک ہاں سے اتنے سارے لوگوں کی خوشی جڑی ہے، اگر پہلے علم ہوتا تو میں کبھی انکار نہ کرتی۔ اور انکار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مجھے لگتا تھا کہ منتہیٰ عبدالباری کو بالکل پسند نہیں کرتی لیکن یہ بات تو مجھے ان کا رشتہ طے ہوجانے کے بعد معلوم ہوئی کہ وہ بھی اس کی محبت میں مبتلا ہے۔ منتہیٰ بھی تو لڑکی ہے، اسے بھی عبدالباری سے عشق تھا لیکن اس کی وجہ سے عبدالباری کی ذات مسائل میں نہ الجھے، اس لیے اس نے اپنے دل کی کبھی نہیں سنی، صرف دماغ سے کام لیا۔ اور ایسا تمہاری اچھی تربیت سے ممکن ہوا۔

جبکہ دوسری طرف میری بہن ہے۔ شانزے کو بجائے سمجھانے کے وہ اس کی ذات کو تماشا بنا رہی ہے۔ نجانے کس کس کے سامنے اس نے عبدالباری اور شانزے کی جھوٹی دوطرفہ محبت اور پھر دھوکے کے قصے سنائے ہوں گے۔ نجانے وہ منتہیٰ کے بارے میں کیا کیا گل افشانیاں کرتی پھر رہی ہوگی۔'' ان کی پریشانی بجا تھی۔

☆☆☆

اس کے بعد ممتاز اور اس کی فیملی سے ملکہ نے قطع تعلقی کا اعلان کردیا تھا۔

ملکہ کو رہ رہ کر شانزے یاد آتی۔ سننے میں آیا تھا کہ وہ سارا وقت کمرہ بند کرکے پڑی رہتی ہیں۔ ممتاز اس پر چیختی چلاتی رہتی ہیں۔ ان کا دل عجیب سی پریشانی محسوس کرتا رہتا۔ اور پھر ایک روز انہوں نے دل بڑا کرکے ان کے گھر کی راہ لی۔ عبدالباری کو بھی زبردستی ساتھ لیا۔ صد شکر کہ ممتاز غیر موجود تھیں۔ ملکہ سیدھا اس کے کمرے میں گئیں جہاں وہ اندھیرا کیے بیڈ پر پڑی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی اس نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

''کون ہے؟ میں نے منع کیا ہے نا کہ میرے کمرے میں کوئی نہ آئے۔ تم لوگوں کو بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟'' وہ چلا کر بولی اور سائیڈ ٹیبل پر پڑے گلاس کو اٹھا کر مارا۔ ملکہ کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ انہوں نے لائٹ آن کردی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ شانزے ان کی آمد پر حیران تھی جبکہ وہ شانزے کی حالت دیکھ کر حیران تھیں، آنکھوں کے نیچے حلقے، الجھے بے ترتیب بال، کملایا ہوا چہرہ' اس کے خوب صورت ہونٹ سوکھ کے عجیب سے ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بھی ویران تھیں۔ پہلے تو انہیں لگا کہ وہ شاید ان کے آنے پر چیخے گی، چلائے گی لیکن انہیں دیکھ کر وہ دوڑ کر ان کے سینے سے لگی، اور یوں روئی جیسے کوئی کسی مرگ پر روتا ہے۔ اس کے رونے کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ عبدالباری نیچے بیٹھا تھا۔ آوازوں سے گھبرا کر اوپر دوڑا جہاں دونوں خالہ بھانجی ایک دوسرے کے گلے لگ کر آنسو بہا رہی تھیں۔

''یہ کیا حال بنا دیا ہے تم نے؟ کیا ہوگیا ہے تمہیں؟'' انہوں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے یہاں سے لے جائیں۔ پلیز خالہ۔ میں یہاں رہوں گی تو گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی۔'' اس نے تڑپ کر روتے ہوئے کہا۔

''میں لے کر جاؤں گی اپنی بچی کو۔ لیکن پہلے تم ریلیکس ہوجاؤ اور بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''امی بالکل پاگل ہوگئی ہیں۔ ایک دن مجھ سے کہا کہ میں یہ فائل لے کر آغا صاحب کے پاس جاؤں۔ وہی آغا جنہوں نے انکل کے آفس میں بھی مجھے چھونے کی کوشش کی تھی۔ میں نے جانے سے منع کیا تو امی نے کہا کہ یہ کانٹریکٹ اسی صورت انہیں ملے گا جب میں آغا صاحب کے پاس یہ فائل لے کر جاؤں گی۔ میں کوئی بچی تو نہیں ہوں کہ میں ان

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

باریکیوں کو سمجھ نہ پاتی، اس لیے میں نے سختی سے انکار کر دیا۔

تب ممی نے مجھ سے کہا کہ آغا صاحب مجھ سے شادی کی خواہش رکھتے ہیں اور اسی سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔

میں جانے کے لیے تیار ہوگئی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میں ان سے شادی کے لیے ہاں کر دوں گی۔ لیکن جب میں وہاں پہنچی تو انہوں نے مجھ سے دست درازی کی کوشش کی اور۔۔۔ اور مجھے بتایا کہ اس کے بارے میں ممی کو سب کچھ معلوم ہے۔ انہوں نے مجھے ممی کی ریکارڈڈ فون کال بھی سنائی۔" یہ کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی یہ سب کچھ اتنا شاکنگ تھا کہ دونوں ماں بیٹا بالکل بت بن کر رہ گئے تھے۔

"ممتاز اتنا کیسے گر سکتی تھیں۔" یہ سب ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"پھر۔۔۔ پھر تم وہاں سے کیسے واپس آئیں؟" انہوں نے کانپتے لہجے میں سوال کیا۔

"بہت مشکل سے۔" وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

"یا خدا۔ اللہ۔۔۔ یہ سب بھی دیکھنا رہ گیا تھا۔" ان کا دل جیسے بند ہونے لگا۔

"پیسوں کی اتنی حوس، اتنی لالچ۔۔۔ ممتاز ایسی تو نہ تھی پھر۔۔۔" وہ بھی رونے لگیں۔ جبکہ عبدالباری کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"ممتاز خالہ کہاں ہیں؟" اس نے سخت غصے سے پوچھا۔

"وہ آفس میں ہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"اور تمہارے پاپا؟" ان کے سوال پر اس نے گہری سانس بھری۔

"ان دونوں کا کئی ماہ سے جھگڑا چل رہا تھا۔ کچھ وقت پہلے ہی پاپا نے اپنے آپ کو بزنس سے الگ کر دیا اور وہ باہر جا چکے ہیں۔ اور ان کا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں۔" اس نے مزید تفصیل بتائی۔ ان کا تو دماغ ہی گھوم گیا تھا۔ یہ سب اچانک، ان کی تو سمجھ ہی جواب دے گئی تھی۔

انہوں نے پھر سے اسے گلے لگایا۔ کافی دیر وہ اسی کے پاس رہیں۔ عبدالباری کچھ دیر وہاں رک کر جا چکا تھا۔ جبکہ ملکہ نے اسے اپنے ساتھ چلنے کا کہا، وہ تو جیسے اسی انتظار میں تھی۔ فوراً تیار ہوگئی۔

☆☆☆

انہوں نے شادی کی تیاریاں تیز کر دی تھیں۔ دن بھی بہت جلدی جلدی گزر رہے تھے۔ منتہیٰ بہت خوش تھی لیکن جب بھی اسے شانزے یاد آتی وہ دکھی ہو جاتی۔ اس کے پاپا سے بات کر کے وہ اسے ان کے پاس بھجوا چکے تھے۔ عبدالباری البتہ کئی دن گزر جانے کے بعد بھی چپ چپ تھا۔ اسے ممتاز سے ان سب چیزوں کی قطعاً امید نہیں تھی۔

وہ اس کی بہت قریبی دوست تھی۔ بچپن کی ساتھی، لیکن اب وہ سارے رشتے ٹوٹ چکے تھے۔ اس نے بھی دل کو سمجھایا، اور خود کو پھر سے منتہیٰ کی ذات میں گم کر دیا۔ منتہیٰ تو اس کے لیے ایسا پرسکون گوشہ تھی جس پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی تھیں۔ وہ دونوں بہت دن بعد آئس کریم کھانے گئے تھے۔ تقریباً تین گھنٹے باہر گزار کر جب وہ گھر آئے تو چہرے اطمینان سے دمک رہے تھے۔ سلیقہ ان دونوں کو پھر سے نارمل ہوتا دیکھ کر خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھیں۔ جب سے وہ حیدرآباد سے یہاں آئی تھیں تب سے اب تک ان کی طبیعت مکمل طور پر کم ہی ٹھیک رہی تھی۔ ایک تو ان کا ہیپاٹائٹس کا علاج چل رہا تھا، اس وجہ سے جب بھی انہیں انجیکشنز لگتے انہیں تیز بخار ہو جاتا۔ رات بھر وہ درد سے تڑپتی رہتیں۔ دوا سخت ہونے کی وجہ سے ان کا وزن اچھا خاصا کم ہو گیا تھا، لیکن اوپر تلے کی ان پریشانیوں اور پھر شادی کی تیاریوں میں الجھا رہنے کی وجہ سے کم ہی توجہ دے پا رہی تھیں۔ پھر وہ دن بھی آیا جب ان کی آنکھوں نے اس خواب کو سچ ہوتا دیکھا۔ منتہیٰ کو سرخ لہنگے میں دلہن بنے دیکھنے کی خواہش بھی پوری ہوگئی۔

☆☆☆

عبدالباری منظور صاحب کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس حساب سے وہ جتنے شان دار انتظامات کروا سکتے تھے، انہوں نے کروائے، یہ ایک ایسی شادی تھی جو کئی سال یاد رہنے والی تھی۔

وہ دونوں شادی کے دن بے حد حسین لگ رہے تھے۔ ان دونوں کی جوڑی ایسی تھی کہ جو دیکھتا بے اختیار ہی تعریف پر مجبور ہو جاتا دولہا بنا عبدالباری سب کی نظر بچا کر اسے دیکھ تو لیتا لیکن نگاہ پلٹنے میں اسے خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ فوراً ہی یہ جگہ خالی ہو جائے اور وہ شرمائی لجائی سی منتہیٰ کو جی بھر کر دیکھے۔ وہ آج تک کبھی اتنا خوش نہیں ہوا، زندگی میں بہت کچھ اس نے حاصل کیا تھا لیکن منتہیٰ کو بیوی کے روپ میں دیکھ کر اس کے دل نے جو تسکین اور خوشیوں کے دریا بہتے محسوس کیے تھے ان کا بیان ناممکن تھا۔

رات کے آخری پہر ہی وہ کمرے میں آسکا۔ منتہیٰ دلہن بنی اس کا انتظار کرتے کرتے سو گئی تھی۔ وہ بھی بے حد تھک گیا تھا لیکن خود سے بھی بے خبر منتہیٰ کو دیکھتے ہی اس کی ساری تھکن ہوا ہو گئی۔ منتہیٰ پارلر جا کر تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ مصنوعی رنگ و روپ خود پر تھوپ کر وہ اپنی اصل شکل چھپانا نہیں چاہتی۔ مومنہ نے ہی اسے تیار کیا۔ نارمل سے میک اپ میں بھی وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔ شاید وہ اس بات سے واقف تھی کہ اندرونی خوشی کے باعث جو حسن ان دنوں اس کے چہرے پر بکھرا ہے وہ مصنوعی لوازمات کے انتہائی استعمال سے دب جائے گا۔ کافی دیر تک وہ اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے بیٹھا رہا۔ اسے وہ سارے منظر یاد آئے جب جب وہ اس سے دور بھاگی تھی اور وہ تمام جتن بھی جو اس نے اپنے ہی دل کی خواہش کا گلا گھونٹنے کے لیے کیے۔ اس نے سوئی ہوئی منتہیٰ کا ہاتھ تھام کر بے حد خوب صورت سی انگوٹھی پہنائی۔ وہ ایک دم جاگی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم کب آئے؟'' اسے سامنے بیٹھا دیکھ کر اس نے جھجک کر پوچھا۔ وہ بہت گہری نیند سے جاگی۔ وہ آنکھیں بھی ٹھیک طرح سے کھول پانے سے قاصر تھی۔

''بس کچھ ہی دیر ہوئی۔ تم آرام سے لیٹو، میں چینج کر کے آتا ہوں۔ بلکہ رکو۔'' وہ اٹھا اور فریج میں سے آئس کریم نکال کر لے آیا۔

''تم یہ کھاؤ۔ پھپھو بتا رہی تھیں کہ تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔'' اسے باؤل تھما کر وہ چینج کرنے چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو وہ بھی کپڑے تبدیل کر چکی تھی۔ البتہ چہرہ نہیں دھویا تھا۔ کھلے بال دونوں اطراف بکھرے تھے۔ وہ اس کے بے حد قریب بیٹھ گیا۔ منتہیٰ ایک دم سمٹ گئی اور فوراً باؤل اس کے سامنے کر دیا۔ اس کی بولتی نظروں کی تاب لانا منتہیٰ کے بس میں نہیں تھا۔ عبدالباری نے اس کا ہاتھ تھام کر بوسہ دیا اور اپنی بانہیں اس کے گرد پھیلا لیں۔

☆☆☆

شادی کے ایک ہفتے بعد ہی وہ دونوں ہنی مون کے لیے شمالی علاقہ جات کی سیر کو نکل کھڑے ہوئے۔ وہ پہلی بار ان حسین چراگاہوں، خوب صورت بہتے دریاؤں اور بلند پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے یہی گمان ہوتا تھا کہ وہ شہزادے کے ساتھ اس کے گھوڑے پر سوار ہے۔ فیری میڈوز دیکھ کر تو اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ یہیں اسی زمین پر ہی اپنا گھر بسا لے۔ زندگی بڑی حسین ہو گئی تھی۔ کسی انوکھے خواب جیسی۔ وہ اس کا یوں خیال رکھتا تھا جیسے وہ کوئی نازک کلی ہو یا پھر ہتھیلی کا چھالا۔ ان دونوں کو اتنا خوش و خرم دیکھ کر سلیقہ کے سارے غم دور ہو گئے تھے۔ جو بھی ان دونوں کو ساتھ دیکھتا، ان کی جوڑی کی تعریف کیے بنا نہ رہتا۔ ملکہ بھی روائتی ماؤں کی طرح نظر لگ جانے کے خوف میں مبتلا رہتیں۔

منتہیٰ کی طبیعت میں ہر گزرتا دن بہتری لے کر آرہا تھا لیکن یہ خوشی عارضی تھی۔ بہت تھوڑے وقت کی۔

☆☆☆

یہ اس صبح کی بات ہے جب منتہیٰ' عبدالباری کو جگا کر اوپر سلیقہ کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ بہت گہری نیند سوئی ہوئی تھیں۔اس کے جگانے پر اٹھ گئیں۔

"امی ناشتا بن گیا ہے۔آئیں ناشتا کرلیں۔"

اس کے چمکتے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرائیں۔ اس کی شادی کو تین ماہ ہو چکے تھے اور کچھ ہی دن پہلے انہیں یہ خبر ملی تھی کہ وہ ماں بننے والی ہے۔اس خبر نے سب کو خوش تو کیا تھا لیکن ڈر بھی سب کے دلوں میں جاگ گیا تھا۔سب سے زیادہ خوف زدہ منتہیٰ تھی جبکہ عبدالباری اتنا ہی ریلیکس اور مطمئن، سلیقہ دن بھر دعائیں کرتی رہتیں کہ خدا اسے صحت مند اولاد سے نوازے۔ جبکہ ملکہ کا دل وسوسوں میں ہی گھرا رہتا۔ وہ ٹھیک طرح خوش بھی نہ ہو پائی تھیں۔ سلیقہ ان کی پریشانی سے واقف تھیں لیکن وہ انہیں تسلی نہیں دے سکتی تھیں۔وجہ صاف تھی، نہ منتہیٰ سے عبدالباری کی شادی ہوتی نہ ہی یہ پریشانیاں قبل از وقت ان کی زندگی میں آتیں۔ ناشتے کے بعد دوا کھا کر وہ پھر سے کمرے میں لیٹ گئیں۔ اوپر ملازمہ صفائی کی غرض سے آئی تھی لیکن ٹی وی چلتا دیکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔سلیقہ کو طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔انہیں ملکہ کا رویہ بھی کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔منتہیٰ کی شادی تو ہوگئی تھی لیکن آنے والی پریشانیوں نے سلیقہ کا بی پی ہائی کر دیا تھا۔ ہر وقت یہی سوچ ان کے دل و دماغ پر سوار رہتی کہ اگر منتہیٰ کی اولاد بھی اسی مرض میں مبتلا ہوئی تو؟ اس تو کے آگے صرف اندھیرا تھا اور کچھ نہیں۔

دوا کے اثر کے باعث کچھ ہی دیر میں ان کی آنکھ لگ گئی۔ ٹی وی پر کوئی ڈرامہ چل رہا تھا جس کی آوازیں ان کے کمرے تک باآسانی پہنچ رہی تھیں۔ ان آوازوں کے باعث ان کی نیند بار بار ڈسٹرب ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ گہری نیند سو گئیں۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ انہیں لگا کہ جیسے منتہیٰ رو رہی ہے۔ یہ رونے کی آواز چیخوں میں بدلنے لگی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھیں۔ ابھی وہ گہرے سانس لے رہی تھیں کہ ایک بار پھر رونے کی آواز ان کے کانوں میں گونجی۔ وہ خوف زدہ ہو کر آواز پر غور کیے بغیر ہی باہر کی طرف دوڑیں۔ ان کا رخ سیڑھیوں کی طرف تھا۔ سوتے ہوئے بھی منتہیٰ اور اس کے ہونے والے بچے کے بارے میں عجیب عجیب خیالات نے ان کا دماغ بوجھل کر رکھا تھا۔ پھر اس خواب نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور اب ٹی وی پر چلنے والے ڈرامے کی آوازوں نے انہیں گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ بخار سے ابلتے وجود کے ساتھ جب وہ سیڑھیاں اترنے لگیں تو چکرا جانے کے باعث ان کا پیر پھسلا۔ وہ آخری دردبھری چیخ تھی جو ان کے لبوں سے نکلی تھی۔

☆☆☆

وہ بیڈ سے ٹیک لگائے خالی فرش کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی وحشت تھی کہ عبدالباری بھی اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھا۔ پچھلے چار دن سے وہ ہسپتال میں تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی اسے ہوش آیا تھا اور عبدالباری اس کی حالت دیکھ کر پھر سے ڈر گیا۔ ان چار دنوں میں اسے کئی دورے پڑ چکے تھے اور دوروں کے بعد طویل بے ہوشی نے منتہیٰ کی حالت بالکل ہی غیر کر دی تھی۔ اسے تو اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ اس حادثے کے بعد اس کی ذہنی اور جسمانی حالت کی خرابی کے باعث وہ اپنا بچہ بھی کھو چکی ہے۔

عبدالباری اس کے قریب آیا اور اس کے بالکل پاس بیٹھ گیا۔ منتہیٰ کی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔ وہ اس وقت لاؤنج میں ہی تھی جب اس نے اپنی ماں کی دل دوز چیخ سنی تھی۔ ان کے سر اور ناک سے نکلنے والے خون کو دیکھتے ہی اس کی حالت غیر ہوگئی تھی۔ انہیں اسی وقت ہسپتال پہنچایا گیا لیکن وہ راستے میں ہی دم توڑ گئیں۔

منتہیٰ کی زندگی کا سب سے بڑا دکھ جو اس کے لیے روگ بننے والا تھا۔ یہی تو ایک رشتہ تھا جس نے اسے اپنی چھاؤں میں رکھا۔ پالا، پوسا، محنت کی تاکہ اسے کبھی کسی بھی چیز کی کمی محسوس نہ ہو۔ اس

کی بیماری کو سب سے چھپا کر رکھا تا کہ وہ کسی کی بھی رحم یا حقارت بھری نظروں سے دور رہے، اس کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنا ہی تو جیسے ان کا مقصد تھا، وہ پورا ہوا تو وہ منتہیٰ کو چھوڑ کر چلی گئیں۔

عبدالباری نے اسے اپنی پناہوں میں لے لیا تا کہ وہ اپنے دل کا بوجھ کم کر سکے، رو سکے۔ گھر کے تمام افراد ہی اس حادثے کی وجہ سے شدید دکھ کی کیفیت میں تھے۔ ابھی تو ٹھیک طرح سے انہوں نے سکھ کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ اپنوں کے قریب آئے انہیں کچھ ہی وقت تو ہوا تھا۔ لیکن خدا کی مرضی کے آگے بھی بھلا کسی کی چلی ہے؟ جو ہونا تھا ہو کر رہا۔

کچھ دیر بعد منظور، ملکہ اور مومنہ بھی ہسپتال کے کمرے میں آ گئے۔ منظور صاحب نے اسے گلے لگایا تو وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ سب کا غم پھر سے تازہ ہو گیا۔ کمرے سے آنے والی رونے کی آوازیں سن کر ڈاکٹرز گھبرائے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"آپ جانتے بھی ہیں کہ پیشنٹ کی کنڈیشن اچھی نہیں۔ پھر بھی آپ لوگ۔۔۔" وہ سخت برہم ہو کر بولے۔ منظور صاحب نے روتی ہوئی منتہیٰ کو بڑی مشکلوں سے چپ کروایا۔ روتے روتے وہ بالکل ہی نڈھال ہو گئی۔ طبیعت میں بہتری تو کیا خاک آئی تھی لیکن اس نے شام ہوتے ہی گھر جانے کی ضد شروع کر دی۔ عبدالباری نے اس کی سہیلی کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ گھر آ گئی ہے۔ فوزیہ پچھلے کئی دن سے کراچی میں تھی اور اس سے دو بار ملنے ہسپتال بھی آئی لیکن دونوں بار منتہیٰ کو بے ہوش ہی پایا۔

عبدالباری کی خواہش تھی کہ وہ منتہیٰ سے ملے، اس کا غم ہلکا کرے۔ ایسے کسی صدمے سے نکلنے کے لیے ایسے قریبی لوگوں کی ہی ضرورت پڑتی ہے جن کے ساتھ ہم نے عمر کا بیشتر حصہ گزارا ہو۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ فوزیہ سے مل کر وہ دیر تک روتی رہی، گھنٹوں ان دونوں کی سسکیاں وہ کمرے سے باہر بیٹھا سنتا رہا لیکن دل کا بوجھ ہلکا ہو جانے کے بعد فوزیہ کے ہاتھوں اس نے تھوڑا بہت ہی سہی کھانا کھا ہی لیا۔ اس رات وہ عبدالباری کے سینے سے لگی سونے تک روتی رہی۔ صبح عبدالباری جاگا تو اسے قرآن پاک پڑھتے پایا۔ وہ ایک دم پرسکون ہو گیا اور اس کے قریب آ کر بیٹھا۔ قریب بیٹھتے ہی اسے احساس ہوا کہ منتہیٰ کا بدن کپکپا رہا ہے اور قرآن پاک کا صفحہ آنسوؤں سے تر ہو چکا ہے۔ اس نے منتہیٰ کا ہاتھ تھام لیا۔ منتہیٰ نے تکلیف کی شدت سے آنکھیں بند کر لیں۔ منتہیٰ کو لگ رہا تھا کہ ہر گزرتا دن سلیقہ سے بچھڑنے کے غم کو تازہ کر رہا ہے۔ اسے صبر نہیں آ رہا تھا۔ پورا پورا دن وہ ان کی تصویر کو لے کر بیٹھی رہتی۔ اس کی ساس اور نند سے جتنا ممکن تھا وہ اس کی دل جوئی کرتیں۔ فوزیہ بھی اس سے تقریباً روز ہی ملنے آتی لیکن وہ سنبھل نہیں پا رہی تھی۔ دوروں کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ تقریباً ہر ہفتے ہی اسے دورہ پڑ جاتا۔ یہ صورت حال شدید تشویش ناک تھی۔ سب سے زیادہ اذیت میں عبدالباری کی ذات تھی۔ منتہیٰ کو اس حال میں دیکھنا، اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

وہ شدید کمزور ہو رہی تھی، اس کا دماغ شدید غم کے حصار میں تھا۔ ماں کا صدمہ اس کے لیے اتنا بڑا تھا کہ بچے کی خبر سن کر بھی اس نے صرف خالی نظروں سے اپنی ساس کو دیکھا۔ اس کے اندر جینے کی امید بالکل ہی دم توڑنے لگی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ سردی کی شدت میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا تھا۔ منتہیٰ کی زندگی کے لیے یہ صورتحال کافی خطرناک تھی۔ کمزوری اور سردی بھی دوروں میں اضافے کا سبب بن رہی تھی۔ ان بیس پچیس دنوں کے اندر ہی وہ صدیوں کی بیمار لگنے لگی تھی۔

عبدالباری آفس میں ہوتا یا گھر پر ہمہ وقت اس کے ذہن پر منتہیٰ کی بیماری کا خوف چھایا رہتا۔ اس کی طبیعت نہ بگڑ جائے اسے دورہ نہ پڑ جائے، وہ خوف زدہ سا اسے دیکھتا۔ دوسری جانب منتہیٰ اپنی جگہ شرمندہ تھی۔ اس کی وجہ سے پورا گھر تکلیف میں مبتلا تھا۔ خصوصاً اس کا شوہر، اس نے ایک سے ایک حسین لڑکی ٹھکرا کر اس سے شادی کی تھی۔ اور آج بھی وہ اسی

کی فکر میں ہلکان تھا۔

طرح طرح کی سوچوں نے اسے ہر دم بے حال سا کر رکھا ہوتا۔ آنکھیں سوجی رہتیں، رہی سہی کسر دوروں نے پوری کر رکھی تھی۔ ہونٹ کٹنے پھٹنے سے لگتے۔ عبدالباری مرد تھا، کسی کے سامنے آنسو نہیں بہا سکتا تھا۔ لیکن جب وہ سو جاتی تب عبدالباری اس کے قریب بیٹھ کر اسے دیکھتا رہتا۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے، اس کے سوکھے ہونٹ اور بے رونق چہرے کو دیکھتے ہوئے نجانے کتنی بار اس کی آنکھیں چھلک پڑتیں۔ وہ تو سلیقہ پھپھو کی موت کا غم بھی نہیں منا پایا۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کے حوصلے پست دیکھ کر منتہیٰ بالکل ہی ہاتھ پیر نہ چھوڑ دے۔

شادی کے کچھ ہی دن انہوں نے خوش و خرم گزارے تھے۔ منتہیٰ اس کے اندازے سے بھی کہیں زیادہ خوش تھی، اور وہ بے دھڑک اس کا اظہار بھی کر ڈالتی تھی۔ جب وہ اس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ڈھیروں باتیں کرتی تب اسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ وہ اس کے ہمراہ ہے، اس کے قریب ہے، اس کی ہو چکی ہے۔ لیکن یہ خوشی بہت عارضی تھی۔

انہی دنوں شانزے سے اس کی بات ہوئی۔

جب سے وہ اپنے پاپا کے پاس گئی تھی تب سے ان دونوں کا کوئی رابطہ نہیں تھا البتہ ملکہ کے منہ سے وہ اس کا ذکر سنتا رہتا تھا۔ شانزے نے اسے فون کیا۔ وہ ان دنوں اتنی تکلیف میں تھا کہ اسے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کسی دوست کی ضرورت تھی۔ وہ منتہیٰ سے اس تکلیف کا ذکر نہیں کر سکتا تھا جو وہ اسے اس حال میں دیکھ کر محسوس ہوتی تھی۔ وہ سلیقہ پھپھو کے بارے میں بھی اس سے اظہار نہیں کر سکتا تھا کہ وہ پھر سے رونے لگ جاتی تھی اور یہ رونا کئی کئی گھنٹے جاری رہتا۔ پھر اس کی طبیعت پر مزید اثرات مرتب کرتا۔ ایسی حالت میں شانزے کا اس کے غم کو محسوس کرنا عبدالباری کو تھوڑا سا پرسکون کر گیا۔ اس سے بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر کے اس کا دماغ کچھ سوچنے کے قابل ہوا۔ سب سے پہلے گھر پہنچ کر اس نے منتہیٰ سے نہانے کا کہا۔ اس کے کہنے پر اس نے نہا کر اچھا سا جوڑا پہنا۔ وہ کوشش کرتی تھی کہ وہ نارمل رویہ اپنائے لیکن اس سے یہ ممکن ہی نہیں ہو پاتا تھا۔ آج جب اتنے دن بعد عبدالباری نے اس سے ایسی کوئی فرمائش کی تو وہ منع نہ کر سکی۔ صاف ستھرے لباس میں منتہیٰ کا تھکا تھکا سا وجود دیکھ کر وہ زبردستی مسکرایا۔ منتہیٰ آہستگی سے عبدالباری کے سینے سے لگ گئی۔

''میں جانتی ہوں کہ میری وجہ سے آپ کی اور اس گھر کے تمام لوگوں کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے لیکن میں کیا کروں؟ یہ سب میرے بس میں نہیں ہے۔'' وہ بھیگے لہجے میں بولی۔ عبدالباری نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار مضبوط کیا۔

''میری زندگی کا سکون صرف تم ہی ہو۔ تمہارے ساتھ ہوں اس لیے زندہ ہوں۔ تم نہ ہوتیں تو نجانے میرے دن کیسے گزرتے۔ ایک دوسرے کی سنگت میں ہم نے اب تک جتنے دن بھی گزارے ہیں، وہ خوشی سے بھرپور ہوں یا غم سے نڈھال۔ ان تمام دنوں کا ایک ایک لمحہ میرے لیے قیمتی ہے اور ہمیشہ رہے گا کیونکہ اس ہر لمحے میں تم میرے ساتھ تھیں اور میں تمہارے ساتھ تھا۔

تم وہ عورت ہو جو صرف میری محبت نہیں ہے میرا سب کچھ ہے۔ تم ہنسو گی تو میرا خون بڑھے گا، تم روؤ گی تو تکلیف مجھے بھی ہو گی۔ تمہاری حیات ہی میری زندگی ہے۔ کبھی مجھ سے دور مت ہونا۔ اور کبھی یہ مت سوچنا کہ تمہاری تکلیف سے میرا سکون برباد ہوا ہے۔ ہاں سکون ضرور درہم برہم ہوتا ہے لیکن تمہیں اتنی اذیت میں دیکھ کر اور اس بے بسی سے شدید نفرت محسوس ہوتی ہے جو مجھے تمہیں اس تکلیف میں دیکھتے ہوئے بھی ایک خاموش تماشائی بنے رہنے پر مجبور کرتی ہے۔

تم ان تمام معاملات میں بے بس ہو لیکن اپنا خیال رکھنے میں بے بس نہیں۔ تمہارے پاس صرف آج کا ہی دن ہے۔ تم جتنا رونا چاہتی ہو رو لینا لیکن

آج کے بعد میں تمہیں اس طرح بے قرار نہ دیکھوں۔'' اتنا کہہ کر اس نے منتہیٰ کو خود سے الگ کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں ایک عجیب سا سکون تیر رہا تھا۔ یہ سکون ان لفظوں کا مرہون منت تھا جو ابھی ابھی اس نے ادا کیے تھے۔

عبدالباری نے اسے دوا کھلائی اور سلا دیا۔ اس کے سو جانے کے بعد وہ لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا۔

کہیں کوئی تو ایسا حل ہوگا جو اس بیماری کی کمی کا باعث بنے گا۔ وہ سوچتے ہوئے کی ورڈز ٹائپ کر کے سرچ کرنے لگا۔ اسے پہلی بار علم ہوا تھا کہ مرگی کی صرف یہی ایک قسم نہیں۔ اس کی اور بہت سی اقسام ہیں۔ عموماً وہ باتیں جنہیں ہم بھوت پریت کے اثرات سے جوڑ دیتے ہیں وہ بھی مرگی کی وجہ سے ہیں مثال کے طور پر بیٹھے بیٹھے خاموش ہو جانا، کسی سے بات نہ کرنا نہ جواب دینا۔ کچھ لوگ اس چیز کو بھی جنات کا اثر سمجھتے ہیں۔ اچانک ہی مریض کو کسی خوشبو کا محسوس ہونا، سوتے ہوئے اٹھ کر چلنے لگنا۔ یا کسی چیز کا نظر آنا جو کہ سرے سے ہی غیر موجود ہوتی ہے۔ وہ پڑھتے ہوئے شدید حیران تھا۔ ان اقسام میں مریض بے ہوش نہیں ہوتا جبکہ منتہیٰ کی بیماری شدید قسم کی تھی جو کہ پریشانی اور دکھ کے حالات میں بڑھ جاتی تھی۔ وہیں اسے علم ہوا کہ ان دوروں کو آپریشن کے ذریعے کافی حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ اس نے ایک ہی رات میں تمام تفصیلات نکال لیں۔ اب اسے گھر میں بات کرنی تھی۔

☆☆☆

عبدالباری آفس سے آنے کے بعد نیچے لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا۔ مومنہ سے کہہ کر اس نے ملکہ اور منتہیٰ کو بھی وہیں بلوا لیا۔ منظور صاحب پہلے سے ہی وہاں موجود تھے۔

''کوئی خاص بات ہے جو ہم سب کو یہاں بلایا؟'' ملکہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

''جی بات تو خاص ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ سب کی ہی نظریں اس کی جانب اٹھ گئیں۔

منتہیٰ نے بھی اسے دیکھا، عبدالباری اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ آج بھی دورے کے بعد کئی گھنٹوں بعد ہوش میں آئی تھی۔ چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا اور آنکھیں یوں بے رونق تھیں جیسے کبھی کوئی خوشی نہ دیکھی ہو۔ عبدالباری نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ کیا سے کیا ہو گئی تھی وہ۔

''بیٹا اب بولو بھی کیا بات ہے۔'' منظور صاحب نے بے چینی سے پوچھا۔

''مجھے منتہیٰ کے حوالے سے بات کرنی تھی۔'' اس نے بات کا آغاز کیا۔

''ہر گزرتے دن کے ساتھ منتہیٰ کی طبیعت بگڑتی جا رہی ہے، ہر دوسرے تیسرے دن تو کبھی ہفتے بعد دورے پڑتے ہیں۔ اور یہ سب منتہیٰ کی زندگی کے لیے شدید خطرہ ہے۔''

''یہی بات تو مجھے ہر وقت پریشان کرتی ہے۔ اچھی بھلی بچی تھی، نجانے کس کی نظر لگ گئی۔'' منظور صاحب سخت دلگرفتہ تھے۔

''سب سے زیادہ مسئلے کی بات تو یہ ہے کہ اس کی دوائیں بھی اثر نہیں کر رہیں اس پر۔'' ملکہ کے لہجے میں بھی پریشانی تھی۔ ''اور جو اذیت اٹھانا پڑتی ہے اسے، میں اس اذیت کو صرف محسوس کرتی ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ معصوم تو اس تکلیف کو جھیل رہی ہے۔'' انہوں نے منتہیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب اس سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن ان سب کی محبت بھی اس عذاب کو کم نہیں کر سکتی تھی۔

''اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے آپریشن۔'' منتہیٰ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ تو اس بات سے ہی ناواقف تھی کہ مرگی کا مرض آپریشن سے ٹھیک ہو سکتا ہے۔

''ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں منتہیٰ۔ یہ واحد حل ہے جو تمہیں اس اذیت سے نجات دلائے گا۔'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

''مجھے آپ سب سے اسی بارے میں مشورہ

کرنا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اپنی رائے دیں۔" اس نے ملکہ اور منظور صاحب کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ منتہیٰ کی صحت یابی سے آگے کچھ بھی نہیں لیکن کیا یہ آپریشن کامیاب ہوگا اور منتہیٰ بالکل ٹھیک ہو جائے گی؟" انہوں نے سوال کیا۔

"دس میں سے سات لوگ اس آپریشن کے بعد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ستر فیصد لوگ اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزارتے ہیں۔"

"منتہیٰ کیا کہتی ہے؟" مومنہ نے اس کی رائے جاننے کی کوشش کی۔

"میں ٹھیک ہونا چاہتی ہوں۔ آپ کے لیے۔" اس نے عبدالباری کی طرف دیکھتے ہوئے نم آنکھوں سے کہا۔

☆☆☆

آپریشن سے پہلے اس کے کئی طرح کے ٹیسٹ کیے گئے۔ ٹیسٹس کے بعد آپریشن کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ منتہیٰ بے حد سہمی ہوئی تھی۔ گھر سے بار بار فون آ رہے تھے۔

"کاش باقی لوگ بھی یہاں ہوتے، میرا تو خوف سے دل بند ہو رہا ہے۔" اس نے روہانسی ہو کر کہا۔

"میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ پھر کس چیز کا ڈر ہے تمہیں؟ سب ٹھیک ہو جائے گا اور اگلے ہی ہفتے ہم پاکستان میں ہوں گے اور میں اور تم ایک بار پھر ہنی مون کے لیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ بس دل مضبوط رکھو اور یہ یاد رکھو کہ میں تم سے بے تحاشا محبت کرتا ہوں۔" اس نے منتہیٰ کی پیشانی چوم لی۔ منتہیٰ نے اس کے بازو پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ دل کی بے قراری میں آہستہ آہستہ کمی آنے لگی۔

پھر وہ وقت بھی آیا جب اسے آپریشن کے لیے لے جایا گیا۔ اس سے کچھ دیر پہلے ہی فوزیہ سے لے کر اس کی دادی تک سب نے اس سے بات کی اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ اس کے بعد مومنہ، ملکہ اور منظور نے بھی باری باری فون کر کے اس کی دل جوئی کی۔ عبدالباری تو تھا ہی اس کے ساتھ، اس کے پاس۔

آپریشن ہو گیا۔ اس ایک ہفتے میں اسے ایک بار دورہ پڑا، عبدالباری کو لگا جیسے ساری کوشش رائگاں گئی۔ ڈاکٹر کے سمجھانے پر اسے معلوم ہوا کہ منتہیٰ کو شدید کمزوری اور تھکاوٹ کا سامنا تھا اس لیے ایسا ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ منتہیٰ کا آپریشن کامیاب نہیں ہوا۔

ایک ماہ کے اندر ہی وہ بالکل صحت مند ہو گئی اور ان کی زندگی میں وہ خوشیاں لوٹ آئیں جو روٹھ گئی تھیں۔

☆☆☆

میں منتہیٰ عبدالباری ہوں۔ دنیا کی سب سے خوش قسمت عورت۔ خدا نے مجھے ہر وہ نعمت دی جو کہ کسی بھی عورت کا خواب ہو سکتا ہے۔ بے حد محبت کرنے والا شوہر، تین صحت مند بچے۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جب علی کی پیدائش سے قبل میں نے عبدالباری سے کہا تھا کہ یہ نہ ہو کہ تمہاری نسل خراب ہو جائے اور یہ بچے بھی اسی مرض کا شکار ہوں جس کا میں تھی۔ تب اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ نسلیں بیماریوں سے خراب نہیں ہوتیں۔ بداخلاقی، ہوس اور بدکاری سے خراب ہوتی ہیں۔ بیماری تو خدا کی طرف سے آتی ہے لیکن اگر کسی کی روح کو یہ موذی امراض لگ جائیں تو موت ہی اس کا واحد علاج ہے۔ خدا مجھے مکمل اولاد دے یا بیمار۔ میں اس کی رضا میں راضی ہوں۔ تم صرف اچھا اچھا سوچو۔ ان جملوں کو سننے کے بعد میرا دل چاہنے لگا تھا کہ میں سجدے سے کبھی سر نہ اٹھاؤں۔ اسی مرد کو خدا نے میری زندگی کے ہر بے رنگ صفحے کو رنگوں سے سجانے کے لیے بھیجا۔ اسے میرا مہرباں بنایا۔

اور جب کوئی مہرباں ہو جائے تو زندگی پھولوں کی سیج بن جاتی ہے۔

☆☆

قرۃ العین سکندر

وفا کے کوہ گراں میں

وہ اگر حسین تھی تو کیونکر ممکن تھا کہ حسن پرست نہ ہوتی۔ اس پر اٹھنے والی نگاہوں نے اسے بارہا یہ باور کروایا تھا کہ وہ خاص الخاص ہے اور شریک سفر کی مسند پر متمکن ہونے والی ہستی بھی خاص الخاص ہونی چاہیے۔ یہاں آ کر اس کے اندر کا ضدی بچہ ہمکنے لگتا تھا۔ مگر حالات کے تھپیڑوں اور وقت کے چابک نے پل بھر میں ہی شہر بانو کو بے مایا کر ڈالا تھا۔ صابر کے ساتھ اس کے رشتے کی بات چل نکلی تھی اور اماں اس رشتے پر نہ صرف راضی تھیں بلکہ اس کو بھی راضی کرنے کے لیے پورا زور لگا رہی تھیں۔ شہر بانو کے تو خوابوں کا گھڑا ہی چکنا چور ہو گیا تھا۔ وہ خوابوں خیالوں میں رہنے والی بھینسوں کے باڑے کے مالک سے کیسے اپنے نازک جذبات جوڑ لیتی سو سختی سے رشتہ کی تردید کر دی۔

"اماں میں اس صابر سے شادی نہیں کروں گی میں صاف صاف بتا رہی ہوں پھر نہ کہنا کہ میں نے بتایا نہیں تھا۔"

شہر بانو نے باقاعدہ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا تو ندرت بیگم کو تو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔ انھوں نے زوردار دھموکے اس کی کمر پر جڑے تھے۔

"اری بد بخت کیا برائی ہے اس صابر میں نیک دیکھا بھالا بچہ ہے محلے داری عزیز داری ہے اپنا بھینسوں کا باڑہ ہے۔ کھلا دودھ مکھن گھی ہر شے کی بہتات ہے۔ تو تو قسمت کی دھنی ہے جو گھر بیٹھے ایسا رشتہ آ گیا ہے نہ انکار کی صلیب پر چڑھنا پڑا نہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کی طرح انتظار کی اذیت سہنی پڑ رہی ہے تو کیا سمجھتی ہے اس صابر کو لڑکیوں کی کوئی کمی ہے ایک چھوڑ دس مل جائیں گی بس ان لوگوں کا دل آ گیا ہے تو بضد ہیں۔

سارا قصور تو ان موئے رسالوں کا ہے جن میں منہ دیے کھی کھی کرتی رہتی ہے نجانے کیا کیا خرافات لکھی ہوتی ہیں جو تیرا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے۔ ورنہ تو کبھی اس معقول رشتہ سے انکار نہ کرتی۔"

"اماں معقول رشتہ کسے کہتے ہیں۔ چار پیسوں سے ہی خوش ہو جاؤں۔ اور جو ساری عمر ان بھینسوں کے گند میں گزارنی ہو گی۔ دم گھٹتا ہے میرا یہ سوچ کر کہ تمام عمر اپلوں میں کٹے گی، گھٹن زدہ ماحول اور آلودہ فضا۔" شہر بانو کا سوچ کر ہی دم گھٹنے لگا تھا کہ اس کا مجازی خدا دودھ بیچنے گھر گھر جایا کرے گا وہ کالج کے دوسرے سال میں تھی سیکنڈ ائر کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند تھی اس کو اپنی خوب صورتی کا بے حد زعم تھا اس میں زیادہ قصور اس کے ابا کا تھا جنھوں نے اسے ہمیشہ شہزادی کہہ کر پکارا تھا اس کو احساس دلایا تھا کہ وہ سب سے الگ ہے اس کا شہزادی جیسا نام اس کو مزید مغرور کر گیا تھا جو رہی سہی کسر تھی وہ کالج جانے کے بعد اس کی ہم عصر لڑکیوں نے پوری کر دی تھی۔

"زیادہ بحث نہ کرو جاؤ کچن میں اپنے ابا کے لیے چائے بناؤ۔" اماں شاید اس سے مزید بحث کے لیے تیار نہیں تھیں اسی لیے اس کو کام پر لگا دیا تھا وہ بھی برا سا منہ بنا کر کچن میں آ گئی تھی۔ چولہے پر چائے کا پانی چڑھا کر وہ کپ ٹرے میں رکھنے لگی تھی جب دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی۔ ابا جو گھر کے کچے آنگن میں چارپائی پر نیم دراز محو استراحت تھے۔ انھوں نے ٹیپو کو آواز دی تھی کہ جا کر دیکھے دروازے پر کون ہے۔ ٹیپو ہوم ورک کی کاپی رکھ کر لپک جھپک

دروازے پر گیا تھا اور ہنستا مسکراتا ہوا لوٹا تھا۔

"صابر بھائی آئے ہیں۔" ٹیپو نے اطلاع دی تھی صابر کے ہاتھ میں گرما گرم سموسے اور جلیبیوں کا شاپر تھا۔ صابر نے عقیدت سے وہ شاپر زارا بیگم کو تھمایا تھا۔

"ارے بیٹا اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ تمھارا آنا ہی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔" ندرت بیگم نے خجالت سے کہا تھا۔

"بیٹا بھی کہتی ہیں اور پھر تکلف کی بات بھی کرتی ہیں۔" یہ کہہ کر صابر نے ندرت بیگم کو حیران کر دیا۔ شہر بانو کچن میں کھڑی صابر کی ساری بات سن رہی تھی۔

ہونہہ اس طرح کی چکنی چپڑی باتوں سے ہی تو سب کا دل موہ لیا ہے۔ مکھن لگانا خوب آتا ہے بھینس جو ہوئیں قبضہ میں۔ اس کا موڈ آف ہو چکا تھا تب ہی ندرت بیگم کچن میں آئی تھیں۔

"یہ پکڑو شاپر طریقہ سے ساری چیزیں ٹرے میں رکھ کر چائے کے ساتھ باہر لے آؤ اور ہاں اپنے منہ کا قائمہ زاویہ درست کر کے آنا۔" ندرت بیگم اس کے گریز پا کو بخوبی جانتی تھیں۔



صابر ان کا محلے دار تھا اور دور پرے کی عزیز داری بھی تھی ندرت بیگم جانتی تھیں کہ یہ رشتہ صابر کے ہی ایما پر پروان چڑھ رہا تھا۔ صابر کی ایک بڑی اور ایک چھوٹی بہن دونوں کسی اچھے رشتہ کے انتظار میں ماں کی دہلیز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایسے میں صابر کی شادی کا ذکر گھر میں کسی کو بھی ایک آنکھ پسند نہیں آیا تھا۔ سعدیہ بیگم کو صابر کی یہ فرمائش سراسر خود غرضی لگی تھی جس نے بہنوں کی ڈولی اٹھنے سے پہلے ہی اپنی شادی کا راگ الاپ دیا تھا مگر مارے باندھے وہ منہ زبانی رشتہ مانگ چکی تھیں بہ ظاہر اس رشتے میں کوئی مسئلہ حائل نہیں تھا مگر نجانے کیوں صابر کو شہر بانو کی خاموشی پر سراسی لگا کرتی تھی کچھ سعدیہ بیگم نے بھی آ کر بتایا تھا کہ لڑکی نروٹھے پن سے بیٹھی رہی تھی نجانے کیوں وہ مجھے خوش نہیں لگ رہی تھی اس کی خاموشی میں جیسے انکار دبا تھا۔"

یہی وجہ تھی کہ صابر آج اس معاملے میں شہر بانو کے تاثرات جانچنے آیا بیٹھا تھا۔ شہر بانو کے عشق میں مبتلا وہ ایک عرصے سے کالج آتے جاتے اس کی راہ تکا کرتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ شہر بانو اس کی اس حاضری کو کبھی بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

وہ ندرت بیگم کے کسی سوال کا جواب دے رہا تھا جب وہ دشمن جاں دکھائی دے گئی تھی۔ سفید گھیرے دار سرخ پھولوں والی قمیص میں وہ اسے پرستان کی کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ محبت پورے

زور آور طریقے سے اس پر حملہ آور ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ اس کے حسن میں کھویا ایک ٹک اس کو دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ وہ ٹرے رکھ کر جا بھی چکی تھی اور وہ جو اس کے تاثرات بھانپنے بیٹھا تھا اپنے ہی ہوش گنوا بیٹھا تھا۔

☆☆☆

''ندرت بیگم کے گھر میں شہنائی کی گونج تھی۔ آج ان کی لخت جگر کی شادی کا دن تھا سارے گھر کو آرائشی پھولوں سے سنوارا گیا تھا، قمقموں سے روشنائی کی گئی تھی۔ چہار سو عزیز و اقارب کے قہقہوں کی جلترنگ بکھری ہوئی تھی۔ گھر کے وسیع العریض آنگن میں ہی شادی کی تقریب منعقد کی گئی تھی۔

دلہن بنی شہر بانو بے حد حسین لگ رہی تھی۔ سرخ کامدار لہنگے میں ملبوس اس کا سراپا نگاہوں کو خیرہ کررہا تھا. ہر نگاہ میں اس کے لیے ستائش پنہاں تھی. اس کی بڑی بہن زرینہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کے ہاتھ تھامے تھی۔

''تھوڑی دیر بعد تم پرائی ہو جانے والی ہو. باہر بارات کی آمد کی خبر آ چکی ہے۔ تم اپنے گھر بار کی ہو جاؤ گی۔ دل میں کسی کے لیے خفگی لے کر مت رخصت ہونا۔ نئے گھر کو اپنی محبتوں سے مہکا دینا. گلے شکوے یہاں ہی چھوڑ جانا۔

زرینہ آپی کی بات پر اس نے لبالب آنسوؤں سے بھری نگاہیں اٹھائی تھیں۔

''آپی آپ تو کہا کرتی تھیں کہ آنسوؤں سے دھلی دعا کبھی رد نہیں ہوتی معراج کا درجہ پا لیتی ہے پھر میری دعا کیوں رد ہوگئی ہے میں نے بھی تو پورے خلوص، پوری شدت سے دعا کی تھی کہ مجھے سلجھے ہوئے لوگ ملیں۔ میرا جیون ساتھی من چاہا ہو سر اٹھا کر چار لوگوں میں متعارف کروا سکوں، یہی تو تھی میری آرزو. کیا زیادہ مانگ لیا تھا میں نے......''

اس کی نگاہوں میں شکوے مچل رہے تھے آنسوؤں چمک رہے تھے۔

''ابھی تم ناسمجھ ہو شادی شدہ زندگی کی باریکیوں سے واقف نہیں ہو۔ عملی زندگی میں قدم نہیں رکھا ہے. جب عملی زندگی میں قدم رکھو گی تو کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو گی والدین کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں سوچتے ہیں۔ صابر ہیرا ہے۔ اس نے دل کی گہرائیوں سے تمہیں چاہا ہے اور اپنایا ہے وہ اپنی محبت کو یوں رلنے نہیں دے گا۔ کون نہیں جانتا کہ تم کتنی ضدی اور خود سر ہو۔ کون ہوتا جو تمہارے اس گھمنڈی وجود کو اپناتا' رشتے تو بہت سوں کے آئے مگر تم نے کچھ کو دھتکار دیا اور کچھ تمہارے تیور دیکھ کر بھاگ گئے۔ اب میرا منہ نہ کھلواؤ تو اچھا ہے۔ صرف شکل ہی سب کچھ نہیں ہوتی ہے۔ انسان عمل اور کردار کی عظمت سے بلند ہوتا ہے شکل کی خوب صورتی مگر کردار کا بونا شخص کسی کے دل میں گھر نہیں کر سکتا ہے۔''

شاید یہ بحث و تمحیص جاری رہتی اگر باہر سے شہر بانو کے نام کی صدا نہ لگتی اسے اس کی سکھیوں نے صابر کے پہلو میں جا کر بٹھا دیا تھا۔

☆☆☆

شہر بانو کو چوپایوں کے باڑے کے سامنے سے گزر کر اندرونی حصے میں داخل کیا گیا تھا راہداری عبور کر کے کمرے تھے پہلا کمرہ ساس سسر کا تھا اس کے ساتھ والا دونوں بہنوں کا تھا پھر ایک بڑا گول کمرہ اور اس کے بعد والا کمرہ ان دونوں میاں بیوی کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ تھکان صرف وجود میں سرایت کر جائے تو قابل برداشت ہوا کرتی ہے مگر جو تھکاوٹ ذہنی طور پر رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ جس کی اذیت دو چند تھی۔ شہر بانو کا موڈ سخت خراب تھا۔ وہ گم صم سی سہاگ رات کو حجلہ عروسی میں بیٹھی اپنے مجازی خدا کو آتا دیکھ رہی تھی۔ سانولی رنگت دیتے ہوئے نقوش دیکھ کر شہر بانو پر قنوطیت طاری ہونے لگتی تھی.

دوسری جانب صابر اس کی جذباتی شکستگی سے بے خبر اس کے وجود سے اٹھتی خوشبوؤں کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ شہر بانو تو اس کے دل کے چپے چپے پر قابض ہوچکی تھی۔ مگر شہر بانو انا اور بے رخی کے سرد خانے میں لفظ محبت کو ہمیشہ کے لیے منجمد کر بیٹھی تھی۔ تب ہی صابر کے احساس کی دھوپ بھی اس کو پگھلا نہیں سکی تھی۔ صابر جتنا اس پر اپنی والہانہ محبت نچھاور کرتا وہ اتنی ہی عاجز آجاتی تھی۔

"صابر اس کے گریز پا کو سمجھنے لگا تھا۔ مگر اصل وجہ جاننے سے قاصر تھا صابر کا وجود شہر بانو کی بے اعتنائی کی گرد میں اٹ چکا تھا۔ وہ اب چاہ کر بھی اپنی آنکھوں سے شہر بانو کا لازوال عکس مٹا نہیں سکتا تھا یہ محبت اختیاری کب ہوا کرتی ہے۔ انسان کو چاروں خانے چت کر دیتی ہے۔

شادی کے اولین دن اختتام پذیر ہوئے تو اس نے دلہناپے سے ہٹ کر اطراف کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اب تک تو ناشتے کی ٹرے، دوپہر کا کھانا رات کا کھانا سب کمرے میں ایک تواتر سے آرہا تھا۔ لانے والے چہرے بدل جاتے تھے کبھی بڑی نند عائزہ اور کبھی چھوٹی نند فائزہ لایا کرتی تھی۔ وہ چونکہ گھر میں بھی خاص کام کاج کی عادی نہیں تھی صفائی ستھرائی تو اس کے ذمہ تھی مگر کھانا اماں ہی بنایا کرتی تھیں، کچھ تو اس کی کاہلی سستی دوسرا ابا جان کو اماں کے ہاتھوں کا ہی کھانا پسند تھا۔ بقول ابا جان اماں جیسا لذت سے بھرپور کھانا کوئی اور بنا ہی نہیں سکتا تھا۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کہ اس کو سیرے سے کچھ بنانا آتا ہی نہیں تھا درحقیقت وہ موڈی تھی موڈ ہوتا تو زبردستی اماں کو کچن سے باہر نکال کر خود کھانا بنانے لگتی تھی مگر یہ سب اس کے خوش گوار موڈ کے مرہون منت تھا۔ اس لیے یہاں بھی بیٹھ کر کھانے میں اس نے کوئی عارِ محسوس نہیں کیا تھا شاید یہ سلسلہ جاری وساری ہی رہتا اگر ایک دن سعدیہ بیگم کی گرج دار آواز ان ہی کے کانوں سے نہ ٹکراتی۔

"میں کہتی ہوں مہینہ بھر ہونے کو آیا ہے ابھی تک تمہاری بیوی کا دلہناپا ہی ختم ہونے میں نہیں آرہا ہے۔ دو دو جوان بہنیں کمرے تک کھانا پہنچا آتی ہیں۔ اس کو نہیں تو تم کو ہی شرم آنی چاہیے مگر تم کو کیوں شرم آتی، جب اپنے سہرے کے پھول کھلاتے نہیں آئی جب کہ دو بہنوں کی ڈولی ہی نہیں اٹھ سکی تھی۔ اس نواب زادی سے کہہ دو آج سے اپنا خود پکائے اور خود ہی کھائے۔ تم اٹھاؤ اس کے چونچلے ناز، ہم تو اب باز آئے۔" سعدیہ بیگم نے پاٹ دار لہجے میں کہا تھا اندر بیٹھی شہر بانو سہم سی گئی تھی۔

"اماں آہستہ بولیں وہ سن لے گی۔" صابر نے گھبراہٹ سے کہا تھا۔

"ارے سنتی ہے تو سن لے میں کوئی ڈرتی ہوں۔" سعدیہ بیگم نے واشگاف لفظوں میں کہا تھا۔

"اماں میں اس کو سمجھا دوں گا۔" صابر نے دبے دبے لہجہ میں کہا تھا۔

صابر بیوی کے رعب حسن میں تھا۔

"ہاں سمجھا دینا اچھی طرح سے۔"

☆☆☆

رات کو جب بات کرنے کی غرض سے صابر کمرے میں آیا تو وہ سوتی بن گئی تھی۔ صابر نے دل میں مصمم ارادہ باندھ لیا تھا کہ وہ صبح بات کرے گا۔

صبح سویرے ہی شہر بانو جاگ چکی تھی اس نے بالکل خاموشی سے اطراف کا جائزہ لیا تھا اہل خانہ کی وہی لگی بندھی روٹین تھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔

روزانہ کی وہی صفائی ستھرائی سعدیہ بیگم کا اپنے میاں زاہد کے ساتھ مل کر بھینسوں کے باڑے میں جا کر دودھ دوہنا پھر ڈولوں میں بلترتیب منتقل کرنا اور پھر اس کے بعد ان کو چارہ ڈالنا پانی پلانا اس کے

بعد ناشتے کی تیاری کرنا۔

دوسری طرف فائزہ سارے آنگن میں بکھرے پتوں کا ڈھیر صاف کر کے ماں کا ہاتھ بٹانے کچن میں آ جاتی تھی۔ عائزہ سب کے میلے کپڑوں کا ڈھیر ناشتے کے فوراً بعد دھونا شروع کر دیا کرتی تھی۔ ابھی ناشتے سے فراغت ہی ہوتی تھی کہ دوپہر کے کھانے کی فکر ستانے لگتی تھی۔ شہر بانو کو یہ زندگی بے حد مشینی لگتی تھی۔ گھر وسیع تھا مگر کسی کی توجہ اس کی آرائش کی طرف مبذول نہیں ہوتی تھی۔ روزانہ کی لگی بندھی روٹین سے ہٹ کر گھر میں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ وہی چند سالن تھے جو ہر دوسرے دن بعد پکتے تھے اور حیرت کی بات یہ تھی کہ سب سر جھکا کر بالکل خاموشی سے کھا بھی لیتے تھے۔ عائزہ نے تو میٹرک کے بعد مزید تعلیم حاصل ہی نہیں کی تھی نہ ہی اس کو شوق تھا اس کی دیکھا دیکھی چھوٹی فائزہ بھی مڈل کے بعد ہی پڑھائی سے ہاتھ اٹھا کر گھر گرہستی میں جت گئی تھی ان کو گھر داری پڑھائی سے نسبتاً زیادہ آسان لگا کرتی تھی۔

آہستہ آہستہ شہر بانو بھی گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگی تھی کچن میں جا کر گندے برتن دھو دیتی کبھی فائزہ سے پہلے صحن میں جھاڑو لگا کر صاف کر دیتی تھی۔

اب اس کو بات بات پر طعنہ زنی نہیں کی جاتی تھی مگر کوئی اس سے گھل مل بھی نہیں رہا تھا ایک نامحسوس سی خلیج تھی جو اونچی فصیل کی مانند اس کے اور اہل خانہ کے درمیان حائل تھی۔

چوپایوں کی طرف کے سارے کام اور ساری ذمہ داری اس کے سسر کی تھی شہر بانو کو یہ دیکھ کر پہلا جھٹکا تب لگا تھا جب اسے معلوم ہوا تھا کہ صابر کسی آفس میں جاب کرتا ہے وہ تو سمجھتی تھی کہ وہ بالکل ہی ان پڑھ جاہل گنوار ہے مگر اب اس کے انداز تکلم بھی شہر بانو کو چونکا جاتے تھے۔

''آج میں کھانا بنانا چاہتی ہوں اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو ......'' سارا دن فراغت اس کو اب ناگوار گزرنے لگی تھی صابر کے جانے کے بعد غیر محسوس طریقے سے وہ اس کا انتظار کرنے لگتی تھی ایک سمجھوتا سا تھا شاید جواب اس کو یہاں رہنا تھا تو گھلنے ملنے کی بھی ضرورت تھی۔ اس لیے وہ اس ماحول میں خود کو ضم کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی مگر سب صابر کی من چاہی بیوی کی نگاہ سے ہی اس کو پرکھتے اور تولتے تھے۔

''تم پکانا چاہتی ہو تو ضرور پکا لو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' سعدیہ بیگم نے کھلے دل سے اس کو کھانا بنانے کی اجازت دے دی تھی۔

شہر بانو نے بھنڈی گوشت بنایا گھر میں بھی وہ یہی زیادہ دل سے بنایا کرتی تھی۔ اس نے ساتھ میں کھیر بنائی۔ عرصہ بعد کام کیا تھا تو وقت بھی زیادہ لگ گیا تھا۔

رات کو جب سب کھانے کے لیے بیٹھے تو سب نے کھلے دل سے شہر بانو کے ہاتھوں کے ذائقہ کو سراہا تھا۔

''واہ بہو مزا آ گیا پہلی مرتبہ میں نے بھنڈی گوشت کھایا ہے یہ لو اپنا انعام۔''

اس کے سسر نے اس کے ہاتھ میں ہزار کے پانچ نوٹ رکھے تو وہ منہ کھولے دیکھتی رہ گئی تھی اس نے یہ سب کسی انعام کی لالچ میں تو نہیں کیا تھا۔ صابر سے اس کی نگاہوں کا تصادم ہوا جو محبت سے اس کو ہی دیکھ رہا تھا اس کے چہرے کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ بھی آج بہت خوش ہوا ہے۔

دوپہر کو اس کی ساس کی عادت تھی وہ کھانے کے بعد ضرور قیلولہ کیا کرتی تھیں مگر شہر بانو کو دوپہر میں سونے کی بالکل بھی عادت نہیں تھی اس وقت وہ شدید بوریت محسوس کر رہی تھی سب اہل خانہ سو رہے

تھے اس نے بالکل خاموشی سے بڑے گول کمرے کا رخ کیا تھا جو کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا جب کہ ایک اسٹور گھر کے پیچھے کی جانب تھا وہاں یہ سب ملبہ رکھا جاسکتا تھا۔ اس نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ اس کے جہیز میں اماں نے جو فرنیچر دیا تھا اس سے اس کا کمرہ گھٹن زدہ ہو رہا تھا۔ اس کے بجائے اگر اس سارے نئے فرنیچر کو یہاں طریقے سلیقے سے سجا کر رکھا جاتا تو آرائش کے ساتھ ساتھ ایک کمرہ مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے بھی بن جاتا جب بھی کوئی مہمان آتا اس کو عموماً ساس کے کمرے میں ہی بٹھا کر اس کی خاطر تواضع کی جاتی تھی۔

اس نے سب سے پہلے پرانا فرنیچر جو خستہ حالی کا شکار تھا اس کو پیچھے والے اسٹور میں جا کر باری باری رکھا تھا جھاڑ پونچھ کے بعد اس نے کشادہ جگہ پر اپنے جہیز کی کرسیاں ادھر سجا دیں تھیں پھر اس کے ساتھ میز بھی رکھ دی تھی۔ کچھ تصاویر پرانی، کپڑے میں لپٹی تھیں اس نے ان کو بھی جھاڑ پھونک کر دیوار پر آویزاں کر دیا تھا۔

یہ سب کرنے کے بعد اس نے کمرے پر نگاہ ڈالی، اس کی اتنی ہی کاوش کے بعد کمرہ چمک اٹھا تھا۔ اس کا جی خوش ہو گیا تھا، صاف کمرہ کسی بھی مہذب مہمان کے لیے تیار تھا اس نے اپنے حلیہ پر ایک نگاہ ڈالی، کمرہ تو سج گیا تھا خود اس کا اپنا حلیہ بگڑ گیا تھا، تب ہی اس کو اپنے نام کی آوازیں سنائی دی تھیں، وہ تیزی سے باہر کی جانب لپکی تھی مگر دروازے میں ہی ایستادہ ساس کی وجہ سے اس کا رستہ رک گیا تھا۔ ساس نے کمرے میں قدم رکھا تھا اور منہ کھولے کمرے کا ناقدانہ جائزہ لینے میں محو حیرت تھیں۔

''آپ ناراض تو نہیں ہوئی نا۔ اصل میں، میں نے سوچا جب عائزہ آپی اور فائزہ کے رشتے کی غرض سے لوگ آئیں گے تو ان کے بیٹھنے ان کی آؤ بھگت کے لیے ایک ڈرائنگ روم تو ہونا ہی چاہیے، یہ تو ایک ضرورت ہے۔''

سعدیہ بیگم نے بنا کچھ کہے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے بہت ساری دعائیں دی تھیں۔ شہر بانو نے پہلی مرتبہ سعدیہ بیگم کے چہرے پر اپنے لیے نرمی دیکھی تھی بعد میں فائزہ نے بھی اس کی اس کاوش کو سراہا تھا اور کھلے دل سے اس کی تعریف کی تھی۔

☆☆☆

عائزہ کے لیے ایک رشتہ آیا تھا متوسط طبقے کے ہی سادہ سے ہی لوگ تھے ایک معمر خاتون پسند کر گئی تھیں۔ عابد ان کا اکلوتا بیٹا تھا ان کو گھرداری سمجھنے والی احساس کرنے والی بہو کی ضرورت تھی۔ آناً فاناً سارے معاملات حل ہوتے چلے گئے تھے اگلے ماہ ہی رخصتی بھی طے ہو گئی تھی۔

شہر بانو نے سرتاپا خود کو بدل دیا تھا۔ عورت اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا کرتی ہے، مفاہمت سمجھوتا مقدر کا لکھا یہ سارے لفظ از بر کر لیتی ہے۔

شہر بانو نے اپنی قسمت سے سمجھوتا کر لیا تھا مگر ایک خلش تھی جو اس کو بے کل رکھا کرتی تھی۔ مرد کی ضد تو پوری ہو سکتی ہے مگر عورت کی ضد میں اسے اپنا آپ گنوانا پڑتا ہے، سارے رشتے ناطے کھو کر جینا پڑتا ہے یہی فرق تھا کہ صابر کی ضد یا محبت اس سے شادی کے بعد پوری ہو گئی تھی۔

مگر اس کا ہرجانہ صبح شام وہ اپنی جان لگا کر ادا کر رہی تھی۔ بہت مشکل سے اب اس کو بھی گھر کا ایک فرد شمار کیا جانے لگا تھا یہ اس کی قربانیوں کا ہی صلہ تھا کہ اس سے بھی مشورہ لیا جانے لگا تھا یہ مقام بنانے کے لیے اس نے اپنا دل ہارا تھا۔

☆☆☆

اس کی ایک ہی دوست تھی تانیہ جس کی شادی کی تقریب میں وہ شریک نہیں ہو سکی تھی اب اتنے

عرصے بعد وہ شہر بانو سے ملنے کی تمنائی تھی۔

"سنیں کل میں اپنی دوست کو بلالوں کیا؟ اس کی شادی میں بھی میں نہیں جا سکی تھی۔ میری ایک ہی دوست ہے۔"

شہر بانو نے پہلی مرتبہ از خود اس کو مخاطب کیا تھا وہ ششدر ہی رہ گیا تھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تم ایک بار امی سے بھی اجازت لے لینا۔ ویسے جو جادو تم نے میرے گھر والوں پر چلایا ہے امید تو یہی ہے کہ امی ہاں کر دیں گی دیکھو کتنی عجیب بات ہے کہ امی تم کو جادوگرنی کہا کرتی تھیں اور آج خود ہی تمھارے دام میں آ گئی ہیں۔"

وہ لب بستہ رہ گئی تھی اس جادو کے لیے اسے اپنے من کو مارنا پڑا تھا۔

پھر واقعی اس کو راضی خوشی سے اس کی ساس نے اجازت دے دی تھی اور بطور خاص صابر کو حکمیہ انداز میں کہا تھا کہ وہ شام کو جلدی گھر آ جائے اور کھانے پینے کی اشیاء میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔

شہر بانو بہت خوش تھی ملال تھا تو اتنا کہ تانیہ کا میاں بے حد خوب صورت تھا تانیہ کی شادی کی تصاویر اس نے دیکھی تھیں اور کتنی ہی دیر وہ دم بخود سی دیکھتی رہ گئی تھی اس کے خوابوں میں بسی صورت سے بے حد مشابہت رکھتا تھا مگر اب یہ سب سوچنا بھی فضول تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ صابر کو دیکھ کر اس کی دوست کے کیا تاثرات ہو سکتے ہیں مگر یہی اب اس کی زندگی کا پورا سچ تھا جسے اس نے قبول کر لیا تھا۔

شام کو تانیہ کی آمد سے قبل ہی وہ کوفتے کا سالن اور بریانی تیار کر چکی تھی، میٹھے میں اس کی ساس نے گاجر کا حلوہ بنایا تھا۔

تانیہ ہمیشہ کی طرح ہنستی مسکراتی گھر میں داخل ہوئی تھی سب سے بہت محبت اور خلوص سے ملی تھی۔

" ارے یہ ہیں دولہا بھائی ماشاء اللہ السلام علیکم"،

شہر بانو اس کے لہجے میں طنز تلاشتی رہ گئی تھی مگر وہاں طنز کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"تم اکیلی آئی ہو بیٹا۔" اس کی ساس سعدیہ بیگم نے پوچھا تھا۔

"جی وہ بس آتے میں، راستہ میں ٹائر پنکچر ہو گیا تھا موٹر سائیکل کا۔" اس نے سادگی سے جواب دیا تھا۔ پتا نہیں کیوں شہر بانو کو محسوس ہو رہا تھا جیسے تانیہ بے حد مضطرب سی ہے تب ہی عامر آ گیا تھا شہر بانو نے سلام کے بعد ان کو بھی مشروب پیش کیا تھا۔

"میں کھانا لگاتی ہوں ابھی آتی ہوں۔"

گول کمرے میں اس وقت صرف تانیہ اور عامر ہی تھے۔ جب شہر بانو سالن کا ڈونگے کو ٹرے میں رکھے اس گول کمرہ میں داخل ہونے لگی تھی ٹھٹک جب اندر عامر کا تیز لہجہ سن کر ٹھٹک کے رک گئی تھی۔

"ایسی کوئی منحوس عورت ہو تم جب سے میری زندگی میں آئی ہو زندگی اجیرن کر دی ہے آج موٹر سائیکل پر سوار ہوئی اور ٹائر پنکچر ہو گیا ہر کوئی نہ کوئی نقصان ہی کرواتی ہو۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔" تانیہ کی منمناتی آواز سنائی دی تھی۔

"اپنی زبان کو لگام دو ورنہ ابھی سیدھا گھر چلا جاؤں گا تم آتی رہنا اپنی دوست کے ساتھ......"

پل بھر میں جیسے سارا منظر واضح ہو گیا تھا اس کے تلخ رویے کو بھی صابر نے ہنس کر سہا تھا اس کو سر آنکھوں پر بٹھایا تھا۔

"ارے مجھے دو میں لے جاتا ہوں اندر صبح سے کام کاج میں لگی ہوئی ہو......" صابر کا تفکر زدہ لہجہ اس کی محبت کا ثبوت تھا پھر وہ رک گئی تھی اور صابر نے ہی کھانا لگایا تھا میز پر۔ وہ تو صرف سوچ رہی تھی مسلسل...... چہروں سے بلند کردار ہوا کرتے ہیں

حسین چہرے کے پیچھے مکروہ دل بھی ہوا کرتے ہیں

انسان کردار میں افعال میں اعمال میں بونا نہ ہو۔ آج

اسے اپنی ماں کے انتخاب پر پیار آ رہا تھا کیونکہ وہ سر بلندی سے پورے اعتماد کے ساتھ تانیہ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی جبکہ تانیہ کی آنکھوں میں خوف دہراس پنہا تھا کہ نجانے عامر کب کیا کہہ دے اور اُس کا بھرم پاش پاش ہو جائے۔ رات گہری ہونے سے ذرا پہلے ہی تانیہ اٹھنے کی تیاری میں تھی۔ جانے سے پہلے شہر بانو کا ہاتھ تھام کر محبت سے بولی تھی۔

''شہر بانو تم سب سہیلیوں میں خوش قسمت ہو جو تم کو ایسا سلجھا ہوا پیار کرنے والا جیون ساتھی ملا ہے جو تمھاری قدر کرتا ہے تمھارے احساسات کی قدر کرتا ہے۔ بیوی کو پاؤں کی جوتی نہیں سمجھتا ہے۔ بلکہ اس کی تعظیم کرتا اور دوسروں سے بھی کرواتا ہے۔ آج مجھے تمھارے نصیب پر رشک آ رہا ہے۔ ماشاء اللہ۔ سدا خوش رہو۔ ہیشہ مسکراتی رہو تمھاری مسکان یوں ہی تمھارے لبوں پر سجتی رہے۔ آمین''

شہر بانو اس سے گلے مل کر نم آلود آنکھوں سے اس کو رخصت کر رہی تھی جب عامر نے سارے لحاظ طاق پر رکھ دیے تھے۔

''اب آ بھی چکو۔ دفعان ہو گئی ہو۔ تانیہ شہر بانو سے نظر چراتے ہوئے گھبراہٹ میں باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

تانیہ کے جانے کے بعد شہر بانو کا دل بہت بوجھل سا ہو رہا تھا. وہ تو ایک عرصے سے بدل چکی تھی آج اس میں آخری کیل تانیہ سے ملاقات نے ٹھوک دی تھی. اب نہ تو اسے چوپایوں کی بو محسوس ہوتی تھی نہ وہ اس گھر کے مکینوں کو حقیر سمجھتی تھی کیونکہ اس نے دل سے سب کو اپنا لیا تھا اور شاید اس کی وجہ وہ ننھی جان تھی جو اب اس کی کوکھ میں تھی اِس نے اس کا ذکر صرف اپنی ساس سے کیا تھا جن سے اس کا قلبی تعلق استوار ہو چکا تھا وہ اب ہر معاملے میں ان سے رہنمائی لیا کرتی تھی۔

ایک دن جب اس کی حالت بھی ناساز تھی تب وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں اور پھر اس خوشی کی خبر نے اس کو سرتاپا بدل ڈالا تھا وہ غیر محسوس طریقے سے اس گھر کے رنگ میں رنگ گئی تھی تو کچھ رنگ اس نے اس گھر کے مکینوں کو دیے تھے۔ محبت کے رنگ، چاہت کے رنگ، خلوص کے رنگ اپنائیت کے رنگ جن کی مٹھاس میں اب اس کے شب و روز بسر ہونے لگے تھے۔

''کیا بات ہے میری بیگم کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

عقب سے صابر کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ یہ شخص واقعی اس کی رگ جاں میں تحلیل ہو رہا تھا مگر دھیرے دھیرے۔

''میں تو ٹھیک ہوں آپ کو ایک خبر سنانی ہے پہلے تو سوچا تھا کہ جب گڈا گھر آئے گا تو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔'' اس نے شرارت سے کہا تھا

''کون آ رہا ہے گھر؟''

صابر نے ناسمجھی سے پوچھا تھا۔

''ہماری زندگی کی پہلی خوشی ہماری اولاد۔''

وہ سر جھکا گئی تھی اور صابر سرخوشی سے اس کا شرمگیں انداز ملاحظہ کر رہا تھا۔

''مگر میں چاہتا ہوں پہلی بیٹی ہو بالکل تمھاری جیسی......''

''نہیں میں نے دعا کی ہے ہمارا بیٹا ہو ہو بہو آپ جیسا۔'' بے یقینی سی صابر کی آنکھوں میں امڈ آئی تھی۔

''میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے بجائے تمھاری دعا قبول ہو۔''

شہر بانو نے صابر کے کندھے پر سر رکھ دیا تھا۔

وفا کے کوہ گراں میں۔ ☆☆

ریمانور رضوان

مثبت سوچ

صبح کے نو بج رہے تھے، ہفتے کا شروع دن یعنی پیر تھا۔ پورے گھر میں افراتفری ہوئی تھی۔ شبانہ بیگم کچن میں کھڑی ناشتا بنا رہی تھیں۔ شازیہ ناشتا میز پر سجا رہی تھی۔ فائق یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ عبدالکریم صاحب ٹی وی پر نیوز سن رہے تھے۔ ام ہانی یونیورسٹی جانے کے لیے ڈوپٹا پریس کر رہی تھی۔

"شازیہ! احمر کو دیکھ' بیوی کے پہلو میں پڑا سو رہا ہوگا۔ کام پر اس کا باپ جائے گا کیا؟" شبانہ بیگم نے توے پر پراٹھا پلٹتے ہوئے عرق آلود پیشانی کو صاف کرتے ہوئے تنفر سے کہا تھا۔ "اچھا امی جاتی ہوں۔" شازیہ دوپٹا شانوں پر برابر کرتی کچن سے نکلی تھی۔

☆☆☆

"احمر! بس اب جلدی سے یہ والی شرٹ پہن لیں، ساڑھے نو بج چکے ہیں، دس بجے آپ کے آفس سے گاڑی آ جائے گی۔" مزنہ فکرمندی سے بولی تھی۔

"یار! یہ وقت کتنی تیز رفتاری سے گزرتا ہے، ابھی تو ہم نے دو پیار بھری باتیں اور کوئی شرارت بھی نہیں کی۔"

احمر محبت لٹاتے لہجے میں بولا تھا۔ نئی نئی شادی تھی۔ مزنہ اور احمر تایا زاد و چچازاد تھے۔ یہ شادی خالصتاً گھر کے بڑوں کی مرضی سے ہوئی تھی۔ مزنہ ملنسار، خوش اخلاق، خوش گفتار لڑکی تھی، جس نے شادی کے پہلے دن سے ہی اپنے مجازی خدا کا دل جیت لیا تھا۔ دونوں کے شب و روز محبت کی پھوار میں بھیگے ہوتے تھے۔

"احمر! امی ناشتے پر انتظار کر رہی ہیں۔" شازیہ جو چوکھٹ پر کھڑی اسے بلانے آئی تھی۔ ناک کرنے پر مزنہ کے دروازہ کھولنے پر جھٹ سے بولی تھی۔

"تم چلو ہم آتے ہیں۔" احمر مسکرا کر بولا تھا۔ اور شرٹ کے کف کے بٹن بند کروانے مزنہ کے پاس چلا آیا تھا۔ مزنہ کو شازیہ کے سامنے حیا آ رہی تھی۔ نظریں جھکائے اس نے بٹن بند کر دیے تھے۔

☆☆☆

"امی! مزنہ ہر وقت تیار رہتی ہے۔ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی۔ بس بہت آرام دے دیا اب کام چاہیے۔ کل اتوار ہے ان کا کھیر میں ہاتھ ڈلوائیں۔" دوپہر کے وقت سب ہی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ مزنہ ام ہانی کے ساتھ ٹی وی پر کوئی ڈراما دیکھ رہی تھی۔

شازیہ سامنے کاؤچ پر مزنہ کو سجے سنورے دیکھ کر طنزیہ بولی تھی۔ مزنہ یک دم ہی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ اسے شازیہ آپی کی بات ناگوار گزری تھی۔

"آپی! بھابھی خفا ہو کر چلی گئیں۔ ابھی تو ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا بھابھی کو گھر آئے، بھابھی کے بنا بھی تو ہم سب مل کر سارا کام کرتے تھے۔ کچھ دن کی بات ہے ساری زندگی کون بٹھا کر کھلاتا ہے۔"

ام ہانی موبائل میں یوٹیوب پہ ڈراما دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ مزنہ کے جانے کے بعد اس نے ٹی وی آف کر دیا تھا۔

"ارے رہنے دو! خود تو اپنی پڑھائی اور دیگر ایکٹیوٹیز میں بزی رہتی ہو، امی صرف ہنڈیا روٹی کرتی ہیں، پورے گھر کا کام میں اکیلے ہاتھ سے کرتی ہوں،

اپنے امی، ابو، بہن، بھائی کا کام کرنا مجھ پر بھاری نہیں، یہ جو ہر وقت بجی سنوری رہتی ہے ناں، کھایا پیا تیار ہوگئی، یہ مجھے پسند نہیں، کبھی بندہ جھوٹے منہ ہی کہہ دیتا ہے کہ آج میں دستر خوان لگا دیتی ہوں، برتن اٹھا دیتی ہوں، فرنیچر صاف کر دیتی ہوں، پانی کی بوتلیں بھر دیتی ہوں، گھر میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے کام ہوتے ہیں۔"

"آپی! اتنا غصہ کس بات کا ہے، میں خود دیکھا ہے بھابھی آپ سے کہتی ہیں کہ شازیہ آپی میں آپ کے ساتھ روٹی بنواؤں تو آپ ہی انکار کر دیتی ہیں کہ ابھی چار دن ہوئے ہیں شادی کو انجوائے کرو، یہ دن دوبارہ نہیں آتے۔ وہ آپ کی بات مان کر مسکرا دیتی ہیں۔ وہ جس کام کو ہاتھ لگاتی ہیں آپ انھیں روک دیتی ہیں۔ وہ آپ کے خلوص اور محبت پر شک نہیں



کرتیں۔اور ویسے بھی بھابھی کی عمر کیا ہے؟ محض اٹھارہ سال......رہنے دو کام کر لیں گی۔"

ام ہانی شازیہ کی کڑوی کسیلی باتوں پر متانت سے بولی تھی۔

"ام! عمر کی کیا بات کر رہی ہو۔میں بیس سال کی ہوں، ماشاء اللہ پورا گھر سنبھالا ہوا ہے،مزنہ اس گھر کی بہو ہے،اس کو مجھ سے زیادہ کام کرنا چاہیے،عمر سے کچھ نہیں ہوتا،شادی کی سمجھ ہے کام کی نہیں، ہر وقت احمر پہ صدقے واری رہتی ہے،خوب جال بن رہی ہے چالاکو۔"

شازیہ نے دوسری تمام باتوں کو پس پشت ڈال کر عمر والی بات کا جواب ہاتھ نچا نچا کر دیا تھا۔

"آپی! آپ اتنا منفی کیوں سوچ رہی ہیں؟ کہاں سے ڈیولپ کر لی ہیں، وہ بھائی کی بیوی ہے، اس کا فرض ہے، اپنے شوہر کو خوش رکھنا، اس کا خیال رکھنا۔عورت کو اپنے خاوند کے لیے ہار سنگار کرنا چاہیے۔ہم ان پر پابندی نہیں لگا سکتے۔کیا پتا بھائی کی خواہش ہو کہ بھابھی بنی سنوری رہا کریں۔میاں بیوی کے درمیان کی باتیں ہمیں معلوم نہ ہوں تو ہمیں مداخلت بھی نہیں کرنی چاہیے"ام ہانی سنجیدگی سے بولی تھی۔

"ام! پلیز مجھے لیکچر نہیں دو۔"وہ زچ ہو کر تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

"ہمارے گھر کا ماحول روایتی سا بننے والا ہے۔"ام ہانی نے تاسف سے سوچا تھا۔

☆☆☆

"احمر! امی کو کہیں ناں میرا کھیر میں ہاتھ لگوائیں، سارا دن یونہی بیٹھی رہتی ہوں۔"احمر ٹی وی پر ٹاک شو دیکھ رہا تھا، مزنہ اس کے شانے سے سر ٹکائے لیٹی تھی۔

"ارے میری جان! کر لینا کام ساری زندگی پڑی ہے۔شازیہ ہے امی ہیں ام ہے اتنے تو گھر میں کام کرنے والے۔ابھی تو ہم نے ہنی مون پر جانا ہے۔شادی کے لیے آفس سے چھٹیاں لے لی تھیں نہ اسی لیے اب کم از کم دو ماہ بعد ہی چھٹی مل سکتی ہے۔ہنی مون سے آنے کے بعد کام میں ہاتھ لگانے کی رسم کر لیں گے۔"

"احمر! دو ماہ بہت لمبا ٹائم ہے۔مجھے تو دو پل نہیں کاٹے جا رہے ہیں۔"وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"ہیں ایسا کیا ہو گیا؟"وہ متعجب ہوا تھا۔

"آج شازیہ آپی بہت غصہ کر رہی تھیں۔"

"ہیں کیوں۔۔۔"

"وہ کہتی ہیں میں آپ کو پھنسا رہی ہوں، مجھے گھر کے کاموں میں آپ کے کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں، مجھے کام کرنے چاہئیں۔"

"کس بات پر کہہ رہی تھی۔"احمر کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"کسس...کسی بات پر نہیں۔"وہ ہکلاتے ہوئے بولی تھی۔

"شازیہ کو کیا ہو گیا ہے،کل پوچھوں گا۔"

"نہیں آپ کچھ نہیں پوچھیں گے۔وہ بولیں گی کہ میں نے چغلی لگائی ہے۔"وہ معصومیت سے بولی تھی۔احمر ہنس رہا تھا۔

"مزنہ! میری جان اک بات ہمیشہ یاد رکھنا،حق بات کہنے سے کبھی نہیں ڈرنا چاہیے، سچائی عیاں کرنی چاہیے،کوئی کچھ بھی کہے حق بات پہ ڈٹے رہنا چاہیے،جب تک ہم حق بات نہیں کریں گے تب تک ناحق بات ہی سنتے رہیں گے۔اپنے آپ کو مضبوط بناؤ۔"

احمر نے اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر سمجھایا تھا،وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

☆☆☆

"امی! آج اتوار ہے کیوں نہ آج کھیر میں ہاتھ ڈلوانے کی رسم کر لی جائے۔"

ناشتے کی میز پر سب موجود تھے،احمر عام سے انداز میں بولا تھا،شازیہ اور ام ہانی کے ہاتھ پر اٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے پل بھر کو رکے تھے۔

"باؤلے ہو گئے ہو کیا؟ آج تمہاری شادی کو، بارہ دن ہوئے ہیں،اتنی جلدی نہیں۔"شبانہ بیگم نے شفقت سے جھڑکا تھا۔

"چاچی جی! پلیز میں گھر کا کام کرنا چاہتی ہوں۔خالی بیٹھے بیٹھے بور ہوتی ہوں۔" مزنہ بھی منمنائی تھی۔

"امی! ہم رات کو دیر تک جاگتے ہیں، چائے پینے کا دل چاہتا ہے، اب میں شادی شدہ ہوں، مزنہ کا فرض ہے میرا ہر طرح سے خیال رکھنا، شازیہ کو کہنا اچھا نہیں لگتا" - احمر نے خوب صورت سا جواز پیش کیا تھا۔

"یہ بات تو بہت اعلا ہے میرے بیٹے کی کہ اسے اپنی بہن کا خیال ہے۔" عبدالکریم صاحب نے شاباش دی تھی۔

"چلو یہ تو بہت اچھا ہے۔رات کی چائے میں میں بھی پارٹنر ہوں گا، بھابھی یاد رکھیے گا۔" فائق مسکرا کر بولا تھا۔مزنہ نے دھیمے سے سر ہلایا تھا۔ شازیہ کے چہرے کے عضلات تنے ہوئے تھے وہ نا خوش تھی۔ام ہانی کو بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔بس سر جھکائے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

"امی! ناشتا میز پر لگا دیا ہے، احمر کہہ رہے ہیں آج چھٹی ہے تو وہ ناشتا کمرے میں کریں گے۔" مزنہ نے جلدی سے ناشتا بنا کر میز سجا دی تھی، اور ساتھ ہی اپنی ٹرے بھی بنالی تھی۔

"امی! ایک ساتھ کھانے میں برکت اور محبت ہوتی ہے۔" شازیہ ٹوکے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"آپی! اس محرک کی وجہ آپ ہیں۔"

ام ہانی صاف گوئی سے بولی تھی۔

"ہمم۔۔۔ ہیں۔۔۔ کیسے۔۔۔؟" وہ گڑبڑا گئی تھی۔

"آپ کے رویے کی وجہ سے بھابھی نے شادی کے بعد فوراً کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

آپ کیا سمجھتی ہیں آپ بھابھی کو جائز و ناجائز ہر طرح کی بات سنائیں گی اور وہ سنیں گی۔ہر گز نہیں ابھی تو وہ نئی ہیں بھائی کے ذریعے جواب آئے گا، جب وہ ہمارے ساتھ رہ کر ہمیں اچھی طرح جان جائیں گی تو نہلے پہ دہلا ہوا کرے گا، دوبدو جواب دیا کریں گی۔کوئی بھی بہو خود سے الگ نہیں ہوتی، سسرالی رشتے ایسا کرنے کا موجب بنتے ہیں، آج بھائی ناشتا الگ کر رہے ہیں، آپ کا رویہ ایسا ہی رہا تو آنے والے وقت میں بھائی شاید ہمارے ساتھ رہنا بھی پسند نہ کریں، عقلمندی اسی میں ہے بھابھی کے ساتھ رویہ درست رکھا جائے، ہم ان کا خیال رکھیں گے محبت سے پیش آئیں گے تو وہ بھی ہمارا خیال رکھیں گی، محبت سے پیش آئیں گی۔" شازیہ آپی اور شبانہ بیگم کے چہرے پر متفکر کے سائے لہرا رہے تھے۔

ام ہانی چائے کی چسکیاں لے رہی تھی۔شازیہ آپی کی خاموشی سے، صاف ظاہر تھا کہ ام ہانی نے دلیل سے انہیں ان کی غلطی کا احساس دلایا ہے۔

مزنہ اپنے کمرے سے ناشتے کی ٹرے لے کر نکلی تھی۔اور سیدھی کچن میں چلی گئی تھی۔جھٹ اس نے کچن صاف کر لیا تھا۔چولہا صاف ستھرا سلیب صاف تھے۔مزنہ کو کیبنیٹ کی سیٹنگ کا علم نہ تھا۔اسی لیے دھلے ہوئے برتن اس نے باسکٹ میں ہی رکھے رہنے دیے تھے۔اک گھنٹے بعد وہ کچن سے نکلی تو ام ہانی، شازیہ آپی اپنی مما کے سنگ باتوں میں مشغول تھیں۔مزنہ بھی وہاں ہی آکر بیٹھ گئی تھی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" مزنہ نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"ارے بھابھی ہم پنجاب والی خالہ کی باتیں کر رہے ہیں"۔ام ہانی چہکی تھی جبکہ شازیہ آپی کا منہ سا بن گیا تھا۔

☆☆☆

"امی یہ دیکھیے اپنی سگھڑ بہو کے کام برتن دھو کر احسان کر دیا ہے۔یہ سیٹ کون کرے گا۔"

"شازیہ نے کچن میں قدم رکھتے ہی غصہ کیا تھا۔

"شازیہ! اس کے لیے نیا گھر ہے۔دو چار دن میں اسے سب کام سمجھ میں آجائیں گے۔اتنا ہی بہت

ہے۔ جتنا اس نے کر دیا ہے۔" شبانہ بیگم غیر جانبدارانہ انداز میں بولی تھیں۔

"مما! مزنہ کے کام میں صفائی نہیں ہے۔" وہ تلخی سے بولی تھی۔

واقعی لڑکی کتنی ہی سگھڑ کام دیدہ محنتی کیوں نہ ہو میکے والوں کے لیے ہی ہوتی ہے۔ سسرال میں ہر لڑکی کو ست کاہل کام چور جیسے القابات سے ہی نوازہ جاتا ہے۔ مزنہ اپنے روم کا جگ بھرنے آئی تھی سوچ کر رہ گئی تھی۔ اللہ جی یہ شازیہ آپی کس طرح کی ہیں منہ پر کچھ پیچھے کچھ۔ میری تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ جب شادی نہیں ہوئی تھی گھر آتی تھی تو کہتی تھیں کہ مزنہ پریشان نہ ہونا میں ہوں نہ میں سارے گھر کا کام چٹکی بجا کر لیتی ہوں۔ تم میرے لیے ام ہانی کی طرح ہو۔

مزنہ پرانے دنوں کی باتیں یاد کر رہی تھی۔

☆☆☆

مزنہ کی طبیعت کئی دنوں سے گری گری تھی۔ شبانہ بیگم یونہی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں۔ خوش خبری سے تو وہ کھل اٹھی تھی۔ دن یونہی گزرتے جا رہے تھے۔

"مزنہ! بیٹا طبیعت ٹھیک نہیں تو آرام کرلو۔" شبانہ بیگم اسے کمرے سے نکلتا دیکھ کر پر شفقت بھرے انداز میں بولی تھیں۔ مزنہ ماں کے مرتبہ پر فائز ہونے والی تھی۔ پریگننسی کے آخر کے دن چل رہے تھے۔ ابھی بھی اسے بخار تھا۔ اسے معلوم تھا اگر اس نے ایک وقت کی روٹی نہیں بنائی تو شازیہ آپی طعنے مار مار کر جینا دوبھر کر دیں گی۔ اسی لیے وہ ہمت کر کے اٹھی تھی۔

"چاچی جی! مجھے روٹی بنانی ہے۔" وہ نقاہت زدہ سی بولی تھی۔

"تم بیٹھو میں بنا لیتی ہوں۔" شبانہ بیگم نے اسے کچن میں نہ جانے دیا تھا۔ اور خود گرمی میں روٹی بنانے لگی تھیں۔ مزنہ انھیں دل سے دعائیں دے رہی تھی۔ احمر لنچ کرنے آنے ہی والا تھا۔ مزنہ اپنے روم میں آ گئی تھی۔ بیٹھا نہیں جا رہا تھا سوچا کچھ دیر لیٹ جاتی ہوں۔

☆☆☆

"السلام علیکم مما۔"

"وعلیکم السلام بیٹا۔ بس پانچ منٹ لگیں گے تم منہ ہاتھ دھو کر آؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔" شبانہ بیگم مصروف سے انداز میں بولی تھیں۔

"مما! آپ اتنی گرمی میں کچن میں کام کیوں کر رہی ہیں۔ مزنہ کہاں ہے؟" وہ فکرمندی سے بولا تھا۔

"ارے بیٹا! مزنہ کہاں کام کرتی ہے۔ ماشا اللہ سے شازیہ نے ہی گھر سنبھالا ہوا ہے۔"

وہ عرق آلود پیشانی کو ڈوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے بولی تھیں۔

"مزنہ! کام کرتی تو ہے۔" وہ فوراً ہی بولا تھا۔

"بیٹا! ذمہ داری سے کام کرنے میں ہی مزے داری ہوتی ہے جب دل چاہا کر لیا جب دل چاہا نہ کیا' اس طرح کام نہیں ہوتے۔ زیادہ تر شازیہ ہی کرتی ہے۔ اب دیکھو وہ بچوں کو سپارہ پڑھا رہی ہے۔ اور مزنہ کے ذمے ہے روٹی بنانا وہ تو جب سے تم آفس گئے ہو۔ کمرے سے نکل کر ہی نہیں آئی۔ اب دیکھو تم لنچ کرنے آئے ہو میں نہیں بناتی تو شازیہ کو ہی بنانی پڑتی۔"

وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔

مزنہ کچن کی دہلیز پر متحیر سی کھڑی تھی۔ اب وہ یہی سوچ رہی تھی کہ احمر روم میں آ کر مجھ سے ضرور پوچھیں گے کہ تم صبح سے روم میں سے نہیں نکلیں وہ جلدی سے اپنے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ احمر روم میں آیا۔ سائیڈ کی میز پر اپنا موبائل وائلٹ رکھ کر واش روم گیا تھا اور دروازہ زور سے بند کیا تھا۔ مزنہ جھٹ اٹھ بیٹھی تھی۔ احمر واش روم سے نکلا تو اک خشمگیں نگاہ اس پر ڈال کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ مزنہ کو احساس ہو رہا تھا کہ احمر کا دل اس کی طرف سے برا ہو گیا ہے۔ بدگمانی کا بیج بویا جا چکا

تھا۔ احمر اب اکثر و بیشتر اسے اسی طرح نظر انداز کر دیا کرتا تھا۔ وہ تاسف سے سوچ رہی تھی۔

حیرت کی انتہا ہوتی ہے جب ایک ہی گھر میں رہنے والے افراد سے اک دوسرے کے بارے میں بے پناہ وثوق سے جھوٹ سچ کہہ دیا جاتا ہے۔ اور دل ان عقلمندوں کی عقل پر ماتم کرنے کو چاہتا ہے کہ وہ کسی بھی تیسرے فرد پر یقین کر لیتے ہیں جبکہ اک ہی چھت تلے رہنے میں بات کی تصدیق کرنے میں نجانے کیا قباحت حائل ہوتی ہے۔ احمر مجھ پر اعتبار کر کے مجھ سے کسی بات کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ مجھے احمر کے محبت بھرے ساتھ کی کتنی شدید ضرورت ہے۔ میں کتنی تکلیف دہ عمل سے گزر رہی ہوں بجائے میری دلجوئی کے مجھ سے بدگمان ہو گئے ہیں۔

وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنی ہی بددل ہو رہی تھی۔

☆☆☆

احمر اب مزنہ کا اس طرح خیال نہیں رکھتا تھا۔ اب وہ اکثر اوقات خاموش رہنے لگا تھا۔ مزنہ کو اس وقت اس کی چاہت و توجہ کی ضرورت اب بہت زیادہ تھی۔ میاں بیوی کے درمیان جب کوئی تیسرا فرد رنجشیں پیدا کر رہا ہوتا ہے تو یہی ہوتا ہے۔ آج مزنہ نے سوچ لیا تھا وہ احمر سے ضرور اس کے رویے کی بابت دریافت کرے گی۔ وہ جیسے ہی کمرے میں آیا تو مزنہ اس کے روبرو آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''احمر! کیا بات ہے آپ کس بات پر مجھ سے ناراض ہیں۔'' مزنہ نے اس کا ہاتھ تھاما ہی تھا کہ اس نے جھٹ چھڑا لیا تھا۔

''احمر۔۔۔'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''مزنہ! تم ایسی نکلو گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

احمر غصے سے دانت بھینچ کر بولا تھا۔

''کک۔۔۔کیا۔۔۔مطلب۔۔۔کیسی۔۔۔'' وہ تحیر زدہ بولی تھی۔

''تم اتنی زیادہ بد زبان و بد لحاظ ہو کہ بس۔۔۔''

''کیا بس'' احمر میں اور بدتمیز۔ آپ کے گھر میں میرے لیے انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کیے جاتے رہے اور میں ہمیشہ خاموش رہی۔ شازیہ آپی اور آپ کی مما مجھے کیا کچھ نہیں کہتے رہیں لیکن میری مما نے ایک ہی بات سکھائی کہ ایک چپ سو سکھ۔ میں اسی مصداق پر قائم تھی۔ آپ کے رویے کی سرد مہری نے میری چپ کو توڑ دیا ہے۔ میں نے آج تک اس گھر میں کسی سے کوئی بدتمیزی نہیں کی ہے میرا یقین کیجیے۔ وہ روندھی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''تم جھوٹ نہیں بولو۔ مجھے جھوٹ سے لڑائی جھگڑے سے نفرت ہے، یہ بات میں نے تمہیں شادی کے اولین دنوں میں ہی باور کرادی تھی۔'' وہ اسے یاددہانی کراتا ہوا بولا تھا۔

''اگر میں جھوٹی نکلی تو جو چاہے سزا دیجیے گا میں اف تک نہیں کروں گی۔'' مزنہ نے اٹل لہجے میں کہا تھا۔

☆☆☆

موسم تبدیل ہو رہا تھا۔ احمر آفس سے آیا تھا اس کے سر میں شدید درد تھا۔ وہ کاؤچ پر ہی دراز ہو گیا تھا۔ مزنہ کڑی چاول بنا کر ابھی روم میں گئی تھی۔ شازیہ، ام ہانی شبانہ بیگم تینوں ٹی وی پر کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔ احمر نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تھی اسے مزنہ کہیں دکھائی نہیں دی تھی تو وہ مما سے پوچھنے لگا تھا۔

''مما! مزنہ کہاں ہے؟'' مزنہ تیار ہو کر روم سے نکل ہی رہی تھی کہ جھٹ سے بولی تھی۔

''میں یہاں ہوں۔ صبح سے سارا دن کچن میں گزرا ہے کڑی چاول بنائے ہیں تھک کر چور ہو گئی'' مزنہ مسکرا کر بنا ڈرے بنا جھجکے کہہ رہی تھی۔

''بیٹا! تم اکیلی تو نہیں تھیں میں بھی تمہارے ساتھ تھی۔'' شبانہ بیگم جھٹ بناوٹی مسکراہٹ کے ساتھ پیار جتاتے ہوئے بولی تھیں۔

مزنہ نے اب سوچ لیا تھا کہ وہ دوبدو جواب دے گی جب اس کے بارے میں اس کے شوہر سے یہ بات اتنے وثوق سے کہی گئی ہے کہ وہ زباں دراز ہے تو اب وہ حق بات کہے گی۔ حق بات کہنے والے

کو ہمارے یہاں گستاخ کہا جاتا ہے۔منافقانہ عمل میں سرگرم لوگ حق بات کو بڑی ہی دیدہ دلیری سے جھٹلا دیتے ہیں۔مزنہ شبانہ بیگم کی بات پر لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔

وہ درگزر کرتی کچن میں احمر کے لیے پانی لینے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

مزنہ بریانی تیار کرکے کچن سے نکلی کہ اب کچھ دیر آرام کرے گی تو دیکھا۔شازیہ آپی سر پر دوپٹا باندھے لیٹی تھیں۔مزنہ سیدھی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو پیچھے سے شبانہ بیگم نے پرشفقت لہجے میں کہا۔

''مزنہ! بیٹا دو کپ اسٹرانگ چائے بنادو۔''

''معذرت چاچی جی مجھ سے مزید کھڑا نہیں ہوا جارہا۔'' مزنہ یہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔اگر وہ کمرے سے نہ نکلتی تو کوئی پانی بھی پلانے کا روادار نہ ہوتا خیریت تک نہ پوچھی جاتی۔وہ شبانہ بیگم کے دہری پالیسی کو پہچان گئی تھی منہ پہ کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ جب انہیں احمر کے کان بھرنے ہیں تو میں پھر بری ہی سہی۔

''مزنہ اب تو منہ پر ہی صاف جواب دینے لگی ہے۔'' شبانہ بیگم کا لہجہ تشویش ناک تھا۔

''امی! انہیں ہم نے ہی سکھایا ہے۔'' ام ہانی اطمینان سے بولی تھی۔''میں تو کہتی تھی عزت کروگے تو عزت پاؤ گے۔''

☆☆☆

''فائق بیٹا! تو ہی دو پل ماں کے ساتھ گزار لیا کر میرا دل چاہتا ہے کہ میرے بیٹے مجھ سے باتیں کریں۔'' شبانہ بیگم نحیف سی آواز میں بولی تھیں۔

''مما! بس پڑھائی کی مصروفیت ہے۔'' وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر دراز ہوا تھا۔

''میرا احمر تو ایسا بیوی کا ہوا ہے کہ اسے ماں بہنوں کی پروا نہیں۔مزنہ سے ایسی امید نہ تھی میں تو اسے اپنی ام ہانی اور شازیہ کی طرح ہی سمجھتی تھی اس نے مجھے کبھی ماں نہیں سمجھا۔ہمسنہ احمر کا دل برا کیا ہے۔وہ اتنے کان بھرتی ہے کہ اللہ ہی بچائے۔''

''احمر بھائی صبح و شام پہلے آپ کے پاس آتے ہیں پھر روم میں جاتے ہیں۔'' فائق متحیر زدہ سا بولا تھا۔

روم کے جگ میں پانی ختم ہوگیا تھا احمر پانی بھرنے کچن میں جارہا تھا تو مما کی باتیں سن کر اس کے قدم رک گئے تھے وہ تو ماں کی باتیں سن کر دنگ رہ گیا تھا اسے یقین نہیں ہورہا تھا۔وہ تو اپنی ماں کو اتنا سچا کہتا تھا کہ وہ مزنہ کو جھٹلا دیتا تھا۔

کچھ لمحے چپ چاپ گزر گئے وہ مردہ قدموں سے کمرے میں واپس آگیا تھا اس کا دماغ ماؤف ہورہا تھا۔

☆☆☆

مزنہ کا چیک اپ تھا اس کا بلڈ پریشر ہائی تھا۔ڈاکٹرز نے ڈھیروں ہدایات جاری کردی تھیں۔دوا لینے کے بعد احمر اسے مقامی پارک میں لے آیا تھا کہ اس کے ڈسٹرب ذہن کو پر فضا ماحول میں کچھ سکون ملے۔

''مزنہ! پلیز اپنا خیال رکھا کرو' ہمارے بچے کو بھی پرابلم ہوسکتی ہے۔'' احمر سامنے شاپ سے جوس اور چپس کا پیکٹ لے کر آیا تھا۔اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ محبت بھرے انداز میں بولا تھا۔

''احمر ہم نے پسند کی شادی تو نہ کی پھر میرے ساتھ چاچی جان اور شازیہ آپی کا رویہ مجھے بہت افسردہ کرتا ہے۔'' مزنہ روہانسی ہورہی تھی۔

''یار جانے دو بس مجھے بھی اللہ پاک نے سچائی سے آگاہ کردیا ہے۔دس دن ہوگئے ہیں۔میں کتنا مضطرب ہوں تمہیں کیا بتاؤں۔بس میں یہی سوچتا ہوں کہ میں کہاں غلط ہوں۔ہر کام میں پیش پیش' منہ سے نکلی بات فوری پوری کردیتا ہوں۔جیسے تمہارے لیے شاپنگ کرتا ہوں اسی طرح امی اور دونوں بہنوں کے لیے کرتا ہوں کس کے حقوق ادا نہیں کررہا خوش اسلوبی سے۔سب حقوق پورے کررہا ہوں اپنی جانب سے۔اس کے باوجود اتنی کدورت کہ میں

دو غلے پن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سادی طبیعت کا سیدھے مزاج کا انسان ہوں۔ خوش رہتا ہوں پرسکون رہنا چاہتا ہوں۔ اپنی ذات سے سب کو خوش رکھنا چاہتا ہوں۔ اتنی کوشش کے بعد بھی کوئی خوش نہ ہو تو کیا کیا جائے۔ اپنوں سے کنارہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن منافقت کے ساتھ گزارا بھی ۔۔۔ نہیں ہوتا۔"

وہ دکھ سے کہہ رہا تھا مزنہ کو فائق اور مما کے درمیان کی ساری بات گوش گزار دی تھی۔ مزنہ تلخی سے بولی تھی۔

"جو ماں باپ یا بہن بھائی اپنے سگے بھائی یا بیٹے کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے وہ بہو سے کیسے محبت کرسکتے ہیں۔ بھائی یا بیٹا اچھے برے وقت میں کام آئے دل سے گھر والوں سے محبت کرے۔ اس کی محبت کی کوئی وقعت نہیں۔ بے موقع و محل بنا وجہ کے لڑائی جھگڑوں میں اسے یہ کہہ دینا کہ یہ تو بیوی کا غلام ہے۔ بیوی کا ہر حکم بجالاتا ہے۔ بیوی کے اشاروں پر چلتا ہے۔ یہ سب باتیں اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ شوہر کے گھر والوں کو میاں بیوی کا ہنسی خوشی رہنا برداشت نہیں ہوتا۔ بنا کسی جواز نکتہ چینی، رشتوں میں دراڑ ڈال دیتی ہے۔ رشتے محبت و خلوص سے نبھائے جاتے ہیں۔

رب العزت نے ہر رشتے کا ایک مقام اور حدود مقرر کی ہیں۔ ماں، بہن بیوی بیٹی۔ ہر رشتہ ترتیب وار ہے۔ ہر رشتے کا رتبہ چاہت محبت الگ الگ ہے۔ مرد سب کو چاہتا ہے۔ لیکن بیوی کا خیال رکھنا اسے عزت دینا نجانے کیوں سسرالی رشتوں کی آنکھ میں کھٹکتا ہے۔

ہر سسرال میں بہو سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ سسرال میں سب کا خیال رکھے۔ سب کو عزت دے۔ محبت دے۔ گھر کو سنبھالے بڑوں کا ادب کرے۔ سسرال والے بہو کو کوئی عزت اور اہمیت نہ دیں بہو کے مقابل ہمیشہ بیٹی کو ہی فوقیت دی جائے۔ بہو کے ہر کام میں عیب نکالے جائیں۔ وہ اپنی بساط سے بڑھ کر بھی کرے تو کوئی تعریف و توصیف کرنے والا نہیں ہوتا ایسے میں وہ بہو کیا کرے گی۔ بددل ہی ہوگی نہ۔ سب چاہتے ہیں بہو سب سے محبت کرے۔ تو کیا بہو نہیں چاہتی کہ سب اس سے محبت کریں۔ چار لوگ بیٹھے قہقہے لگا رہے ہوتے ہیں بہو کے آتے ہی جمود طاری کیوں ہو جاتا ہے۔ بہو دکھ درد میں بڑھ چڑھ کر کام کرے بہو کے دکھ درد میں اسے کمرے میں محدود رہو کہہ کر جان چھڑا لی جاتی ہے۔ بہو کے بیڈ روم میں کیا میکے سے نوکر بھیجے جاتے ہیں جو اس کی تیمارداری کرتے ہیں۔"

"مزنہ! تم حق بجانب ہو۔ تمہاری ہر بات سچی ہے۔ ہم کیا کریں ازل سے چلا آرہا ہے یہ ساس نند اور بہو بھاوج کے رشتے کا تناؤ کبھی ختم ہوگا بھی یا نہیں لیکن مجھے تم پر بھروسا ہے کہ تم اپنی جگہ درست ہو غلط مما اور آپی ہیں۔ انہیں میں لاکھ قائل کرنے کی کوشش کرلوں ان کے دل تو اتنی بدگمانی کی لپیٹ میں ہیں کہ وہ میری کسی بات پر یقین نہیں کریں گی۔ بلکہ وہ مجھے زن مرید کہہ کر اپنے دل کی مزید بھڑاس نکالیں گی۔ اپنی لائی ہوئی بہو سے نہ خوش ہونے والے لوگ پسند کی شادی کرنے والے بیٹے کا کیا حال کرتے ہوں گے۔ مجھے تو سوچ کر ہی جھرجھری آتی ہے۔" وہ تاسف سے کہہ رہا تھا۔

"مزنہ میری تم سے بس اتنی گزارش ہے کہ تم اپنی طرف سے گھر کے ماحول کو خوش گوار رکھنے کی بھرپور کوشش کروگی اور میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں آج کے بعد تم سے کبھی بدگمان نہیں ہوں گا۔" مزنہ نے احمر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اپنے تعاون کا یقین دلایا اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر سکون سے آنکھیں موندلیں آنے والے دن یقیناً کٹھن تھے، لیکن اسے یقین تھا کہ احمر کا ساتھ انہیں آسان بنادے گا۔

☆☆

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

القرآن

"یہ ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام ہم نے ہی فرض کیے ہیں اور ہم نے اس میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو۔ بدکار عورت اور بدکار مرد پس دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو درّے مارو اور تمہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر ذرا رحم نہ آنا اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔ بدکار مرد سوائے بدکار عورت یا مشرکہ کے نکاح نہیں کرے گا اور بدکار عورت سے سوائے بدکار مرد یا مشرک کے اور کوئی نکاح نہیں کرے گا اور ایمان والوں پر یہ حرام کیا گیا اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسّی درّے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ نافرمان ہیں مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور درست ہوگئے تو بے شک اللہ بھی بخشنے والا' نہایت رحم والا ہے۔

(سورہ نور۔ آیت 1 سے 5)

نماز کے لیے سکون کے ساتھ جانا چاہیے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نماز کے لیے دوڑتے ہوئے مت آیا کرو بلکہ اطمینان اور سکون کے ساتھ آیا کرو' جتنی نماز مل جائے وہ پڑھ لیا کرو اور جو رہ جائے اسے مکمل کرلیا کرو۔"

(مسند احمد: جلد چہارم حدین 3606)

خیالات کی مہک

☆ آدمی کے نماز روزے کو نہیں، اس کے معاملے کو دیکھو اگر معاملے کا ٹھیک ہے تو عبادت کا بھی درست ہوگا (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

☆ جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

☆ علم بغیر عمل بھی فائدہ مند اور عمل بغیر علم کے بے فائدہ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

☆ اپنوں کو ہمیشہ اپنے ہونے کا احساس دلاؤ ورنہ وقت آپ کے اپنوں کو آپ کے بغیر جینا سکھا دے گا (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)۔

لیلیٰ رب نواز...... ودھیوالی، بھکر

حکایات رومی

حضرت لقمان علیہ السلام ایک شخص کے غلام تھے، وہ امیر اپنے تمام غلاموں کو میوہ چننے کے لیے باغ روانہ کیا کرتا تھا۔ وہ غلام جو میوے جمع کرتے تھے ان میں سے خود بھی کھا جاتے تھے، سوائے لقمان علیہ السلام کے۔ ایک بار امیر کو خبر ہوگئی اس نے دریافت کیا تو غلاموں نے جواب دیا۔

"لقمان کھا گیا۔" امیر' حضرت لقمان علیہ السلام پر ناراض ہوئے، حضرت لقمان علیہ السلام نے عرض کی کہ "مالک! بہتر یہ ہے کہ آزمائش کی جائے، اس کی صورت یہ ہے کہ گرم پانی سب کو پلایا جائے اور ایک جنگل میں تو سوار ہو کر گھوڑا دوڑا اور ہم سب گھوڑے کے ساتھ دوڑیں، اس کے بعد بھید دل

کے کھولنے والے خدا کی امداد سے تو اصلی چور کو پا جائے۔" امیر نے ایسا ہی کیا، اس دوڑ دھوپ سے غلاموں کا جی مالش کرنے لگا اور آخر کار سارا کھایا پیا نکل گیا اور حضرت لقمان علیہ السلام کو جو تے ہوئی بالکل صاف اور ان کے معدے سے صرف پانی نکلا۔

سبق: جب حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت یہ کچھ کر سکتی ہے تو مالک الملک کی حکمت کھوٹے کھرے کو الگ کر دکھانے میں کیا کچھ کر سکتی ہے۔

فضہ نور...... روہڑی

بلھے شاہ

پھلا داں تو عطر بنا
عطراں دا فرکڈ دریا
دریا وچ فرج کے نہا
مچھلیاں وانگوں تاریاں لا
فروی تیری بو نیئں مکنی
پہلے اپنی "میں" مکا

موتی مالا

❁ کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو، دنیا تم میں نہ رہے کیونکہ کشتی جب پانی میں رہتی ہے تو خوب تیرتی ہے لیکن جب پانی کشتی میں آ جاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔

❁ دو دن کی زندگی ہے اسے دو ہی اصولوں پر گزار دو، رہو تو پھولوں کی طرح اور بکھرو تو خوشبو کی طرح۔

❁ زندگی ایسے جیو کہ کوئی ہنسے تو تمہاری وجہ سے ہنسے، تم پر نہیں اور اگر کوئی روئے تو تمہارے لیے روئے، تمہاری وجہ سے نہیں۔

فاخرہ بتول...... موڑہ ڈھیال

ہنسنا منع ہے

خاتون ایمرجنسی نمبر پر ایمبولینس کو فون کرتی ہے۔

آپریٹر: "یس پلیز۔"

خاتون: "میرے پاؤں کی انگلی چائے کی میز سے ٹکرا گئی ہے۔"

آپریٹر ہنستے ہوئے: "اور اس کے لیے آپ ایمبولینس بلانا چاہتی ہیں۔"

خاتون: "نہیں ایمبولینس تو میرے شوہر کے لیے، انہیں ہنسنا تو نہیں چاہیے تھا نا۔"

میں نے اپنا حق لے لیا ہے

وکالت میں بھی قائداعظم کے کچھ اصول تھے جن سے وہ تجاوز نہیں کرتے تھے، وہ جائز معاوضہ لیتے تھے مثلاً ایک تاجر ایک مقدمہ لے کر آیا۔

موکل: "میں چاہتا ہوں کہ آپ اس مقدمہ میں میری وکالت کریں آپ کی فیس کیا ہوگی۔"

قائداعظم: "میں مقدمے کی حساب سے نہیں، دن کے حساب سے فیس لیتا ہوں۔"

موکل: "کتنی؟"

"قائداعظم: "پانچ سو روپے فی پیشی۔"

موکل: "میرے پاس اس وقت پانچ ہزار روپے ہیں، آپ پانچ ہزار میں ہی میرا مقدمہ لڑیں۔"

قائداعظم: "مجھے افسوس ہے کہ میں یہ مقدمہ نہیں لے سکتا، ہو سکتا ہے کہ یہ مقدمہ طول پکڑے اور یہ رقم ناکافی ہو۔ بہتر ہے کہ آپ کوئی اور وکیل کر لیں کیوں کہ میرا اصول ہے میں فی پیشی فیس لیتا ہوں۔"

چنانچہ قائداعظم نے اپنی شرط پر مقدمہ لڑا اور اپنی فراست سے مقدمہ تین پیشیوں ہی میں جیت لیا اور فیس کے صرف پندرہ سو وصول کیے۔ تاجر نے پانچ ہزار دینے چاہے، قائداعظم نے کہا۔

"میں نے اپنا حق لے لیا ہے۔"

مقدس آصف...... رائے ونڈ، لاہور

بڑے لوگ، بڑی باتیں

❁ بعض لوگ پیدائشی عظیم ہوتے ہیں، بعض جدوجہد کر کے عظیم بنتے ہیں اور بعض پر عظمت مسلط کر دی جاتی ہے۔ (شیکسپیئر)

❁ دنیا کا سب سے بڑا اور بدترین گناہ افسوس

ہے۔(برنارڈ شا)

❁ مسرتیں پروان چڑھتی ہیں جہاں اعتماد کے بیج کی آبیاری ہو۔(جان ملٹن)

❁ کانٹوں سے ڈرنے والی انگلیاں، پھولوں کی نرمی محسوس نہیں کر سکتیں۔(خلیل جبران)

❁ جو شخص زیادہ سوچنے والا ہوتا ہے وہ سب سے صحیح کام کرتا ہے۔(روزویلیٹ)

❁ میں خوش رہتا ہوں کیونکہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔(آئن اسٹائن)

❁ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ مرنے کے بعد بھی لوگ تمہیں یاد رکھیں تو کچھ ایسی باتیں کہو جو پڑھی جائیں یا کچھ ایسے کام کرو جو دیکھے جانے کے قابل ہوں۔ (فرینکلن)

❁ گالی کا جواب نہ دو کہ کبوتر' کوّے کی بولی نہیں بول سکتا۔(فیثا غوث)

❁ حق جتانے سے حق ثابت نہیں ہوتا۔ (ٹیگور)

کنول شاہین قیصر......تلہ گنگ

حرص و حسد

جب حضرت نوح علیہ السلام اپنے امتیوں کو لے کر کشتی میں بیٹھے تو انہیں کشتی میں ایک بوڑھا نظر آیا، اسے کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا۔ آپ علیہ السلام نے ہر چیز کا جوڑا جوڑا کشتی میں بٹھایا تھا مگر وہ اکیلا تھا، لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے پوچھا۔

''بتاؤ تم کون ہو؟''

وہ کہنے لگا۔''جی میں شیطان ہوں، آپ مجھے معاف فرمادیں۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ ''ہم ایسے نہیں چھوڑیں گے تو ہمیں اپنے گر بتا جس سے تو لوگوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا تا ہے۔''

شیطان کہنے لگا۔''میں دو باتوں سے انسان کو زیادہ نقصان پہنچاتا ہوں ایک ''حسد'' اور دوسرا ''حرص'' وہ پھر کہنے لگا۔

حسد ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے میں خود برباد ہوا اور حرص وہ چیز ہے جس کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا۔ اس لیے میں ان ہی دو چیزوں کی وجہ سے انسانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا تا ہوں۔''

شازیہ ہاشم میواتی......کھڈیاں خاص' قصور

روشن الفاظ، روشن تحریر

◉ دوسروں کی تلخی کو نظر انداز کیجیے کیونکہ تلخی پیدا کرنے والے حالات ہوتے ہیں' حالات کو معاشرہ جنم دیتا ہے اور معاشرے کی تشکیل ہم کرتے ہیں۔

◉ اگر آپ سب کچھ کھو چکے ہیں تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے اس کے پاس پانے کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔

◉ دھوکا ہو یا دکھ تب ان کا صدمہ زیادہ اور حملہ شدید ہوتا ہے جب انسان ذہنی طور پر تیار نہ ہو۔

فوزیہ ثمر بٹ' ہانیہ عمران......گجرات

بس ہم سے بین نہیں ہوتے

جب آنکھ میں نیند اتر آتی ہے
کہ وصل کا خواب نہیں ہوتا
اور بے داری کے عالم میں
کہ ہجر عذاب نہیں ہوتا
کب تیری دید کی خواہش میں
پاگل یہ نین نہیں ہوتے
کہ ہم بے چین نہیں ہوتے
بس ہم سے بین نہیں ہوتے
بس ہم سے بین نہیں ہوتے

(راشد مراد)

افشاں سمیع......کراچی

☆☆

بُشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

رباب راجپوت، کی ڈائری میں تحریر
امجد اسلام امجد کی غزل

میری راتیں تیری یادوں سے سجی رہتی ہیں
میری سانسیں تیری خوشبو سے بسی رہتی ہیں

میری آنکھوں میں تیرا سپنا سجا رہتا ہے
ہاں میرے دل میں تیرا عکس بسا رہتا ہے

اس طرح میرے دل کے بہت پاس ہو تم
جس طرح پاس ہی شہ رگ کے خدا رہتا ہے

تم کو معلوم بھی شاید کبھی ہو کہ نہ ہو
میرے آنگن میں لگے پھول گواہی دیں گے

میں نے عرصے سے کسی پھول کو دیکھا بھی نہیں
تجھ کو سوچا ہے تو پھر تجھ کو ہی سوچا ہے فقط

تیرے سوا کسی اور کو سوچا بھی نہیں
تم کو معلوم بھی شاید کبھی ہو کہ نہ ہو

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر
اعتبار ساجد کی غزل

اُس نے کہا مجھ سے تمہیں کتنا پیار ہے
میں نے کہا ستاروں کا بھی کوئی شمار ہے

اُس نے کہا کون تمہیں ہے بہت عزیز
میں نے کہا دل پہ جسے اختیار ہے

اُس نے کہا کون سا تحفہ ہے من پسند
میں نے کہا وہ شام جو اب تک اُدھار ہے

اُس نے کہا خزاں میں ملاقات کا جواز؟
میں نے کہا قرب کا مطلب بہار ہے

اُس نے کہا سینکڑوں غم زندگی میں ہیں
میں نے کہا کیا غم ہیں جب غم گسار ہے

اُس نے کہا کہ ساتھ کہاں تک نبھاؤ گے
میں نے کہا کہ جتنی یہ سانسوں کی تار ہے

بیا اسامہ انجم، کی ڈائری میں تحریر
افتخار مغل کی غزل

کسی سبب سے اگر بولتا نہیں ہوں میں
تو یوں نہیں کہ تجھے سوچتا نہیں ہوں میں

میں تم کو خود سے جدا کر کے کس طرح دیکھوں
کہ میں بھی "تم" ہوں، کوئی دوسرا نہیں ہوں میں

تو یہ بھی طے کہ بچھڑ کر بھی لوگ جیتے ہیں
میں جی رہا ہوں اگرچہ جیا نہیں ہوں میں

کسی میں کوئی بڑا پن مجھے دکھائی نہ دے
خدا کا شکر ہے کہ اتنا بڑا نہیں ہوں میں

مری اٹھان کی ہر اینٹ میں نے رکھی ہے
میں خود بنا ہوں! بنایا ہوا نہیں ہوں میں

یہاں جو آئے گا وہ خود ہار جائے گا
قمار خانۂ جاں میں نیا نہیں ہوں میں

مرے وجود کے اندر مجھے تلاش نہ کر
کہ اس مکان میں اکثر رہا نہیں ہوں میں

میں ایک عمر سے خود کو تلاشتا ہوں مگر
مجھے یقین نہیں، ہوں بھی یا نہیں ہوں میں

میں اک گماں کا امکاں ہوں افتخار مغل
کہ میں ہو تو سکتا ہوں لیکن ہوا نہیں ہوں میں

انوش ابصار، کی ڈائری میں تحریر

شہزاد نیّر کی غزل

تم گئے تو جہان بھی نہ رہا
دل کو دُنیا کا دھیان بھی نہ رہا

کیا زمانہ تھا، ہم بھی ہوتے تھے
اب ہمارا گمان بھی نہ رہا!

خاک پر میرے ساتھ آ بیٹھے
کیا تمہارا مکان بھی نہ رہا؟

سرحدِ جسم سے نکلتے ہیں
کیا زمین، آسماں بھی نہ رہا

اس طرح مٹ گیا ہوں دُنیا سے
دیکھنے کو نشان بھی نہ رہا

تم محبت تلاش کرتے ہو
اُس کا تو خاندان بھی نہ رہا

آخری سانس تک تھا ساتھ مرے
اور پھر امتحان بھی نہ رہا

اس سے کچھ مانگنا نہیں نیّر
کیا کرو گے جو مان بھی نہ رہا

عائشہ جاوید، کی ڈائری میں تحریر

نوشی گیلانی کی نظم

بھولتا کون ہے
وقت کے گھاؤ کو
ہجر کے تند طوفان کو
وصل کے خواب کی ڈوبتی ناؤ کو
بھولتا کون ہے
اپنے قاتل کے، قاتل خدوخال کو
دُکھ اُٹھاتے دلوں اور مہ و سال کو
بھولتا کون ہے
عمر کی شاخ پر کھلنے والی اس اک اولین شام کو
بے سبب جو لگا ہے اس الزام کو
پھر تیرے نام کو
بھولتا کون ہے

شگفتہ سلیمان

مجھے یہ شعر پسند ہے

ذکیہ سلطانہ ______ کراچی

کسی کو ٹوٹ کر چاہنے سے کوئی محبت نہیں ہوتی
اُسے پانے کی خواہش رکھنے سے محبت نہیں ہوتی
محبت تو اس دنیا کی وہ عظیم چیز ہے
جو کسی سے ایک بار ہو جائے تو پھر کسی سے نہیں ہوتی

صدف عمران ______ کراچی

ملنا تھا اتفاق اور بچھڑنا نصیب تھا
اتنا وہ دور ہو گیا جتنا قریب تھا
شہر کے سارے ہی لوگ آتش پرست تھے
گھر جل رہا تھا اور سمندر قریب تھا

ندا، فضہ ______ فیصل آباد

جل جاؤ خاموشی سے کڑی دھوپ میں لیکن
اپنوں سے کبھی سایہ دیوار نہ مانگو

سعدیہ اسلم ______ کویت

میری روح میں جو اتر سکیں وہ محبتیں مجھے چاہئیں
جو سراب ہوں نہ عذاب ہوں وہ رفاقتیں مجھے چاہئیں

انوش الصبار ______ اسلام آباد

سچ ہی کہا کسی نے خود پہ بھروسے کا ہنر سیکھ لے
محبت جتنی بھی سچی ہو دُکھ ضرور دیتی ہے

نادیہ یاسر ______ گوجرہ

تمہارے سرد لہجے نے ہمیں چونکا دیا ورنہ
محبت میں محبت سے تو دھوکا کھا رہے تھے ہم

صائمہ سلیم ______ پشاور

مجھ کو دھوکا دے گیا میرا ہی ذوقِ انتخاب
درحقیقت لوگ جو اچھے نہ تھے اچھے لگے

آسیہ جاوید ______ علی پور چٹھہ

دل منافق تھا، شبِ ہجر میں سویا کیسے
اور جب تجھ سے ملا ٹوٹ کے رویا کیسے

عاصمہ ندیم ______ پشاور

تاثیر ہی الٹی ہے اخلاص کے امرت کی
ہم جس کو بلاتے ہیں وہی زہر اگلتا ہے

ندا طارق ______ فیصل آباد

وقت دیوار بنا بیٹھا ہے
وہ اگر لوٹ بھی آنا چاہے

مدیحہ فہمید ______ کراچی

زندگی کے میلے میں، میں نے بس یہی دیکھا
اک دکان سپنوں کی، اک ہجوم دنیا کا

کرن رحمٰن ______ فیصل آباد

گزرنے والے نہ یوں سرسری گزر دل سے
مکاں شکستہ سہی پر مکیں رکھتا تھا

ثمینہ تاج ______ کراچی

مجھے وہ لاکھ تڑپائے مگر اس شخص کی خاطر!
میرے دل کے اندھیروں میں دعائیں رقص کرتی ہیں

مسرت طارق ______ آزاد کشمیر

لمحوں میں قید کر دے جو صدیوں کی چاہتیں
حسرت رہی کہ اپنا بھی کوئی ایسا طلبگار ہو

ماہین سلیم ______ جہلم

اپنی چاہت تو مہ و سال کی محتاج نہیں
جن کو کرنا ہے وہ تجدیدِ محبت کر لیں

دانیہ عامر ______ کراچی

اپنا یہ حال کہ جی ہار چکے لٹ بھی چکے
اور محبت وہی انداز پرانے مانگے

امامہ علی ______ کراچی

بس اتنا یاد ہے کہ مجھے عشق ہوا تھا
پھر کیا ہوا اس کی مجھے خبر نہیں

سارہ احمد ______ راولپنڈی

کتنا عجیب ثبوت مانگا ہے اس نے میری محبت کا
مجھے بھول جاؤ تو میں مانوں تمہیں مجھ سے محبت ہے

سدرہ عاصم ـــــ گوجرہ

کشتی ابھی نہیں بدلی دریا بھی نہیں بدلا
اور ڈوبنے والوں کا جذبہ بھی نہیں بدلا
ہے شوقِ سفر ایسا ایک عرصے سے یارو
منزل بھی نہیں پائی رستہ بھی نہیں بدلا

ہما خان ـــــ پشاور

رونے کی سزا ہے نہ رلانے کی سزا ہے
یہ درد محبت کو نبھانے کی سزا ہے
ہنستے ہیں تو آنکھوں سے نکل آتے ہیں آنسو
یہ ایک شخص کو بے انتہا چاہنے کی سزا ہے

طوبیٰ عارف ـــــ فیصل آباد

ابتدا وہ تھی کہ جینا تھا محبت میں محال
انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا
میں نے کب مانگا ہے تم سے اپنی وفاؤں کا صلہ
بس درد دیتے رہو محبت بڑھتی رہے گی

عشا سہیل ـــــ سلانوالی

ہم نے تو محبت چھوڑ دی لیکن
محبت نے ہم کو کہیں کا نہیں چھوڑا

سدرہ ـــــ فاروق آباد

رات ساری گزرتی ہے ان حسابوں میں
اسے محبت تھی؟ نہیں تھی؟ ہے؟ نہیں ہے؟

صفیہ سلیم ـــــ ڈھوک سانول

تو ملا ہے تو یہ احساس ہوا ہے مجھ کو
یہ میری عمر محبت کے لیے تھوڑی ہے

ساجدہ ـــــ ساہیوال

کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا
وفا پر اب بھی قائم ہیں مگر محبت چھوڑ دی ہم نے

منشا علی ـــــ اسلام آباد

ہوتی ہیں محبت میں کچھ راز کی باتیں
ایسے ہی تو اس کھیل میں ہارا نہیں جاتا

عائشہ ـــــ محراب پور

کوئی تعویز دو ردِ بلا کا
مرے پیچھے محبت پڑ گئی ہے

زبیدہ ریاض ـــــ کراچی

اس نے یہ سوچ کر ہمیں الوداع کہہ دیا محسن
یہ غریب لوگ ہیں محبت کے سوا کیا دیں گے

زینب، نمل ـــــ کراچی

جہاں سوال کے بدلے سوال ہوتا ہے
وہاں سے محبتوں کا زوال ہوتا ہے

تحریم ـــــ حیدرآباد

تجھ سے اب اور محبت نہیں کی جا سکتی
خود کو اتنی بھی اذیت نہیں دی جا سکتی

حرا کنول ـــــ سکرنڈ

کوئی اچھی سی سزا دو مجھے
چلو ایسا کرو بھلا دو مجھے
تم سے بچھڑوں تو موت آ جائے
دل کی گہرائی سے دعا دو مجھے

کنول شاہین قیصر ـــــ تلہ گنگ

ہم بھی کچھ کچھ دنیاداری سیکھ گئے
بات بڑھے تو ہم بھی بات بدلتے ہیں

ادیبہ عرفان ـــــ کراچی

عمر کے سنجوگ اچھے لگتے ہیں
مستقل کے روگ اچھے لگتے ہیں
کوئی وعدہ وفا نہ کر، کہ مجھے
بے وفا لوگ اچھے لگتے ہیں

سونیا علی ـــــ قصور

ہاں! محبت تمام اس پہ ہوئی
اب جو ہو گی وہ دل لگی ہو گی!

نمرہ، اقرأ ـــــ کراچی

ملتا ہی نہیں تمہارے جیسا کوئی اس شہر میں
ہمیں کیا معلوم تھا، تم ایک ہو وہ بھی کسی اور کے

نمرہ عبید ـــــ کراچی

اندیشہ بھی بہت تھا اور احتیاط بھی بہت کی
ہوتے ہوتے وہ شخص آخر جدا ہو ہی گیا

روبینہ شریف

مسکراتی کرنیں

فیشن

دادی اماں نے فیشن کے شوق میں بال کٹوا دیے انہوں نے بالوں کو سنوارتے ہوئے جھٹکا دیا اور اپنی پوتی سے پوچھا۔

''کیا اب میں تمہاری بوڑھی دادی اماں لگتی ہوں؟''

''ہرگز نہیں اب تو آپ دادا ابا لگتی ہیں۔'' پوتی نے کہا۔

فوزیہ ثمر بٹ' ہانیہ عمران...... گجرات

اسمگلنگ

ایک پولیس مین نے ٹرک والے کو روکا اور تلاشی لی مگر کچھ نہیں ملا۔

پولیس والے نے پوچھا: ''میں حیران ہوں تم روزانہ گزرتے ہو اور ٹرک میں کچھ نہیں ہوتا۔ کیا وجہ ہے آخر تم کیا کرتے ہو۔''

ٹرک والے نے جواب دیا: ''اسمگلنگ۔''

پولیس والے نے زچ ہو کر کہا۔ ''مگر مجھے تو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی۔''

ٹرک والے نے پولیس والے کو ایک پرچی دی اور کہا۔ ''اسے میرے جانے کے بعد کھولنا۔''

پولیس والے نے اس کے جانے کے بعد پرچی کھولی تو اس میں لکھا تھا۔

''میں ٹرک اسمگل کرتا ہوں۔''

فوزیہ بٹ' ہانیہ عمران...... گجرات

خوش قسمتی

خاوند عدالت میں جج سے: ''میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔''

جج: ''مگر کیوں؟''

شوہر: ''اس نے پچھلے ایک سال سے میرے ساتھ بات ہی نہیں کی۔''

جج: ''ایک بار پھر سوچ لو ایسی بیویاں قسمت والوں کو ہی ملتی ہیں۔''

ندا فضہ...... فیصل آباد

ہماری خیر ہے

ایک بے وقوف سڑک کراس کرتے ہوئے ٹرک سے ٹکرا گیا۔

لوگوں نے پوچھا: ''تمہیں نظر نہیں آیا۔''

''بے وقوف: ''نظر تو آیا تھا لیکن اس پر لکھا تھا۔

''تو لنگ جا ساڈی خیر اے''

عاصمہ ندیم...... پشاور

ایمان داری

ایک بڑے میاں بندوق لیے اپنے خربوزوں کے کھیت پر پہرہ دے رہے تھے' ایک راہ گیر نے کہا۔

''کیسے ہیں یہاں کے لوگ۔''

بڑے میاں بولے۔ ''بڑے ایمان دار ہیں، کیا مجال جو میرے خربوزوں کو ہاتھ لگائیں۔''

راہ گیر نے پوچھا۔ ''یہ بندوق آپ نے کیوں سنبھال رکھی ہے؟''

بڑے میاں بولے۔ ''ان کو ایمان دار رکھنے کے لیے۔''

مسرت طارق...... آزاد کشمیر

جاؤں کہاں

جج ملزم سے: ''تم جانتے ہو جھوٹ بول کر تمہیں کہاں جانا پڑے گا؟''

ملزم: ''دوزخ میں۔''

''جج: اور سچ بول کر؟''

ملزم: ''سرکاری جیل خانے میں۔''

نادیہ یاسر...... گوجرہ

غریب کی محبت

لڑکے نے لڑکی سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''کل تم سے ملنے آؤں گا اور تم کو پھول دوں گا۔''

لڑکی نے عقل مندی سے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''گوبھی کا پھول لے کے آنا، تمہارے پیار کا اظہار بھی ہو جائے گا اور ہمارا سالن بھی پک جائے گا۔''

حنا کرن...... پتوکی

وائرس

ڈاکٹر نے مریض کی میموری واش کر کے پوچھا۔

''بتاؤ تمہیں کچھ یاد آ رہا ہے؟''

مریض: ''صرف بیوی کا نام یاد ہے۔''

ڈاکٹر: سب کچھ فارمیٹ ہو گیا لیکن وائرس نہیں گیا۔''

افشاں سمیع...... کراچی

نمک خوار

ایک روز کونسلر کے ہاں علاقے کے لوگوں کی دعوت تھی، میزبان اور مہمان دستر خوان پر موجود تھے اور کھانے کے ساتھ پورا پورا انصاف کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک صاحب اور آ گئے، میزبان نے ان سے کہا۔

''آ جایئے کچھ تناول فرما لیجیے۔''

وہ صاحب کہنے لگے۔ ''بھوک تو نہیں ہے تھوڑا بہت کھا لوں گا تاکہ آپ کا نمک خوار ہو جاؤں۔''

میزبان نے برجستہ کہا۔ ''ہمارے ہاں کھانے میں نمک نہیں ڈلتا آپ بس خوار ہی خوار ہوں گے۔''

سدرہ...... فاروق آباد

سیدھا سادہ معاملہ

ایک ٹھیکے دار صاحب کسی محکمہ میں اپنا کام نکلوانے کے لیے افسر کو کار کی پیشکش کر رہے تھے' افسر نے متانت سے کہا۔

''جناب! یہ رشوت ہوگی اور میرا ضمیر اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''لیکن سنیے تو......'' ٹھیکے دار صاحب نے لجاجت سے کہا۔

''میں یہ کار آپ کو مفت نہیں دے رہا' آپ مجھے اس کار کی عوض ہزار روپے دے دیں، اب تو یہ رشوت نہیں ہوگی۔ یہ تو خرید و فروخت کا سیدھا سادہ معاملہ ہے۔''

افسر نے چند لمحے غور کیا اور پھر یوں گویا ہوا۔

''ایسی صورت میں تو دو کاریں خریدوں گا۔''

نہلے پر دہلا

ایک کانٹی نینٹل اسٹور کے سامنے ہوٹل کے باہر دو اجنبی چائے پی رہے تھے' ایک نے دوسرے سے کہا۔

''وہ جو سامنے اسٹور ہے، میں وہاں سے ایک پینٹ کا ڈبا چوری کر کے لاؤں گا اور دکان والے کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

دوسرے نے کہا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا بہت بارونق اسٹور ہے۔''

پہلے نے کہا۔ ''اگر میں چرا لایا تو پانچ سو روپے کی شرط لگی؟''

دوسرے نے کہا۔ ''ہاں لگی۔''

پہلا والا اسٹور گیا اور پینٹ کا ڈبا لے آیا اور دوسرے سے شرط جیتنے کے بعد پانچ سو روپے مانگے' دوسرے نے کہا۔

''میں تمہیں چوری کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں کیونکہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔''

پہلے نے کہا۔ ''تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے کیونکہ میں اسٹور کا مالک ہوں۔''

ام عبدالمقیت...... لیاری' کراچی

تخلص

مولانا محمد علی جوہر، مولانا ذوالفقار علی خان جوہر اور شوکت علی تین بھائی تھے۔ شوکت علی منجھلے تھے انہوں نے باون سال کی عمر میں ایک اطالوی خاتون سے شادی کر لی۔ ایک بار ایک اخبار نویس نے ان سے سوال کیا۔

''آپ کے بڑے بھائی گوہر ہیں اور چھوٹے بھائی جوہر ہیں' آپ کا تخلص کیا ہے؟''

شوکت علی فوراً بولے۔ ''شوہر۔''

☆☆

صاحبا)

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

فتح وکامیابی

اللہ فتح انہیں عطا فرمایا کرتا ہے جس کا کردار اور ایمان پختہ ہو اور جس کے ارادے اور نیتیں صاف ہوں اور ان کے سامنے کوئی ایسا مقصد ہو جو اللہ کو عزیز ہو۔ فتوحات فوجوں کی افراط سے اور اسلحہ کے انباروں سے حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ فتح کالے جادو سے بھی نہیں ملا کرتی اور اپنے حریف کو فریب کاری سے قتل کروانے سے بھی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ (عنایت اللہ......اور نیل بہتا رہا)

شازیہ ہاشم میواتی......کھڈیاں خاص قصور

معاوضہ

بڑے سالوں کی بات ہے ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا "دعا کریں مجھے کام مل جائے۔"

میں نے کہا "تم یقین سے کہتے ہو تمہیں کام کی تلاش ہے؟"

کہنے لگا۔ "حد کرتے ہو، میں پچھلے دو سال سے بے کار ہوں، اگر مجھے کام کی تلاش نہ ہوگی تو کسے ہوگی؟"

میں نے کہا۔ "اگر تمہیں کام مل جائے اور معاوضہ نہ ملے تو پھر؟"

گھبرا کر کہنے لگا۔ "مجھے ایسا کام نہیں چاہیے جیسا کہ تم کہہ رہے ہو، مجھے نوکری والا کام چاہیے، ایسا کام جس کے دام ملیں۔"

میں نے کہا۔ "اچھا! اگر تم کو تنخواہ ملتی رہے اور کام نہ کرنا پڑے پھر؟"

کہنے لگا۔ "سبحان اللہ ایسا ہو جائے تو اور کیا چاہیے۔"

میں نے کہا۔ "پھر تمہیں کام کی تلاش نہیں، تنخواہ اور معاوضے کی تلاش ہے۔"

اس طرح ہم خدا کے ساتھ کرتے ہیں۔ بظاہر باطن کسی اور شے کا طلب گار ہوتا ہے۔ (اشفاق احمد...... بابا

صاحبا)

فائزہ بھٹی......پتوکی

خالہ جان

سیاست دانوں کو ٹیلی ویژن پر بھاشن دیتے ہوئے مجھے ہمیشہ اپنی بڑی خالہ جان یاد آجاتی ہیں، وہ بھی کسی سادہ سے سوال کے جواب میں ایک طویل داستان شروع کردیتی تھیں مثلاً میں پوچھتا ہوں کہ "خالہ جان آج آپ دوپہر کے کھانے کے لیے کیا پکا رہی ہیں؟" تو وہ کچھ یوں آغاز کرتی ہیں کہ "میں جو گھر سے نکلی ہوں تو راستے میں فاطمہ جولاہی مل گئی، اس کا بیٹا دبئی میں ہے۔ تو اس نے ایک پورا صندوق کپڑے لتے کا ماں کو بھیجا ہے، تو فاطمہ جولاہی نے مجھے وہ سارے کپڑے دکھائے" خالہ جان نہایت تفصیل سے ہر کپڑے اور ہر لباس کے بارے میں مجھے آگاہ کرتیں۔ کہ ان میں سے کتنے سوٹ کمخواب کے تھے اور کتنے سوٹوں پر کتنی تعداد میں موتی ٹانکے گئے تھے، اذاں بعد وہ آشابی بی سے ملاقات کی تفصیل بیان کرنے لگتیں اور جب میں بےزار ہو کر کہتا کہ "خالہ جی میں نے تو آپ سے پوچھا تھا کہ آج دوپہر کے کھانے پر آپ کیا بنا رہی ہیں؟" تو وہ سخت خفا ہو جاتیں اور کہتیں کہ "ایک تو آج کل کے بچوں میں صبر نہیں ہے، بات سننے کا حوصلہ نہیں، میں نے دوپہر کے کھانے کے لیے ٹینڈے پکائے ہیں۔" ویسے خالہ جان ان سیاست دانوں کی مانند دروغ گو اور منافق نہ تھیں، جو دل میں ہوتا تھا وہ بیان کردیتی تھیں، اگرچہ قدرے تفصیل سے کرتی تھیں۔

(مستنصر حسین تارڑ......مختصر بات اور باتوں کے خربوزے)

اقرا عزیز......گاؤں دریا خاں جلبانی

بدگمانی

خاموشی بسا اوقات بدگمانیوں کو بڑھا دیتی ہے۔ بات کرنے سے دل کی بھڑاس بھی نکلتی ہے اور دل میں پلتی بدگمانیاں بھی، سو جہاں ضرورت ہو وہاں بات ضرور کرنی چاہیے تاکہ بھڑاس بھی نکلے اور بدگمانیاں بھی۔ (عفت سحر طاہر......من مانگی دعا)

مقدس آصف......رائیونڈ، ضلع لاہور

رشتوں کی بے حسی

رشتوں کا نہ ہونا اتنا تکلیف کا باعث نہیں ہوتا جتنا

رشتوں کے ہوتے ہوئے احساس کا مر جانا تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ (نازیہ کنول نازی...... پتھروں کی پلکوں پر)

حرا کنول...... سکرنڈ

تعلق

تعلق تو چھتری ہے، ہر جسمانی، ذہنی، جذباتی غم کے آگے اندھا شیشہ بن کر ڈھال کا کام دیتی ہے۔ بے روزگاری، بیماری، غریبی، تنہائی، سارے غموں پر تعلق کا ہی چھایا رکھا جاتا ہے، دوستی، رشتہ داری، بہن بھائی، نانا، دادا ......غرض یہ کہ ہر دکھ کی گھڑی میں کندھے پر رکھا ہوا ہمدرد ہاتھ، آنکھ میں جھلملاتی شفقت، ایک میٹھا بول، مسکراتا چہرہ بلڈ ٹرانسفیوژن، اسپرو کی گولی بن سکتی ہیں۔ اسی لیے محبت اندوہ ربا کہلاتی ہے۔ انسان اسی لیے کبھی خدا نہیں بن سکتا کہ اس کی ضرورت دوئی ہے۔ حتیٰ کہ اگر اسے دوسرا نہ ملے تو وہ خدا کو اپنی دوئی کا حصہ بنا لیتا ہے' انسان کی تنہائی قیامت خیز ہے۔ جوں ہی اس خلا کو بھرنے والا کوئی آ جاتا ہے، انسان اپنی جنت میں پہنچ جاتا ہے اور اپنے آپ کو مکمل سمجھنے لگتا ہے۔ ساتھ نہ ہو تو زندگی آزاد دوزخ ہے۔ (بانو قدسیہ...... حاصل گھاٹ)

ثنا شہزاد...... کراچی

اوپر کی آمدنی

''آج بھی ایسی چھوٹی چھوٹی نوکریاں موجود ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے اچھے خاصے معقول لوگ سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ ہمارے ایک کرم فرما اپنے فرزند کے لیے ایسی ہی نوکری حاصل کرنے میں کوشاں تھے جس کی تنخواہ بمشکل پچاس ساٹھ روپے تھی۔ ہم نے پوچھا آخر بیٹے کو اتنی معمولی نوکری کیوں دلوانا چاہتے ہیں۔''

بہت طنز سے مسکرائے اور بولے ''اوپر کی آمدنی اس تنخواہ سے دس بیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور یہ نوکری ہی اوپر کی آمدنی کا لائسنس ہے۔ دعا کیجیے، بچہ پچاس ساٹھ روپے ماہانہ کی نوکری حاصل کر لے تو کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کا یہ خادم اس کی آمدنی سے ایک کار خرید کر دکھا دے گا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔'' (احمد ندیم قاسمی)

فاطمہ نور...... بورے والا

نیتوں کا حال

کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی نیت نہیں جان سکتا۔ وہ اس کا دل چیر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اس کے ذہن کے اندر نہیں اتر سکتا۔ سب سے بڑھ کر کسی دوسرے کے متعلق رائے قائم کرنے والا خود غلط ہو سکتا ہے۔ وہ نبی نہیں۔ اس پر فرشتے نہیں اترتے وحی نہیں آتی۔ اسے خدائی تحفظ حاصل نہیں۔ اس لیے یہ اس کا حق ہی نہیں کہ کسی دوسرے فرد کے متعلق کوئی رائے قائم کرے۔ رائے ہمیشہ دوسرے کی رائے کے بارے میں دی جاتی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر اس کی شخصیت، آخرت، ایمان اور نیت کے بارے میں کوئی فیصلہ دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ (ابو یحییٰ...... تیسری آنکھ)

ماسٹر فاخر حسین

پانچویں جماعت میں، میں نے ایک دفعہ شاہ جہاں کے باپ کا نام ہمایوں بتا دیا تھا اور ماسٹر فاخر حسین نے مرغا بنا دیا تھا۔ وہ سمجھے میں مذاق کر رہا ہوں یہ غلطی نہ بھی کرتا تو اور کسی بات پر مرغا بنا دیتے۔

اپنا تو طالب علمی کا زمانہ اسی پوز میں گزرا بینچ پر آنا تو اس وقت نصیب ہوتا تھا جب ماسٹر کہتا کہ ''اب بینچ پر کھڑے ہو جاؤ'' اب بھی کبھی کبھی طالب علمی کے زمانے کے خواب آتے ہیں تو یا تو خود کو مرغا بنے دیکھتا ہوں یا اخبار پڑھتا ہوا دیکھتا ہوں، جس میں میرا رول نمبر نہیں ہوتا تھا۔ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن حال ہی میں یورپ اور امریکا کا دورہ کر کے آئے ہیں۔ سنا ہے انہوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ دنیا کے کسی اور ملک نے مرغا بنانے کا پوز ''ڈسکور'' ہی نہیں کیا۔

میں نے تو عاجز آ کر اپنی ترکی ٹوپی پہننا ہی چھوڑ دی تھی۔ مرغا بنتا تو اس کا پھندنا آنکھوں سے ایک انچ کے فاصلے پر تمام وقت پنڈولم کی طرح جھولتا رہتا تھا دائیں بائیں۔ پریڈ کے آخر میں ٹانگیں بری طرح کانپنے لگتیں تو پھندنا آگے پیچھے جھولتا رہتا۔ اس میں ترکوں کی توہین کا پہلو بھی نکلتا تھا جسے میری قومی غیرت نے گوارہ نہ کیا۔

(مشتاق احمد یوسفی...... آبِ گم)

☆☆

مدیرہ کرن

نامے میرے نام

فاطمہ نور...... بورے والا

کیا حال ہے میں اور میری دوست بالکل ٹھیک ہیں لیکن لگتا ہے آپ کی ہماری فیورٹ رائٹر مصباح علی سید کا ارادہ نہیں ہمیں ٹھیک رکھنے کا اب تو برداشت کی حدیں بھی پار ہوگئیں۔ افف کیا لکھ دیا مصباح نے۔ اتنا زبردست مکافات عمل میرا تو خیال ہے جو جو پڑھے گا وہ ایسی گھناؤنی چال چلنے سے پہلے سو بار سوچے گا میری طرف سے مصباح کو شیک ہینڈ بہت پیارا ناول "مہجور نشیمن"۔ "من مورکھ" بھی پسند آگیا ہے اب اسے ختم کر ہی دیں۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت عبداللہ ہمیشہ کی طرح ایک گھریلو سیاست والی کہانی لائیں اور چھائیں۔ سحر ساجد کا ناول "سیم زدہ" کا پلاٹ بہت حد تک ان کی پچھلی کہانی "کیسر ملتا تھا۔ ویسے خیر اچھا لگا۔ صدف آصف کا ناولٹ بھی اچھا تھا۔ افسانوں میں نزہت جبیں ضیاء نے سرد انداز میں دھند دکھائی۔

ج: فاطمہ کرن کی کہانیوں کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔

ساجدہ شیخ...... ساہیوال

میں بہت مصروفیت کے باوجود اپنی رائے دے رہی ہوں۔ مصباح کی یہ قسط بھی بہت سپرڈوپر رہی۔ خاص طور پر یہ پہرا غصہ حرام ہے۔ پلیز مصباح کا چھوٹا سا تعارف تو لگائیں۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" نگہت عبداللہ بہت عرصہ ناول لے کر آئی ہیں ابھی تو کہانی شروع ہوئی ہے۔ یقیناً اچھی ہوگی۔ "من مورکھ" کسی کو پسند آئے یا نہ آئے میرے دل کو تو بھایا ہے۔ ناولٹ تو نہ پڑھ سکی۔ مکمل ناول پڑھا یہ کیا ذرا سی بات پر ایسا ری ایکشن بدمزا سی ہوگئی۔ ایک فرمائش کرنی تھی پی ایس ایل شروع ہونے سے پہلے کسی کرکٹر کا انٹرویو ہی لگا دیں۔

ج: پیاری ساجدہ! شکریہ آپ کا کہ اپنی بہت مصروفیت کے باوجود اپنی رائے کا اظہار کیا۔ شاہین رشید تک آپ کی فرمائش پہنچا دی جائے گی۔

مس تسنیم...... گوال منڈی

اس ماہ کا کرن دو بہن نما سہیلیوں سے چمکتا دوستی کا اچھوتا تاثر لیے تھا۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت کے بعد ایک ایک کر کے کہانیوں کی جانب انگلیاں گھمائیں۔ "مہجور نشیمن" میں مصباح علی سید نے یہ کیا کر دیا ہر قسط پر دھماکے پر دھماکا۔ ازلان کی موت پر دلی دکھ ہوا لیکن شاید یہی مکافات عمل ہے۔ یعنی اب سب کرداروں نے اپنی کرنی بھگتنا شروع کر دی۔ دل کو یک دم کھینچ لینے والی تحریر لکھی مصباح کو بہت سلام اور زور قلم کی دعائیں۔ نفیسہ سعید کا ہلکا سا انداز مجھے بہت بھایا ہے۔ ناولٹ میں سب سے بہتر، کلثوم زمانی بیگم لگا بہت خوب، سحر ساجد اور نگہت سیما کا معاشرتی رنگ میں اتر کر لکھنا اور قبولیت کی سند پا جانا ان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ افسانے ویسے تو سب اچھے لگے تھے۔ مجھے ماریہ یاسر کا "نیلم" بہت اچھا لگا۔ جہانہ آفتاب نے بس ٹھیک ہی لکھا ہے۔

ج: پیاری تسنیم! مصباح علی سید تک آپ کا سلام اور دعائیں پہنچ گئی ہیں۔ آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا۔

شازیہ ہاشم میواتی...... کھنڈیاں خاص قصور

اداریہ پڑھ کر بڑھی حمد و نعت کی طرف...... حمد باری تعالیٰ پڑھ کر "مقابل ہے آئینہ" پڑھا ڈیئر مدیرہ کب ہمارا تعارف لگاؤ گی پلیز بتا دیں تا کان میں تاکہ کسی کو پتا نہ چلے (ہاہاہا) اس کے بعد جمپ لگائی "من مورکھ" مائی فیورٹ ناول ڈیئر آسیہ مرزا پلیز اب کچھ غلط نہ کرنا۔ اور حوریہ کو بابر سے ملا دینا۔ پھر چلی ربیٹ کی چال "مہجور نشیمن" جس میں ازلان کے بارے میں پڑھ کر آنکھوں میں نمی کا جال سا تن گیا اور حنبل پر ہونے والے نئے نئے انکشافات پر جہاں وہ حیران و سرگرداں وہیں میں بھی انگشت بدنداں رہ گئیں...... "ہوائیں رخ بدل گئیں" ربیکا پر بے حد غصہ اور شہرینہ بے حد پیاری اور معصومیت کا پیکر لگی اللہ شہرینہ اور حمزہ کی محبت کو سدا بہار ہی

رکھے۔ چلو خیر آگے دیکھتے ہیں۔ ''عشق ہے ام الکتاب'' شہزادہ عالمگیر کا عشق فنا ہو ہی گیا ایک منزل مل ہی گئی مداومت کی...... ''فراق'' منفرد انداز میں لکھا ہوا اچھا ناولٹ تھا جہاں حنا کی مستقل مزاجی والا رویہ ساس کے ساتھ والے پر حیران ہوئی وہی اسد کے جھنجلانے پر ہنسی آئی، سحر ساجد ''سیم زدہ'' یار ڈیئر رائٹر! اپنے نام کی طرح ہم پر سحر طاری کر دیا۔ نفیسہ سعید کے ناولٹ کا عجیب سا موضوع دیکھ کر پہلے تو کہا کہ رہنے دوں لیکن پھر جلدی جلدی پڑھنا شروع کیا شمائل کے ساتھ اس کی محبت کی برقی تار جب جڑی تو محبت کے ساز گنگنانے لگے۔ جہانہ آفتاب کی تحریر ''پیام صبح نو'' نے واقعی ہی ایک اچھا پیغام دیا ہے کہ بیٹی کو پہلے ہی شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ یہ آزادی خوشیوں کو نگل لیتی ہے۔ ''لو ہم نے ہار مانی'' چلو شکر ہے عمیمہ کو بھی مت آئی اور اپنے ملک کی قدر جانی۔ ''مہرباں ہوا'' ابھی نہیں پڑھی ان شاء اللہ زندگی رہی تو اگلے ماہ تبصرہ کروں گی۔

ج: پیاری شازیہ! اچھا لگتا ہے کہ آپ اپنی مصروفیت کے باوجود غیر حاضر ہو کر حاضر ہو ہی جاتی ہیں۔ ''مقابل ہے آئینہ'' میں ان شاء اللہ جلد جگہ دے دی جائے گی۔

مہرو...... نامعلوم

اس ماہ کے کرن کی طرف سب سے پہلے تو بات ہو جائے مکمل ناول کی مصباح علی سید کا ''مہجور نشیمن'' کی یہ ہمارا موسٹ فیورٹ ہے۔ اور اب بات ہو جائے سلسلے وار ناول کی آسیہ مرزا کا ''من مورکھ'' بہت ہی زبردست ناول ہے۔ اس ماہ کی قسط بڑی زبردستی لگی۔ پڑھتے پڑھتے جب اینڈ میں پہنچے تو یہ کیا حازم کے بعد اب بابر کا ایکسیڈنٹ پلیز اب بابر کو مرنا نہیں چاہیے۔ بابر کا کردار اب ہمیں بہت پسند ہے۔ اب لگتا ہے کہ حوریہ اور بابر مل جائیں گے۔ ناولٹ میں صدف آصف کا ''فراق'' نمبر ون تھا۔ میرا یہ کسی بھی شمارے میں پہلا خط ہے۔ اگر آپ نے حوصلہ افزائی کی تو آئندہ مکمل تبصرے کے ساتھ شرکت کریں گے۔

ج: پیاری مہرو! آپ کو کرن کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہماری خاموش قاری نے اپنی خاموشی توڑ دی آپ کے مکمل تبصرے کا انتظار رہے گا آئندہ خط میں اپنا مکمل نام اور جگہ کا نام تحریر کرنا نہ بھولیے گا۔

ثناء ذوالفقار...... نورے والی رحیم یار خان

نئے سال کا کرن 20 تاریخ کو ملا۔ کلرفل سا ٹائٹل اچھا لگا۔ ''نیا سال نئی امیدیں'' سروے بھی اچھا تھا۔ منال خان کے ساتھ ملاقات بھی اچھی رہی۔ ''میری بھی سنیے'' میں گوہر رشید کو سنا ''مقابل ہے آئینہ'' یاسمین اقبال نے بڑے دلچسپ جوابات دیے۔

''ہوائیں رخ بدل گئیں'' اچھا جا رہا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حمیدہ بیگم حمزہ اور شہرینہ کی منگنی قائم رہنے دیتی ہیں یا نہیں۔ سحر ساجد کے ناول کا مجھے شدت سے انتظار رہتا ہے۔ ''سیم زدہ'' سحر ساجد کا ناول دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔

''من مورکھ'' آسیہ مرزا نے بہت اچھا کیا کہ ناول کا اختتام کر رہی ہیں کیونکہ کہانی کافی عرصے سے رکی سی تھی۔ لیکن اینڈ پلیز اچھا اور ہپی ہونا چاہیے۔ افسانوں میں ''تیر نشانہ'' کچھ خاص اچھا نہیں لگا ''نیلم'' اور ''امید سحر'' اچھے افسانے تھے۔ ''مہجور نشیمن'' ابھی پڑھا نہیں لیکن ہمیشہ کی طرح یہ قسط بھی اچھی ہی ہوگی۔ ''نیل گر'' کے بعد نگہت سیما کا ''عشق ہے ام الکتاب'' بھی بہترین تھا۔

ج: پیاری ثنا! کرن کی پسندیدگی کا شکریہ آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا۔

عابش جنجوعہ...... تونسہ شریف

آپ کے پیار بھرے جواب نے ہماری سستی کو زائل کر دیا سو ہم پھر آن پہنچے ہیں اپنی بزم میں۔ اداریہ پڑھا واقعی سوچ کا رخ بدلنے کی ضرورت ہے پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے۔ ویسے اداکاراؤں کے بجائے اگر ہر ماہ کسی رائٹر کا انٹرویو ہو تو مزا آ جائے۔ ''من مورکھ'' کا بس اب اچھا سا اختتام ہو جائے۔ ''مہجور نشیمن'' واقعی اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے۔ نئے ناول میں لگتا ایسے ہے ہوائیں تھوڑا تھوڑا رخ بدل رہی ہیں۔ ''سیم زدہ'' بہترین ناول تھا ''عشق ام الکتاب'' مکمل دکھی ناولٹ تھا۔ عجیب سا لگا۔ آنٹی یاسمین اقبال سے ملاقات دلچسپ رہی۔ باقی تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح بہت اچھے تھے۔

ج: پیاری عابش! آپ ہر ماہ ہماری محفل میں شریک ہوں ہمیں خوشی ہوگی۔ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی

گئی ہے۔

اقراء جٹ……منچن آباد

اس نئے سال 2018ء کے ساتھ اور محبت کے مہینے (فروری) اور ہاتھ میں کرن لیے ہم حاضر ہیں جی! اس دفعہ ہم چاہتے ہیں کہ دل کھول کر تبصرہ کریں مگر ہائے رے قسمت کرن والے ہمیں پہلے ہی (یعنی ہمارے تبصرے کو) ردی کی ٹوکری کے نذر کرنے کے منتظر ہیں! سرورق ونڈرفل دل میں گڑھ گیا۔ ''حمد و نعت'' کیا پُرسکون سلسلہ ہے!'' ابن انشا ایک عہد ویری گڈ قرۃ العین خرم ہاشمی ——— انشا جی کے لیے دعائے مغفرت! ''نیا سال نئی امیدیں'' میں سب کے جوابات اچھے لگے۔ ''منال خان سے ملاقات'' بہت اچھی لگی۔ گوہر رشید کا انٹرویو کمال رہا۔ ''مقابل ہے آئینہ'' یاسمین اقبال نائس جواب لگے۔ ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' نگہت عبداللہ جی آپ کے تو کیا کہنے جب بھی لکھا کمال لکھا ''من مورکھ'' آسیہ مرزا یہ کیا کر دیا بابر کے ساتھ سوسیڈ۔ اگر فضا بابر کو بھلا چکی ہے تو دل میں یہ وہم ، خدشے کیوں ''مہجور نشیمن'' مصباح علی سید ویری سیڈ اذلان کو مرنا تو نہیں چاہیے تھا اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ ''سیم زدہ'' سحر ساجد الفاظ نہیں تعریف کے لیے ''مہرباں ہوا'' عنبرین ولی کیا بات ہے چھا گئیں آپ تو، نیکسٹ پڑھ کر اسٹرانگ کمنٹس دیں گے۔ ''عشق ہے ام الکتاب'' نگہت سیما فنٹاسٹک کیا لفظ تھے کیا جملے تھے کیا اسٹوری تھی ونڈرفل۔ ''فراق'' صدف آصف جی بہت اچھی لگی اسٹوری ہلکی پھلکی نوک جھوک میں ایک بھرپور سبق زبردست ''کلثوم زمانی بیگم'' نفیسہ سعید ہر دفعہ کی طرح لاجواب ''پیام صبح نو'' جہانہ آفتاب بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے بہت زبردست تحریر…… افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے مستقل سلسلے ''یادوں کے دریچے سے'' زبردست سلسلہ ہمیں بھی جگہ ملے گی۔

ج: پیاری اقراء! ہمارے پاس ردی کی ٹوکری نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہر ماہ جو بہن ''نامے میرے نام'' میں شریک ہونا چاہیں ہو سکتی ہیں جس بہن کا خط تاخیر سے ملتا ہے وہ شائع ہونے سے رہ جاتا ہے مگر پڑھا ضرور جاتا ہے ''کچن اور آپ'' میں آپ کو بھی ضرور شریک کیا جائے گا اور ''یادوں کے دریچے'' میں بھی آپ شامل ہو سکتی ہیں جس شاعر یا شاعرہ کی نظم، غزل پسند ہے ان کے نام کے ساتھ بھیج دیں۔

غزالہ عمران بھٹی……نامعلوم

یہ میرا دسواں خط اور دسویں کہانی ہے۔ اس امید پہ کہ ایک نہ ایک دن ضرور آپ کی نظر کرم ہو ہی جائے گی۔ نا امید نہیں ہوں۔ نئے سال کا شمارہ زبردست لگا سرخ جھلملاتے رنگ سے سجی ماڈلز دل خوش کر گئیں۔ ''ابن انشا ایک عہد'' کا ایک ایک حرف توجہ سے پڑھا۔ منال خان سے ملاقات پسند آئی ''مقابل ہے آئینہ'' یاسمین اقبال کیا کمال کیا زبردست ایسے برجستہ اور لاجواب جوابات آج تک نہیں پڑھے۔ ہنس ہنس کے دہرے تہرے ہوتے رہے۔

''ہوائیں رخ بدل گئیں'' بہت عام سی کہانی ہے۔ کئی بار پڑھی ہوئی ''من مورکھ'' ''مہجور نشیمن'' بہت جاندار کہانیاں ہیں۔ جن کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ نزہت جبیں ضیاء بہت سینئر رائٹر ہیں۔ بہت پیارا لکھتی ہیں۔ باقی کہانیاں بھی زبردست رہیں بلاشبہ پورا شمارہ ہی قابل ستائش ہے۔ اور اب ''نامے میرے نام'' میں اس بار بھی میرا نام جگہ بناتا ہے یا نہیں۔ آپ کی مرضی لیکن سچ ہے یہ میرا دسواں خط ہے۔ کہانیوں کے بارے میں ضرور بتائیے گا۔ میں انتظار کروں گی۔

ج: پیاری غزالہ! آپ کا یہ پہلا خط ہمیں موصول ہوا ہے اور لگایا جا رہا ہے جو خطوط ہمیں تاخیر سے ملتے ہیں وہ شائع ہونے سے رہ جاتے ہیں مگر ان کو پڑھا ضرور جاتا ہے۔ مگر آپ کا یہ پہلا خط ہمیں ملا ہے باقی نو خطوط ہمیں موصول نہیں ہوئے

فضہ نور……روہڑی

اس ماہ ٹائیٹل

حسین دوشیزاؤں سے چھایا ہوا تھا دونوں ماڈلز کے ہیئر اسٹائل بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ سال نو کے حوالے سے ٹائیٹل زبردست رہا۔ نیا سال کے حوالے سے سروے میں مختلف شخصیات کے خیالات جانے

منال خان سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ گوہر رشید کی سنی یاسمین اقبال مقابل ہے آئینہ پڑھ کر بڑا مزا آیا۔

''ہوائیں رخ بدل گئیں'' ہوائیں رخ بدل رہی ہے۔ ربیکا کی وجہ سے حمزہ کا جینا حرام ہونے لگا ہے۔ ''مہجور نشیمن'' اس بار قسط انکشافات سے بھرپور تھی۔

ناولٹ اچھے لگے ''پیام صبح نو، فراق'' ان دونوں کی کہانی میں بدگمانیوں کی گرد پڑی ہوئی تھی لیکن آخر میں دونوں کا اختتام اک نئی صبح اور بدگمانیوں سے پاک ہوا دونوں رائٹرز نے اچھا لکھا۔

''کلثوم زمانی بیگم'' یہ چیپٹر ہماری نائنتھ کی بک میں تھا۔ ویری نائس نفیسہ سعید ''عشق ہے ام الکتاب'' نگہت جی جب آتی ہیں شاہکار لے کر آتی ہیں۔

''دنیلم'' ماریہ یاسر کا افسانہ انسان اکثر ظاہری حسن کی تلاش میں رہتا ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے اصل حسن اس کا باطن ہے۔ ''لوہم نے ہار مانی'' عمیمہ نفسانی خواہشات میں اپنوں کو کھونے جارہی تھی۔ باقی دونوں افسانے اچھے تھے۔

''سیم زدہ'' مکمل ناول سحر ساجد ویسے کیا رائٹرز زہرہ جیسی شوخ ہوتی ہے یا پھر لکھاری کا سنجیدہ ہونا ضروری ہوتا ہے؟ ناولٹ ''مہرباں ہوا'' ابھی پڑھا نہیں اس پر تبصرہ محفوظ ہے۔ مستقل سلسلے زبردست رہے۔

ج: پیاری فضہ! کرن کی پسندیدگی کا شکریہ فضہ جی رائٹر میں شوخی اور سنجیدگی دونوں خوبیاں ہوسکتی ہیں۔

فائزہ بھٹی ...... پتوکی

جنوری کا شمارہ 15 تاریخ کو ملا سرورق اچھا لگا۔ حمد ونعت سے ہوتے ہوئے ابن انشا تک آ گئے۔ اللہ پاک ان کو اعلا درجات سے نوازے۔ (آمین)

منال خان اور گوہر رشید سے ہم لوگوں کی صرف دیکھنے کی حد تک آشنائی ہے۔ ''مقابل ہے آئینہ'' یاسمین اقبال سلامت رہیں۔ ''من مورکھ کی بات'' حور یہ کیا کہوں ...... کتنی مجبور کردی گئی ہو لیکن اس بات کی خوشی ہے کہ مشکل میں پکارا صحیح بندے کو ہے۔ ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' حمزہ مٹی ڈالو ایسی جاب پر جس میں عزت گروی رکھنی پڑے۔ خزینہ، تیمور غزنی ہمیں بھی پسند ہے مگر کسی مشکل میں مت پھنس جانا...... تم بھی عزیز ہو ہمیں۔

''مہجورنشیمن'' اس قسط میں جس قدر تیزی سے واقعات رونما ہوئے اس کو دیکھ کر تو لگا آخری صفحے پر ''ختم شد'' پڑھنے کو ملے گا۔ لیکن نہیں مصباح ابھی کچھ اور بھی سوچے بیٹھی ہیں۔ اب بات کروں گی اس شمارے کی جان کی۔ ''سیم زدہ'' سحر ساجد دل خوش کردیا آپ نے ...... سحر ساجد کا ناول آیا اور ساری کوفت بہا لے گیا۔ ''عشق ہے ام الکتاب'' نگہت سیما میں نے ایک بار پہلے بھی کہا تھا آپ کمال کرتی ہیں۔ آج پھر کہتی ہوں۔ آپ واقعی میں باکمال ہیں۔ اپنے خط کے لیے سارا ڈائجسٹ کھنگال ڈالا مگر خط نہ ملا۔ اب سارے رسالے پر تو تبصرہ ہوگیا۔ جو کہانیاں نہیں پڑیں ان پر معذرت......

مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔ مجھے تین ماہ تک جو کرن ڈائجسٹ ملا ہے...... تینوں بار ہی آپ کا بھیجا گیا لفافہ اوپر سے پھٹا ہوا ہوتا تھا۔ مجھے کھولنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی کیونکہ وہ پہلے سے ہی کھلا ہوا ہوتا تھا۔ ایسے لگتا جیسے کسی نے باقاعدہ لفافہ پھاڑ کر ڈائجسٹ نکال کر پڑھ کر دوبارہ رکھ دیا ہو۔ ڈائجسٹ کی حالت اتنی خراب نہیں ہوئی تھی۔ کیا یہ ڈاک والوں کا کام ہے۔

ج: پیاری فائزہ! پچھلی مرتبہ آپ کا خط تاخیر سے ملا اور یہ ڈاک والوں کی کارستانی ہے کہ آپ کو لفافہ کھلا ہوا ملا۔ آپ اپنے ڈاک خانے سے معلوم کریں گے ایسا کیوں کیا جاتا ہے۔

صائمہ مشتاق ...... بھاگٹانوالہ سرگودھا

سب سے پہلے حمد ونعت پڑھی اس کے بعد ابن انشا کے بارے میں جان کر اچھا لگا اور تمام انٹرویوز اچھے لگے۔ اس کے بعد نگہت عبداللہ کا سلسلے وار ناول ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' نگہت جی اس دفعہ بھی یہ قسط جاندار رہی میرے خیال میں تیمور غزنی اور خزینہ کی شادی ہوجائے گی۔ آگے دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد میرا فیورٹ ناول ''من مورکھ کی بات نہ مانو'' آسیہ مرزا جی آپ کا یہ ناول ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہے گا پلیز بابر کو کچھ نہ ہو اور پپی پپی ناول کا اینڈ ہونا چاہیے۔ آپ سے ساتھ تو چھوٹ رہا ہے لیکن آپ جلدی سے نیا ناول لے کر آئیے گا پلیز۔

سحر ساجد کا مکمل ناول ''سیم زدہ'' بیسٹ ناول تھا بہت پسند آیا اسٹوری بھی اچھی لگی۔ عنبرین ولی کا ناولٹ ''مہرباں ہوا'' بہت اچھا لگا ہے پلیز منتہیٰ کو کچھ نہ ہو اور پلیز عبدالباری کو منتہیٰ سے ضرور ملانا اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار رہے گا ماہ وش طالب کا ''امید سحر'' سبق آموز کہانی تھی اچھی لگی۔

ج: پیاری صائمہ! آپ کا شمار تو ہماری مستقل قارئین میں ہوتا ہے۔ کرن کی پسندیدگی کا شکریہ۔

الفت زہرہ، اقصیٰ، ماہ نور ہراج...... تلمبہ

اس ماہ کرن 10 کو مل گیا۔ دونوں ماڈلز ہی بہت پیاری تھیں۔ اس کے بعد منال خان سے ملاقات کی۔ اس کے بعد گوہر رشید کی بات سنی۔ نگہت عبداللہ کا ناول اچھا جا رہا ہے۔ مصباح علی سید کا ناول بہت ہیوی ہے۔ پورا مہینہ ویٹ ویٹ کر کر کے برا حال ہوتا ہے۔ اذلان کو کیوں مار ڈالا؟ اس کے بعد ''من مورکھ کی بات نا مانو'' حوریہ نے بابر کو پکارا اور بابر...... آسیہ جی! بابر کو کچھ نہیں کرنا پلیز۔ حوریہ فٹافٹ ہاسپٹل پہنچ کر بابر سے اظہار محبت کر دو۔ ٹھیک ہے ناں...... سحر ساجد کا ناول بیسٹ تھا۔ نگہت سیما کا ناولٹ اچھا تھا۔ عنبرین ولی کا ناولٹ شاندار۔ صدف آصف، نفیسہ سعید، جہانہ آفتاب کے ناولٹ اچھے تھے۔ افسانے لاجواب تھے۔ کرن کتاب بہت ہی پسند ہے اس کے سلسلے اچھے ہیں۔ امبر ارشد سے ملاقات اچھی رہی۔ عندلیب زہرا کے جوابات اچھے لگے۔

ج: پیاری بہنوں! کرن کی پسندیدگی کا شکریہ۔ کہانیوں کی پسندیدگی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار بھی کریں صرف ''ٹھیک'' اور ''اچھا'' سے کام نہیں چلے گا۔

سحری...... نامعلوم

مجھے کرن پڑھتے ہوئے زیادہ نہیں صرف تین چار سال ہوئے ہیں اس دوران بہت دفعہ کوشش کی کہ خط لکھوں لیکن کبھی نہ شائع ہونے کا ڈر۔ اتنے زبردست سے خطوط میں میرا خط کیسا لگے گا؟ لیکن اس ماہ کے شمارے نے مجبور کر دیا حسین ٹائٹل سے سجا کرن 12 کو ملا۔ ٹائٹل میں دونوں ماڈلز بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا اور انشاء جی کے لیے دعائے مغفرت کی بیاد انشاء قرۃ العین نے بہت پیارا لکھا۔ انٹرویوز سارے ہی اچھے لگے۔ سلسلہ وار ناول میں نگہت عبداللہ کمال کا لکھ رہی ہیں لیکن ایک شکایت ہے کہ صفحات کم ہیں ناول کے یہ قسط بھی لاجواب رہی۔ آسیہ مرزا کے ناول کی قسط بھی زبردست تھی۔ مکمل ناول ''مہجور نشیمن'' بھی مصباح لاجواب لکھ رہی ہیں لیکن ان سے ایک درخواست ہے کہ زیادہ طویل نہ کرے ورنہ دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ ''سیم زدہ'' سحر ساجد کی تحریر بس ٹھیک تھی۔ ناولٹ تو اس دفعہ خوش کر گئے اور خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا جب اپنی فیورٹ رائٹرز کا نام دیکھا، نگہت سیما، نفیسہ سعید اور ریحانہ آفتاب مجھے آپ تینوں کی تحریروں سے عشق ہے۔ ''مہرباں ہوا'' بھی اچھی تحریر تھی اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ جبکہ صدف آصف نے بھی اچھا لکھا ''فراق'' عمدہ تحریر تھی۔

افسانوں میں چاروں ایک سے بڑھ کر تھے پلیز نازیہ کنول نازی سے بھی کرن کے لیے کچھ لکھوائیں۔ مستقل سلسلے سارے سلسلے اچھے ہیں۔ اور اگر اجازت ہو تو ہر ماہ آپ کو تنگ کرنے آ سکتی ہوں؟ اور پلیز ایک بات بتا دیں کیا فائزہ افتخار کی تحریر ''شاید'' پر ڈرامہ بن رہا ہے؟

ج: پیاری سحری! کرن کی محفل ''نامے میرے نام'' میں خوش آمدید یہ آپ بہنوں کی محفل ہے بغیر ڈر خوف کے ہر ماہ شریک ہو سکتی ہیں۔ آپ خوشی کے مارے رائٹر کا نام صحیح نہیں دیکھ پائیں ریحانہ آفتاب نہیں جہانہ آفتاب کا ناولٹ ہے فائزہ افتخار کی تحریر ''شاید'' پر ڈرامہ بن چکا ہے اور آج کل آ بھی رہا ہے۔ آئندہ اپنی جگہ کا نام بھی تحریر کیجیے گا۔

سدرہ...... فاروق آباد

کرن نے سال کی شروعات اتنے شان دار طریقے سے کی دل باغ باغ ہو گیا۔ تمام کی تمام میری ہارٹ فیورٹ رائٹرز اور سب کی ایک سے بڑھ کر ایک کہانی۔ سب سے پہلے تو مشکل ہو گیا کہاں چھلانگ لگاؤں اور کس کو ٹاپ جاؤں لیکن پھر وہی ''مہجور نشیمن'' نے زبردستی ہاتھ کھینچ لیا جس کی اہم وجہ مصباح علی سید کا انداز ہے۔ ایسا جکڑ رکھا ہے بندہ نکل نہ پائے۔ نگہت سیما نے جب جب لکھا اپنا مقام الگ ہی بنا لیا۔ واہ بہت خوب۔

''من مورکھ'' بس جی کیا کہوں آسیہ جی ناراض نہ ہونا اب تو چوس چوس کر آم کا چھلکا بھی ختم ہو گیا۔ ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' ہر دوسرے گھر کی کہانی۔ مستقل سلسلے مجھے کچھ خاص پسند نہیں۔ لیکن محنت کو تو سراہنا چاہیے اس لیے پڑھتی ضرور ہوں۔

ج: پیاری سدرہ! کرن کی پسندیدگی کا شکریہ۔ مستقل سلسلوں میں آپ بہنوں کی ہی بھیجی گئیں تحاریر لگائی جاتی ہیں۔ خیر پسند اپنی اپنی ہوتی ہے۔

ثمینہ شفیق...... کھارو

پچھلے دو تین مہینوں سے کرن کا صحیح مطالعہ نہ کر سکی جس کی وجہ کچھ گھریلو پریشانیاں اور کچھ اپنی صحت نے

اجازت نہ دی۔ دل چاہا کہ اس دفعہ کرن کا تھوڑا ابہت مطالعہ کیا جائے تاکہ کچھ ذہنی سکون مل جائے لیکن یہ کیا رائٹرز نے مل کر شاید سارے کرداروں کو مارنے کا تہیہ کر رکھا ہے خدارا ٹینشن دینے کے لیے باہر کی دنیا ہی کافی ہے آپ تو ایسا نہ کیا کریں ہم ڈائجسٹ اٹھاتے ہیں ذہنی سکون کے لیے کوئی ایک آدھ کردار مر جائے تو اور بات لیکن ہر قسط میں کسی نہ کسی کردار کو مار دینا قارئین کے صبر کو آزمانا ہے ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' احمد علی کے بعد اب حیدر علی کا کردار بھی ختم ابھی تو تیسری قسط ہے ناول کی ''مجبور نشیمن'' از میر اور مریم کے بعد۔ شہروز کمال اور اب اذلان کا کردار بھی۔ اب بات ہو جائے میرے سب سے پسندیدہ ناول ''من مورکھ کی بات نہ مانو۔'' جسے میں دل سے پڑھتی ہوں آپ نے تو یکدم کہانی کا رخ ہی بدل دیا۔ پہلے حازم پھر عباد گیلانی اور اب بابر۔ آپ نے تو گیلانی ہاؤس ہی ویران کر دیا خدارا اب بابر کو مت ماریئے گا۔

ج: پیاری ثمینہ! اپنی گھریلو پریشانیوں اور بیماری کے باوجود آپ نے کرن کے لیے وقت نکالا شکریہ۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کی پریشانیاں دور فرمائے اور آپ کو صحت و تندرستی عطا کرے آمین۔

کنول شاہین قیصر.....تلہ گنگ

ایک طویل ترین عرصے کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ سے بہت ہی پیار سے ''کرن'' کے اس بہت ہی پیارے سے سلسلے ''نامے میرے نام'' میں حاضر خدمت ہوں۔ غیر حاضری کا عرصہ گو کہ بہت ہی طویل ترین یعنی کہ نو سال رہا۔ مگر کرن سے پڑھنے کا تعلق کبھی نہیں ٹوٹا۔

ٹائیٹل پر دو بہت ہی کیوٹ اور حسین و جمیل ماڈلز اپنے حسن کا جلوہ بکھیرتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے ہیئر اسٹائل سے لے کر میک اپ اور میک اپ سے لے کر مہندی اور جیولری سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''حمد باری تعالیٰ'' اور ''نعت رسول مقبول'' بہت ہی پیاری و پرنور سی تھیں۔ ''بیاد انشاء جی'' پڑھ کر انشاء جی کے بارے میں بہت سی معلومات ملیں۔

''نیا سال نئی امیدیں'' میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگا کہ وہ لوگ نیا سال کیسے سلیبریٹ کرتے ہیں۔ کیوٹ سی ایکٹریس ''منال خان'' سے ملاقات بہت اچھی لگی۔

''میری بھی سنیئے'' میں میرے فیورٹ گوہر رشید کے جوابات بہت پسند آئے۔ ''مقابل ہے آئینہ'' ماشاء اللہ سے ''کرن'' کا بہت ہی منفرد سا سلسلہ ہے کہ جس میں قاری بہنوں کے منفرد انداز میں دیے گئے جوابات دل کو بہت ہی بھاتے ہیں۔ اس دفعہ یاسمین اقبال صاحبہ کے جوابات پسند آئے۔ میں نے بھی اس سلسلے میں لکھ کر بھجوایا ہوا ہے۔ پلیز مجھے بھی جگہ دیجیے گا اس سلسلے میں۔

اب بات ہو جائے کہانیوں کی۔ مکمل ناولز میں سب سے پہلے سحر ساجد کا ''سیم زدہ'' پڑھا۔ واؤ! اوور آل ناول بہت اچھا تھا۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ کیپ اٹ اپ سحر ساجد صاحبہ۔

اللہ جی! ناولٹ میں اپنی بہت ہی پسندیدہ ترین رائٹر ''محترمہ نگہت سیما صاحبہ'' کا ''عشق ہے ام الکتاب'' دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ نگہت سیما کا انداز تحریر بہت ہی پیارا اور منفرد سا ہے۔

باقی ناولٹ میں ''صدف آصف'' کا ''فراق'' پسند آیا۔ عنبرین ولی کا ''مہرباں ہوا'' اور جہانہ آفتاب'' کا ''پیام صبح نو'' بھی بہت اچھے لگے۔ افسانوں میں سیما بنت عاصم صاحبہ کا ''تیر نشانہ'' پسند آیا۔ نزہت جبیں ضیاء کا ''لو ہم نے ہار مانی'' بھی بہت اچھا تھا۔

مستقل سلسلوں میں ہر ایک سلسلے میں سویٹ سے ''کرن'' نے سویٹ سی کنول شاہین کو کھلے دل سے جگہ دے کر آبدیدہ کر ڈالا۔ ''تھینکس اے لاٹ کرن۔''

اور ''کرن کتاب'' ''کرن کا دسترخوان'' بہت ہی زیادہ معلوماتی تھی کہ جس میں بریسٹ کینسر کے متعلق معلومات ملیں۔ کھانا پکانے کی تراکیب بھی مزے کی تھیں اور ''امبر ارشد'' سے ملاقات بھی بہت اچھی لگی۔

اللہ کریم۔ کرن کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ (آمین ثم آمین) اس امید کے ساتھ اللہ حافظ کہ مجھے بھی ''نامے میرے نام'' میں جگہ ملے گی ان شاء اللہ۔

ج: پیاری شاہین! آپ نو سال بعد کرن کی محفل میں واپس آئی ہیں خوش آمدید۔ آپ ہر ماہ ''نامے میرے نام'' میں شامل ہو سکتی ہیں ''مقابل ہے آئینہ'' میں آپ کو بھی ضرور جگہ دی جائے گی۔ ہمیں بہت اچھا لگا کہ نو سال آپ غیر حاضر تو ہوئیں مگر کرن مسلسل پڑھتی رہیں۔

شکریہ۔

صفیہ سلیم ...... ڈھوک سانول

میں نے کبھی رسالوں میں خط و کتابت نہیں کی اس کی وجہ زندگی کے جھمیلے ہی رہے۔ بس دل ہی دل میں خود سے تبصرہ کر لیا۔ دسمبر 2015ء سے کرن نے ایک دم پلٹا کھایا اور کمال ہی کر دیا۔ نگہت سیما کا ''دست مسیحا'' جب آیا تو پہلی بار کرن خریدا، تنزیلہ کے ''راپنزل'' نے توجہ کھینچ لی۔ اب وہی توجہ مصباح علی سید کے ''مہجور نشیمن'' نے اپنی طرف مبذول کروائی۔

لکھنے میں کیا روانی ہے کس خوب صورتی کے ساتھ سین کے ساتھ سین بدلتی ہیں۔ اس کے بعد کیا کرن میں اتنی پیاری تحریر آئے گی۔ اب کی دفعہ سارا رسالہ معمول سے ہٹ کر تھا واقعی سال کا اچھا تحفہ سحر ساجد نے کیا ناول لکھا بہت ہی اچھی کہانی لگی۔ پڑھ کر مزا آ گیا۔ ناولٹ میں صدف آصف کا ''فراق'' نفیسہ سعید کا ''کلثوم زمانی بیگم'' اچھے ناولٹ تھے۔ جہانہ آفتاب معذرت کے ساتھ تحریر میں کچا پن تھا۔ مستقل سلسلے اور کرن کتاب آپ لوگوں کی بے پناہ محنت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان شاء اللہ دوبارہ بھی لکھوں گی۔

ج: پیاری صفیہ! تبصرہ کرنے کا شکریہ ضرور آپ دوبارہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کیجیے گا۔

انوش ابصار ...... قائد اعظم یونی ورسٹی

واہ اب کی دفعہ تو مزا آ گیا میں نے پچھلے خط میں ہی صدف آصف کو یاد کیا اور اس ماہ ان کی تحریر۔ ناولٹ ''فراق'' سارے نمبر لے گیا۔ واہ جی واہ پلیز صدف آصف اب چھپ مت جایئے گا۔

''فراق'' کے بعد ''مہجور نشیمن'' اور افففف ...... مصباح نے تو اسپیچ لیس کر دیا' ویلڈن۔ نگہت سیما کا ناولٹ ''عشق ہے ام الکتاب'' بہت زبردست سحر ساجد کا ''سیم زدہ'' جب پڑھنا شروع کیا پہلے تو ایسا لگا جیسے کوئی مسٹری سیریز ہو مگر پھر کہانی کھلتی گئی تو پڑھ کر لطف آیا۔ افسانے سارے اچھے تھے مگر ماہ وش طالب کا ''امید سحر'' اور سیما بنت عاصم کا ''تیر نشانہ'' واہ واہ کیا صحیح نشانے پر لگا۔

''نیا سال نئی امیدیں'' بہت خوب ''مقابل ہے آئینہ'' یاسمین اقبال کے جواب زبردست۔

ج: پیاری انوش! آپ تو کرن کی مستقل قاری بن گئی ہیں ہر ماہ آپ کا تبصرہ کرنا اچھا لگتا ہے۔

فوزیہ ثمر بٹ ہانیہ عمران آمنہ رئیس ...... گجرات

سال نو کا کرن اس بار کچھ لیٹ ہی ملا۔ پہلی نگاہ میں مسکراتی حسینوں نے دل جیت لیا۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت دل و ذہن پر نور کرتی ہیں۔ ابن انشا جیسے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ''نیا سال نئی امیدیں'' ہر ایک نے اپنی اپنی خواہشات کا اظہار کیا۔ انٹرویو میں منال خاں سے ملاقات اچھی رہی۔ ''میری بھی سنیے'' میں گوہر رشید چھائے رہیں۔ ''مقابل ہے آئینہ'' میں یاسمین اقبال نے دل جیت لیا لگتا ہے ماشاء اللہ سے ہر جواب پرفیکٹ اور کامیڈی تھا۔ پہلے ''من مورکھ'' کو پڑھا۔ پلیز رائٹر جی کیا چل رہا ہے آپ کے ذہن میں ابھی تو حوریہ کا من مائل ہوا تھا بابر کی جانب اور آپ نے یہ کیا کر دیا پلیز بابر کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ ''مہجور نشیمن'' مصباح از بیسٹ آخر تک بے خبری میں رکھا۔ کہ یہ سارا رولا سلویٰ بی بی نے ڈالا ہوا ہے۔ سلویٰ کے حسد نے کتنے دل برباد کر دیے۔

''سیم زدہ'' یہ ناول بھی اچھا لگا پر تھوڑا سا۔ عام سی اسٹوری تھی جسے بہت خاص بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

ناولٹ میں ''کلثوم زمانی بیگم'' اچھا لگا کہ ہمیشہ وقت ایک سا نہیں رہتا۔ نگہت سیما کا ''عشق ام الکتاب'' بس ٹھیک ہی لگا۔ عشق انسان کو قلندر بو علی کرتا ہے مجھے تو بس یہی سمجھ آئی ہے اس تحریر کی ...... باقی کے تین ناولٹ ابھی پڑھے نہیں۔ افسانے سب پڑھ لیے افسانہ ''تیر نشانہ'' خوب مزے کا تھا۔ ''نیلم'' بس سو سو ہی لگا۔ ''لو ہم نے ہار مانی'' ''اپنا وطن تو پھر اپنا ہی ہے ناں'' ایک ناولٹ ''مہرباں ہوا'' اور نگہت عبداللہ کا ناول ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' ابھی پڑھا نہیں اور مستقل سلسلے بھی اچھے تھے۔

کنول شاہین کی آمد اچھی لگی۔ ''نامے میرے نام'' شکر ہے آپ نے میرا خط شامل کیا ورنہ مجھے پکی امید تھی کہ اس ماہ خط ردی کی ٹوکری میں جائے گا کیونکہ میں زیادہ ہی بول جاتی ہوں اور یہ کہ کتاب کرن اب زیادہ اچھی ہو گئی ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ کرن ڈائجسٹ میں آپ لکھ دیا کریں کہ کون اس ماہ کچن کی مہمان ہے اور کن کن کے پیغام شامل ہیں۔

ج: پیاری فوزیہ! آپ بغیر ڈر خوف کے اپنا تبصرہ کیا کریں کیونکہ ہمارے پاس ردی کی ٹوکری نام کی کوئی

چیز نہیں ہے۔ فوزیہ! ہر ماہ کرن ڈائجسٹ میں باکس لگتا ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ ''کچن اور آپ'' میں اس دفعہ کون ہیں۔ ہاں کس کس کے پیغامات شامل کیے گئے ہیں ان کے نام دینا مشکل ہیں۔ وہ آپ کرن کتاب میں ہی پڑھا کریں۔

ارم بشیر......اسلام آباد

میں اس بار دو تین مہینوں کے بعد شرکت کر رہی ہوں دراصل میری بہن کی دسمبر میں شادی تھی۔

اس ماہ کا ٹائٹل اچھا تھا سب سے پہلے پیارا انشاء جی پڑھا جائے میں بیان نہیں کر سکتی کہ میں ان کی کتنی بڑی فین ہوں۔ ''مہجور نشیمن'' اور ''من مورکھ'' کی میں ابھی بات نہیں کر سکتی کیوں کہ دو اقساط دونوں کی مس ہوگئی ہیں۔ نگہت عبداللہ جی ویلکم بیک آپ کا نام دیکھ کر دل خوشی سے بھر گیا ہے ''کلثوم زمانی بیگم'' آ......اس کے بارے میں کیا کہوں اس طرح کے پلاٹ پر پہلے بھی کہانیاں پڑھ چکے ہیں بس اچھی تھی ''سیم زدہ'' یہ بھی پلاٹ پرانا تھا لیکن پھر بھی چلو برا نہیں لگا پڑھ کے۔ ''امید سحر'' اچھی تھی ماریا یاسر کی ''نیلم'' بہت اچھی لگی ہمیں، بھئی ماریا یاسر ویری گڈ! جہانہ آفتاب کی ''پیام صبح نو'' بھی بس اچھی تھی کامن لو اسٹوری دد ہیپی اینڈ خیر۔ عنبرین ولی کا ''مہرباں ہوا'' ابھی تک تو اچھا ہی لگ رہا ہے ناولٹ، اس ماہ کی سب سے زبردست اسٹوری ''تیر نشانہ'' بھئی واہ زبردست مزا آ گیا پڑھ کر سیما بنت عاصم بہت بہت اچھا لکھا آپ نے۔ نگہت سیما کا ''عشق ہے ام الکتاب'' بھی ٹھیک تھا۔ باقی مستقل سلسلے بھی اچھے تھے۔

ج: پیاری ارم! ہماری طرف سے بھی بہن کی شادی کی مبارک باد قبول کریں۔ آپ کے تبصرے میں مزا نہیں آیا کیونکہ ہر کہانی پر آپ کی رائے بس اچھی لگی، بس ٹھیک تھی۔

ثناء شہزاد......کراچی

مجھے کرن منگوانے کے لیے بہت پریشانی اٹھانی پڑتی تھی اب جب سے پاپا نے اخبار والے انکل سے کہا وہ گھر پر دے جاتے ہیں۔ سرورق اچھا لگا۔ ''نیا سال نئی امیدیں'' شاہین رشید کے سروے میں سب کے جواب پسند آئے۔ ''ابن انشا ایک عہد'' قراۃ العین خرم نے بہت اچھا لکھا۔ اس بار انٹرویوز کو بعد کے لیے چھوڑا۔ سب سے پہلے ''من مورکھ کی بات نہ مانو'' پر حاضری دی مجھے کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ فضا کا دل اس لیے بے چین تھا۔ نگہت عبداللہ کا ابھی تو اچھا چل رہا ہے۔ ''مہجور نشیمن'' نے ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنا لیا سچی بات کہوں مصباح جی ہاتھ ذرا ہولا رکھیں ہم تو دیوانے ہو گئے ہیں آپ کے۔ سحر ساجد کا مکمل ناول اچھا لگا ناولٹ اس دفعہ سارے لاجواب تھے۔ ''مہرباں ہوا'' پر تبصرہ مکمل ہونے کے بعد کروں گی۔ ''عشق ہے ام الکتاب'' واہ خوب جیسا نام ویسی اسٹوری۔ نگہت سیما۔ ویلڈن صدف آصف لکھیں اور اچھا نہ لکھیں ایسا بھلا ہو سکتا ہے۔ حنا نے بہت اچھے سے بدلہ لیا۔ نفیسہ سعید اور جہانہ آفتاب کا بھی بہت بہت اچھا لگا۔ افسانے چار تھے اور چاروں ہی بہت اچھے تھے۔ کرن کتاب میں پیغام دینے والا سلسلہ بہت اچھا شروع کیا۔

ج: پیاری ثناء! شکر ہے کہ آپ کی پریشانی ختم ہوئی اور اب گھر بیٹھے کرن مل جائے گا۔ تبصرہ کرنے کا شکریہ۔

ارم شہزاد......لاہور

من پسند کرن میں سیکنڈ ٹائم شامل ہونے لگی ہوں......کرن کے سرورق پر نگاہ ٹھہری اور دو بہت پیاری ماڈل دل کو چھو گئیں۔ اس بار کرن کتاب بھی بہت اچھی لگی۔ پہلے وہ پڑھی پھر اپنے فیورٹ ناول ''من مورکھ کی بات نہ مانو'' پڑھا اور اینڈ پر یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ نیکسٹ قسط لاسٹ ہوگی۔ بہت اچھا کیا آسیہ جی نے جو بے جا طوالت سے بچا لیا۔ بہت بہت مبارک ہو اتنے اچھے ناول پر صدف آصف کا ناولٹ پڑھا لڑکے لڑکیوں کے لیے بہترین تحریر تھی۔ نفیسہ سعید کا ''کلثوم زمانی بیگم'' ناولٹ بھی اچھا تھا ''سیم زدہ'' سحر ساجد کا زبردست ناول رہا۔ مردوں کی نام نہاد محبت کے لیے بہترین ناول ہے۔ پرشکر بخش نے ہمت عقل دکھا کر محبت پا لی۔ نگہت سیما نے ''عشق ہے ام الکتاب'' بہت خوب لکھا۔ جہانہ آفتاب کی ''پیام صبح نو'' ٹاپک تو پرانا تھا پر طرز تحریر نے کہانی کو بہتر کر دیا۔

ج: پیاری ارم! آپ سیکنڈ ٹائم کیا ہر ماہ شامل ہوں کرن کی محفل میں، ہمیں خوشی ہوگی۔

☆☆